SEPTEMBER 2008

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

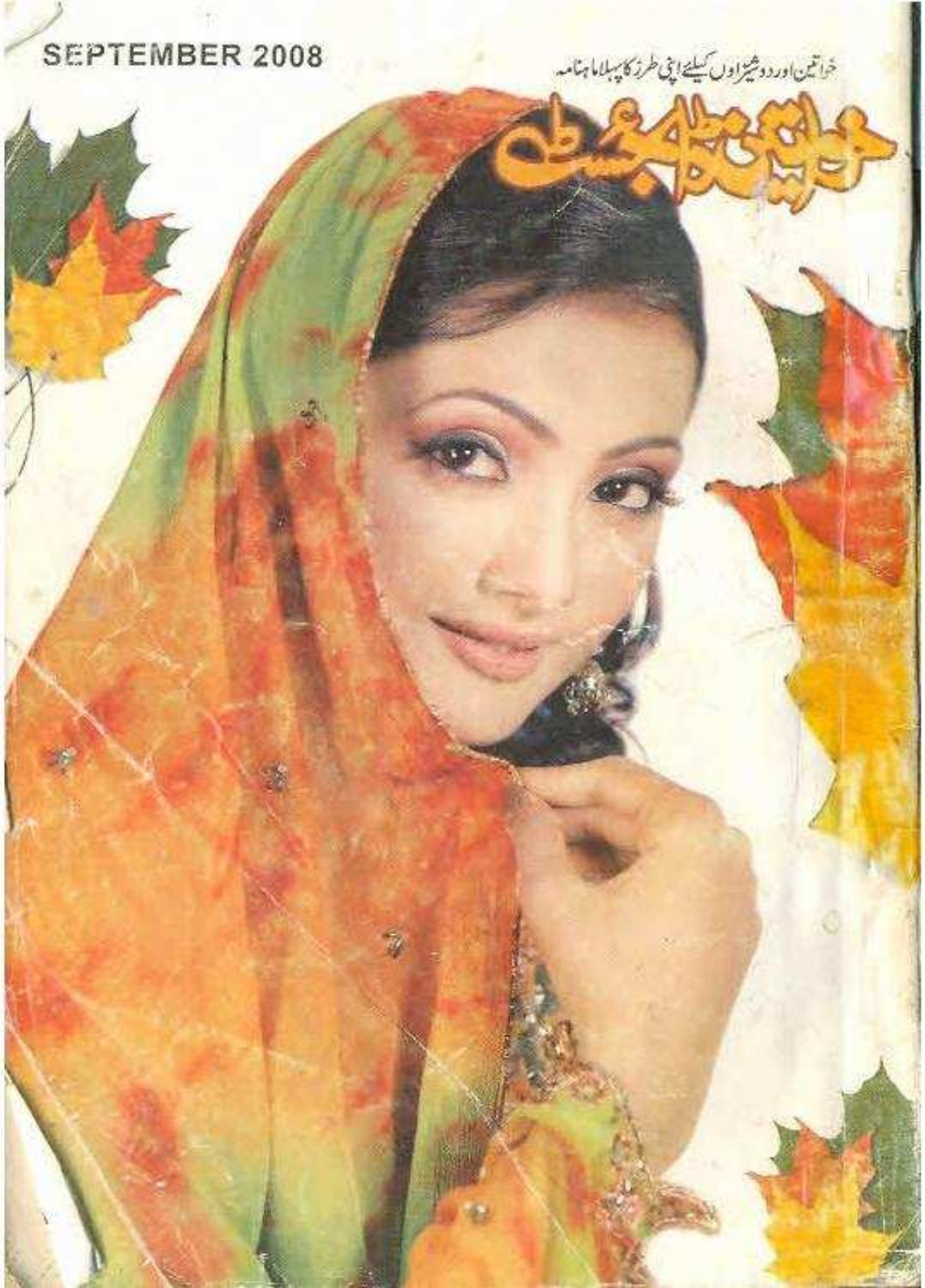

Downloaded and PDF created by
imarshad@gmail.com

کہنی سنی — مدیر 14
کرن کرن روشنی — ادارہ 15
ہمارے نام — نادرہ خاتون 296

سارے فرائض — انشا جی 20

میری ڈائری سے — امت الصبور 306

باتیں فواد خان سے — شاہین رشید 22

ناصر محمود خان — غزل قمر 27
ناہید شبیر سے ملاقات — شاہین رشید 32
خامشی کو بیاں ملے — ادارہ 303

تیری گلیاں — فائزہ افتخار 36
محبت خواب سفر — رخسانہ نگار 170

متاع جان ہے تو — فرحت اشتیاق 204
زندگی اک سفر — راشدہ رفعت 120

پیمانے — رخسانہ نگار 96
راستوں کو چلنا ہے — سمیعہ صدف 68
کسی راستے کی تلاش میں — میمونہ خورشید 244

فن کار — بشریٰ رحمٰن 62
دیپک کی جوت — غزالہ نگار 92
محبت نارسائی — صبا نور 196
روایت — انیسہ سلیم 270

غزل — احمد فراز 276
غزل — سلمان صدیقی 276
نظم — گلزار 277
غزل — احمد فراز 277

ایک رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ حیاء 278
روشن حرف — زینب چودھری 310
خبریں وبریں — غزل قمر 312
کلیاں شگوفے — فاطمہ شاتی 308
باتیں کتابوں کی — سائرہ غلام نبی 312

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی 284

رمضان کے پکوان — خالدہ جیلانی 291
آپ کا باورچی خانہ — مسرت حسن 288

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان 318

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور 320

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ---- 500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 3500 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 4500 روپے

ستمبر 2008
جلد 36 شمارہ 5

ماہنامہ کرن، ادارہ کرن، ادارہ کرن، ادارہ کرن کے تحت شائع ہونے والے رسائل ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے

مدیر

کرن کرن روشنی

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں انسان سب سے اعلا اور افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی محبت سے تخلیق کیا ہے۔ وہ انسان کو بہترین شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لیے عبادات کا پورا نظام قائم کیا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے اسی تربیتی نظام کا حصہ ہیں جو ہمارے اخلاق اور کردار کو سنوارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیے ہیں۔

یہ برکتوں، رحمتوں والا مہینہ ہمارے معمولاتِ زندگی کو یکسر تبدیل کر دیتا ہے۔ کھانے پینے، سونے جاگنے، کام کرنے کے اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ عبادات بڑھ جاتی ہیں لیکن تبدیلی صرف ظاہری سطح پر نہیں باطنی بھی ہونا چاہیے کہ یہ تربیت اسی وقت کامل ہو سکتی ہے۔ روزے کا مقصد قلب کی صفائی بھی ہے۔ غیبت، دل آزاری، جھگڑا، حسد، نفرت کینہ، جھوٹ، مکر و فریب سے کنارہ کشی کر کے ہی روزے کی تکمیل ہوتی ہے۔

مکر و فریب، جھوٹ سے عارضی کامیابی ہو سکتی ہے لیکن دائمی کامیابی کی ضامن اعلا اور مثبت اقدار ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں جہاں میں دائمی کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔

www.pkdigest.com

عید نمبر

خواتین ڈائجسٹ کا اکتوبر کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ عید نمبر کے لیے ایک خوشخبری آپ کو سناتے چلیں کہ اس میں دیگر مصنفین کی تحریروں کے ساتھ آپ کی پسندیدہ مصنفہ راحت جبیں کا مکمل ناول بھی شامل ہوگا۔

اس کے علاوہ عید نمبر میں عید کے اشعار، عید کے پکوان، مہندی کے ڈیزائن اور عید کا خصوصی سروے بھی شامل ہوگا۔

اس شمارے میں

- آپ سب کی پُرزور فرمائش پر اس ماہ بہن فرحت اشتیاق کا ناول "متاعِ جاں ہے تو" پیش کر رہے ہیں۔
- راشدہ رفعت نے بھی بہت عرصے بعد ایک طویل مکمل ناول آپ کے لیے لکھا ہے۔
- میمونہ خورشید علی، رخسانہ نگار عدنان اور سمیعہ صدف کے ناولٹ۔
- رخسانہ نگار عدنان اور فائزہ افتخار کے ناول۔
- بشریٰ رحمٰن، انیسہ سلیم، غزالہ نگار اور صبا نور کے افسانے۔
- ایف ایم کے مشہور پریزنٹر ناصر محمود خان سے دلچسپ بات چیت۔
- مشہور ٹی وی فنکارہ ناہید شبیر سے ملاقات۔
- کرن کرن روشنی، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور عدنان کے مشورے اور دیگر دلچسپیاں شامل ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ پڑھنے کے بعد اپنی رائے ضرور لکھیے۔ ہم آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

ماہِ رمضان کی فضیلت

1641 حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (بخاری)

فائدہ: اس سے مراد وہ صغیرہ گناہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک انہیں ادا نہ کر دیا جائے، الا یہ کہ صاحب حق معاف کر دے۔

1642 حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اور ایک اعلان کرنے والا منادی کرتا ہے۔ اے نیکی کے طلب گار، آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب گار رک جا۔ اور اللہ تعالیٰ جہنم سے (بعض) لوگوں کو آزاد کرتا ہے۔ (رمضان میں) ہر رات اسی طرح ہوتا ہے۔" (ترمذی)

فوائد و مسائل

1۔ ماہ رمضان نیکیوں کا مہینہ ہے، اس مہینے میں اللہ کی طرف سے نیکیوں کے راستے میں حائل بڑی رکاوٹیں دور کر دی جاتی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص نیکیوں سے محروم رہتا ہے یا برائیوں سے اجتناب کر کے اللہ کی رحمت حاصل نہیں کرتا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

2۔ شیطانوں اور سرکش جنوں کے قید ہو جانے کے باوجود ماہ رمضان میں انسانوں سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان گیارہ مہینوں میں گناہوں کا مسلسل ارتکاب کرنے کی وجہ سے ان کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر رمضان میں نفس کی اصلاح کے لیے کوشش بھی نہیں کرتے، یعنی روزے نہیں رکھتے، کثرت سے تلاوت نہیں کرتے، تراویح نہیں پڑھتے، اس لیے ان کے نفس کی تربیت اور اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے وہ گناہوں سے اجتناب نہیں کر سکتے۔

3۔ جنت کے دروازے کھل جانے اور جہنم کے دروازے بند ہو جانے سے حقیقتاً" ان دروازوں کا کھلنا اور بند ہونا بھی مراد ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان معاشرے میں ماہ رمضان کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، اس لیے نیکیوں کی طرف عام رجحان پیدا ہوتا ہے اور مسلمان ہر قسم کی نیکی کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ گویا یہ نیکیاں جنت کے دروازے ہیں اور گناہ جہنم کے دروازے۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں میں آگے بڑھنے اور گناہوں سے باز آنے کا اعلان بھی اس لیے ہے کہ مسلمان نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

5۔ ہر رات بعض لوگوں کی جہنم سے آزادی بھی ماہ رمضان کا خصوصی شرف ہے۔ گناہوں سے توبہ کر کے ہر شخص اس شرف کو حاصل کر سکتا ہے۔

جہنم سے آزادی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ ہر افطار کے وقت کچھ لوگوں کو آزاد فرماتا ہے۔ اور یہ (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔"

فائدہ : جہنم سے آزادی کا یہ شرف خلوص کے ساتھ سنت کے مطابق روزہ رکھ کر اور گناہوں سے توبہ کر کے حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خیر سے محروم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا : رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمہارے پاس یہ مہینہ آگیا ہے' اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینے سے افضل ہے' جو اس رات (کا ثواب حاصل کرنے) سے محروم رہا' وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔ اس کے خیر سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔" (طبرانی)

فوائد و مسائل

1۔ وعظ و نصیحت میں موقع محل کا لحاظ رکھنا چاہیے' علمائے کرام عموماً "خاص خاص ایام میں خاص موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہیں' **مثلاً** "ماہ محرم میں بدعات محرم کی تردید اور ماہ ربیع الاول میں اس ماہ کی بدعات کا رد لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ پورا مہینہ ایک ہی موضوع پر تقریریں کرنا ضروری سمجھ لیا جائے

2۔ اس مہینے کی افضل ترین رات لیلۃ القدر ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی سورۃ القدر میں ہے۔

3۔ شب قدر کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف مسنون ہے' تاہم اگر کوئی شخص اعتکاف نہ کر سکے' تب بھی راتوں کی عبادت' خصوصاً "طاق راتوں کی عبادت میں سستی نہیں کرنا چاہیے۔

4۔ ایک رات عبادت میں گزارنے سے تیس ہزار سے زیادہ راتوں کی عبادت کا ثواب مل رہا ہو' پھر بھی کوئی شخص محض سستی کی وجہ سے یہ ثواب حاصل نہ کر سکے تو یہ واقعی بہت بڑی محرومی ہے۔

5۔ یہ روایت بعض حضرات کے نزدیک حسن صحیح ہے۔

کفارہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس نے بغیر عذر کے رمضان کا ایک بھی روزہ چھوڑ دیا' اس کے بدلے زمانے بھر کے روزے بھی کافی نہیں ہوں گے۔" (ابوداؤد)

بھول کر روزہ کھول دینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس نے روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھالیا' اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے' اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل

1۔ اسلام کے احکام میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بھول جانا انسان کی فطرت ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھول کر کیے ہوئے کام کو گناہوں میں شمار نہیں کیا۔ روزے کے بارے میں مزید رحمت فرمائی کہ کھانے پینے کے باوجود روزے کو قائم قرار دیا۔ اللہ کے کھلانے پلانے کا یہی مطلب ہے۔

2۔ بھول کر کھانے پینے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ گناہ ہو یا نہ ہو' روزہ تو قائم نہیں رہا کیونکہ روزہ تو کھانے پینے سے پرہیز کا نام ہے' اور وہ پرہیز ٹوٹ گیا ہے۔ روزہ دار کو چاہیے کہ روزے کا باقی وقت اسی طرح گزارے جس طرح عام حالات میں روزے کی پابندیوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ اس کا یہ روزہ

شرعاً" صحیح ہوگا' لہٰذا اس کی قضا۔۔۔ لازم نہیں ہوگی' نہ کوئی کفارہ ہوگا۔

غلط فہمی میں روزہ کھولنا

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ابر آلود دن میں ہم نے روزہ کھول دیا (یہ سمجھے کہ سورج غروب ہو چکا ہے) لیکن پھر (بادل ہٹ گئے اور) سورج نکل آیا۔ (بخاری)

(ابو اسامہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں) میں نے ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ سے کہا۔ کیا انہیں (روزے کی) قضا کا حکم دیا گیا تھا؟" انہوں نے کہا۔ یہ تو ضروری تھا۔"

فائدہ : حدیث میں مذکور صورت بھول کر کھانے پینے سے متعلق ہے کیونکہ انہوں نے بھول کر نہیں کھایا پیا بلکہ ارادے سے اپنے خیال میں روزہ کھولا تھا۔ اگرچہ غلط فہمی کی بنا پر وقت سے پہلے کھول دیا تھا۔ اس غلط فہمی کی بنا پر وہ گناہ گار تو نہیں ہوئے لیکن روزہ یقیناً ناقص ہو گیا۔ ایسے روزے کی قضا کی بابت علماء میں اختلاف ہے' تاہم جمہور علماء کے نزدیک ایسی صورت میں افطار کیے ہوئے روزے کی قضا واجب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری ۴/۲۵۵)

قے آجانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس کو خود بخود قے آجائے' اس پر قضا نہیں' اور جو قصداً" قے کرے' اس پر قضا ضروری ہے۔" (ابوداؤد)

روزے میں مسواک کرنا اور سرمہ لگانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "روزے دار کے بہترین اعمال میں سے ایک عمل مسواک بھی ہے۔"

فائدہ : یہ روایت اگرچہ سنداً" ضعیف ہے' تاہم صحیح روایات سے روزے کی حالت میں مسواک کرنا ثابت ہے۔ اس سے روزے میں فرق نہیں آتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ' نے صحیح بخاری میں کتاب الصوم میں ایک باب کا عنوان اس طرح درج کیا ہے (باب سواک الرطب والیابس للصائم) یعنی "روزے دار کا تازہ یا خشک مسواک کرنا۔" اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے' انہوں نے فرمایا : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے اتنی بار دیکھا ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔" (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سرمہ لگایا۔

سفر میں روزہ رکھنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں (کبھی) روزہ رکھا' اور (کبھی) چھوڑ دیا۔ (نسائی)

فائدہ

جس سفر میں نماز قصر کرنا جائز ہے' اس میں مسافر کے لیے روزہ چھوڑنا بھی جائز ہے' خواہ سفر پیدل ہو یا سواری پر اور سواری خواہ گاڑی ہو یا ہوائی جہاز وغیرہ اور خواہ تھکاوٹ لاحق ہوتی ہو جس میں روزہ مشکل ہو یا تھکاوٹ لاحق نہ ہوتی ہو' خواہ سفر میں بھوک پیاس لگتی ہو یا نہ لگتی ہو کیونکہ شریعت نے سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ چھوڑنے کی مطلق اجازت دی ہے' اور اس میں سواری کی نوعیت یا تھکاوٹ اور بھوک پیاس وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : (البقرہ ۲۔۱۸۴) "تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ (رمضان کے علاوہ) دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔" علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کیا جائے جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت و نافرمانی

www.pkdigest.com

کا ارتکاب کیا جائے۔ (مسند احمد : ۲/۱۰۸) البتہ اگر وہ روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور کوئی روزہ رکھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر تکلیف ہو تو پھر روزہ رکھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ چاہے کتنی بھی مشقت ہو' سفر میں روزہ ضرور رکھنا ہے۔ یہ سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا کوئی نیکی نہیں ہے کیونکہ دین میں آسانی ہے' مشقت نہیں ہے' اس لیے شریعت کی عطا کردہ آسانی کو قبول کرنے کے بجائے مشقت ہی کو اختیار کرنا نیکی نہیں ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب شدید مشقت ہو اور روزہ پورا کرنے کی صورت میں بیماری کا خوف ہو۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کا روزہ توڑنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہ صحابی قبیلہ بنو عبد الاشہل کی شاخ و عبد اللہ بن کعب سے ہیں۔ انہوں نے کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھڑ سوار دستے نے ہمارے قبیلے پر حملہ کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھانا کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا :

"آجاؤ کھانا کھالو۔"

میں کہا : "میرا روزہ ہے۔"

فرمایا : "بیٹھ جاؤ! میں تمہیں روزے کی بات بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر کو آدھی نماز معاف کردی ہے' اور مسافر' حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزہ یا روزے معاف کردیے ہیں۔" اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں لفظ فرمائے یا ان میں سے ایک لفظ فرمایا۔ مجھے اپنے آپ پر افسوس ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں شریک نہ ہوا۔

فوائد و مسائل

1۔ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا' اس وقت حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے جب کہ ان کا قبیلہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

2۔ مسافر کو آدھی نماز معاف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جن نمازوں میں چار رکعت فرض ہیں' ان میں دو رکعت فرض نماز ادا کی جائے۔ فجر اور مغرب کی نماز سفر میں بھی پوری پڑھی جاتی ہے۔

3۔ روزے دار کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ اپنے روزے کا اظہار کر سکتا ہے' یہ ریا میں شامل نہیں۔

4۔ مسافر' بچے کو دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لیے رعایت ایک ہی سیاق میں بیان ہوئی ہے' مگر تفصیل میں فرق ہے کہ مسافر کو روزہ معاف ہے' مگر قضا ادا کرنا واجب ہے۔ اور مرضعہ اور حاملہ کی بابت علماء کی چار آرا ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ ان کے لیے فدیہ ہی کافی ہے' بعد میں قضا نہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ان پر قضا ہے نہ فدیہ۔ یہ رائے حافظ ابن حزم کی ہے جو انہوں نے "المحلی" (مسئلہ نمبر ۷۷۰) میں بیان کی ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ فدیہ طعام کے علاوہ بعد میں وہ قضا بھی دیں۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ وہ مریض کے حکم میں ہیں' وہ روزہ چھوڑ دیں' انہیں فدیہ دینے کی ضرورت نہیں اور بعد میں قضا دیں۔ مولانا محمد علی جانباز نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے (انجاز الحاجۃ شرح ابن ماجۃ۔ ۵/۵۲۶)' نیز سعودی علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ (دیکھیے : فتاوی اسلامیہ (اردو)' ۲/۲۰۳' مطبوعہ دار السلام)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ کو' جسے اپنی جان کا خطرہ ہو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے' اور دودھ پلانے والی اس عورت کو بھی (رخصت دی ہے) جسے اپنے بچے کے بارے میں (نقصان پہنچنے کا) خوف ہو۔

روزے دار کے لیے غیبت اور فحش گوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس نے جھوٹ اور بے ہودہ باتوں اور بے ہودہ اعمال سے اجتناب نہ کیا' اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ شخص کھانا پینا ترک کردے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل

1۔ روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" (البقرہ ۲ : ۱۸۳)

2۔ تقویٰ کے حصول کے لیے صرف کھانے پینے سے پرہیز کافی نہیں بلکہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی شعوری کوشش مطلوب ہے۔ روزہ رکھ کر ہم اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے بھی اللہ کے حکم کے مطابق پرہیز کرتے ہیں تو جو کام پہلے بھی ممنوع ہیں' ان سے بچنا زیادہ ضروری ہے تاکہ مومن ان سے پرہیز کا عادی ہو جائے۔

3۔ شریعت اسلامیہ میں روزے کے دوران میں بات چیت کرنا جائز ہے بلکہ چپ کا روزہ شرعاً" منع ہے۔ دیکھیے : (صحیح ال بخاری' الایمان والنذور' باب النذر فیما لا یملک' وفی معصیۃ' حدیث ۶۷۰۴)

4۔ عبادات انسان کے روحانی اور جسمانی فائدے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ ان اعمال پر آخرت میں بھی عظیم انعامات عطا فرماتا ہے۔

اخلاص

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "بعض روزے داروں کو روزے سے بھوک کے سوا کچھ نہیں ملتا اور بعض قیام کرنے والوں کو قیام سے بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"

فوائد و مسائل

1۔ اخلاص کے بغیر نیک اعمال قبول نہیں ہوتے۔

2۔ عبادت میں جس طرح ظاہری ارکان کی پابندی ضروری ہے' اسی طرح باطنی کیفیات اخلاص' اللہ کی محبت' اللہ کا خوف' اللہ سے امید وغیرہ بھی مطلوب ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ظاہری عمل بے فائدہ ہے۔

3۔ اگر کسی موقع پر مطلوبہ باطنی اور قلبی کیفیت موجود نہ ہو تو نیکی کو ترک نہیں کردینا چاہیے کیونکہ اس کا کم از کم یہ فائدہ تو حاصل ہو ہی جائے گا کہ فرض کا تارک شمار نہیں ہوگا اور وہ نیکی مسلسل انجام دینے سے امید کی جاسکتی ہے کہ دل پر تھوڑا بہت اچھا اثر لازماً" ہو جائے گا۔

4۔ عبادات میں ان کے آداب کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

روزہ دار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جب تم میں سے کسی کا دن کا روزہ ہو تو وہ فحش گوئی نہ کرے اور ناروا حرکت نہ کرے' اگر کوئی اس سے بدتمیزی کرے تو کہہ دے۔ میں روزے دار آدمی ہوں۔" (صحیح بخاری)

فوائد و مسائل

1۔ روزے کے فوائد کماحقہ حاصل کرنے کے لیے آداب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

2۔ جہل (ناروا حرکت) سے مراد لڑائی جھگڑے کی بات ہے' یعنی روزے دار کو لڑائی میں پہل بھی نہیں کرنی چاہیے اور اگر کوئی دوسرا شخص ایسی بات کرے یا ایسی حرکت کرے جس سے روزے دار کو غصہ آجائے تب بھی روزے دار کو جواب میں جھگڑنا نہیں چاہیے بلکہ اپنے روزے کا خیال کرتے ہوئے برداشت اور تحمل سے کام لیتے ہوئے جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

www.pkdigest.com

سارے فرائض شہریوں کے ہیں

(نشاط)

روایت ہے کہ ایک فقیر ایک سخی داتا کے دروازے پر گیا اور صدا کی کہ۔

اے حاتم زادے! مار اپنے باوا کی قبر پر لات اور دے اس غریب مسکین کو روپیہ دھیلا۔ فیملی پلاننگ والوں کے کان بہرے 'اللہ تیری آل اولاد میں برکت دے۔"

اس شخص نے جواب دیا۔

"بابا! تو ہٹا کٹا ہے 'محنت مزدوری کیا کر۔ مانگنا کوئی اچھی بات نہیں۔"

ہر چند کہ ہمارا شمار خاندانی فقیروں میں نہیں جن کے چہرے نور اور تندرستی سے لبالب بھرے دیکھ کر دہتوں کا جی چاہتا ہے کہ کشکول لے 'ان کے پیچھے پیچھے چل نکلیں۔ اور دنیا اور عاقبت کا توشہ فراہم کریں۔ نہ ہمیں اہل حسن و ناز کے علاوہ کسی اور کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتے کسی نے دیکھا ہے۔ تاہم ہوا ہمارے ساتھ بھی یہی۔ ہم نے بلدیہ سے اپیل کی تھی کہ ایک راس جمعدار ہمارے محلے میں بھی بھجوایئے کہ کوڑے کے ڈھیر اٹھائے۔ اٹھا ہم خود بھی سکتے تھے بلکہ ایک روز جھاڑو لے کر نکلے بھی تھے لیکن ایک ہمدرد ہمسائے نے روک دیا کہ کمیٹی کے سینٹری انسپکٹر نے دیکھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ کہیں بے عزتی نہ کر دے کہ۔

"تو کون ہوتا ہے صفائی کرنے والا۔ ہمارے تجاوزات ہٹانے والا۔ تیرا ارادہ اس کوڑے کو بطور کھاد بیچنے کا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی سرکاری مال میں خورد برد کی نیت ہے۔ چل کان پکڑ مرغا بن۔"

☼ ☼ ☼

پس ہم کالم لکھ لکھ کر دریا میں ڈالتے رہے۔ آفاق سے آیا ہے نالوں کا جواب آخر۔ صفائی میں تو محنت پڑتی تھی۔ بلدیہ نے کسی پینٹر سے نصیحت اور مشورے کے بورڈ لکھوا کر جا بجا لگوا دیے ہیں۔ "اپنے شہر کو صاف ستھرا رکھیے۔" پہلے یہ مشورہ بدیں الفاظ ہوتا تھا "اپنے شہر کو آئینے کی طرح صاف رکھیے۔" ہماری گلی کی نکڑ پر خلیفہ نبی بخش ہیرڈریسر فٹ پاتھ پر بوریا بچھا کر بیٹھتے ہیں اور آتے جاتے کی حجامت کرتے رہتے ہیں۔ ان کا آئینہ گرد ایام سے آلودہ 'بزرگوں کی نشانی کچھ ایسا ہے کہ جو کوئی دیکھتا ہے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔

ہم نے یہی آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔ ان سے مطلب ہے بلدیہ۔ بہرحال آئینہ خارج ہوا 'اور صرف یہ رہ گیا کہ "اپنے شہر کو صاف رکھیے۔" ہر چند کہ ہم نے صفائی مانگی تھی۔ مشورہ نہیں مانگا تھا۔ لیکن خیر 'بلدیہ نے کچھ دیا تو اور کچھ نہیں تو مشورہ ہی سہی۔

پہلے دن صفائی کا نصیحت نامہ یعنی بورڈ ہمیں لسبیلہ کا پل اترتے ہی گولیمار کے ناکے پر نظر آیا۔ اخبار والے تو شرارت سے باز نہیں آتے اس کا فوٹو چھاپ دیا کہ۔

"اے تجاوزات ہٹانے والو۔ اس کے سرے ایک ایک فٹ سڑک پر نکلے ہوئے ہیں ٹریفک میں رکاوٹ ہوتی ہے۔"

کوئی ان اخبار والوں سے پوچھے کہ تمہارے پاس کون سی کاریں ہیں۔ اے پیدل جوتے چٹخانے والو! کیوں اندیشہ شہر میں دبلے ہوتے ہو۔ بہرحال ٹریفک پولیس والوں نے اگلے ہی روز اس ٹین پاٹ کو اٹھوا دیا۔ ہم بھی ایک طرح سے اپنے شہر کو صاف رکھنے والی اخلاقی ذمہ داری سے آزاد ہو گئے۔ لیکن اگلے روز یہی بورڈ فٹ پاتھ کے بیچوں بیچ گا نظر آیا یعنی بلدیہ والوں نے کہا۔

"لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے۔"

اخبار والے دبک کر رہ گئے کہ اب کے اعتراض کیا تو کہیں یہ بورڈ ہمارے گھروں کے دروازوں کے آر پار نہ لگا دیے جائیں۔ باہر نکلنے کا رستہ ہی نہ رہے۔ آج کل بلدیہ والوں کے بڑے اختیارات ہیں۔ بلکہ اختیارات ہی اختیارات ہیں 'فرائض کچھ نہیں رہے۔ رہتے کہاں سے وہ تو ہاتھوں ہاتھ شہریوں میں تقسیم ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"اپنے شہر کو صاف رکھیے۔" اس کوڑے میں حکمت کے بہت سے دریا بند ہیں اور نکتہ رس طبیعتوں کے لیے عبرت کے بے شمار خزانے۔ لفظ "اپنے" ہی کو لیجیے۔ گویا یہ شہر ہمارا ہو گیا۔ بلدیہ کو اس سے کچھ مطلب نہیں رہا۔

"اے شہریو۔ لو تمہیں سڑکوں پر جھاڑو دینے کی آزادی مل گئی۔ کوئی روکے تو ہم سے شکایت کرنا۔ ہم اپنے کالم میں اس کی خبر لیں گے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری جیب میں بلدیہ کے ٹیکس کی ادائیگی کی رسید ہونی چاہیے جس طرح بس والے صرف اس شخص کو دھکا لگانے کی اجازت دیتے ہیں جس نے ٹکٹ لے رکھا ہو۔

دریں اثنا دیکھو تمہاری پیاری بلدیہ تمہارے لیے کیا کھکھیڑیں اٹھا رہی ہے۔ چند دن پہلے تک سارے شہر کا ٹریفک تمہارے باغیچوں کی وجہ سے رکا ہوا تھا اور سارا پانی بھی تمہارے پودوں میں مرتا تھا۔ اب دیکھو ان کے اجاڑنے کے بعد کیا لہر بہر ہو گئی ہے۔ سارا شہر پانی پانی ہو گیا نا؟ خوب مل مل کر گنگا نہاؤ۔ اپنے گناہ دھوؤ۔ ان میں ایک یہ ہے کہ تم نے کراچی بلدیہ کے علاقے میں مکان لیا۔ ارے اتنا بڑا پاکستان ہے۔ کہیں اور جا کے نہ رہ سکتے تھے۔ یہیں رہنا تھا تو ناظم آباد کے علاوہ بھی تو بہت سے علاقے تھے۔"

☼ ☼ ☼

"اپنے شہر کو صاف رکھیے۔" اس میں لفظ شہر پر بھی زور ہے تاکہ کوئی سطحی نظر والا اسے گاؤں نہ سمجھ لے۔ یہ احتیاط ہمارے نزدیک زائد از ضرورت ہے۔ غلط فہمی کی کوئی گنجائش تو معلوم نہیں ہوتی۔ جنگل ہم نے دیکھے ہیں۔ وہاں سبزہ ہوتا ہے اور تجاوزات میں شمار نہیں ہوتا۔ ٹریفک میں حائل نہیں ہوتا یہاں دھول ہوتی ہے جو شہریوں کی آنکھوں میں جھونکی جاتی ہے۔ گندگی کے ڈھیر ہوتے ہیں۔ ملاوٹ ہوتی ہے۔ مکھیاں ہوتی ہیں جو ہر چند کہ بلدیہ والے سارا سال دفتروں میں بیٹھے مارتے رہتے ہیں۔ پھر بھی شہریوں کی جان کو آتی ہیں۔ دیہات میں بھی مکھی کہاں اڑتے ہیں؟ بلدیہ کہاں ہوتی ہے۔ پانی کی قلت کہاں ہوتی ہے؟ یہ شہر ہے بھائی مقرر شہر ہے۔

☼ ☼ ☼

یہ پانی کا لفظ تو ہمارے قلم سے یونہی ٹپک پڑا۔ ورنہ ہمیں آج کل پانی کی کچھ تکلیف نہیں۔ ویسے اور بھی کوئی تکلیف نہیں۔ کوڑے کا ڈھیر بے شک پارک کے کونے پر اب بھی پڑا ہے لیکن اس سے بو آنی بند ہو گئی ہے کیونکہ ہماری قوت شامہ ترقی کر کے جمعداروں کی سی ہو گئی ہے۔ آب رسانی کے لیے بھی ہم نے کے ڈی اے وغیرہ سے پانی پت کی لڑائیاں لڑنی چھوڑ دیں۔ اقبال کے کلام سے متاثر ہو کر ایک قلندر روٹی کپڑے پر ملازم رکھ لیا ہے۔ اس کی بات سنتے ہیں اور پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

کل تو ہم بالکل ہی شرابور ہو گئے۔ ہوا یہ کہ ایک صاحب نے ہم سے کہا کہ۔

"تم اتنے نامی گرامی ادیب ہو بلکہ پانی کے نلکوں اور کوڑے کے موضوع پر تو ایسی گراں قدر تحریریں سارے اردو ادب میں نہ ہوں گی۔ یقیناً "تمہارے کالم پڑھ کر بلدیہ اور کے ڈی اے کے بڑے بڑے افسر سالم تانگے لے کر علاقے کے معائنے کے لیے دوڑے دوڑے آئے ہوں گے۔"

ہم پر یہ سن کر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ دوبارہ کپڑے بدلنے پڑے۔

عالم ہمہ افسانہ 'مادار و مابیچ

ایک دادار بزرگ سے ان کے ایک ملاقاتی نے پوچھا "یہ پیارا بچہ کس کا ہے؟"

وہ بڑے اخلاق سے بولے۔ "آپ ہی کا ہے جی۔"

پاس ہی بچہ کی ماں تھی۔ ملاقاتی نے پُرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"اور یہ کس کی بیگم ہیں؟"

یہاں ان وضع دار بزرگ کے اخلاق حسنہ کا کوٹہ ختم ہو گیا۔

ہم نے بھی یہی پوچھا تھا کہ یہ شہر کس کا ہے جو اتنا گندہ رہتا ہے۔ بلدیہ والوں نے ترنت بورڈ لکھوا کے لگا دیا کہ آپ ہی کا ہے جی۔ "اپنے شہر کو صاف رکھیے۔"

ہم نے خوش ہو کر کہا۔ "اچھا تو گویا ہم پانی بجلی سے چھوٹے یعنی ٹیکس وغیرہ سے چھٹی۔" جواب ملا۔

"بشت۔"

صاحب دلاں۔ خدارا منصفی کرو۔ وہی ذبح بھی کرے ہے۔ وہی لے ثواب الٹا۔

☼

www.pkdigest.com

معروف فنکار

فواد خان سے باتیں

شاہین رشید

1 "اصلی نام۔"
"فواد خان۔"
2 "پیار کا نام؟"
"بھی فواد۔"
3 "تاریخ پیدائش / شہر۔"
"29 نومبر 1981ء کراچی۔"
4 "قدر ستارہ۔"
"5 فٹ 10 انچ / sagittarius۔"
5 "فیملی ممبرز آپ کا نمبر۔"
"والدین، مجھ سے بڑی بہن، مجھ سے چھوٹی بہن اور میں دوسرے نمبر پر ہوں۔"
6 "شادی کب ہوئی؟"
"تین سال قبل اور میرا ایک بیٹا بھی ہے۔"
7 "تعلیم؟"
"میں کمپیوٹر scientist ہوں۔"
8 "اپنی کن باتوں پر کنٹرول نہیں؟"
"منافقت پر بہت غصہ چڑھتا ہے۔"
9 "محبت کے اظہار کے لیے بہترین لفظ؟"
"محبت کے اظہار کے لیے لفظ نہیں "ایکسپریشن" بہت ضروری ہے۔"
10 "ٹی وی پہ متعارف کرانے کا سہرا؟"
"زین احمد۔"
11 "ٹی وی پہ پہلا پروگرام؟"
"جٹ اینڈ بونڈ۔"
12 "وجہ شہرت پروگرام؟"
"کوئی ایک وجہ نہیں میوزک بھی ہے اور فلم "خدا کے لیے" بھی ہے۔"
13 "پہلی کمائی؟"
"کالج لائف سے اس فیلڈ میں ہوں اور کما رہا ہوں کچھ یاد نہیں کہ پہلی کمائی کیا تھی۔"
14 "کس حسین فنکارہ کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں؟"
"کوئی اسپیشل فنکارہ نہیں ہے، کئی کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ اس لیے خواہش والی بات نہیں رہی ہے۔"
15 "آپ جذباتی ہو جاتے ہیں؟"
"پاکستان کے خلاف بات سن کر، میں بہت محب وطن ہوں پاکستان کے خلاف کچھ نہیں سن سکتا۔"

16 "دیرینہ خواہش؟"
"پاکستان کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے ہماری نوجوان نسل کو بہت کام کرنا پڑے گا۔"
17 "اپنی جسمانی ساخت میں کیا کمی محسوس کرتے ہیں؟"
"کمی بیشی تو ہوتی رہتی ہے کبھی ذرا موٹے ہو جاتے ہیں کبھی پتلے۔"
18 "زندگی میں کیا کمی محسوس کرتے ہیں؟"
"ایمان دار لوگوں کی، کیونکہ بے ایمان لوگوں سے میرا بہت زیادہ پالا پڑا ہے اور میں بہت ڈرتا ہوں اور گھریلو لائف میں میں بہت خوش ہوں۔"
19 "فقیر کو کم سے کم کتنا دیتے ہیں؟"
"یہ پانچ دس روپے دے دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ضرورت مند کی بنیادی ضرورت کو دیکھ کر اس کی مدد کروں جیسے گھر میں کام کرنے والا ہو یا کسی فیکٹری میں کام کرنے والا۔"
20 "گھر والوں کی کس بات سے آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے؟"
"یہ تو ذاتی سوال ہو گیا۔ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ بندے کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"
21 "کیا آپ کھانے پینے کے شوقین ہیں؟"
"جی ہاں بہت زیادہ مگر کبھی کھانا اچھا لگتا ہے کبھی نہیں بھی۔"
22 "کن چیزوں پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں؟"
"فیملی کے لیے دل کھول کر خرچ کرتا ہوں۔ چیزوں پر نہیں۔"
23 "کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"
"اپنے لیے لوگوں کی اچھی آرا کیونکہ لوگوں کی رائے آپ کے لیے اچھی ہو گی تو آپ بہت کچھ حاصل کر سکیں گے۔"
24 "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"
"کہ یہ "غلط" کیا ہے۔ مجھے غلط لفظ بہت برا لگتا ہے اس کو تو لغت سے نکال دینا چاہیے۔"

25 "وقت کی پابندی کرتے ہیں؟"
"نہیں میں وقت کا پابند انسان نہیں ہوں۔"
26 "سگنل پہ کھڑے ہو کر کن چیزوں کا جائزہ لیتے ہیں؟"
"ہر چیز پہ نظر جاتی ہے۔ ویسے گاڑی کے ٹائر دیکھتا ہوں کہ لائن پہ ہیں یا نہیں کہیں چالان نہ ہو جائے۔"

www.pkdigest.com

27 "زندگی میں کب شرمندگی ہوئی؟"
"ہوئی تھی جب میں گیارہ سال کا تھا۔ مگر بتاؤں گا نہیں۔"
28 "خوشی میں کیا کرنے کو دل چاہتا ہے؟"
"celebrate کرنے کو دل چاہتا ہے۔"
29 "غصے میں کیا کرنے کو دل چاہتا ہے؟"
"چیزیں توڑنے کو دل چاہتا ہے مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ بس دانت پیس کر رہ جاتا ہوں۔"
30 "کن کے بغیر آپ نہیں رہ سکتے؟"
"اپنی ماں اور اپنے بیٹے کے بغیر۔"
31 "شدید بھوک میں کیا کرتے ہیں؟"
"کھانے کے لیے جیتا ہوں اس لیے کچھ بھی کھا لیتا ہوں۔"
32 "پہلی ملاقات میں شخصیت میں کیا دیکھتے ہیں؟"
"ایمان دار کتنا ہے اور باتوں سے اندازہ ہو جاتا ہے۔"
33 "سائنس کی بہترین ایجاد؟"
"اے سی (ایر کنڈیشن)۔"
34 "غصہ کن باتوں پہ آتا ہے؟"
"منافقت پر۔"
35 "کس شخصیت کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں؟"
"اپنی بیوی کو۔"
36 "آئینہ دیکھ کر کیا سوچتے ہیں؟"
"کہ اتنی پیاری شکل بنائی ہے اس لیے کچھ کر لو۔"
37 "آدھی رات کو آنکھ کھل جائے تو؟"
"تھوڑا ٹہلتا ہوں اور پھر آ کر سو جاتا ہوں۔"
38 "پسندیدہ ذائقہ؟"
"کریلا۔"
39 "گھر کی کوئی ایسی شخصیت جس سے آپ خوفزدہ رہتے ہیں؟"
"ابو کے غصے سے بہت ڈر لگتا ہے۔"
40 "والدین سے کوئی شکایت؟"
"شکایتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ اگر بتاؤں گا تو پرسنل باتیں ہو جائیں گی۔"

41 "کوئی چیز جو وقت سے پہلے مل گئی ہو؟"
"نہیں میں اس بات پر یقین ہی نہیں کرتا کہ کوئی چیز وقت سے پہلے ملتی ہے۔"
42 "جھوٹ کب بولتے ہیں؟"
"جب لیٹ ہو جاتا ہوں۔"
43 "کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"
"چڑ جاتا ہوں۔"
44 "تقدیر یا تدبیر کس پر یقین ہے؟"
"تدبیر کیونکہ انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔"
45 "کس خوب صورت دن کے منتظر ہیں؟"
"انتظار تو کسی دن کا نہیں ہے۔ جو خیریت سے گزر جائے وہی خوب صورت دن ہوتا ہے۔"
46 "کن دنوں کو یاد کرتے ہیں؟"
"اسکول کے دنوں کو۔"
47 "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں؟"
"کہیں باہر ہوں تو اپنے گھر اور اپنے گھر سے کہیں نہیں۔"
48 "صبح بیدار ہوتے ہی کس چیز کی طلب ہوتی ہے؟"
"ٹھنڈے پانی کی۔"
49 "صبح اٹھتے ہی کسے دیکھنا پسند کرتے ہیں؟"
"بیٹے کو۔"
50 "کس پر چیخنے چلانے کو دل چاہتا ہے؟"
"چاہنے والی بات غلط ہے۔ ہاں پاکستان کے خلاف کوئی بولے تو..."
51 "آپ کو یقین ہے کہ آپ جنت میں جائیں گے؟"
"نہیں بالکل نہیں۔"
52 "کن چیزوں کے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟"
"انسولین کے بغیر کیونکہ مجھے شوگر ہے۔"
53 "اپنے چہرے کے نقش و نگار میں کیا پسند ہے؟"
"آنکھیں۔"
54 "بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا رکھتے ہیں؟"
"موبائل ٹی وی کا ریموٹ اور لیمپ۔"

55 "مہمانوں کی اچانک آمد کیسی لگتی ہے؟"
"اگر اچھے لگنے والے مہمان ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے ورنہ پھر برا لگتا ہے۔"
56 "کسی کو فون نمبر دے کر پچھتائے؟"
"بہت مرتبہ پچھتایا۔"
57 "اپنے لیے سب سے قیمتی چیز کیا خریدی؟"
"گاڑی۔"
58 "دوسرے ملک جا کر کیا باتیں نوٹ کرتے ہیں؟"
"صفائی ستھرائی اور سوچتا ہوں کہ اپنے ملک میں بھی ایسا ہو جائے تو سانس لینے میں کتنا مزہ آئے۔"
59 "شعر و شاعری اور ادب سے کتنا لگاؤ ہے؟"
"اردو میری فرسٹ لینگویج نہیں ہے اور مجھے پڑھنے کا اتنا شوق نہیں ہے جتنا لکھنے کا ہے۔"
60 "کن باتوں کا جنون ہے؟"
"ملک میں کوئی پرامن انقلاب آئے۔"
61 "آپ کے موبائل پہ ایک کال کا کریڈٹ ہے آپ کس کو کال کریں گے؟"
"کسی کو بھی نہیں۔"
62 "خواتین میں غصے کے علاوہ کون سا رنگ اچھا لگتا ہے؟"
"(قہقہہ) عورت کا طنزیہ انداز مرد میں یہ کوالٹی نہیں ہے۔"
63 "کون سا موسم انجوائے کرتے ہیں؟"
"سردیوں کا۔"
64 "آپ ڈرتے ہیں؟"
"والد کے غصے سے۔"
65 "اپنی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"
"اچھی اور بری عادت یہ ہے کہ میں اعتبار بہت جلدی کر لیتا ہوں۔"
66 "صبح کا آغاز کس طرح کرتے ہیں؟"
"بس اٹھ جاتا ہوں۔ اس طرح کا انسان نہیں ہوں کہ پہلے کھڑکی کھولتا ہوں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا لیتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

67 "اکثر کیا سوچتے ہیں؟"
"اپنے ملک کے بارے میں بہت سوچتا ہوں۔"
68 "زندگی سے کب نفرت ہوتی ہے؟"
"زندگی بہت بڑی نعمت ہے نفرت تو نہیں کرتا مگر مایوس ہوتا ہوں کہ زندگی میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"
69 "اچانک چوٹ لگنے پر بے ساختہ کیا بولتے ہیں؟"
"ابے۔"
70 "دنیا کا حسین رشتہ؟"
"ماں۔"
71 "دنیا کی خطرناک مخلوق؟"
"انسان۔"
72 "مذہب سے آپ کا لگاؤ؟"
"ہے... مجھے اپنے بنانے والے سے لگاؤ ہے جس نے دنیا بنائی۔"
73 "کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟"
"ٹی وی کے ایک پروگرام میں دکھایا تھا۔ مگر میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتا۔"
74 "اپنی شخصیت میں کیا change لانا چاہتے ہیں؟"
"تھوڑا ٹھہراؤ لانا چاہتا ہوں۔"
75 "اگر مذہب میں ایک قتل کی اجازت ہوتی تو کس کا قتل کرتے؟"
"نہیں میں یہ کام نہیں کر سکتا کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔"
76 "جیب میں کون سے کارڈز رکھتے ہیں؟"
"اے ٹی ایم کریڈٹ کارڈ اور بس۔"
77 "گھر آ کر پہلی خواہش کیا ہوتی ہے؟"
"کہ ایک کپ چائے مل جائے۔"
78 "اسکینڈل بنتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں؟"
"پتہ نہیں کیونکہ میرا کبھی اسکینڈل نہیں بنا۔"
79 "بچپن میں کیا سوچتے تھے کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟"

www.pkdigest.com

"بہت کچھ سوچا تھا۔ کبھی سوچتا تھا کہ ایئر فورس کا پائلٹ بن جاؤں۔ کبھی سوچتا تھا کہ سائنس دان بن جاؤں مگر بنا وہی جو قسمت میں لکھا تھا۔"

80 "ایک بات جس کا آپ ہمیشہ خیال رکھتے ہیں؟"
"کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔"

81 "کون سے الفاظ یا محاورے زیادہ استعمال کرتے ہیں؟"
"(قہقہہ) وہی جو ہماری سولہ کروڑ آبادی استعمال کرتی ہے اِن شاءاللہ۔"

82 "چوبیس گھنٹوں میں کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟"
"رات کا وقت۔"

83 "چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں؟"
"سو کے۔"

84 "کس لمحے نے آپ کی زندگی بدل دی؟"
"جب یہ انکشاف اور تشخیص ہوا کہ مجھے شوگر ہے تو بس جیسے میری زندگی بدل گئی۔ میں بہت بیمار ہو گیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں مجھے شوگر ہوئی۔"

85 "اگر میک اپ کے سامان پر پابندی لگ جائے تو؟"
"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

86 "خواتین میں کیا خصوصیات اچھی لگتی ہیں؟"
"وہی خصوصیات جو کسی بھی انسان میں ہونی چاہئیں۔"

87 "شوبز میں سب سے زیادہ تھپڑ کس نے مارے"
"جو بھی پروجیکٹ کیا اس میں اگر تھپڑ پڑا تو ایک ہی ٹیک میں اوکے ہوا۔ البتہ لگائے بہت ہیں اور لگوائے بھی ہیں۔"

88 "رقم کو کس انداز میں save کرتے ہیں؟"
"بینک میں۔"

89 "آپ کی کس بات کی تعریف دوسرے کرتے ہیں؟"
"میں کمٹ منٹ پورا کرتا ہوں۔ کبھی آدھے راستے میں نہیں چھوڑتا۔"

90 "موبائل فون کے لیے کوئی دو جملے؟"
"سہولت "لعنت"۔"

91 "کس بات کے لیے دل چاہتا ہے؟"
"انقلاب کے لیے۔"

92 "حکومت پاکستان اگر آپ کو ایک چیز ساری عمر کے لیے فری دے تو کیا لیں گے۔ پیٹرول، تعلیم یا میڈیکل کی سہولت؟"
"میڈیکل کی سہولت۔"

93 "دن کے کس حصے میں اپنے آپ کو فریش محسوس کرتے ہیں؟"
"رات کے وقت۔"

94 "ایک خواہش جس کے پورا ہونے تک آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں؟"
"پاکستان کا Revolution۔"

95 "کس ملک کی شہریت لینا چاہتے ہیں؟"
"کسی ملک کی نہیں اپنے ملک میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

96 "بات دل میں رکھتے ہیں یا اگل دیتے ہیں؟"
"کبھی دل میں رکھتا ہوں۔ کبھی اگل بھی دیتا ہوں۔"

97 "ایک سوال جو برا لگتا ہے؟"
"پرسنل لائف کے بارے میں سوالات برے لگتے ہیں۔"

98 "کس ڈیزائنر کے کپڑے پہنتے ہیں؟"
"کوئی خاص نہیں جو جوڑا اچھا لگتا ہے خرید لیتا ہوں۔"

99 "ڈرائیونگ کے وقت کون سا میوزک سننا پسند کرتے ہیں؟"
"برٹش بینڈ 07 کی۔"

100 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"
"اللہ کی مرضی۔"

ایف ایم 101 کے پریزینٹر ناصر محمود خان کا گمبھیر اداس لہجہ ہوا کے دوش پر رات کی سیاہ پُراسرار تھاہ سے اُبھر کر سماعتوں کا حصہ بنتا ہے تو نجانے کتنے دلوں کو ایک سرشاری کی کیفیت سے ہم کنار کرتا ہے۔ دنیا کے دکھ، آلام، مصائب تو نہیں سہنے والے مگر ان لمحوں میں ایک خوش ذوق کے ساتھ ہو لیتے ہیں تو بہت کچھ بھول کر، کچھ لمحوں کو ہی سہی تلخ و ترش کو نظر انداز کر کے جی لیتے ہیں۔ ناصر محمود خان کو سننے والے بے شمار ہیں، جو ان کے بے ساختہ دوٹوک انداز تکلم کے اسیر ہیں۔ ہم نے کئی نشستوں میں ان سے بات چیت کی جو نذر قارئین ہے۔

ان کی گفتگو پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ گفتگو پڑھ کر بے حد محظوظ ہوں گے کیونکہ ان کی گفتگو میں وہی ذہانت، گہرائی، برجستگی اور بے نیازی ہے۔ جو ان کے پروگرام میں ہوتی ہے اور یہ خوبی بہت کم کمپیئرز میں پائی جاتی ہے۔

ناصر محمود خان

عزل قمر

www.pkdigest.com

س: "آپ کی جائے پیدائش اور تاریخ پیدائش؟"
ج: "9 جولائی 1975ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوا۔ میرا ستارہ سرطان ہے۔ نسلاً "ہم پٹھان ہیں۔"

س: "لہجہ تو آپ کو پنجابی اسپیکنگ ظاہر کرتا ہے؟"
ج: "وہ اس لیے کہ میری پرورش گوجرانوالہ اور لاہور میں ہوئی۔ ابا چونکہ آرمی میں تھے۔ اس لیے مختلف شہروں میں آنا جانا رہتا تھا۔ میرے لب و لہجے پر ماحول کا گہرا اثر ہے۔"

س: "اپنے تعلیمی پس منظر کے حوالے سے کچھ بتائیں؟"
ج: "مجھے نصابی تعلیم سے کبھی خاص رغبت نہیں رہی۔ ابتدا سے ہی میں نے سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ واجبی سا طالب علم تھا۔ ہم دھوپ میں چٹائی پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ چھٹی سے پہلے پہاڑے سنے جاتے تھے جس سے پتا چلتا تھا کہ چھٹی ہونے والی ہے۔ اب بچے اس سچے اور پُرخلوص ماحول سے محروم ہیں۔ انٹر اور گریجویشن پرائیویٹ کیا۔ میری دلچسپی پرفارمنگ آرٹ کی جانب تھی۔ اس وقت اس تعلیم کا رواج نہ تھا۔ نصابی تعلیم کا سلسلہ رک گیا لیکن علم کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ علم ڈگریوں یا نصابی تعلیم کا محتاج نہیں ہے اب آپ یہی دیکھیں کہ پنجاب کے شاعر وارث شاہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن پنجابی زبان میں ماسٹرز کرنے کے لیے وارث شاہ کو پڑھنا ضروری ہے۔"

س: "آج کل پاکستان کو برا کہنا فیشن بن گیا ہے پروگرام کے دوران آپ کی گفتگو سے احساس ہوتا ہے کہ آپ کو وطن سے بہت محبت ہے، یہ چیز آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے؟"

ج: "میرے خیال میں یہ ہمارے خمیر میں شامل ہے۔ ہمیں مٹی سے محبت سکھائی گئی۔ ہم نے ہر چیز کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا۔ وہ جو افتخار عارف نے کہا ہے کہ.....

ہے۔ یہی پہچان تھی میری اس پہچان سے پہلے بھی پاکستان کا شہری تھا میں، پاکستان سے پہلے بھی میرے جذبات کا مظہر ہے۔ آج کا دور چونکہ کتابی علم سکھاتا ہے اس لیے بچہ کچھ سیکھ نہیں پاتا۔"

س : "پھر اس فیلڈ میں کیسے آنا ہوا؟"

ج : "وہ جو کہتے ہیں کہ شوق اور میلانِ طبع بڑی چیز ہے تو بس میرا رجحان مجھے اس طرف لایا۔ بچپن سے غیر نصابی سرگرمیوں میں آگے رہا۔ 1998ء میں ٹیلی ویژن کی کارٹون سیریز اور ڈاکومنٹری کے لیے صداکاری کی۔ میرے ساتھی عمران اسفر جو ایف ایم اسلام آباد کے ڈی جے تھے۔ انہوں اس جانب آنے کا کہا۔ آڈیشن ہوا اور میں سلیکٹ ہوگیا۔ 11 مئی 1998ء کو میرا پہلا پروگرام FM104 اسلام آباد سے آن ایئر ہوا۔ بعد میں یہ چینل FM 101 میں تبدیل ہوگیا۔"

س : "خاندانی پس منظر اور ذاتی زندگی کے بارے میں بتائیں؟"

ج : "ہم تین بہن بھائی ہیں۔ دو بہنیں ہیں اور میں اکلوتا ہوں۔ بڑی بہن شادی شدہ ہیں۔ میری اور چھوٹی بہن کی شادی نہیں ہوئی۔ والد صاحب حیات ہیں جبکہ والدہ کا اسی سال مئی میں انتقال ہوگیا لیکن وہ میرے دل میں زندہ ہیں۔"

س : "بچپن کیسا گزرا؟ شرارتی تھے یا...؟"

ج : "بچپن میں بے حد شرارتی تھا۔ چونکہ اکلوتا بیٹا تھا تو اپنی اماں کا بے حد لاڈلا بھی تھا۔ اسکول سے اکثر بھاگ جاتا تھا اور بہانہ بنا کر بہن کو بھی لے جاتا۔ ابا کو پتا چلتا تو بہت مار پڑتی۔ فوجی آدمی تھے اور غصے کے بھی خاصے تیز تھے۔ اکثر میں اپنے اسکول کے قریب فوجی پریڈ گراؤنڈ یا پھر قبرستان میں چھپ جاتا۔ جس سے مجھے قبروں کے کتبے پڑھنے کی عادت پڑ گئی۔ اسلام آباد کے H. 8 ایریا میں پروین شاکر کی قبر ہے۔ ہم دوستوں میں شرط لگتی تھی کہ کون رات ایک بجے قبر سے پھول چن کر لائے گا۔ اب تک کئی مشہور شخصیات کی قبریں دیکھ چکا ہوں۔ لاہور کے میانی صاحب کے قبرستان میں کئی گھنٹے منٹو کی قبر ڈھونڈنے میں گزارے اور جب وہ قبر ملی تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ شاید خود منٹو سے مل کر بھی نہ ہوتی۔"

س : "وہ شعر جو آپ کی شخصیت کو عیاں کردے؟"

ج :

شاید مجھے کسی سے محبت نہیں ہوئی
لیکن یقین سب کو دلاتا رہا ہوں میں

س : "کوئی ایسی شخصیت جس سے ڈانٹ بھی خوب پڑی ہو اور اس سے سیکھا بھی ہو؟"

ج : "مجھے سید سلمان المعظم صاحب سے ریڈیو پر بہت سیکھنے کو ملا۔ لفظ کی شکل، ادائیگی کا طریقہ مجھے انہوں نے ہی سکھایا۔ رات پونے چار بجے بھی فون کرکے وہ میری تصحیح کرتے تھے۔ پنجابی کی کہاوت ہے کہ بڑوں کی بات اور آملے کی گٹھلی کا سواد بعد میں آتا ہے۔ اب لوگ مجھ سے تصحیح کرواتے ہیں۔"

س : "شخصیت سازی میں کس کا کردار زیادہ ہے؟"

ج : "والدین نے بنیاد فراہم کی اور وہ چیز میری گھٹی میں شامل ہے۔ پھر ہر لمحہ زمانے نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔"

س : "ریڈیو پروگرام کرتے ہوئے تجربات تو بہت ہوئے ہوں گے، کبھی کوئی ناخوشگوار تجربہ ہوا؟"

ج : "ابتدا میں میں نے ہر طرح کے پروگرام کیے، شعر و ادب کے بھی اور ہوم کنکشن کے بھی۔ بعض اوقات بڑی الجھن بھی ہوتی تھی جب خواتین کھڑے پوچھتی تھیں۔ برے تجربات بھی ہوئے۔ بہت آف اور ڈپریشن موڈ کے ساتھ بھی پروگرام کیے لیکن ہمیں جذبات پر کنٹرول کی تربیت دی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے بہت فضول انداز میں گفتگو کی تو میں نے آن ایر انہیں ڈانٹ دیا۔ اسٹیشن ڈائریکٹر صاحب نے مجھے بعد میں اس غلطی کا احساس دلایا۔ جس پر پنالٹی بھی لگی۔"

س : "پہلا چیک کتنے کا ملا تھا؟"

ج : "پہلا چیک 90 روپے فی پروگرام کے حساب سے 1800 روپے کا تھا، جو تین مہینے بعد ملا تھا۔"

س : "آئیڈیل پر کس حد تک یقین ہے؟"

ج : "میں آئیڈیل نہیں بناتا۔ انسان کے اپنے رنگ خود اتنے پکے ہونے چاہئیں کہ وہ دوسروں کا آئیڈیل بنے۔ یہ کیا کہ فوراً دوسروں کے سانچے میں ڈھل جائے۔ البتہ دوسروں کی اچھی بات کو تسلیم ضرور کرنا چاہیے۔"

س : "دوسروں کی شخصیت میں کیا چیز آپ کو متاثر کرتی ہے؟"

ج : "مجھے خوب صورت آنکھیں بے حد اٹریکٹ کرتی ہیں۔ مطلب بولتی آنکھیں۔"

س : "پروگرام کے دوران سامعین میں سے کسی سے دوستی بھی ہوئی ہو، کبھی یہ تعلق آگے چلا؟"

ج : "بہت مرتبہ۔ ان میں مرد حضرات بھی ہیں اور خواتین بھی لیکن میرے خیال میں جب دوستی ہو تو پھر اچھائی اور برائی دونوں سامنے آنے لگتی ہیں پھر احترام کا وہ تعلق نہیں رہتا۔"

س : "ریڈیو کے علاوہ کس پیشے سے وابستہ ہیں؟"

ج : "میں ایک نیوز ایجنسی سے وابستہ ہوں صحافت میرا پیشہ ہے لیکن ریڈیو کا کام میرا شوق ہے۔ میرا ٹائم ٹیبل بہت ٹائٹ ہے اس لیے وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتا ہوں۔"

س : "اس طرح تو تھکن بڑھ جاتی ہوگی؟ کبھی پروگرام کے دوران تھکاوٹ کا احساس غالب آیا؟"

ج : "بہت مرتبہ، بعض مرتبہ تو تھکاوٹ سے نیند آنے لگتی ہے۔ پھر اپنے سننے والوں سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی بات کریں۔"

س : "کبھی خواب پورے ہوئے؟"

ج : "میں کھلی آنکھوں سے بھی خواب دیکھتا ہوں۔ الحمدللہ۔ میرے بہت سے خواب پورے ہوئے اور کچھ کو اپنی کوششوں سے پورا کیا۔"

س : "ہمارے یہاں اب انگریزی، اردو زبان کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا رجحان ہے؟ آپ کے خیال میں کیا یہ ٹرینڈ درست ہے؟"

ج : "میرے خیال میں جس طرح زندگی کے بہت سارے فیز ہوتے ہیں۔ اس طرح زبان و تہذیب بھی آگے کی جانب سفر کرتی ہے۔ مجھے زبان اس طرح پیش کرنے سے ذاتی طور پر اختلاف ہے۔ اب زمانے کو اپنی ڈگر پر چلانے کے بجائے خود زمانے کی ڈگر پر چلنے کا رواج بڑھ گیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہے۔"

س : "پریزنٹر بننے کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟"

ج : "کانفیڈنٹ ہونا ضروری ہے اور دوسروں کو متوجہ کرنا آنا چاہیے۔ ظاہر ہے اگر بنیادی اجزائے ترکیبی صحیح ہوں گے تب ہی پراڈکٹ اچھی ہوگی۔"

س : "مزاجاً کیسے ہیں؟ کس چیز کا شوق زیادہ ہے؟"

ج : "بس مجھے شور، رش سے کوفت ہوتی ہے۔ ٹریولنگ کا بے پناہ شوق ہے اور ایسی جگہیں تلاشتا ہوں جسے اب تک کسی نے نہ دریافت کیا ہو۔ اس کے علاوہ فوٹوگرافی کا بے حد شوق ہے۔ غصے کا تیز ہوں اور شدید غصے کے وقت عموماً بالکل چپ ہو جاتا ہوں اس کے علاوہ ہر کتاب جس سے معلومات میں اضافہ ہو، ضرور پڑھتا ہوں۔"

س : "چونکہ آپ کو سفر کا شوق ہے تو کوئی منظر جس نے ٹھٹکا دیا ہو اور آپ کی یادداشت میں اب بھی محفوظ ہو؟"

ج : "میرا ہی ایک شعر ہے۔

میں تیری زندگی کا منظر ہوں
اور منظر بدلتے رہتے ہیں

ہر سفر، ہر نیا منظر چونکانے والا اور مختلف ہوتا ہے۔ وہ مختلف تجربہ ہوتا ہے۔ میں کسی ایک منظر کو، خاص طور پر بیان نہیں کرپاؤں گا۔"

س : "ڈیریس ہوں تو کیا کرتے ہیں؟"

ج : "بالکل تنہا رہنا پسند کرتا ہوں۔"

س : "کن ادیبوں اور شاعروں کو بہت زیادہ پڑھا؟"

ج : "ہر ادیب کا اسکول آف تھاٹ جدا ہے۔ مجھے ممتاز مفتی، اشفاق احمد، منٹو زیادہ پسند ہیں۔ جبکہ شاعروں میں فیض صاحب اور فراز میرے فیورٹ ہیں۔"

س : "خوشی کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟"

www.pkcitysite.com

ج : "عموماً" میں دوستوں کے ساتھ باہر تفریح کے لیے نکل جاتا ہوں۔"

س : "کون سا شعر جو اکثر گنگناتے ہیں؟"

ج : "یہ چوائس پر منحصر ہے۔ میرے خیال میں اچھے شعر کو یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

س : "پھر تو موسیقی کے معاملے میں بھی خاصے سلیکٹو ہوں گے؟"

ج : "مجھے ہلکی پھلکی موسیقی پسند ہے چاہے وہ فوک ہو، کلاسیکل ہو یا سیمی کلاسیکل، گلوکاروں میں مجھے نصرت فتح علی خان اور غلام علی کی آوازیں پسند ہیں۔"

س : "کون سا موسم زیادہ پسند ہے؟"

ج : "مجھے گرمیاں زیادہ اچھی لگتی ہیں اور کیوں لگتی ہیں یہ نہیں بتاؤں گا۔"

س : "دن کون سا پسند ہے؟"

ج : "منگل کے علاوہ سارے دن اچھے ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں تھوڑا توہم پرست ہوں۔ بس میرا کوئی بھی کام منگل کے دن پورا نہیں ہو پاتا۔"

س : "خوشبو کون سی پسند ہے؟"

ج : "خوشبو میں میری کمزوری ہیں اور میری الماری ہر طرح کی خوشبوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ ہر نیا پرفیوم بازار میں آنے سے قبل میری الماری میں ہوتا ہے۔"

س : "فرصت کے اوقات کیسے گزارتے ہیں؟"

ج : "عموماً سو کر کیونکہ آرام کا وقت کم ملتا ہے۔ اگر پھر بھی فرصت ہو تو گھومنے پھرنے نکل جاتا ہوں۔"

س : "آپ کے خیال میں جذبوں کو اظہار کی ضرورت ہوتی ہے؟"

ج : "بالکل جی ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے سامنے اظہار ضروری ہے جس کے لیے خصوصی جذبات ہوں۔ میں کھل کر اظہار کا قائل ہوں۔ البتہ دوسروں سے اظہار کروانا اتنا ضروری نہیں ویسا ہی رسپانس دینا مسئلہ ہوتا ہے۔"

س : "آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا سفر کس کی ہمراہی میں سہل ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے آپ کے ذہن میں کیا ہے؟"

ج : بس یہ شعر

ہم سفر چاہیے ہجوم نہیں
اک مسافر نہ قافلہ ہے مجھے

س : "آپ کے خیال میں ہر فرد کی زندگی میں ایک راز داں ضروری ہے؟"

ج : "میرے خیال میں ہر شخص کی زندگی میں ایک فرد ایسا ضرور ہوتا ہے۔ دوست تو چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ کوئی بات ہے۔ انہیں صرف نام اور مقام بتانا ہوتا ہے۔"

س : "زندگی کا۔ وہ لمحہ جس نے آپ کو بالکل بدل ڈالا ہو؟"

ج : "میری والدہ کے انتقال نے مجھے ذہنی و روحانی دونوں سطح پر بدل ڈالا۔ ان کی کمی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔"

س : "شاید اسی لیے آپ کے لہجے میں اداسی گھلی ہوئی محسوس ہوتی ہے؟"

ج : "اداسی اپنے اندر گہرائی رکھتی ہے۔ جو شخصیت میں بھی ٹھہراؤ پیدا کرتی ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ لبوں سے خوشی یا جذبات کا اظہار کریں۔ مسکراہٹ بعض مرتبہ آنکھوں سے بھی چھلکتی ہے۔"

س : "اپنی وہ خوبی جو آپ خود پسند کرتے ہیں؟"

ج : "میں اپنے آپ سے پیار کرتا ہوں اور اپنا خیال رکھتا ہوں۔"

س : "اپنی وہ خامی جس سے پریشان ہیں؟"

ج : "مجھے تو یہ خامی نہیں لگتی لیکن لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت منہ پھٹ ہوں۔ خیر اس عادت کی وجہ سے بعض مرتبہ مجھے نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے۔"

س : "آپ کا کہنا ہے کہ آپ کے مزاج میں تندی ہے۔ آپ کو کن کن باتوں پر غصہ آتا ہے؟"

ج : دراصل میرا پہلا غصہ، پہلی وجہ غلط بیانی ہے۔ جس پر مجھے غصہ آتا ہے۔

پھر آپ کی خاموشی کو آپ کی بے وقوفی سمجھتے ہیں۔ جیسے اس شعر میں ہے کہ

ہم یوں ہی نہیں، چپ ہیں، کیوں چپ ہیں نہ یہ پوچھو
بات اتنا بتاتی ہے، بھید ان کا چھپایا ہے

اس سناریو کو لوگ غلط انداز میں لے جاتے ہیں کہ بے وقوف آدمی ہے تب غصہ آتا ہے۔ منافقت، دوغلے پن

سے چڑ ہوتی ہے۔ یہ چیزیں تب ہوتی ہیں، جب آپ کا ذہن کلیئر ہوتا ہے۔ میں دوست نہیں بناتا یا بہت کم بناتا ہوں جو دوست ہے سو دوست ہے، جو دشمن ہے سو۔۔۔"

س : "دوسروں کے بارے میں اندازہ کیسے لگاتے ہیں؟"

ج : "عموماً" باڈی لینگویج اور لب و لہجے پر غور کرتا ہوں۔"

س : "تدبیر اور تقدیر میں سے کس پر پکا یقین رکھتے ہیں؟"

ج : یہ شعر میری کیفیات کا مظہر ہے۔

دیکھ فانی! وہ تیری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا تھا دوش پر تقدیر کے

س : "آپ کے خیال میں عوام کو باشعور کرنے میں ریڈیو چینلز اپنا کردار ادا کر رہے ہیں؟"

ج : "کسی حد تک۔ لیکن زیادہ بگاڑ آ رہا ہے۔ جدت پسندی کے نام پر چینلز پر ہر قسم کے ٹاپک پر گفتگو کرنے کا رواج بن گیا ہے۔ جسے پانچ سال کا بچہ بھی سنتا ہے اور میچور عمر کا شخص بھی۔ کسی بھی موضوع کے لیے پہلے ماحول کو ہموار کیا جاتا ہے نہ کہ اچانک سروں پر ہتھوڑا دے مارا جائے۔ کم عمری میں آگہی دینے سے ذہن پر برے اثرات بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔ یا پھر پروگرام سے پہلے یہ کہا جائے کہ یہ ٹاپک صرف بالغ افراد کے لیے ہے۔ تاہم کچھ چینلز پر اچھا کام بھی ہو رہا ہے۔"

س : "آپ اپنے سامعین کے لیے کیا احساسات رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

ج : پسند کرنا اور بات ہے اچھے کام کو سراہنا، یا سراہنے والی نظر رکھنا یا اچھے برے یا بہتر کم بہتر میں تمیز کرنا۔۔۔ بہرحال بہت دل جلتا ہے۔ دس سالوں میں بہت سی وارداتوں سے گزرنے کے بعد جو نتیجہ نکلا، اور پھر دل کو سمجھاتے ہوئے، سمجھوتا کر لیا، یہ شعر سنیے۔

یہ میرا شہر وفا اور میں اکیلا آدمی
میرے لاکھوں آشنا اور میں اکیلا آدمی

جن کی کل یہاں نہیں ملتی، وہ کہیں اور مل جاتی ہے۔ لیکن یہ طے ہے کہ جو سودا میں بیچتا ہوں، وہ بس میں ہی بیچتا ہوں، جو میں بیچتا ہوں اسے وہی خریدے گا، جس کو اس کی طلب ہوگی۔"

س : "آپ کے خیال میں کامیابی کا راز کیا ہے؟"

ج : "ماں باپ کی دعائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کتنی ہی محنت کر لیں۔ کامیابی اسی بنیادی اجزائے ترکیبی سے ملتی ہے۔"

س : "اپنے سننے والوں کے لیے کوئی پیغام۔۔۔؟"

ج : "میرا سننے والوں کے لیے وہی پیغام ہے جو میں اپنے ہر شو میں دیتا ہوں۔ مانگیے اسی ذات سے جو نوازنے والا ہے۔ اس کے لیے کچھ ناممکن نہیں۔"

اس بات پر گفتگو کا اختتام ہوا۔

رہتی ہے انجم ایک زمانے سے گفتگو
کرتے نہیں کلام بظاہر کسی سے ہم

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
عین سے محبت	غزالہ عزیز	150/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

خوبصورت باصلاحیت فنکارہ

ناہید شبیر سے ملاقات

شاہین رشید

ناہید شبیر جب اس فیلڈ میں آئی تو اس نے اپنے خدوخال سے تو سب کو متاثر کیا لیکن اپنی پرفارمنس سے بہت زیادہ متاثر نہیں کیا۔ لیکن کام کرنے سے ہی کام میں نکھار آتا ہے اور ایسا ناہید شبیر نے ثابت کر دکھایا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہر دوسرے یا تیسرے ڈرامے میں ناہید شبیر ہوتی ہے اور اس کی پرفارمنس ہر سیریل میں ہی بہت عمدہ ہوتی ہے۔ حال ہی میں ختم ہونے والی سیریل "بنت آدم" میں ناہید ہر لحاظ سے بہت اچھی لگی۔ وقت کے ساتھ ساتھ نہ صرف اس کی پرفارمنس میں نکھار آتا جا رہا ہے بلکہ اس کے حسن میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چند ماہ قبل ختم ہونے والے سیریل "بچھڑیں گے ہم کیسے" میں ناہید بہت خوب صورت نظر آئی۔ اب تو ناہید کا ہر ڈرامہ اور ملاقات پر بتایا کہ انہیں میری پرفارمنس پسند آئی۔ رہی مصروفیات کی بات تو آپ کو پتا ہی ہے کہ پروجیکٹ پہ سائن ہو جاتے ہیں۔ کام بھی ہوتا رہتا ہے مگر آن ایئر کب آئیں گے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔"

* "بنت آدم اور یادیں" میں تم نے بہت عمدہ پرفارم کیا اور جوان بچوں کی ماں کا رول کیا۔ کیسا لگا یہ سب کچھ؟"

★ "اچھا لگا اور بنت آدم میں تو میں نے جوان بچوں کی سوتیلی ماں کا رول کیا تھا اصلی ماں کا نہیں۔"

* "مگر یادیں میں تو کردار کے لحاظ سے اپنی اصلی بچوں کی ماں کا رول کیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایسے ہی کرداروں ہی اس کی کامیابی کی ضمانت ہے اس لیے لوگ "یادیں" بنت آدم، بچھڑیں گے ہم کیسے" اور اب "ارمان" میں بھلا پائیں گے، صرف اور صرف ناہید کے کام کی وجہ سے۔

* "کیسی ہو؟ بہت مصروف رہتی ہو؟"

★ "میں ٹھیک ہوں اور جس فیلڈ سے میرا تعلق ہے اس میں مصروفیت تو ہوتی ہی ہے لیکن میں اپنے اچھے دوستوں اور چاہنے والوں کو کبھی نہیں بھولتی۔"

* "اور بھولنا بھی نہیں چاہیے کہ ان کی نیک تمنائیں بھی تمہارے ساتھ شامل ہوتی ہیں۔"

★ "بے شک۔"

* "کیا مصروفیات ہیں آج کل گزشتہ کچھ عرصے سے تمہارے بہت اچھے سیریل چلے بہت اچھا پرفارم کیا تم نے؟"

★ "سچ..... آپ کی تعریف سے بہت حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ مجھے بہت سے لوگوں نے فون کالز کے ذریعے

کے لیے مخصوص ہو جاؤ؟"

★ "ہاں "یادیں" میں تو ان بچوں کی ماں کا رول کیا مگر وہ بچے کوئی بہت بڑی عمر کے نہیں تھے اور آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے ایسے رول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے ورنہ مجھے ایسے ہی کرداروں کے لیے منتخب کیا جانے لگے گا۔"

* "ماشاءاللہ تمہیں اس فیلڈ میں آئے ہوئے آٹھ نو سال ہو گئے ہیں۔ تمہاری پرفارمنس میں بہت نکھار آگیا ہے اور شہرت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کیا سوچ کر اس فیلڈ میں آئی تھیں؟"

★ "میں تو صرف یہ سوچ کر اس فیلڈ میں آئی تھی کہ مجھے اس فیلڈ میں جانا ہے اپنے آپ کو منوانا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی ہوں۔"

* "اس فیلڈ میں آمد کیسے ہوئی اور کیا تجربہ لے کر اس فیلڈ میں آئی تھیں؟"

★ "تجربہ تو مجھے صرف اس حد تک تھا کہ اسکول کالج کی لائف میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھی۔ پھر میں نے کچھ عرصہ نیچنگ بھی کی تو اسکول میں ہونے والے پروگراموں میں بچوں کو بھی میں ہی گائیڈ کرتی تھی۔ بس یہی تجربہ لے کر اس فیلڈ میں آئی تھی۔ کیسے آئی اس فیلڈ میں تو بالکل اتفاقیہ طور پر ہی آئی۔ میں اپنی ایک رشتے دار کے گھر پر تھی کہ وہاں نعیم بخاری سے ملاقات ہوئی، دو چار باتوں کے بعد ہی انہوں نے مجھے ڈراموں میں کام کرنے کی آفر دے دی۔"

* "کیا تاثرات تھے اس اچانک آفر پر اور پہلا ڈرامہ کون سا تھا؟"

★ "اس اچانک آفر پر بہت حیران تھی میں نے بغیر کسی کے مشورے کے اس آفر کو قبول کر لیا۔ کیونکہ میں تو پہلے ہی چاہتی تھی کہ ڈراموں میں کام کروں۔ اس آفر پر انکار کیسے کر سکتی تھی۔ میرا پہلا ڈرامہ "دل ہی دل" تھا دلچسپ بات یہ کہ یہ ڈرامہ آج تک آن ایئر نہیں آیا۔"

* "آپ بتا رہی ہیں کہ بغیر کسی کے مشورے اور اجازت کے کام کرنے کی ہامی بھرلی۔ گھر والوں کا کیا ردعمل تھا اور کون سا ڈرامہ آن ایئر آیا جس نے آپ کو پہچان دی؟"

★ "گھر والوں نے خاص طور پر امی ابو نے تھوڑی سی ناراضی کا اظہار کیا، مگر چونکہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں اور لاڈلی بھی تو میری ضد کو والدین نے مان لیا۔ پہچان تو مجھے حسینہ معین کے ڈرامے "اک نئے موڑ پر" نے دی پھر اس کے بعد سلسلہ چل پڑا۔ دلچسپ بات یہ کہ میری ضد پر والدین نے صرف ایک ڈرامے میں کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ مگر جب میرے کام کو پسند کیا گیا مزید آفرز آنے لگیں تو پھر کوئی مسائل پیدا نہیں ہوئے۔"

* "آپ کو دیکھ کر کسی اور کو بھی شوق ہوا اس فیلڈ میں آنے کا؟"

★ "نہیں، میں اپنے خاندان کی واحد لڑکی ہوں جو اس فیلڈ میں آئی ہوں، مجھے دیکھ کر بھی کسی کو اس فیلڈ میں آنے کا شوق نہیں ہوا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں گھر کی آخری اولاد ہوں، مجھ سے بڑے سب اپنے گھروں اور اپنی فیلڈ میں سیٹ ہیں۔"

* "آپ کی شہرت و عزت سے گھر والے مزید لاڈ اٹھانے لگے ہوں گے۔"

★ "میں تو پہلے ہی بہت لاڈلی تھی، واقعی اب میری چاہت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ بس دکھ ہے تو اس بات کا کہ کاش میرے والدین زندہ ہوتے تو وہ میری عزت و شہرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔"

* "فلم کی فیلڈ کے بارے میں تو بہت باتیں مشہور ہیں۔ اب اس فیلڈ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ماحول اچھا نہیں ہے۔ کیا ایسا ہے؟"

★ "فلم کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن اس فیلڈ میں چونکہ میں خود موجود ہوں تو کہہ سکتی ہوں کہ ماحول انسان خود بناتا ہے۔ آج میری کامیابی کا بڑا سبب میرا اپنا رویہ ہے۔ میں اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور فضول میں ادھر کی ادھر نہیں کرتی اس فیلڈ میں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ ہیں اور جس فیلڈ میں پڑھے لکھے لوگ ہوں، وہاں کا ماحول بھی اچھا ہوتا ہے۔"

* "ماشاءاللہ آپ کافی ڈراموں میں کام کر چکی ہیں اور بہت مختلف رولز بھی آپ نے کیے ہیں۔ کس رول کو آپ کبھی نہیں بھلا سکتیں؟"

★ "میں نے کافی مختلف رول کیے ہیں اور میرے خیال میں کوئی بھی رول ایسا نہیں ہے کہ جو کسی سے میچ کرتا ہو۔ اب تک کیے گئے رولز میں "چاند چہرہ" میں کیے جانے والا رول مجھے بہترین لگا، اس میں میں نے ایک معذور لڑکی کا

www.pkdigest.com

رول کیا تھا۔ اس میں نے کافی محنت کی تھی۔"

* "کیا وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ ہی بہت سنجیدہ رول کرتی ہیں۔ کیا آپ فطرتاً" سنجیدہ ہیں یا آپ کو سنجیدہ رول پسند ہیں؟"

★ "میں ہر طرح کے رول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ مگر میری جو پہچان بن چکی ہے اُسے میں برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔ لوگ مجھے ہلکے پھلکے اور سنجیدہ کرداروں میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اسی لیے میں سنجیدہ رول کرتی ہوں اور مجھے خود بھی ایسے رول پسند ہیں۔"

* "کیا وجہ ہے کہ آپ پرائیویٹ چینلز کے لیے زیادہ کام کرتی ہیں اور پی ٹی وی کے لیے کم؟"

★ "اب تو پی ٹی وی پہ بھی زیادہ تر پرائیویٹ چینلز کے ہی ڈرامے پیش کیے جاتے ہیں۔ پی ٹی وی کی اپنی پروڈکشن تو اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے اور میں زیادہ کیوں کام کرتی ہوں تو سچی بات ہے کہ آج کل زیادہ کام ہی پرائیویٹ پروڈکشن کے تحت ہو رہا ہے۔"

* "کیا آپ کے خیال میں ڈرامے اچھے بن رہے ہیں؟"

★ "بالکل بن رہے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہیں پسند کرتے ہیں تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ ابھی بھی ڈراموں کو پسند کرتے ہیں بلکہ دیکھا جائے تو ڈرامہ ہی تو ہے جو سب سے زیادہ دیکھا اور پسند کیا جاتا ہے۔"

* "آج کل ماڈلنگ کچھ کم نہیں کر دی تم نے؟"

★ "ہاں..... اس لیے کہ میں ڈراموں میں زیادہ مصروف ہو گئی ہوں اور اگرچہ ماڈلنگ میں پیسہ زیادہ ہے لیکن میری پہلی ترجیح اداکاری ہے۔ کیونکہ اداکار کے فن کی عمر زیادہ لمبی ہوتی ہے بہ نسبت ماڈلنگ کے۔"

* "ہندوستان سے آفر آئی یا انڈین فنکاروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا؟"

★ "بالکل ملا..... ڈرامہ سیریل "تیرے عشق میں" مجھے انڈین فنکاروں کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا اور ان کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ اچھا رہا..... مزید کوئی اچھی آفر ہوئی تو ضرور کروں گی۔"

* "فلم میں جائیں گی؟"

★ "جانا ہوتا تو بہت پہلے چلی جاتی۔ لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ٹی وی ڈراموں میں بھی کام لیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتی ہوں کہ ایسا کردار نہ لوں کہ جس کی وجہ سے میرے گھر والوں کو یا مجھے شرمندگی ہو اس طرح میں اپنے لباس کا بھی خاص خیال رکھتی ہوں۔ میرے گھر والے اولین ترجیح ہیں۔ پھر میری تربیت بھی ایسی نہیں کہ میں کوئی غلط کام کروں۔ انسان کے اندر کی شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

* "مزید سوالات کرنے سے پہلے میں چاہوں گی کہ آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں۔"

★ "جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میرے والدین حیات نہیں ہیں۔ میرے والدین کا تعلق کراچی سے ہی تھا اور ہماری مادری زبان بھی اردو ہی ہے۔ اپنے بارے میں آپ کو بتاؤں کہ میں 16 اپریل 1982ء میں کراچی میں ہی پیدا ہوئی اور اسی شہر میں پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک کی تعلیم حاصل کی۔ میں نے انٹرنیشنل ریلیشن میں ایم اے کیا ہے اور..... بس۔"

* "بہن بھائی آپ کے اور آپ کا نمبر....."

★ "میرا نمبر کیا ہے آپ کو میں نے بتایا ہی ہے۔ میرا نمبر آخری یعنی بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی اور سب کی لاڈلی ہوں اور میرے پانچ بھائی ہیں اور ہم چھ بہنیں ہیں۔"

* "اور شادی کب کرنی ہے۔ پسند سے یا ارینج؟"

★ "جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اگر میرا جوڑا ہے تو ضرور شادی ہو گی۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے میری شادی کا فیصلہ میرے گھر والے کریں گے یعنی ارینج میرج ہو گی۔"

* "اگر تمہیں کوئی پسند آیا تو؟"

★ "تو بتا دوں گی گھر والوں کو۔ ویسے اللہ کا شکر ہے کہ ایسا روگ پالا نہیں ہے اور میری دعا ہے کہ جو بندہ بھی میری زندگی میں آئے وہ مجھ سے سچی محبت کرے۔"

* "ناہید! آپ سب بہن بھائی مل جل کر رہتے ہیں اگر شادی کے بعد بھی ایسا ہی گھر ملا تو خوشی خوشی رہیں گی یا آپ کی خواہش ہو گی کہ علیحدہ گھر ہو؟"

★ "میں جوائنٹ فیملی کی عادی ہوں۔ مجھے مل جل کر رہنا اچھا لگتا ہے اس لیے میری دعا ہو گی کہ مجھے ایسا گھر ملے جہاں سب لوگ پیار محبت کے ساتھ مل جل کر رہیں۔"

* "مزاجاً" آپ کیسی ہیں؟"

بقیہ صفحہ 294 پر

Noorani

www.pkdigest.com

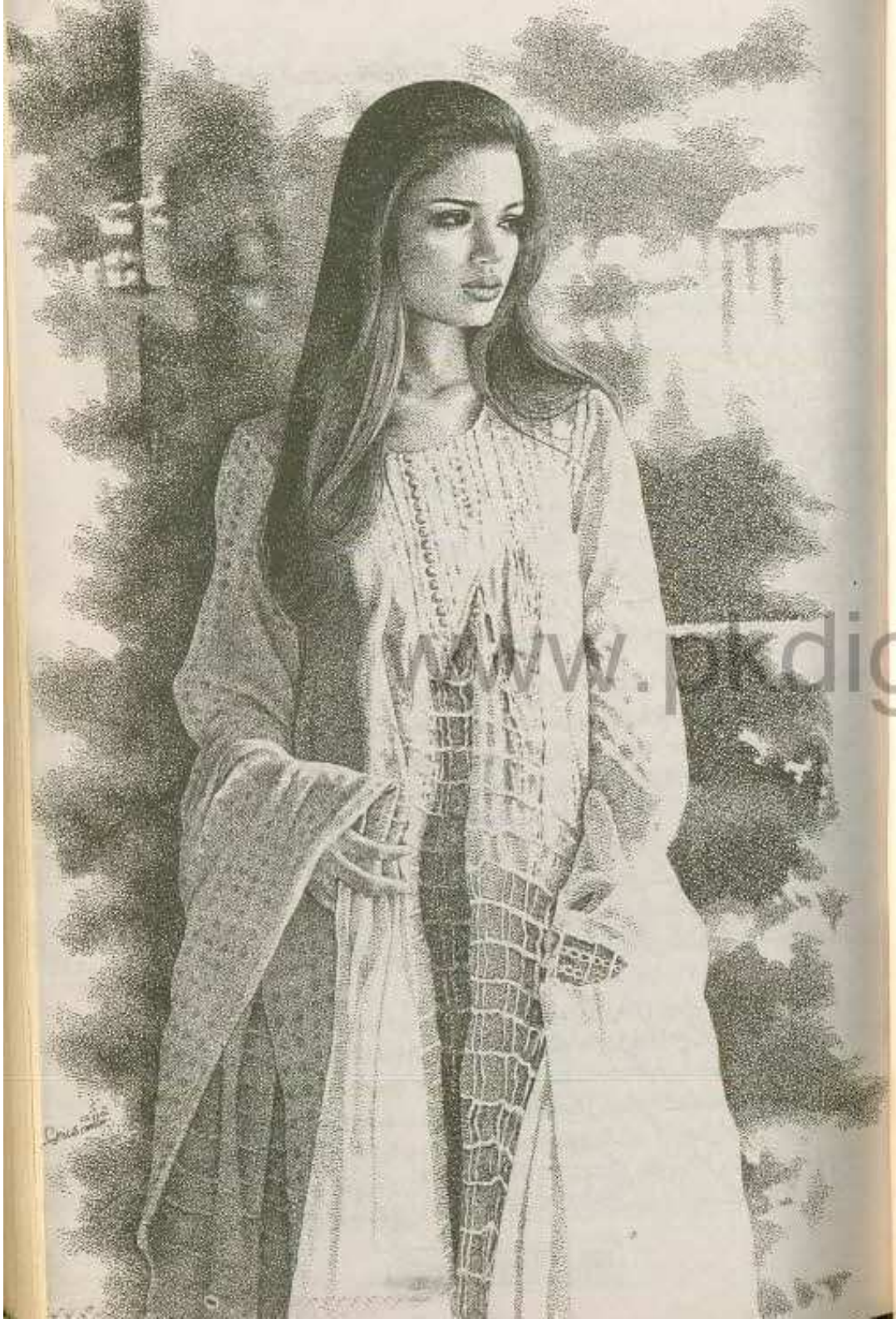

شوکت جہاں ایک ملنسار اور زندہ دل خاتون ہیں۔ خاندان اور محلے میں ان کے اچھے تعلقات ہیں۔ ان کے دو بیٹے معراج الدین اور سراج الدین ہیں۔ بڑے بیٹے معراج الدین اپنی بیوی رخشندہ اور چار بچوں کے ساتھ گھر کے اوپر والے پورشن میں رہائش پذیر ہیں۔ جبکہ چھوٹے بیٹے سراج الدین اپنی بیوی پروین بیگم اور دو بچوں حسن اور احسن کے ساتھ نچلے پورشن میں رہتے ہیں۔ شوکت جہاں کی طبیعت چونکہ پروین بیگم سے میل کھاتی ہے اس لیے وہ اپنے چھوٹے بیٹے اور بہو کے ساتھ رہتی ہیں۔ شوکت جہاں کی اکلوتی بیٹی زہرہ شادی کے چند سال بعد ہی ایک حادثے میں انتقال کر چکی ہے اور اس کا بیٹا وصی ان کے ساتھ ہی رہتا ہے، جس کی پرورش پروین بیگم نے کی ہے۔

دوسرا گھر شمشاد بیگم کا ہے جو پروین کی ماں ہے۔ پروین بیگم کے بڑے بھائی نوید مراد ٹھیکے دار ہیں۔ ان کی شادی ساجدہ سے ہوئی جو سراسر ان کی ماں اور بہن کی پسند تھی لیکن ساجدہ نے اپنی نیک فطرت سے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہ چھوٹی سی جنت نوید مراد کو بے حد عزیز ہے۔ اسے خوشخبری ملتی ہے کہ ان کے گھر ایک ننھے مہمان کا اضافہ ہونے والا ہے۔ وہ اس خوشی میں مگن تھا کہ ایک دن اچانک ساجدہ سیڑھیوں سے گر جاتی ہے۔ اسے انتہائی نازک حالت میں اس کی ماں اسپتال لے کر جاتی ہے۔ پروین بیگم اور اس کی ساس شوکت جہاں فوری طور پر اسپتال کا رخ کرتی ہیں۔

تیسری کہانی مظہر بھٹی اور منزہ کی ہے۔

مظہر بھٹی نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف منزہ سے شادی کی۔ منزہ کا تعلق ایک پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے گھرانے سے ہے۔ مظہر نے اسے کالج آتے جاتے اس وقت دیکھا تھا، جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اکثر اس کے انکل کی دکان پہ آتی تھی۔ اس کی طبیعت کے سادہ پن نے مظہر کو اپنا اسیر بنا لیا اور اس نے فوری طور پر سنجیدہ قدم اٹھاتے ہوئے منزہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ تین سالوں کی رفاقت میں دونوں میں مثالی محبت جنم لے چکی ہے جس میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا ہے۔ اسی دوران ان کی زندگی کو سوہا کی شمولیت نے مزید خوشگوار بنا دیا ہے۔ مظہر کی ماں نصرت بیگم اور بہن شمیم، منزہ کی دل شکنی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ مظہر اس جنگ میں ہمیشہ منزہ کا ساتھ دیتا ہے۔ منزہ اپنی صلح جو

www.pkdigest.com

فائزہ افتخار

خیال سے گلاب

طبیعت کے باعث اس صورت حال سے پریشان رہتی ہے۔
ساجدہ زخموں سے جانبر نہیں ہوپاتی اور ایک بچی کو جنم دے کر فوت ہوجاتی ہے۔ ایسے میں پروین ہی بچی کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس موقع پر بھی شمشاد بیگم اپنے زبان کے تیر چلانے سے باز نہیں آتی جس سے سراج دین کا دل اپنی ساس کے لیے مزید کھٹا ہوجاتا ہے۔ پروین بچی کا نام وشمہ تجویز کرتی ہے۔
مظہر سے چھوٹا اصغر واجبی تعلیم کا مالک ہے۔ باپ کے کاروبار کا کل وارث ہے۔ گھر کا سارا خرچ وہی اٹھاتا ہے۔ مظہر ایک طوائف زادی رینا کی زلفوں کا اسیر ہے۔ رینا، جعفر محمود کو پسند کرتی ہے جو ایک اعلا سرکاری افسر ہے۔ جعفر محمود محض وقت گزاری کے لیے رینا کے ساتھ شامیں بتاتا ہے۔
اصغر مظہر کے سامنے اپنی پسندیدگی کا اظہار کردیتا ہے جس پر مظہر غصے میں آکر اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیتا ہے۔
پروین، وشمہ کی جانب سے خاصی فکرمند ہے جبکہ اس کے آئے دن کے میکے کے دورے سراج الدین کو چراغ پا کیے رکھتے ہیں۔ ایسے موقع پر پروین کے پاس صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔
شمع، رینا کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ جعفر محمود سے شادی کی بات کرے جس پر وہ سوچ میں پڑجاتی ہے۔ جعفر محمود ابھرتی ہوئی ماڈل سومیہ کی زلفوں کا اسیر ہوگیا ہے، اس لیے رینا کو نظرانداز کرتا ہے۔ اس کے نئے افیئر کے قصے اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ ڈال ڈال منڈلانا جعفر محمود کی خصلت ہے۔ خاندانی بیوی مدیحہ اور تین بیٹیاں آبائی گھر میں ساس سسر کے ساتھ رہتی ہیں۔ مدیحہ گھریلو طبیعت کی مالک ہے۔ تاہم مشرقی روایات پر سختی سے کاربند رہنے کی روش جعفر محمود کو کچھ پسند نہیں ہیں۔ مدیحہ گھریلو طبیعت کی مالک ہے۔ تاہم مشرقی روایات پر سختی سے کاربند رہنے کی روش جعفر محمود کو کچھ پسند نہیں۔ یہ شادی اسے اپنی بڑی بہن کی وجہ سے ونے سٹے کے طور پر کرنی پڑی۔ رینا، جعفر محمود سے اس افیئر کے متعلق بازپرس کرنے اس کے گھر پہنچ جاتی ہے جس پر جعفر اسے بہت بے عزت کرتا ہے۔ رینا اس رویے پر سکتے میں آجاتی ہے۔ عین موقع پر جعفر کے گھر والے اسلام آباد سے لاہور پہنچ جاتے ہیں۔ جعفر اپنے نوکر کے ذریعے اسے پچھلے دروازے سے نکلنے کو کہتا ہے لیکن جعفر کی بیوی مدیحہ اسے دیکھ لیتی ہے۔ وہ اسے ممکنہ خطرے کے پیش نظر وہاں سے بھگادیتی ہے۔

اصغر گھر والوں سے بغیر پوچھے رینا سے نکاح پڑھوا کر گھر لے آتا ہے جس پر گھر کے تمام افراد صدمے سے دنگ رہ جاتے ہیں۔ نصرت بیگم اور شمیم اسے نکالنے کے درپے ہوتی ہیں لیکن رینا ڈنکے کی چوٹ پر ان کا مقابلہ کرتی ہے۔
مظہر کی اچانک موت پورے خاندان کے لیے ناقابل تلافی نقصان ثابت ہوتی ہے۔ منزہ صدمے سے نیم پاگل سی ہوجاتی ہے جبکہ نصرت بیگم جوان بیٹے کی موت سے ڈھے سی گئی ہیں۔ اس عرصے میں رینا ڈرا سے بازی اور چکنی چپڑی باتوں سے اصغر کو اپنے دام میں پوری طرح پھنسا لیتی ہے۔
منزہ کی ابنارمل حالت کے پیش نظر اس کا بھائی جمشید اور بھابھی ثناء اپنے پاس لے آتے ہیں۔ جہاں آکر اس کی دماغی صحت قدر بہتر ہونے لگتی ہے لیکن بڑھتے ہوئے اخراجات کے باعث وہ واپس ساس کے پاس آنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ نصرت بیگم کھلے دل سے اس کا استقبال کرتی ہیں لیکن گھر کی بدلی ہوئی حالت اسے بتادیتی ہے کہ اب ماحول پہلے جیسا نہیں رہا۔ اس عرصے میں اس کے سسر کا انتقال ہوچکا ہے۔ تاہم منزہ اپنے اور سوہا کے مستقبل کے لیے یہیں رہنے کا فیصلہ کرتی ہے۔
شوکت جہاں، وشمہ کی بھلائی کے لیے نوید کی دوسری شادی کا مشورہ دیتی ہیں جس پر پروین اور شمشاد بیگم وقتی طور پر حیران ہوتی ہیں۔ تاہم بعد میں انہیں شوکت جہاں کا مشورہ معقول لگتا ہے، وہ حمیدی بوا کو اس ممکن پر لگاتی ہیں۔
نصرت بیگم کی تمام تر حمایت کے باوجود رینا، منزہ کا رہنا دوبھر کردیتی ہے۔ نصرت بیگم مرنے سے پہلے یہ وصیت کرتی ہیں کہ منزہ واپس اپنے بھائی کے گھر چلی جائے۔ رینا شمیم پر بدچلنی کا الزام لگاتی ہے جس سے خوف زدہ ہوکر منزہ جمیل بھائی کے گھر آجاتی ہے۔ ابتدا میں کلثوم بھابھی کا رویہ سوہا اور منزہ سے اچھا ہی رہتا ہے۔ جمیل بھائی، عرفان (کلثوم بھابھی کے بھائی) سے منزہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں جس پر کلثوم ہتھے سے اکھڑ جاتی ہے۔ جمیل بھائی دراصل سالے کی جائیداد پر قبضہ جمانے کے لیے منزہ کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کلثوم ان کا مقصد جان کر منزہ کے لیے خود سے رشتے کی تلاش شروع کرتی

ہے۔ اس سلسلے میں ثنا اور جمشید بھائی کی حمایت ان کے ساتھ ہے۔ بوا حمیدی کے توسط سے نوید ٹھیکے دار کے یہاں منزہ کا رشتہ پکا ہوجاتا ہے۔ طے یہ ہوتا ہے کہ سوہا شادی کے بعد جمیل بھائی اور کلثوم بھابھی کے یہاں ہی رہے گی۔ اس کڑی شرط پر منزہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہونا پڑتا ہے۔ شادی کی اولین رات نوید، وشمہ کو منزہ کی گود میں ڈال کر اس کڑی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے۔
شمشاد بیگم کو منزہ کی شکل میں نیا ہدف ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ منزہ کو کچوکے لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ نوید ٹھیکے دار، منزہ کی دل جوئی کے لیے سوہا کو اپنے گھر لے آتا ہے جس پر شمشاد بیگم کو پتنگے لگ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی وشمہ کو ارادتاً منزہ سے دور رکھا جاتا ہے۔ سوہا، ماں کی محبت پر چڑچڑی اور ضدی ہوجاتی ہے۔ دونوں کی یکساں انداز میں پرورش کرنے میں منزہ ہلکان ہوجاتی ہے۔ صرف ٹھیکے دار کا ساتھ اس کی ہمت بندھائے ہوئے ہے۔
جعفر محمود، مدیحہ کی محبت سے متاثر ہوکر اس کی جانب ملتفت ہونے ہی لگتا ہے کہ اچانک سالے کم بہنوئی مکرم بھائی، اپنی کزن مہتاب آپا سے شادی کرلیتے ہیں جس پر مدیحہ کے ذہن کو شدید نفسیاتی جھٹکا لگتا ہے۔ جعفر اپنی بہن کو واپس میکے لے آتا ہے لیکن مکرم بھائی مہتاب آپا کو طلاق دے کر معاملہ سلجھا لیتے ہیں۔ جعفر محمود، بہنوئی کی بے عزتی کا نادر موقع ہاتھ سے جانے پر تلملاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔
رینا مردہ بچی کو جنم دیتی ہے جس کے بعد ڈاکٹر، اصغر کو بتاتے ہیں کہ اب وہ کبھی دوبارہ ماں نہیں بن سکتی یہ صدمہ کئی دن دونوں کو ہلکان رکھتا ہے۔ آفر یتیم خانے سے بچہ لا کر دینا کا دل بہلاتا ہے لیکن اپنے بے صبرے پن اور کم حوصلے کے باعث جلد ہی بچے کو دوبارہ یتیم خانے بھیج دیتی ہے۔ اس کی نفسیاتی کیفیت اصغر کو مستقل نڈھال رکھے ہوئے ہے۔
حالات منزہ کو زندگی کا مشکل ترین فیصلہ کرنے پر مجبور کردیتے ہیں اور اسے سوہا کو نہ چاہتے ہوئے بھی جمیل بھائی کے پاس بھیجنا پڑتا ہے۔ اولاد نہ ہونے کی بنا پر اصغر سوہا کو لینا چاہتا ہے۔ جمیل بھائی کا زرخیز ذہن فوراً "بھانجی کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کا پلان بنالیتا ہے۔ منزہ کو بیٹی کے بہتر مستقبل کے طوعاً" کرہاً" رینا اور اصغر کی تحویل میں دینے کے لیے آمادہ ہونا ہی پڑتا ہے۔
مشکل وقت یوں ہی گزر جاتا ہے اور اپنے پیچھے داستان چھوڑتے ہوئے پھر زندگی کی نئی بساط بچھ جاتی ہے۔ نئی نسل پروان چڑھ کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیتی ہے۔ شمشاد بیگم جن کے قدموں کی دھمک گھر بھر میں گونجتی تھیں، فالج کے مرض کا شکار ہوکر حالات کے رحم و کرم پر ہیں۔ اب گھر میں منزہ کا سکہ چلتا ہے اور وشمہ بھی اسی کا دم بھرتی ہیں۔
گزرتے وقت نے مدیحہ کی شکی طبیعت پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ جوان بیٹیوں کی موجودگی میں بھی وہ زہریلے طنز کرنے سے باز نہیں آتیں۔ بڑی بیٹی تحریم واجبی شکل و صورت کی ہے اور ایک پختہ عمر کے شخص وحید کو پسند کرتی ہے۔ وحید نے اسے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنے دام میں پھنسا رکھا ہے۔ وہ وحید کے کہنے پر اپنے گھر آنے والے ہر رشتے کو انکار کردیتی ہے۔
پروین بیگم کو سسرال میں اپنے بھرم کے لیے وصی کی پرورش ناز و نعم سے کرنا پڑی جس سے وصی کے مزاج میں لاابالی پن آگیا ہے۔ تاہم تعلیم کے میدان میں وہ خاصا سنجیدہ ہے اور ایم بی اے میں ایڈمیشن لینے والا ہے۔ پروین بیگم کا بڑا بیٹا حسن کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے جبکہ حسان تعلیم کے معاملے میں خاصا لاپروا ہے۔ رخشندہ بیگم کی طبیعت میں وہی کنجوسی پن غالب ہے۔ رخشندہ کی چھوٹی بیٹی ظل ہما، وصی میں دلچسپی لیتی ہے جس کا احساس وصی کے علاوہ سب کو ہے جبکہ بڑی بیٹی ندا کالج میں پڑھاتی ہے۔ وصی کی ندا سے خاصی دوستی ہے۔
گزرے ماہ و سال نے رینا کے طور اطوار میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اپنی ذات پر توجہ دینے کا شوق ہنوز برقرار ہے جس سے اب اصغر کو بے زاری ہونے لگی ہے لیکن اس معاملے میں وہ کسی کی نہیں سنتی۔ دونوں نے سوہا کو اپنی سگی اولاد کی طرح پالا ہے۔ حد درجہ توجہ اور پیسے کی زیادتی نے اسے ضدی اور ہٹ دھرم بنادیا ہے۔ کالج میں اپر کلاس کی بگڑی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے جس نے اس کی ظاہری شخصیت پر بھی گہرے اثرات ڈالے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۸

اٹھائیسویں قسط

www.pkdigest.com

"بہت ہی سست لڑکی ہو تم۔۔۔ بریانی پڑے پڑے ٹھنڈی ہو گئی۔۔۔ مگر تم نہیں اٹھیں۔۔۔ اٹھتی ہو کہ میں جاؤں خود۔۔۔؟"

رخشندہ نے پڑھائی میں غرق ردا کو تیز نظروں سے گھورا۔ اس پہ مطلق اثر نہ ہوتے دیکھ کر پھر سے اضافہ کیا۔

"زیادہ سے زیادہ لوگ یہی کہیں گے کہ تین تین بیٹیوں کی ماں خود ہاتھ میں ڈش پکڑے، دوسرے ہاتھ سے گھٹنا پکڑے سیڑھیاں اتر رہی ہے۔"

ان کے گھٹنوں میں پچھلے تین چار روز سے تکلیف تھی۔

اور یہ بلیک میلنگ کچھ کچھ کارگر رہی۔ ردا نے زور سے کتاب بند کی۔

"لائیں۔۔۔ دیں۔۔۔ ان دونوں کو تو منگنی ہوتے ہی آپ نے ہتھیلی پہ بٹھا کے رکھ لیا ہے۔ کوئی کام ہی نہیں کرنے دیتیں۔ میرے ایگزامز ہو رہے ہیں اور پھر بھی سارے گھر کے کام مجھ ہی کو کرنے ہیں۔"

وہ ناراض ناراض سی اٹھ گئی تھی۔

"متلا"۔۔۔؟ کون کون سے گھر کے کام۔۔۔!"

اس سفید جھوٹ پہ رخشندہ کو تاؤ تو بڑا آیا۔۔۔ پھر بھی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ جیسے۔۔۔ جیسے کل رات فریج میں پانی کی ساری بوتلیں میں نے بھر کر رکھیں۔۔۔ اور ہاں کل شام کی چائے میں نے بنائی تھی۔۔۔ وہ بھی۔ سب کے لیے۔۔۔ صبح آملیٹ کے لیے پیاز بھی ہما نے مجھ سے کٹوائی۔۔۔ لاؤنج میں بکھرے اخبار بھی آپ نے مجھے ہی سمیٹنے کو کہا تھا۔"

"جو پھر بھی تم نے نہیں سمیٹے۔"

ہما اس بحث سے اکتا کے کچن سے نکل آئی۔۔۔

"ہاں تو میں دوسرے کاموں میں بزی تھی۔ تمہارے پاس تو اچھی جگہ ہے چھپنے کی۔۔۔ کچن۔۔۔"

"میں کچن میں چھپ کر کرتی کیا ہوں۔۔۔؟ یہ پتا ہے تمہیں۔۔۔؟"

ہما نے بریانی کی ڈھکی پلیٹ سے خوان اٹھا کے سرسری سی نظر ڈالی اور پلیٹ اٹھالی۔

اس کا ارادہ بھانپ کر ردا پھر سے بیٹھ گئی اور کتاب کھول لی۔

"پھر سے بیٹھ گئی ہو۔۔۔ میں تمہارا کیا کروں ردا۔۔۔"

رخشندہ کو غصہ تو اس کی کام چوری پہ آتا ہی رہتا تھا۔۔۔ اب مایوس بھی ہونے لگی تھیں۔ ندا اور ہما بھی پڑھائی میں مصروف رہا کرتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ گھر کے کاموں میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ ندا نے جب سے کالج جوائن کیا تھا۔ وہ چھٹی کے دن وہ شاذ و نادر ہی کچن کو رونق بخشا کرتی۔۔۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی حد درجہ بڑھتی مصروفیت تھی۔ دوسرے تھکن کے پیش نظر رخشندہ نے خود ہی اس پہ کم ذمہ داریاں عائد کر رکھی تھیں اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہما نے اپنی گہری دلچسپی کی وجہ سے خود ہی تن تنہا بہت سی ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں۔

ردا، ندا اور خود رخشندہ کے لیے بہت کم کام باقی بچتا لیکن رخشندہ کی خواہش بھی فطری تھی کہ بھلے بیٹیاں کم کریں نہ کریں گھروں میں نوکروں کی فوج کیوں نہ ہو لیکن انہیں ہر کام میں طاق ضرور ہونا چاہیے۔

"اب میرا کیا قصور ہے امی۔ اسے دیکھیں اس کا اپنا جی مچل رہا ہے سسرال میں حاضری دینے کا۔"

اس بات سے ہما ایسا تپی کہ پلیٹ دوبارہ پٹخ دی۔

"جاؤ اب خود ہی۔"

ردا بات کہہ کر پچھتائی۔۔۔

"ارے سنو تو۔۔۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

مگر وہ تیز تیز قدموں سے کچن کی جانب چل دی تھی۔

"فضول گوئی کی عادت ترک کر دو ردا۔۔۔! یہ ہمیشہ خجالت ہی دیتی ہے۔"

رخشندہ کو بھی اس کا یہ کہنا اچھا نہیں لگا۔ کیونکہ اس کے ردِ عمل کے طور پر وہ ہما کے چہرے پہ کچھ عجیب سے تاثرات دیکھ چکی تھیں۔

"وہ اس کے چچا کا گھر ہے۔۔۔ یہ سسرال و سسرال بعد کی باتیں ہیں۔ جاؤ ظلِ ہما! تم دے آؤ یہ بریانی نیچے۔ تمہاری دادی ویسے بھی دوپہر کا کھانا جلدی کھاتی ہیں۔"

ہما اب قطعاً "نہیں جانا چاہتی تھی لیکن ماں کو صاف انکار بھی نہیں کر سکتی تھی اس لیے تذبذب کے عالم میں وہیں کھڑی رہی۔

"جاؤ بھی۔۔۔ ویسے بھی حسن کون سا اس وقت گھر پہ ہوتا ہے جو تم جھجک رہی ہو۔"

اس کی جھجک کو رخشندہ نے اپنی فہم کے مطابق معنی پہنائے۔ اب ہما مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی انہیں۔ اس لیے پلیٹ اٹھا کے نیچے آ گئی۔

کتنے دنوں بعد وہ اس پورشن میں آئی تھی۔ سب کچھ الگ الگ اور اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔

"ارے ہما۔۔۔" پروین اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں۔ "آؤ بیٹا۔۔۔ شکر ہے تم نے بھی قسم توڑی۔۔۔ میں تو سچ میں رخشندہ سے گلہ کرنے والی تھی۔ اس نے منع کیا ہو گا ناں۔۔۔ حالانکہ رشتہ تو وہی ہے بیٹا۔۔۔ وہی گھر، تمہارا اپنا تمہارے چچا کا گھر، چچی کا گھر، دادی کا گھر۔۔۔"

"یہ بات نہیں چچی۔۔۔" وہ محجوب سی ہو گئی۔ "انہوں نے منع نہیں کیا بس ٹائم ہی۔۔۔"

"بس بس رہنے دو نئی نئی مصروفیت ہے تمہاری جو میرے پاس آنے کا ٹائم اب نکالنا پڑے گا۔"

انہوں نے ہما کا ہاتھ تھام کے اپنے پاس بٹھایا۔

"کیا پیو گی۔۔۔؟ کوک یا شربت اور یہ کیا لائی ہو؟"

"نہیں کچھ نہیں چچی۔۔۔ ابھی ابھی چائے پی ہے اور یہ بریانی امی نے بھیجی ہے۔"

اس نے بھی دونوں سوالوں کے جواب اکٹھے ہی نمٹائے۔

"تم نے بنائی ہے۔۔۔؟"

"جی۔۔۔"

"پھر تو مزے کی ہو گی۔۔۔"

"امی کے کہنے کا مطلب ہے کہ رخشندہ امی بڑی فضول بریانی پکاتی ہیں۔"

اس کی گھبراہٹ کم ہوتے ہوتے اب ختم ہی ہونے والی تھی کہ وصی کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔۔۔ سارا لہو چہرے پہ سمٹ آیا۔۔۔

یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ یہاں آنے پہ اس سے بھی سامنا ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ تو اسی پہ مطمئن ہو گئی تھی کہ کم از کم حسن سے مڈبھیڑ نہیں ہو گی۔ اس نے تو اس نئے رشتے کے بعد یہاں آنا کم کر دیا تھا۔ لیکن نامعلوم خوبات کی بنا پر وصی کے بھی اوپر کے چکر گھٹتے گھٹتے غائب ہو چکے تھے۔

"تم باز نہ آنا اپنی شرانگیزیوں سے۔۔۔"

پروین نے پیار سے اسے گھرکا۔

"ویسے تم اس وقت؟ حسن بھائی تو دو بجے تک آتے ہیں۔" وصی نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ کر

www.pkdigest.com

کہا۔

وہ گھبرا کے ہاتھ مسلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چلتی ہوں چچی۔۔۔"

"ارے۔۔۔ بیٹھو تو۔۔۔ یہ وصی تو بس۔۔۔ تم بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہو۔ تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا۔۔۔ تم بڑے حق سے کسی بھی وقت، کبھی بھی آ سکتی ہو۔۔۔ سمجھیں۔۔۔؟"

"ہا۔۔۔ کبھی بھی۔۔۔ کسی بھی وقت۔۔۔"

وصی نے اضافہ کیا۔

"بس اتنا کرنا۔۔۔ ہمیں پیشگی اطلاع دے دیا کرنا۔ تاکہ ہم حسن بھائی کو کسی بہانے سے گھر پہ روک لیا کریں۔"

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور پروین بظاہر اس سے خفا۔۔۔ مگر اندر ہی اندر اس کی شرارت پہ محظوظ ہوتی اپنی مسکراہٹ چھپاتی ہوئی اس کے کاندھے پہ دھپ لگا رہی تھیں۔

غزل ہما نے شکوہ کناں نظروں سے وصی کو دیکھا۔ جو اب اس کی جانب بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔

حسن کے حوالے سے بہنوں کی چھیڑ چھاڑ۔۔۔ سہیلیوں کی چہلیں اور ماں کی نصیحتیں ہمیشہ اسے بوجھل کر دیتی تھیں۔ اپنے پر کٹنے کی بے بسی کا احساس سوا ہو جاتا تھا لیکن جو ناگوار سا احساس اسے آج وصی کی وجہ سے ہو رہا تھا، وہ ان سب سے بڑھ کے تھا۔ وہ اپنی پیشانی کی شکنیں چھپائے نہیں چھپا پا رہی تھی لیکن کوئی نہ دیکھنے والا تھا نہ سمجھنے والا۔

"بائی واوے، یہ بریانی اس دن والی بریانی تو نہیں ہے۔ بینگن، آلو اور شملہ مرچ والی۔"

وصی نے مسلسل ہنستے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وصی! تمیز کرو بھائی ہے اب وہ تمہاری لگام دو زبان کو۔۔۔"

پروین نے اس کی سنجیدگی بھانپ کر وصی کو ڈانٹا۔

"سوری ماما۔۔۔ میں تو۔۔۔ ہما۔۔۔ سنو تو۔۔۔"

مگر وہ تیز تیز چلتی لاؤنج سے نکل گئی اور کوریڈور کے آخری سرے پہ اندر داخل ہوتے حسن سے بری طرح ٹکرا گئی۔

دونوں کو ہی اس ٹکراؤ کی توقع نہیں تھی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کے وجود سے گریزاں تھے۔

دونوں ہی اپنے مابین رشتے سے خائف تھے۔

اور دونوں ہی نہ چاہتے ہوئے بھی اس وقت ایک دوسرے کے مقابل ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے اجنبیت تھی۔

دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے سرد مہری تھی۔

لیکن دونوں کے ہاتھوں کی لکیریں ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

نوید مراد نے بہت پس و پیش کے بعد منزہ سے کہا تھا۔ کہے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ آخر کو بہن کی سسرالی معاملہ تھا اور وہ ان سے فون پہ آنے کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔ ڈر تھا تو صرف منزہ کی مخالفت یا خفگی کا لیکن خلاف توقع ایک بھی لفظ کہے بغیر فوراً جانے پہ تیار ہو گئی۔

"ماما...! آپ... آپ پھوپھو کے ہاں..."
وشمہ بہت کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی... مگر پوچھ نہ پا رہی تھی۔
"ہاں میری جان... جانا تو پڑے گا..."
منزہ نے بریزے کے نئے سوٹ کے ساتھ میچنگ گولڈ ٹاپس نکالتے ہوئے کہا۔
"حالانکہ میں کبھی بھی وہاں جانا پسند نہیں کرتی اور میں نے یہ بات کبھی بھی تم سے یا تمہارے پاپا سے چھپائی بھی نہیں ہے۔ مجھے منافقت آتی ہے نہ چاپلوسی اسی لیے تو نہ کبھی پسندیدہ بہو بن سکی نہ بھابی لیکن مجھے کوئی افسوس نہیں۔ منافقت اور چاپلوسی کے سہارے ملنے والی محبت اور توجہ سے میں ایسے ہی بھلی لیکن تمہاری خاطر بیٹا! تمہاری خاطر... صرف اور صرف اپنی بیٹی کے لیے میں یہ کرنے پہ بھی تیار ہوں۔"
وشمہ نے عقیدت سے اسے دیکھا۔
"اگر تھوڑی سی منافقت... تھوڑی سی خوشامد، تھوڑی سی ملاوٹ سے میری بیٹی کے من کی مراد پوری ہوتی ہے تو مجھے یہ کرنے میں کوئی عار نہیں۔"
وشمہ نے اس بار نظریں جھکا لیں۔
نجانے حیا کے بوجھ سے...
یا اپنی ذات کی وجہ سے ملنے والی شرم ساری کے باعث...
"ماما آپ... میں کیسے بتاؤں کہ آپ میرے لیے..."
وہ اپنی انگلیاں مسلتے ہوئے بہت مشکل سے کہہ رہی تھی۔ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اس کی ایک کمزوری کی وجہ سے ماما خود کو اتنی مشکل میں ڈالیں۔ خود پہ غصہ بھی آ رہا تھا کہ ایسی بھی کیا بے قراری۔ جو پورے وجود سے چھلک گئی اور راز، راز نہ رہا۔ اسے اپنا آپ بے حد ہلکا لگ رہا تھا۔
اگرچہ منزہ نے اس سے کوئی باز پرس کی تھی نہ ہی روایتی ماؤں کی طرح ڈھکے چھپے الفاظ میں تنبیہہ کی تھی۔ اس کے باوجود خود کو کسی گہرے بوجھ تلے دبا ہوا پا رہی تھی۔ خوشی کا ہلکا سا احساس بھی وہ خود میں جگانے میں ناکام رہی تھی کہ اسے وہ ملنے جا رہا ہے۔ جس کے اس نے محض خواب دیکھے ہیں۔ منزہ کے اس معاملے میں ملوث ہونے کے بعد اسے اپنے خوابوں میں تعبیر کا رنگ تو بھرتا نظر آ رہا تھا لیکن اپنی ذات سے اعتماد اور مان کے رنگ اڑتے نظر آ رہے تھے...
"ماما کچھ تو کہتیں، کوئی ڈانٹ، تھوڑی سی نصیحتیں... مگر..." اس کا نادان دل یہ گتھی سلجھا نہ پا رہا تھا۔
"تم بالکل ٹینشن نہ لو..." منزہ نے اس کے گال تھپکے۔ "تمہاری ساری فکریں اب میری ہیں..."
اس نے وشمہ کے ماتھے پہ بوسہ دیا اور تسلی دی۔
"بس تم صرف دعا کرنا کہ میں اپنی بیٹی سے کیا وعدہ نبھانے میں کامیاب رہوں۔"
"منزہ...!" نوید کی آواز پہ وشمہ ہڑبڑا کے پیچھے ہٹی۔
"کتنی دیر اور ہے؟"
ہلکی سی دستک کے ساتھ آتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
وہ سفید کلف لگی شلوار قمیص میں پوری طرح تیار تھے۔
"بس آدھا گھنٹہ..."
منزہ نے مسکرا کے تسلی دی اور ٹاپس پہننے لگی۔
"اب اور آدھا گھنٹہ کس لیے چاہیے؟" وہ جز بز نظر آ رہے تھے۔ "تیار تو لگ رہی ہو۔"

اس نے تنقیدی نظروں سے منزہ کا جائزہ لیا۔ جو عمر کی پانچویں دہائی پہ دستک دیتی ہوئی بھی اپنی عمر کے لحاظ سے خاصی تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ خوش لباسی دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔ خوش ذوقی کا گراف خوشحالی کے گراف کے ساتھ ہمیشہ ہی اوپر کی جانب بڑھتا ہے۔ سو ایسا ہی یہاں بھی ہو رہا تھا۔
بریزے کا بیش قیمت سوٹ موسم کی مناسبت سے بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ ایک کلائی میں دو کنگن، دوسرے میں ہیرے لگا نازک سا بریسلیٹ۔ گلے میں پچھلے سال عمرے سے واپسی پہ لایا موتی چین والا لاکٹ... ہیرے لگی دو انگوٹھیاں اور روبی سے مزین گولڈ کے بھاری ٹاپس۔ میک اپ کے نام پہ ہلکی سی لپ اسٹک اور پاؤڈر...
"میری تیاری ہو گئی... آپ کی رہتی ہے۔"
"میری...؟ مجھے کون سے ہار پھول پہنانے رہتے ہیں اب۔"
"ڈرائیور کو بھیجا ہے۔ موچی گیٹ... لال کھوہ والی برفی لانے... پروین کو پسند ہے ناں... مٹھائی تو لے کر جانا ہی تھی... سوچا اس کی پسند کی لے جاؤں اور آپ تو جانتے ہیں اس وقت موچی گیٹ کے پاس ٹریفک کا کوئی حال ہوتا ہے...؟ پھنس کے رہ جاتے اس لیے اسے ویگن پہ جا کے لانے کو کہا ہے۔"
"حد کرتی ہو منزہ... اب پتا نہیں وہ کتنی دیر میں آئے گا۔ اور مٹھائی وہ لینے گیا ہے تو باہر ٹیبل پہ پیکنوں میں کیا رکھا ہے۔"
"تحفے... اس نے بیٹے کی باقاعدہ منگنی کی ہوتی تو قاعدے کے حساب سے میکے والے ہونے کے ناتے ہمیں سب کی پہناوئی کے جوڑے دینا ہوتے... میں نے باتوں باتوں میں پوچھا تھا۔ ان لوگوں کا منگنی کی تقریب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ایک ہی بار شادی رکھی ہے سال کے آخر میں۔ منگنی نہ سہی، رشتہ تو طے کیا ہے۔ ہم تو اپنی طرف کی رسم نبھائیں گے ورنہ لوگ باتیں کریں گے کہ میکے والے اتنا بھی نہ کر سکے۔"
نوید کو بیوی کی باتوں سے تقویت بخش احساس ہوا۔
"وہ تو اچھی بات ہے۔ تم نے بھلا ہی سوچا لیکن پروین کے سسرال والے اچھے سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔ ایسی باتیں نہیں سوچتے۔"
"معاف کیجیے گا... میں پروین کے سسرال سے اتنا قریبی تعلق تو نہیں رکھتی کہ ان کے بارے میں اندازہ لگا سکوں کہ کس مزاج کے ہیں لیکن جن سے میرا واسطہ پڑتا رہتا ہے یعنی آپ کے بہنوئی صاحب، وہ سو فیصد اسی مزاج کے ہیں اور ایسی باتیں صرف سوچتے ہی نہیں برملا کہہ بھی دیتے ہیں۔"
منزہ کے صاف جتا دینے پہ نوید مراد خفیف سا ہو گیا۔
"ہاں، وہ بھائی صاحب کی عادت کچھ..."

☼ ☼ ☼

"آج شام کو جلدی آ جانا..."
ماں کی تاکید پہ اس نے بجھے بجھے انداز میں وجہ دریافت کی۔
"بھائی جان آ رہے ہیں... بیگم کے ساتھ۔ وشمہ بھی ساتھ ہو گی۔"
اس اطلاع پر وہ سلگ اٹھا۔
"یا وحشت... لوگ سنبھلنے بھی نہیں دیتے۔ پھر گلہ کرتے ہیں کہ ہوش کیوں گم ہیں۔ جب بھی میں اس بدلی ہوئی صورتحال سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی موڑ پھر سے مجھے اس مقام پہ لا کے کھڑا کر دیتا ہے۔"

www.pkdigest.com

"تمہاری منگنی کی مبارک دینے آرہے ہیں۔"
"کیا ضرورت تھی اس کی۔" وہ جل کے بولا۔
"اللہ خیر کرے' ضرورت کیوں نہیں تھی۔ کیسی فضول باتیں کرتے ہو۔" وہ بگڑ گئیں تو حسن ذرا سنبھلا۔
"میرا مطلب تھا فضول کی رسموں میں الجھا رکھا ہے آپ لوگوں نے خود کو۔ فون پہ مبارک باد دی تو تھی ماموں اور ممانی نے۔"
"تو تمہارا مطلب ہے' وہ یہاں نہ آیا کریں۔ فون پہ بات کرلینا کافی ہے؟"
ہر عورت کی طرح وہ بھی اپنے میکے پہ بات آتی دیکھ کے برہم ہو گئیں۔
"اوہو۔ امی۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو صرف۔"
"دیکھو بیٹا! تم ان رسموں رواجوں کے کتنے بھی خلاف ہو مگر یہ بات ماننی پڑے گی تمہیں کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔ جسے مل بیٹھنے کا بہانہ ہی سمجھ لو۔ اپنی اپنی مصروفیات میں مگن نہ مجھے مہینوں وقت ملتا ہے میکے جانے کا۔ نہ انہیں۔ جبکہ ان کو تو سال سال گزر جاتا ہے۔ یہ مبارک بادیں۔ یہ عیادت۔ یہ مزاج پرسی۔ یہ چھوٹے موٹے تہوار اور تقریبات جیسے عقیقہ۔ غسل صحت' آمین۔ یہ سب تمہیں فضول کی رسمیں لگتی ہوں گی مگر حقیقت یہ مل بیٹھنے کا بہانا ہوتی ہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے۔ مل بیٹھنے کا بہانہ ہی سہی میری منگنی۔" وہ چڑ کے بڑبڑایا۔
"اب میں کام کرلوں؟"
وہ فون بند کرنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔
"ضرور کرو۔ بلکہ ہو سکے تو کام جلد سمیٹ لو۔ گھر پہ مہمان آرہے ہوں تو پہلے سے موجود رہ کر ان کا استقبال کرنا اچھا لگتا ہے۔"
وہ شمہ کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی گھبرا اٹھا۔
"امی۔ مجھے بہت کام ہے آج۔ میں تو پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ آپ کو فون کر کے بتادوں۔ آج معمول سے دیر سے آؤں گا۔"
"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ میں جلدی آنے کا کہہ رہی ہوں۔ تمہیں دیر سے آنے کی سوجھ رہی ہے۔"
"پلیز امی۔ میں کسی کی نوکری نہیں کرتا۔ کہ چھٹی کا وقت ہوتے ہی اٹھ کر آجاؤں کہ مہینے کے مہینے تنخواہ تو مل ہی جاتی ہے۔ یہ ہمارا اپنا کاروبار ہے۔ اپنا۔ اپنے کام کے لیے اپنی ترقی کے لیے اڑتالیس گھنٹے مسلسل بھی کام کرنا پڑے تو کروں گا۔"
"کرتے رہنا مگر پھر کبھی۔ کوئی ڈیڑھ سال کے بعد میرا بھائی گھر آرہا ہے اور باپ بیٹے دونوں کو خیال ہی نہیں ہے۔ دونوں ہی گھر آنے سے انکاری ہیں۔ اب میں کیا کہوں گی بھائی جان سے۔ تمہارے ابو نے تو خیر ساری عمر مجھے میکے کے سامنے شرمندہ کروایا ہے۔ جو رہی سہی کسر ہے وہ اب تم۔"
"اچھا امی۔ پلیز۔ پلیز چپ کریں۔ میں آجاؤں گا۔" وہ گھبرا اٹھا۔
آثار بتا رہے تھے کہ پروین کسی بھی وقت رو دیں گی۔
"لیکن پہلے سے آکر ان کو ویلکم نہیں کر سکتا۔ پلیز اپنی اس فرمائش پہ تھوڑا سا کمپرومائز کرلیں۔ ہاں جلدی آنے کی کوشش ضرور کروں گا۔"
"صرف کوشش؟"
"اوکے وعدہ۔" وہ ہار گیا۔

پروین نے قدرے مطمئن ہو کر فون رکھا اور ملازم کو سامان کی لسٹ تھمانے لگیں۔
"سب کچھ بازار سے ہی منگواؤ گی کیا؟"
شوکت جہاں کب سے ان کا جوش و خروش اور تیاریاں دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔
"نہیں اماں جان! لیکن تھوڑا بہت تو بازار سے منگوانا ہی پڑے گا۔ بھائی جان کون سا روز روز آتے ہیں۔"
"ہاں یہ تو ہے۔ عرصے بعد آرہے ہیں تمہارے بھائی بھاوج۔"
وہ خندہ دلی سے مسکرائیں۔
عام ساسوں کے برعکس ان کی پیشانی کبھی بھی بہوؤں کے میکے سے آنے والے مہمانوں کے ذکر پہ شکن آلود نہیں ہوتی تھی۔ وہ ان کی خوشی میں خوش رہا کرتیں۔ یہی وجہ تھی کہ سب ان کی خوشی کو مقدم جانتے تھے۔ اور دل سے جانتے تھے ورنہ زبردستی کرائی قدریں کتنی کھوکھلی ہوتی ہیں' اس کا اندازہ مشکل نہیں۔ اردگرد بے شمار مثالیں بکھری ہیں۔
"آپ تو جانتی ہیں۔ سردیاں ہوتیں تو گھر میں ہر وقت بنا کے رکھے حلووں میں سے کچھ نہ کچھ پیش کر دیتے ہیں مہمانوں کو۔ بادام کا حلوہ۔ پیٹھے کا۔ دال کا۔ گاجر کا حلوہ لیکن حلووں کا موسم تو ہے نہیں اور حلوے کے علاوہ مجھے بس ایک کھیر بنانا آتی ہے میٹھے میں۔ کھیر بنانے کا وقت ہی کہاں ہے اس لیے قلفہ منگایا ہے اور سیخ کباب تازہ تازہ گرما گرم لگوانے بھیجوں گی حسان کو۔ مجھے تو وہی روز مرہ کے کھانے پکانے آتے ہیں۔ پلاؤ' کباب' کوفتے' قورمہ۔ بھائی جان کو مرغی کے بجائے بکرے کا گوشت بھاتا ہے اس لیے پلاؤ بھی گوشت کا بنایا ہے اور ساتھ کچے قیمے کے کباب' مرغی بس نمک اور کالی مرچ کے ساتھ ہرا مسالہ ڈال کے بھون لی ہے۔ آج کل کی بچیاں وہ چائنیز اور نوڈلز اور برگر وغیرہ شوق سے کھاتی ہیں۔ شاید وشمہ کو بھی پسند ہو' اس لیے حسان سے کہا ہے کہ آتے ہوئے کسی چائنیز ریسٹورنٹ سے نوڈلز پیک کروا لائے۔"
"تو ظل ہما سے کہیں وہ بنا دیتی تمہیں۔ پچھلی بار سراج کے کوئی ملنے والے قطر سے آئے تھے تو اس نے قسم قسم کے کتنے ہی پکوان بنائے تھے۔ ہم تم تو نام سن کر ہی چکرا گئے تھے۔ اس بھلی نے کون سا انکار کرنا تھا۔"
"وہ تو انکار نہ کرتی لیکن اماں جان پہلے کی بات اور تھی اب کی اور۔ اب وہ میری ہونے والی بہو ہے۔ مجھے اس سے کوئی بھی کام کہتے جھجک سی آتی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ شادی سے پہلے ہی بے گار لینا شروع کر دی۔"
"بے گار کی کیا بات ہے؟ اور کون سے لوگ' کیا لوگ نہیں جانتے کہ اس کا اس گھر سے کیا رشتہ ہے؟ وہ اس گھر کی بیٹی پہلے ہے' بہو تو ابھی بننا ہے اسے۔"
"اوروں کی کیا بات۔" وہ دبے الفاظ میں گلہ کرنے لگیں۔
"میری بھابی ہی کم نہیں۔ اسے تو میری ذات میں' میری ہر بات میں خامی تلاشنے کا کوئی بہانا چاہیے۔ اسی لیے تو ہاتھ پیر پھولے جا رہے ہیں میرے کہ کسی قسم کی کوئی کسر نہ رہ جائے۔ ورنہ اسے شکایت کا موقع ملے گا اور وہ میاں کے سامنے جتا بھی دے گی کہ لو دیکھو' سالوں بعد آئے بہن کے ہاں اور یہاں یہ۔"
بات ادھوری چھوڑ کے وہ تلخی سے ہنس دیں۔
"عجیب معاملہ ہے۔ عموماً تو نندیں ایسی صورت حال پیدا کیا کرتی ہیں میکے آ آکر اور ہاتھ پیر بھاوجوں کے پھولا کرتے ہیں کہ بہن کے ماتھے پہ بل دیکھ کے میاں آگ بگولا نہ ہو جائے۔"
شوکت جہاں کی ہلکے پھلکے انداز میں کی گئی بات الماری کی دراز میں سے پیسے نکالتی پروین پہ پل بھر میں منوں لوہا لاد گئی۔
ماضی کے دھندلکوں میں سے عکس پکارنے لگے۔

www.pkdigest.com

"میں نے تو کہہ دیا نوید سے کہ میری پروین دو ہفتے بعد آئی اور تیری زنانی کا منہ متھا ہی نہیں سیدھا ہوتا۔ سڑے بوتھے والی۔۔۔"

"کیا ضرورت تھی اماں۔۔۔ رہنے۔۔۔"

پروین کو بھی اچھا تو نہیں لگا تھا کہ اس کے آنے کے بعد منزہ نے سرسری سا سلام اور خیریت دریافت کرنے کے بعد اسے دوبارہ مخاطب تک نہ کیا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ ضرورت کیوں نہیں ہے؟ پاغلے۔۔۔ تو کلی کلی (اکیلی) بہن ہے۔ بھائی کو مٹھی میں رکھے گی تو میکے میں تیرا کلا مضبوط رہے گا۔ بھائی کو یقین دلاتی رہ کہ زنانی نہیں ماں اور بہن اس کی خیر خواہ ہیں۔"

"وقت خود بتا دیتا ہے اماں! کون کس کا خیر خواہ ہے۔ کیا ضرورت ہے بے کار کی کوششیں کرنے کی اور خیر خواہ میں ہوں۔ آپ ہوں یا پھر بھائی کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھی بات تو یہ ہے کہ بھائی کے زیادہ سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔"

"یہی تو گل ہے۔ وہ کب سگی ہے اپنے خصم کی۔ پچھلے کا درد ہی نہیں نکلتا اس کے کلیجے سے۔ اس کا عشق کم ہو تو میرے نوید کی خیر خواہ بنے۔"

"سچی اماں۔۔۔؟"

وہ کتنی بھی صاف نیت رکھنے کی کوشش کرتی۔۔۔ شمشاد کے زہر کے چھینٹے اسے آلودہ کر ہی دیتے تھے۔

"ہور کی؟ کتنی واری میں نے آپ دیکھا ہے اسے' راتوں کو ہوکے بھرتے۔ اور وہ جو چھپکلی ہے اس کی نڑکی۔۔۔ اس کی آنکھیں چوم چوم نہیں تھکتی۔ میں نے سنا ہے' وہ کوڑھ کرلی ہو ہوا اپنے پیو کی شکل اور آنکھیں لے کر آئی ہے۔"

"اچھا۔۔۔" وہ بدگمان سی ہو گئی اور کچھ کچھ متاسف بھی۔ کہ اس کا بھائی اپنی تمام تر نیک نیتی اور خلوص کے باوجود ایک عورت کی مکمل اور خالص توجہ اور محبت سے محروم تھا۔

"اسی لیے تو میں چاہتی تھی کہ وہ منحوس کم از کم اس گھر سے چلی جائے۔ دور دفع ہو تو شاید اس بدذات کے دل سے پچھلے خصم کا عشق کم ہو اور میرے نوید کے بھاگ کھلے۔ نوید اتو پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے گھوم رہا ہے۔ ہورے کون سا الو کا گوشت کھالیا ہے۔ نہ شکل نہ عقل' نرا تعویذوں کا آسرا۔"

"تعویذ گنڈے؟" وہ متحیر ہوئی۔ اور کچھ کچھ خوف زدہ بھی۔ اسے ان تعویذوں اور عملیات وغیرہ سے بڑا ڈر لگتا تھا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کچھ ہوش کر۔ بھائی کو نکال اس ڈائن کے چنگل سے۔۔۔ میں کون سا طلاق کروانے کو کہہ رہی ہوں۔ خوف خدا ہے بڑا۔۔۔ بے چاری۔ اک تے بیوہ۔۔۔ دوجی طلاقن۔۔۔ اوپر سے یتیم۔۔۔ میں نے کوئی بائے نہیں لینی لیکن اتنا بھی اندھیر نہیں ہے کہ میں اسے من مانی کرنے دوں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈوریں کھینچتی رہتی ہوں۔ تو بھی جب آیا کر اپنا رعب ڈال کے رکھا کر۔ نوید سے چھوٹی ہے تو کی ہوا۔۔۔ ہے تو اکلوتی نناں (نند) آتا ہے نوید اتو بتانا اسے کہ نہ میٹھے میں کچھ بنایا نہ بچوں کو شام کو کوئی کباب چپس مل کے دیے اور سراج کو معدے کی تکلیف ہے پھر بھی بریانی میں مرچیں دبا کے ڈال دیں اور کباب بھی بڑے قیمے کے بنا دیے۔"

"لیکن اماں! انہوں نے تو کھانا کھایا ہی نہیں۔ کام تھا بہت ضروری۔۔۔ اس لیے جلدی۔"

"اوہو۔۔۔ تو کام نہ ہوتا تو رکتا ناں۔۔۔"

شمشاد چڑ گئی۔

"پھر یہی کھانا مرچوں والی بریانی اور بڑے گوشت کے کباب۔ تو کہہ دینا نوید سے کہ سراج نے اس لیے کھانا نہیں کھایا اور خالی پیٹ میز سے اٹھ کے چلا گیا۔ نوید سے برداشت نہیں ہوگی یہ بات کہ اس کا بہنوئی اس کی

بہن سے اس کی وجہ سے ناراض ہو۔ وہ چنگی خبر لے گا اس میسنی کی۔"

"لیکن اماں۔۔۔؟"

وہ متذبذب تھی۔ یہ سب اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ منزہ سے اس کے تعلقات قابل رشک نہ سہی۔ بھلے دونوں میں ابتدا سے ایک نہ سمجھ میں آنے والی سرد مہری اور گریز کا رشتہ تھا۔ اس کے باوجود ایسی سیاست وہ اس کے تو کیا کسی کے خلاف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اس نے ماں کی ہدایت پہ عمل نہیں کیا۔ یہ قابل ستائش بات تھی۔

لیکن قابل مذمت حرکت یہ تھی کہ اس سے مایوس ہونے کے بعد جب شمشاد نے یہی بات اس کے سامنے ہی نوید سے کہی تو وہ کھل کے تردید نہ کر سکی۔ نہ اکیلے میں بھائی کو لے جا کر معذرت کر سکی۔ صرف نظروں ہی نظروں میں ماں سے باز رہنے کی التجا کی جسے شمشاد نے لاپروائی سے مسترد کر دیا تو وہ سانس بھر کے دوسری جانب دھیان لگانے لگی اور اس نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ اس دن کے بعد جب جب وہ میکے آئی تو نوید مراد نے منزہ کو کس کس طرح زچ کیا اور اس کے ہر ہر عمل کو بے پناہ تنقید اور شک کے گھیرے میں لیا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

شوکت جہاں کی بات پر وہ چونکیں۔

"کچھ نہیں۔۔۔ بس ویسے ہی۔"

وہ بوجھل دل کے ساتھ پیسے گننے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ لڑکی بالکل تمہیں گئی ہے۔"

اصغر نے جھنجلا کے کہا تو رنا کی گردن تفاخر کے احساس کے ساتھ خم لے کر بلند ہو گئی۔

"تمہارے جیسی ضدی اور ہٹ دھرم۔۔۔"

"یہ ضد اور ہٹ دھرمی نہیں' مستقل مزاجی اور لگن ہے۔ اپنے مقصد کو پانے کا جنون ہے۔"

اس نے نادیدہ گرد کو اپنی کیپری سے جھاڑتے ہوئے تنفر سے جواب دیا۔ ایک تو ویسے ہی اصغر اس کے سامنے کم مائیگی کے بوجھ تلے دبا نظر آتا تھا۔ اوپر سے وہ جان بوجھ کے اس سے باتیں بھی ایسی بھاری بھرکم کیا کرتی تھی جن سے وہ سٹپٹایا ہوا لگتا۔

"اچھا جنون ہے یعنی اب بھٹی صاحب کی پوتی ہارمونیم بجانا سیکھے گی۔" وہ تپا بیٹھا تھا۔

"کلاسیکل میوزک سیکھنا ہائی کلاس کا Latest ٹرینڈ ہے اصغر! تم نہیں سمجھو گے۔"

"میں صرف اتنا سمجھتا ہوں کہ ہائی کلاس ہو چاہے پرائمری کلاس۔۔۔ ہے تو یہ کنجروں میراثیوں کا کام اب ہمارے خاندان کی لڑکی ہارمونیم بجاتی' طبلہ بجاتی اچھی لگے گی۔"

"وہ کوئی پروفیشنلی یہ سب Own نہیں کر رہی اصغر! اپنے شوق کے لیے کر رہی ہے۔"

"ایسی کیسی اس کے شوق کی۔ مجھے ایسے سارے شوق ناک کے راستے باہر نکالنے آتے ہیں۔"

وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا اور ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ اس قسم کے غیرت کے دورے وقتاً فوقتاً پڑتے رہتے تھے' پہلے جب رنا نے ساڑھی کے بلاؤز کا سائز پہلے کی نسبت مختصر کر دیا۔ جب اس نے تنہائی کے علاوہ سر عام اسموکنگ شروع کی اور تب جب اس نے سوشل کلاسز جوائن کی تھیں اور تب جب کئی سال پہلے اس نے دوستی کے نام پہ سوہا کے سیکشن کے ٹیوٹر سے اچھی خاصی بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔ وہ کلبلا کلبلا کے اپنی غیرت

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest

کے مظاہرے کر رہی دیا کرتا تھا اور بدلے میں رینا سے خاطر خواہ تواضع بھی کروایا کرتا تھا۔

"رینا تم سدا کے وہی اندرون لاہور کے باسی۔۔۔"

رینا نے چبا چبا کے انتہائی حقارت سے کہا۔

"میں باسی ہوں تو تم کون سی سولہویں سال چڑھی ہو' تین چار سال ہی چھوٹی ہو گی مجھ سے۔"

اس کی سمجھ میں نہ تو رینا کی وہ انگریزی آئی تھی جس میں خود رینا بھی طاق نہیں تھی مگر دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے چند سکہ بند جملے اور الفاظ ضرور رٹ رکھے تھے اس نے جن کو وہ اپنی گفتگو میں کچھ اس مہارت اور ذہانت سے ٹانکتی کہ سب اسے کانونٹ کا تعلیم یافتہ سمجھتے۔

اور نہ ہی اس کے پلے رینا کی وہ اردو آتی تھی۔ جو اس نے رسالوں' ناولوں اور شعری مجموعوں سے سیکھی تھی۔ ورنہ جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں زبان اس سے کہیں زیادہ کرخت' تلخ اور شرمناک تھی جس کا چلن اصغر کے ہاں تھا۔

"ویسے ہی کاکی بننے کا شوق چڑھا رہتا ہے۔ اب یہ کوئی تک ہے اس قمیص کے نیچے یہ تنگ موری کا پاجامہ پہننے کی۔ جو ہے بھی گٹوں (ٹخنوں) سے اونچا۔ آدھی پنڈلیاں نظر آ رہی ہیں۔"

"یہ کیپری ہے اسٹوپڈ۔"

رینا سخت بدمزہ ہوئی۔

"جو بھی ہے' ہے تو شوخوں والا لباس اور قمیص کون سی ڈھنگ کی ہے۔ پہلے چھوٹی قمیصوں نے آخر ڈالی ہوئی تھی۔ اب لمبی سلانے لگی ہے تو چاک پہلوانوں کی طرح بغلوں تک ادھیڑ رکھے ہوتے ہیں' آدھا پیٹ اور کمر نظر آ رہی ہوتی ہے۔"

"اصغر۔۔۔ تم میرے ڈریس میں کیڑے نکالنے کے بجائے وہ بات کرو جس کے لیے تڑپتے ہوئے آئے تھے میرے پاس۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"کہاں جانا ہے؟ بوتیکوں کو اجاڑنے؟"

رینا نے گہری سانس لی اور بغور اس کا جائزہ لیا۔ ڈولتا جسم' کھلتی بند ہوتی مخمور آنکھیں' سوجے پپوٹے' لڑکھڑاتی آواز' وہ بے تحاشا پیے ہوئے تھا اور اتنی بحث بھی تب ہی کرنے کی ہمت کرتا تھا جب اس حالت میں ہوتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ جب تک مدہوش ہو کر گر نہیں جائے گا ایسے ہی اپنا اور اس کا دماغ خالی کرتا رہے گا۔

"پارلر جا رہی ہوں اصغر۔۔۔ راستہ دو مجھے۔"

"پارلر ہی جا رہی ہو ناں۔۔۔ کون سے دفتر جا رہی ہو یا اسکول' جو ٹائم پہ نہ گئیں تو گیٹ بند ہو جائے گا۔ بیٹھو آرام سے۔ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔"

"میں نے جس سیلون سے ٹائم لیا ہے' وہاں اپائنٹ منٹ لینے میں ہی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ سوری! میں یہ اپائنٹ منٹ مس نہیں کر سکتی اور وہ بھی تمہاری بے سروپا بکواس سننے کے لیے۔"

آخری فقرہ اس نے زیر لب دہرایا۔ نشے میں چور اصغر سے کوئی بعید نہیں کہ اس حالت میں ایسی اشتعال انگیز بات سننے کے بعد وہ کوئی ہنگامہ بپا کر دیتا۔

"پہلے اس بات کا فیصلہ کرو۔۔۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ سوا کوئی استاد وغیرہ نہیں رکھے گی اس گھر میں۔ گانا بجانا سکھانے والا اشرفیوں کا علاقہ ہے یہ بڑی عزت ہے میری۔ لوگ کیا کہیں گے جب یہاں سے طبلے کی' ہارمونیم کی اور ستار کی آوازیں آئیں گی۔"

"لوگ یہی کہیں گے کہ اصغر بھٹی کے گھر کوئی خوش ذوق انسان رہتا ہے۔ پتا نہیں کس دنیا میں رہتے ہو

تم۔۔۔ جسے تم شریفوں کا علاقہ کہہ رہے ہو۔ وہ شریفوں کا نہیں صرف پیسے والوں کا علاقہ ہے۔ وہ زمانہ گیا اصغر۔۔۔ جب انسان کے درجے اس کے کردار کے لحاظ سے بانٹے جاتے تھے۔ شریف لوگ۔۔۔ نیک لوگ۔۔۔ بے ایمان لوگ۔۔۔ بددیانت لوگ۔۔۔ اب صرف دو کلیگریز ہیں۔ امیر اور غریب۔ یہاں جتنے لوگ رہتے ہیں اپنے کریکٹر سرٹیفکیٹ کی وجہ سے نہیں' بینک بیلنس کی وجہ سے رہتے ہیں۔ ہماری لین میں دو مشہور ترین خواتین رہتی ہیں۔ ایک ملک کی نامور سنگر ہے۔ جس کے نام سے کنسرٹ کے مہنگے ترین ٹکٹس بھی کھڑے کھڑے بک جاتے ہیں اور وہ کسی بازار سے نہیں' شرفاء ہی کے خاندان سے ہے' کیا ہوا جو اس پیشے سے وابستہ ہونے کے بعد شہرت میں اضافہ کے لیے اس نے حرکتیں بازاروالی ہی شروع کردی ہیں۔ ظاہر ہے بارہ میٹر کی ساڑھی لپیٹ کر مائیک سے لپٹ کر گانا گانے والی سنگر کو کون پیسہ خرچ کرکے دیکھنے آئے گا۔ اسے تو کوئی مفت میں ٹی وی پہ دیکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ فوراً" چینل بدل دیا جاتا ہے اور وہ دوسری محترمہ وہ ڈنکے کی چوٹ پہ خود کو بازار کی بنالی ہے لیکن اب اس کا بازار ذرا نئے طریقے سے سجتا ہے وہ نہ کوٹھا سجاتی ہے' نہ اپنے چار کنال کے بنگلے میں مجرے کی محفل سجاتی ہے۔ وہ تھیٹر پہ پیسے خرچ کرکے آنے والوں کو تفریح مہیا کرتی ہے' آرٹ اور فن کے نام پہ اگر ان کے گھروں سے ہر طرح کے آلات موسیقی کی آواز آسکتی ہے تو اصغر بھٹی کے گھر سے کیوں نہیں۔"

"کیونکہ اصغر بھٹی کسی۔۔۔ کی اولاد نہیں۔۔۔"

اصغر کے منہ سے بھاری بھرکم گالی سن کر رینا کے گال دہکنے لگے۔ اسے لگا جیسے اصغر کے منہ سے بدبودار بھبکوں کے ساتھ تیزاب کے چھینٹے اڑ کے اس تک آئے ہوں۔

"میں ہوں وہ اولاد؟"

وہ پوری طاقت سے چلائی اور اپنے کمرے میں ہینڈ فون چڑھا کے بیٹھی سوہا کو اس کے باوجود اس کی آواز آگئی۔ اس نے جلدی سے ایئرفون اتارا اور بیڈ سے اتر کے دروازے تک آئی۔ دو کتوں کے لڑنے کی آوازوں جیسی غرغراہٹ' خراہٹ اور بھنبھناہٹ باہر سے آرہی تھی۔ اصغر اور رینا کے روم سے۔۔۔

وہ ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کے سوچنے لگی کہ باہر جائے یا نہ جائے۔

"ہاں' ہوں میں وہ اولاد۔۔۔ نہ کرتے مجھ سے شادی۔ نہ ناک رگڑتے میری ماں کے سامنے۔ کرلیتے اپنے خاندان کی کسی بانو' سلمٰی یا رشیدہ سے شادی۔ درجن بھر بچے پیدا کرتے اپنے جیسے' نکمے' کم عقل' بدشکل اور بدزبان' کتے لوٹ رہے ہوتے تمہارے اس گھر میں' وہی نقشہ ہوتا جو تمہارے اعلیٰ نسب کے خاندان کے اکثر گھروں کا ہوتا ہے۔ قالینوں سے بدبو کے بھبکے اڑ رہے ہوتے۔ صوفوں پہ سالن اور پان کے داغ لگے ہوتے۔ پردوں سے جھول جھول کر بچوں نے حشر کردیا ہوگا۔ فریج بچے ہوئے باسی کھانوں سے اٹا پڑا ہوتا اور تمہارے بیڈ پہ چربی کے ڈھیر کی صورت وہ عورت پڑی ہوتی جو اس فگر کے باوجود ہی پہنتی جو میں نے پہن رکھا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو تمہارے شریف خاندان کی عورتیں اب تک کلائیوں تک بند آستینوں والی' بند گلے کی قمیصیں پہنتی ہیں۔ وہ تمہارے کزن ارشاد کی شوگر کی ماری بیوی' کبھی اس کی قمیص کے آگے پیچھے سے پھٹے ہوئے گلے ملاحظہ کرنا اور وہ تمہاری پھوپھو کی آدھ درجن پوتیاں۔ کیٹرڈ کالج کی دیواروں تک میں جن کی شرافت کی تاب نہ لاکے دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ ہاں ہوں میں بازاری' تمہارے لیے اتنا کچھ کرکے بھی میں بازاری ہوں؟ تمہارا گھر بنا کے۔۔۔ تمہاری بھتیجی کو کلیجے سے لگا کر پالنے کے بعد' تمہاری پاگل بہن کو جھیلنے کے بعد' تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دینے کے بعد تمہیں اپر کلاس سوسائٹی میں ایک نمایاں حیثیت دینے کے بعد بھی میں بازاری ہوں۔"

نشے میں اصغر تھا۔ جبکہ آپے سے باہر وہ ہو رہی تھی۔ اصغر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور بولتے بولتے جب اس کا حلق خشک ہونے لگا اور دماغ ماؤف۔۔۔ تو وہ لمرا کے نیچے آگری اور سوہا نے ہینڈل پہ رکھے ہاتھ کو

خفیف سی حرکت دی۔

☼ ☼ ☼

"بڑی پیاری بچی ہے وشمہ۔۔۔"

شوکت جہاں نے جھینپی جھینپی۔۔۔ شرمائی شرمائی سی وشمہ کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔

اس نے اپنی متلاشی نگاہیں فوراً" جھکا دیں۔ وہ جب بھی یہاں آتی اس کا رواں رواں وصی کی جانب ہی متوجہ ہوتا تھا لیکن پروین کو آج ہی اس کے انداز اور تیور کچھ بدلے بدلے لگ رہے تھے۔ اس کا شرمانا۔۔۔ اس کی بدحواسیاں۔۔۔ اس کا بار بار راہداری کی جانب تکنا۔ بیٹھے بیٹھے مسکرا دینا۔ ان سب کو وہ اپنے مرضی کے معنی پہنا رہی تھیں اور انہیں ایک نامعلوم سی انجانی سی خفت بھی ہو رہی تھی۔ حالانکہ پھوپھی ہونے کے ناتے انہیں وشمہ سے بہت محبت تھی اور جس طرح وہ پیدا ہوتے ہی ماں کی گود سے محروم ہوگئی تھی۔ اس سے پروین تو کیا باقی متعلقین کی بھی اس کے لیے ہمدردی محبت میں ڈھل کے اور توانا ہوگئی تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنی نظر سے دیکھتیں تو انہیں وصی اور وشمہ کا جوڑ بڑا بھلا لگتا۔ یہ خیال بھی خوش کن لگتا کہ وشمہ کو ان کے گھر کی بہو بنے دیکھ کر ان کی ماں۔۔۔ شمشاد کی روح کو بھی سکون ملے گا کیونکہ ان کی مرتے دم تک یہ خواہش تھی کہ وہ پوتی کو سوتیلی ماں کے بجائے پھوپھی سے زیادہ قریب دیکھیں۔ ماں کی خواہش نے پروین کے اندر بھی یہ کسک جگا دی تھی کہ ان کے اور وشمہ کے مابین روایتی پھوپھی اور بھتیجی والی انسیت اور لگاؤ نہیں ہے۔ اب تو انہیں خوش ہونا ہی چاہیے تھا اور وہ چاہ کے بھی خوش نہیں ہو پا رہی تھیں۔ ان کی خوشی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ منزہ۔

وہ جب جب وشمہ کے کھلے کھلے چہرے پہ محبت بھری نگاہ ڈالتیں برابر بیٹھی منزہ کے ہونٹوں پہ پھیلی استہزائیہ مسکراہٹ انہیں نظر جھکانے پہ مجبور کردیتی۔ ایسا لگتا جیسے منزہ' وشمہ کی کم عمری کی جذباتیت کی تشہیر کرکے انہیں شرمندہ کر رہی ہو۔ جو بھی تھا وشمہ کا اور ان ہی کا خون کا رشتہ تھا۔ اس کی کسی بھی کمزوری کا کسی دوسرے کے ہاتھ میں آجانا پروین کے لیے سبکی کا باعث تھا۔

انہیں یاد تھے منزہ کے وہ الفاظ۔۔۔

"میں وشمہ کی ضد کے آگے مجبور ہوں۔ ورنہ نادان تو میں تب بھی نہیں تھی جب عمر جذباتی پن پہ اکساتی ہے۔ پروین! تم جانتی ہو کہ مجھے دل مارنا آتا ہے۔ جب میں نے اپنی بیٹی کو خود سے دور جاتے دیکھ کر احتجاج کی آواز بلند نہیں کی۔ کوئی اسٹینڈ نہیں لیا تو صرف اتنی سی بات پہ۔ شوہر اور سسرال کے سامنے کیا ڈٹتی کہ وشمہ کو تمہاری بہو بنانا میری دیرینہ خواہش ہے۔ میں کیا اور میری خواہش کیا۔ میں تو وشمہ۔۔۔ اس نے جھکایا ہے مجھے۔ ماں ہوں اس کی اور مائیں جھک ہی جایا کرتی ہیں اولاد کے ہاتھوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کسی انتہا پہ نہ چلی جائے۔"

اور ایسا کہتے ہوئے اس کے الفاظ اور لہجے میں بے شک بہت عاجزی اور انکسار تھا۔ ٹوٹ کر بے بسی ٹپک رہی تھی لیکن پروین کو اس کی آنکھوں میں استہزاء کے رنگ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ نظریں جھکانے کے سوا کچھ نہ کرسکی تھیں۔

"بس بیٹیوں کے نصیب اچھے ہونے چاہیں۔"

منزہ پروین کی ساس کے سامنے بہت متانت کا مظاہرہ کر رہی تھی' ویسے بھی پروین کی باتوں پہ وہ وقتی طور پر چاہے منزہ کے بارے میں بددل ہو جاتیں مگر مجموعی طور پہ ان کی رائے بہو کی اس بھاوج کے بارے میں ٹھیک ٹھاک تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اسے بڑی معقول گفتگو کرتے پایا تھا۔

"بیٹیاں اپنے نصیب لکھوا کے لاتی ہیں۔ کسی کا دیر سے' کسی کا سویرے۔ مگر نصیب کھلتا ضرور ہے۔ اب

www.pkdigest.com

میری پوتیوں کا ہی دیکھ لو۔۔۔ ایک کے بعد ایک کے مقدر کھلتے گئے۔ ندا کا رشتہ تو چلو غیروں سے آیا۔ مگر پھر بھی اتنے اچھے قدر کرنے والے لوگ اور رما تو خیر چچی کے پاس آرہی ہے۔ ویسے ہی دل کو سکون مل گیا۔ اب خیر سے ردا کے لیے بھی اپنے۔۔۔"

"میاں صاحب کو کہا بھی تھا کہ جلدی آجائیں۔ حسان کو کہتی ہوں کہ دوبارہ فون کرے۔"

پروین نے کبھی شوکت جہاں کی بات کاٹنے کی جرات نہیں کی تھی۔ آج مصلحتاً انہوں نے یہ گستاخی کی تو وہ پل بھر کو چپ ہوئیں۔ غور سے ان کا چہرہ دیکھا اور بھانپ گئیں کہ وہ قبل از وقت یہ اطلاع کسی کو دینا نہیں چاہتیں۔ اس لیے موضوع تبدیل کرنا چاہا۔

"میں تو کہتی ہوں بیٹی ہو یا بیٹا۔۔۔ بس اللہ سے اس کی دعا مانگنی چاہیے۔"

"لیکن خالہ جان۔ آپ کی پوتیوں کی بات اور ہے۔ ماشاء اللہ سے ان کے چچا، ماموں وغیرہ کو ان کا خیال ہے۔ کم از کم انہوں نے اپنے بھائی کا بوجھ ہلکا کرنے کا سوچا تو ورنہ اس نفسا نفسی کے دور میں کون کس کے بارے میں سوچتا ہے۔ اب تو رشتے ناتے بھی لوگ اپنے مفاد اور سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طے کرتے ہیں۔"

پروین اپنی جگہ کٹ کے رہ گئیں۔

"اور نوید تو اکیلے اکیلے ہیں۔۔۔ میرا میکہ ہے مگر بدقسمتی سے وہ وشمہ کا ننھیال نہیں ہے۔ میں نے خود سالوں کی ریاضت کے بعد اس کی ماں کا درجہ پایا ہے اور ابھی شاید کئی سال لگیں گے ان لوگوں کو وشمہ کے اپنے بنانے میں۔ بس یوں سمجھیں، مجھے تو خاندان کا بھی آسرا نہیں اور باہر بیٹی دیتے ہوئے سو سو دھڑکے ہوتے ہیں۔ خاص طور سے اتنے لاڈوں سے پالی بیٹی کے لیے۔"

"سو تو ہے۔" شوکت جہاں نے غائب دماغی کی کیفیت میں کہا۔ ان کا سارا۔ دھیان منزہ کی اسی بات پہ اٹکا تھا۔

"نوید تو اکیلے اکیلے ہیں۔"

"اکیلا کیوں۔۔۔؟ بھائی نہ سہی۔ بہن تو ہے۔ پھر منزہ نے ایسا کیوں کہا۔۔۔؟ کہیں وہ۔۔۔"

انہوں نے پرسوچ انداز میں اپنی چوڑیوں سے کھیلتی وشمہ کو دیکھا۔ ہزار بار کی دیکھی ہوئی ان کے سامنے پل کے اتنی بڑی ہونے والی وشمہ۔۔۔

ناک نقشہ تو لاکھوں میں ایک تھا ہی۔

کھلتی ہوئی چمپئی رنگ۔۔۔

کمر سے نیچے آتی گھنی چوٹی۔۔۔

نرم لب و لہجہ۔۔۔ شائستہ اطوار۔۔۔

"یہ خیال تو پروین کو۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ جن کے ساتھ دن رات کا ساتھ ہے۔ ان بچیوں کا دھیان بھی میں نے ہی اسے دلایا۔ تو وشمہ کا خیال کیسے آتا۔ یہ پروین بھی ناں جوان بیٹوں کی ماں ہے اور سمجھ بوجھ۔۔۔ کب تک رہوں گی میں اس کی انگلی پکڑنے کے لیے۔"

وہ مسکرا دیں۔

اور منزہ جو بڑی دیر سے ٹٹولتی نظریں ان پہ جمائے وشمہ میں ان کی دلچسپی کو محسوس کر رہی تھی۔ اس مسکراہٹ سے ایک حوصلہ سا پاتے ہوئے مطمئن ہو گئی۔

"شاید میں ان تک اپنی بات پہنچانے میں کامیاب رہی۔"

☼ ☼ ☼

"ماما۔۔۔ جوس۔۔۔"

سوہا نے سہارا دے کر رینا کی کمر تکیے سے ٹکائی اور جوس کا گلاس اس کے لبوں سے لگانا چاہا۔۔۔ جسے رینا نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔

"نہیں۔۔۔ پانی۔۔۔ بہت زیادہ ٹھنڈا۔۔۔"

سوہا نے بیڈ روم کے کارنر میں رکھے Chiller سے گلاس بھرا اور رینا کے سامنے کیا۔ جسے اس نے ایک گھونٹ بھرنے کے بعد منہ بنا کے پیچھے کر دیا۔

"میں نے کہا ناں بہت زیادہ ٹھنڈا پانی۔۔۔"

نقاہت اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔

بی۔پی شوٹ کر جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ فوری ٹریٹ منٹ کی وجہ سے اس کی حالت سنبھل گئی۔ ورنہ ڈاکٹرز کے مطابق ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو نتیجہ ہارٹ اٹیک یا فالج کی صورت میں ظاہر ہو سکتا تھا۔

ساڑھے چھ گھنٹے تک ہاسپٹل میں رہنے کے بعد اسی کے ضد کرنے پہ اسے گھر لایا گیا اور اب مسکن انجکشن کی وجہ سے لی گئی ایک لمبی نیند کے بعد بھی وہ خود کو بے حد تھکا ہوا اور نڈھال محسوس کر رہی تھی۔

سوہا نے انٹر کام پہ ملازمہ کو آئس کیوبز لانے کی ہدایت دی۔

"کچھ کھائیں گی آپ۔۔۔؟"

"بہت گرمی لگ رہی ہے۔ آگ برس رہی ہے کمرے میں۔"

وہ وحشت کے عالم میں گاؤن کی ڈوریاں کھینچ کر ڈھیلی کر رہی تھی۔

"اے سی فل کولنگ دے رہا ہے مام۔ ایسا کریں، آپ شاور لے لیں فریش فیل کریں گی۔"

"شاور۔۔۔ لیکن آگ میرے باہر نہیں میرے اندر لگی ہے سوہا۔۔۔"

وہ آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی۔

سوہا پریشان ہو اٹھی۔ ڈاکٹر نے سخت تاکید کی تھی کہ رینا کو ٹینس ہونے سے بچانا ہے۔

"شعلے دہک رہے ہیں میرے اندر۔۔۔ ایسے لگتا ہے جیسے ابھی بھسم ہو جاؤں گی۔"

"آئس کریم کھائیں گی آپ؟"

"آئس کریم۔۔۔؟"

وہ زور سے ہنس پڑی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ ہنستے ہنستے اس کی پلکوں پہ آنسو ستاروں کی مانند چمکنے لگے۔

"ہاں۔ آئس کریم۔ اب میری ہی بیٹی مجھے آئس کریم دے کر بہلائے گی۔ کسی بچے کی طرح۔"

"ماما پلیز۔۔۔ ریلیکس۔۔۔ زیادہ ہائپر ہوں آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"میں نے آج تک کچھ بھی ایسا نہیں کیا سوہا! جو میرے لیے اچھا ہو۔ ہر وہ چیز جو میرے لیے اچھی ہے۔ سمجھو، وہ میرے لیے بنی ہی نہیں۔"

"ماما۔۔۔" وہ اسے زبردستی لٹانے کی کوشش کرنے لگی مگر رینا اس کے ہاتھ جھٹک کر اٹھ بیٹھی۔

"تم بتاؤ۔۔۔ کیا ہے میں نے کچھ اچھا۔۔۔؟ یہ۔۔۔ یہ تمہارے چچا سے شادی۔۔۔؟ یہ کر کے میں نے کیا اچھا کیا؟ کیا یہ شخص میرے قابل تھا۔۔۔؟ کیا میں اسی ساہوکار کو ڈیزرو کرتی تھی۔۔۔؟ بولو۔۔۔"

وہ ہذیانی کیفیت میں بول رہی تھی۔

سوہا نے لاجواب ہو کر سر جھکا لیا۔

یہ سوال تو ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک اس نے بھی کئی بار خود سے کیا تھا۔ بھلا کوئی جوڑ تھا مام اور چاچو

www.pkdigest.com

کا...؟
دیکھنے میں بھی بے ڈھب۔
اور مزاجاً "بھی شرقاً" غربا"...
لیکن آج پہلی بار ریناخود اس کے سامنے یہ تسلیم کر رہی تھی۔
"تو نہ کرتیں آپ ان سے شادی۔"
"ڈوبتا تنکے کا بھی سہارا نہ لے تو کیا کرے..."
"جس طرح آپ اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہیں۔ پچھتاتی رہتی ہیں اس سے تو اچھا تھا آپ خود کو ڈوبنے دیتیں۔"
سوہا بھی تلخ ہو گئی۔ پچھلے نو گھنٹے اس نے ریناکی خرابی طبیعت کی وجہ سے جلے پیر کی بلی کی طرح گزارے تھے اور وہ تھی کہ اپنی حالت مزید خراب کرنے کے درپے تھی۔ اس کی لاکھ تاکید کے باوجود ڈپریشن کے شکنجے میں خود کو دیتی چلی جا رہی تھی۔
"میں گھلتی ہوں... پگھلتی ہوں... مگر پچھتاوے کی آگ میں نہیں... مجھے غم ضرور ہے مگر ڈوبتے ہوئے اس تنکے کا سہارا لے لینے کا نہیں' اس تنکے کا قصور نہیں ہے سوہا! قصور اس کا ہے جو کنارے پہ کھڑا مجھے ڈوبتا دیکھ رہا تھا۔ مجھے گلہ اس سے ہے سوہا... اس سے..."
وہ بے تحاشا روتی اس کی گود میں گر گئی اور سوہا کچھ سمجھتے ہوئے' کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"جی مامی جی! لیتا آؤں گا۔ مجھے نانو کی سب دوائیں یاد ہیں۔ آپ کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔"
وصی نے ڈرائیونگ کے دوران کہا۔ ساتھ والی سیٹ پر منزہ بیٹھی تھی' جبکہ وشمہ پیچھے بیٹھی چور نظروں سے بیک ویو مرر میں نظر آتی وصی کی جھلک کو تک رہی تھی۔
کھانے کے دوران ہی نوید مراد کو اس کے کسی دوست کا فون آ گیا تھا۔ کسی ایمرجنسی کی وجہ سے انہیں کھانے کے فوراً بعد جانا پڑا۔ منزہ اور وشمہ بھی ساتھ نکلنے کو تھیں کہ شوکت جہاں نے اصرار کیا۔
"لو... عرصے بعد آئے اور غیروں کی طرح کھانا کھاتے ہی چلے گئے۔ ابھی تو نند بھاوج نے جی بھر کے باتیں بھی نہیں کیں۔"
ان کی اس بات پہ منزہ اور پروین ایک دوسرے کو دیکھ کے رہ گئیں۔ ان کے درمیان بھلا کون سی باتیں تھیں کرنے کو۔
"اور وشمہ کے لیے اس کی پھوپھو نے خاص منگوا کے رکھا ہے اس کی پسند کا قلفہ..."
"لیکن خالہ جان... نوید کینٹ جا رہے ہیں' وہاں سے نجانے کب فارغ ہوں۔ پھر یہاں تک آنا' یہاں سے دوبارہ گھر جانا... بہت لمبا چکر پڑے گا ورنہ رک ہی جاتے۔"
منزہ نے نیم رضامندی کے عالم میں توجیہ بیان کی۔
"کوئی بات نہیں آنٹی! مجھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد کسی کام سے وہاں جانے کے لیے نکلنا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلی چلیے گا۔"
وصی کی پیشکش پہ جہاں وشمہ کا چہرہ کھل گیا' وہیں پروین نے ایک گہری نظر وصی پہ ڈالی مگر وہاں کسی غیر معمولی پن کا ہلکا سا شائبہ بھی نہ تھا۔

"آنٹی... ایک بات پوچھوں... آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟"
وصی نے تھوڑی ہی دیر بعد پوچھا تھا۔
"آپ کی... آپ کی ایک بیٹی بھی تو ہوا کرتی تھی۔"
اس نے تمہید باندھی لیکن اس کے "ہوا کرتی تھی" کہنے پہ منزہ کے دل پہ گھونسا سا لگا۔
اس کی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹ گئی۔
"میری بیٹی میرے ساتھ ہی ہے۔"
اس کے ٹھنڈے لہجے میں کہنے پہ وصی ذرا سنبھلا۔
"سوری۔ اشاید میں غلط کہہ گیا۔ میرا مطلب تھا ایک اور بیٹی... سوہا۔"
"تمہیں اس کا نام تک یاد ہے ابھی؟"
اسے وصی کی یادداشت پہ حیرت ہوئی۔
"میں صرف اس کے نام سے نہیں اور بھی بہت باتوں سے واقف ہوں... وہ... میری..."
"دوست..." کہتے کہتے اس کی زبان رک گئی۔ وہ جس ماحول کا پروردہ تھا۔ منزہ بھی اسی ماحول سے تعلق رکھتی تھی۔ دونوں گھرانوں میں اس قسم کی دوستی کو معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے یوں کہتے کہتے رک جانے پہ وشمہ نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا تھا۔
"تم ملے ہو اس سے؟"
منزہ کے لبوں سے سرسراہٹ کے انداز میں الفاظ نکلے۔
"جی... اکثر..." دل میں کوئی چور نہ ہوتے ہوئے بھی وہ شرمندہ تھا۔ پھر خوامخواہ ہی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔
"دراصل وہ... ندا آپی کے کالج میں پڑھتی ہے۔ ایک بار ندا آپی کو ڈراپ کرنے گیا تو... ایکچوئلی... میں اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔ وہ اب بھی ویسی کی ویسی ہے جیسی بچپن میں تھی۔"
"ہاں... مگر دیکھنے میں..."
ایک اداس سی... لٹی پٹی سی مسکراہٹ منزہ کے چہرے کو وحشت ناک بنانے لگی۔
"میرے بارے میں کچھ پوچھا بھی اس نے؟"
بڑی آس سے پوچھے اس سوال کے جواب میں وصی سچ بتانے کی ہمت نہ کر سکا۔
"جی... اکثر..." مختصر الفاظ میں اس نے تسلی دینا چاہی۔
مگر سوال... اور... جواب ان دونوں کے درمیان موجود معنی خیز توقف نے منزہ پہ اصلیت کھول دی تھی۔
اس کی وحشت ناک مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔
اسی وقت پروین کا فون آ گیا۔ شوکت جہاں کی کچھ دواؤں کی یاددہانی کرنے کے سلسلے میں...
"آنٹی! اگر آپ کو دیر نہیں ہو رہی تو میں اس میڈیکل اسٹور سے میڈیسنز لے لوں... واپسی پہ ہو سکتا ہے مجھے یاد نہ رہے۔ اصل میں میری یادداشت کچھ..."
اس کی مسکراہٹ کو وشمہ نے اپنے اندر اترتے محسوس کیا۔ اس کا اندر چکا چوند ہو کر جگمگانے لگا۔
"کیوں نہیں... میں بھی ذرا سامنے والے اسٹور سے ہو کر آتی ہوں۔ چلو گی وشمہ...؟"
اس نے اترتے اترتے پوچھا۔
وشمہ نے انکار میں گردن ہلائی۔
وصی چھ سات منٹ میں ہی فارغ ہو کر آ گیا لیکن منزہ ابھی تک اسٹور سے نہیں نکلی تھی۔ وشمہ اپنے سیل فون

www.pkdigest.com

کاریڈیو آن کیے F.M سن رہی تھی۔
"آنٹی۔۔۔" وصی نے یک لفظی استفسار کیا۔
"ابھی نہیں آئیں۔"
اکیلے میں دونوں کے درمیان یہ پہلی گفتگو تھی شاید۔۔۔
وصی کار کا دروازہ کھولتے کھولتے رہ گیا۔ اسے منزہ کی عدم موجودگی میں وشمہ کے ساتھ بیٹھنا معیوب لگ رہا تھا۔ وہ کار کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔
اس اثناء میں اس کے سیل فون پہ پروین کی پھر سے کال آگئی۔
"یا خدا۔۔۔ امی میری یادداشت کمزور ضرور ہے مگر قریب المرگ ابھی نہیں ہے لے لی ہیں میں نے میڈیسنز ۔۔۔ نہیں ابھی تو نہیں۔ فی الحال میرے ساتھ ہی ہیں۔ نہیں بھئی ٹریفک زیادہ نہیں ہے۔ بس میڈیسنز لینے میں کچھ ٹائم لگ گیا اور اب آنٹی بھی کافی ٹائم لگا رہی ہیں۔ پراسٹور میں۔ نہیں میں تو یہیں ہوں پارکنگ میں۔ وشمہ بھی نہیں گئی۔۔۔ صرف آنٹی۔۔۔"
مگر اس کی بات پوری سننے سے پہلے ہی پروین لائن کاٹ چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"جو بھی تھا اس گھٹیا پن کی امید نہیں تھی بھابی سے۔ حد کر دی انہوں نے۔"
پروین کلستی ہوئی چکر کاٹ رہی تھیں۔
"وصی اور وشمہ اکیلے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ بھابی نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت انہیں یہ موقع فراہم کیا ہے۔ اب یہ خبر نہیں کہ وصی بھی انوالو ہے اس سارے معاملے میں یا؟ نہیں۔۔۔ ایسی بات ہوتی تو وہ یہ بات چھپاتا۔۔۔ صاف صاف بتا نہ دیتا منزہ بھابی کی غیر موجودگی کے بارے میں اور ہاں۔۔۔"
انہیں ایک بات اور یاد آئی۔
"اسے تو وہاں کے فون نمبر کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں۔ کتنا الجھ رہا تھا وہ اس دن کی بلینک کالز سے۔ نہیں یہ صرف وشمہ کی یک طرفہ پسندیدگی ہے جسے بھابی جان بوجھ کر ہوا دے رہی ہیں 'میری مجبوری بھانپ گئی ہیں ناں۔ اس لیے میرے اور وشمہ کے درمیان مزید دراڑیں پیدا کرنے کے لیے ایک طرف اس کے کم عمر جذبات بھڑکا رہی ہیں دوسری طرف مجھے دباؤ میں لے رہی ہیں۔ دونوں صورتوں میں تسکین ان کو ملے گی۔ اگر میں وصی کے معاملے میں وشمہ کا نام نہ لے سکی تو کتنے استحقاق سے وہ وشمہ پہ جتا سکیں گی کہ میں نے ہی ایسا نہ چاہا۔ خیر وہ سب الگ ۔۔۔ مگر یہ جو آگ اور تیل کا کھیل وہ کھیل رہی ہیں۔ اس سے سب سے زیادہ نقصان نوید بھائی جان کی عزت کو ہے۔ وصی میرے ہاتھوں کا پلا ہے۔ جانتی ہوں اسے۔ اس کے حوالے سے مجھے کوئی دھڑکا نہیں ہے لیکن اگر بھابی اپنی ضد میں آ کے وشمہ کے ساتھ یہ کچھ کر سکتی ہیں تو۔۔۔ تو۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صرف ہم سب کی خام خیالی ہے کہ وہ اور رشتوں میں کھری ہوں نہ ہوں۔۔۔ وشمہ کے لیے ایک اچھی ماں ضرور ہیں۔ نہیں وشمہ اس عورت کے پاس بالکل بھی محفوظ نہیں ہے۔ وہ ماں بن کے پال رہی ہوتی اسے تو اس کی ڈھال بنتی۔ اسے زمانے کی اونچ نیچ بتلاتی۔۔۔ اچھا برا سمجھاتی نہ کہ اس طرح۔ نہیں۔۔۔ اب کچھ بھی ہو۔۔۔ مجھے وشمہ کو بچانا ہے اس سے۔ اب تک میں مطمئن تھی لیکن اب نہیں۔"
انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ وشمہ کو اپنے پاس لانے کا۔

☼ ☼ ☼

رینا مسکن دواؤں کے زیر اثر پھر سے گہری نیند سو رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پہ گہری نیند کی طمانیت کے بجائے ایسی تھکن تھی' جو کسی بہت پیارے' بہت اپنے کو وفا کے آنے والے کے پاس ہوتی ہے۔ اس نے بھی آج ایک بہت بڑا راز اپنے سینے سے نکال کر سوہا کے اندر دفن کیا تھا۔
اور سوہا کاؤچ پہ نیم دراز۔۔۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں نظر آتے رینا کے زرد رو چہرے کی جانب دیکھتی ہوئی اس مدفن امانت کے بوجھ تلے نڈھال نڈھال سی لگتی تھی۔
"وہ مجھے وہ سب کچھ دے سکتا تھا جو میں چاہتی تھی لیکن اس نے مجھے دیا تو کبھی نہ بھرنے والا زخم۔۔۔ ایسی پستی جس سے کبھی ابھر نہ سکی۔ آج مرے تن پہ قیمتی کپڑا ہوتا ہے لیکن مجھے وہ وقت نہیں بھولتا سوہا! جب میں اس کی بیوی کی نظروں سے بچنے کے لیے پردے کو اپنے گرد لپیٹے ہوئے تھی۔۔۔ آج میں نایاب خوشبویات سے مہک بھی رہی ہوتی ہوں تو مجھے اس کی وہ کراہیت آمیز نظریں' وہ ذلت بھرا گریز نہیں بھولتا۔ جیسے میں کوئی گندگی کا ڈھیر تھی۔۔۔ جب تک میرا وجود اس کے لیے ایک سربستہ راز تھا' میں اس کی محبوبہ تھی اور جب اس نے میرا حرف حرف پڑھ لیا تو ایک داشتہ تک ماننے میں اسے اپنی بے عزتی محسوس ہوتی تھی۔
میں گندی گلیوں کی پیداوار تھی۔۔۔ میں نے ایک جدی پشتی طوائف کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ مجھے بارہ سال کی عمر میں ہی سستے میک اور بھڑکیلی ساڑھی میں لپیٹ کر مجرا کرنے دھکیل دیا گیا تھا لیکن وہ۔۔۔ وہ تو شریف زادہ تھا۔۔۔ اس کی رگوں میں تو ستھرا خون دوڑ رہا تھا۔ پھر وہ ہی اپنے جذبے میں کھرا اور قول کا پکا نکل آتا۔ میں نالیوں کی گندگی۔۔۔ میں کم ذات۔۔۔ میں بدذات۔۔۔ میں نیچ۔۔۔ میں تو پھر بھی کم از کم ایک چیز میں تو اس سے اوپر ہی رہی۔ وہ تعلق توڑنے میں میں نہیں۔۔۔ وہ شریف زادہ قصوروار تھا۔ میں لاکھ گناہ گار سہی' مگر قول توڑنے کا گناہ میں نے نہیں کیا تھا۔ اس نے وعدے توڑے' میرا دل توڑا' میرا مان توڑا' سب کچھ توڑ کے بھی وہ معتبر رہا اور میں۔۔۔ میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ اس نے مجھے اندر باہر سے زہریلا کر دیا تھا۔ اسی زہر کی کاٹ ڈھونڈنے میں اصغر کے پاس چلی آئی۔ اصغر جس سے مجھے نہ محبت تھی' نہ نفرت۔ اس کے باوجود میں نے پوری وفا سے اس کے ساتھ اتنے سال گزار دیے۔ تم گواہ ہو سوہا۔ اس سے میرا مزاج ملے نہ ملے' دل ملے نہ ملے' لیکن میں نے اسے دھوکا نہیں دیا۔ صرف یہی ثابت کرنے کے لیے کہ ایک طوائف زادی بھی اچھی بیوی بن سکتی ہے لیکن میں ثابت کس پر کر رہی ہوں؟ کس پہ؟ کہاں ہے وہ۔۔۔؟ اسے آ کر دیکھنا چاہیے۔۔۔ کہ میں۔۔۔ میں ایک عزت دار شخص کی بیوی ہوں۔ ایک بیٹی کی ماں ہوں۔ میں اسے دکھانا چاہتی ہوں کہ میرے کتنے روپ ہیں۔ وہ دیکھتا تو سہی۔۔۔ مجھے دریافت تو کرتا۔۔۔ مگر اس نے۔۔۔"
کہتے کہتے وہ بے دم ہو گئی اور سوہا نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے اس سے آنکھوں ہی آنکھوں سے مزید کچھ نہ بولنے کی استدعا کی تھی۔
اور اب وہ ان ہی خاموش نظروں سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس عورت کو۔۔۔ جس سے اس کا خون کا رشتہ کوئی نہیں تھا لیکن جس کی باتیں ہمیشہ اس کے لیے کشادہ رہتی تھیں اور جس کا دل ہمیشہ اس کے لیے گداز رہتا تھا پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ سوہا کا دل اس کے لیے گداز نہ ہوتا۔
"وہ دیکھتا تو سہی مجھے دریافت تو کرتا۔"
"کاش میں کہیں سے اس شخص کو ڈھونڈ کر لا سکتی اور دکھا سکتی ماما کے وہ روپ۔۔۔ جو اس بدقسمت نے دریافت نہیں کیے۔ کیے ہوتے تو آج اس چہرے پہ اتنا کرب نہ ہوتا۔۔۔"
اس نے دردمندی سے ریٹا کے غافل چہرے کی جانب دیکھا۔۔۔ میک اپ سے ہر وقت چھپا رہنے والا چہرہ۔۔۔ دھلا دھلا نظروں کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ ہونٹوں کی رنگت سیاہ و سفید کا امتزاج لگ رہی تھی۔ کنارے سیاہ

www.pkdigest.com

اور بھرے بھرے خم سفید پڑے تھے۔ پلکیں گہری نیند میں بھی لرز رہی تھیں....

"کیوں کرتے ہیں لوگ محبت....؟ کیوں کرتے ہیں کسی پہ اتنا اعتبار....؟"

اس ایک پل میں اس نے بھی اس انجانے شخص سے اتنی ہی شدید نفرت محسوس کی جتنی رینا کے دل میں تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرے دل میں اپنے پاپا کے لیے جتنی عزت، جتنا پیار ہے، وہ میں کبھی ظاہر ہی نہیں کر پائی۔"

تقدیس کے کہتے پہ تطہیر نے حیرت سے اسے دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے خود ہی جواب دے دیا۔

"ماما کی وجہ سے؟"

"ہاں.... شاید...." وہ سر جھکا کے پھر سے لسٹ بنانے لگی۔

"ماما کو ہمیشہ یہ عدم تحفظ رہا ہے کہ ہم ان سے زیادہ پاپا کے قریب نہ ہو جائیں۔ ان کے بجائے پاپا کو حق پہ نہ سمجھنے لگیں۔"

"اور تمہارے خیال میں کون حق پہ ہے؟" تطہیر نے ٹٹولا۔

"پتا نہیں.... شاید اپنی اپنی جگہ دونوں ٹھیک ہوں یا پھر اپنی اپنی جگہ دونوں غلط۔"

"اسے کہتے ہیں سیاسی جواب۔"

تطہیر نے داد دی۔

"لیکن ایک بات ہے تطہیر! جسے تم بھی تسلیم کرو گی کہ ہر جھگڑے کے بعد ماما نے ہمیشہ ہم پہ یہ ثابت کرنا چاہا کہ وہ صحیح ہیں اور پاپا غلط.... وہ مظلوم ہیں اور پاپا.... لیکن پاپا نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے ہمارے ذہنوں میں ماما کے خلاف کچھ بھرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"وہ ہمارے ساتھ وقت ہی کتنا گزارتے ہیں۔"

"لیکن پھر بھی...."

"اچھا چھوڑو یار! یہ بے کار کی باتیں.... کم از کم آپی کے سامنے اتنے بور قسم کے ٹاپک نہ چھیڑنا.... ایک تو ویسے ہی ان پہ قنوطیت چھائی رہتی ہے، اوپر سے گھر کا ماحول.... ذرا نہیں لگتا کہ یہ شادی والا گھر ہے۔ اوروں کے ہاں شادی سے ہفتہ ہفتہ پہلے ہی فنکشن شروع ہو جاتے ہیں۔ مہینہ مہینہ پہلے رونق لگ جاتی ہے۔"

"اور سال سال بھر پہلے مہمان آ کے ڈیرے جما لیتے ہیں۔ اس سے تو ہم ایسے ہی اچھے۔"

"لیکن یار! تھوڑا ہلا گلا تو ہونا چاہیے۔"

"تو تم بلاؤ نا اپنی دوستوں کو.... میرا تو تمہیں پتا ہے کہ اس شہر میں آنے کے بعد کوئی دوست بنی ہی نہیں سوائے سوہا کے۔"

"بڑی چیز ہے وہ بھی.... کبھی ملاؤ ناں اسے ماما سے۔" تطہیر نے شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"توبہ کرو...." وہ فوراً کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔

"ماما تو یہاں آنے کے بعد اور بھی وہمی ہو گئی ہیں۔ مجھے اپنی شامت نہیں لانی۔"

"تو ضرورت کیا تھی ایسی لڑکی سے دوستی کرنے کی۔"

"ایسی لڑکی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مائنڈ نہ کرنا، دوست ہے تمہاری لیکن تمہیں بھی کچھ اندازہ تو ہو گا کہ میں نے یہ بات کیوں کہی۔"

"اس کا امپریشن ایسا ضرور پڑتا ہے تطہیر.... لیکن وہ ایسی ہے نہیں، بہت اچھی ہے دل کی۔"

"پھر بھی.... تم سے بے حد مختلف ہے۔ بالکل الٹ۔ حیرت ہے تم دونوں کی دوستی ہوئی کیسے؟"

"بس ہو گئی.... ویسے بھی مخالف قوتیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں۔"

"شاید اسی لیے ماما نے بھی آپی کے لیے ایسا ہی رشتہ ڈھونڈا ہے۔ جو ماحول، فیملی بیک گراؤنڈ، عادات، ہر لحاظ سے ہم لوگوں سے یکسر مختلف ہیں۔"

تطہیر کی بات پہ وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

یہ خیال تو کب سے اسے بھی پریشان کر رہا تھا اور پھر اس نے اپنے خدشے کا اظہار کر دیا۔

"پتا نہیں یہ فرق ماما کو محسوس کیوں نہیں ہوتا۔ پاپا نے تو پہلے دبے الفاظ میں اور بعد میں کھل کے مخالفت ظاہر کی تھی۔"

"نہیں کرنی چاہیے تھی؟"

"کیا مطلب؟"

"ان کی مخالفت نے ہی تو ماما کو اپنی ضد میں پکا کیا۔ یوں سمجھو کہ انہوں نے پاپا سے چڑ کے.... یا ان کو نیچا دکھانے کی خاطر۔"

"نہیں تطہیر...." اس نے فوراً ٹوک دیا۔ "اتنی بدگمانی اچھی نہیں۔"

"مجھے جو لگا.... میں نے کہہ دیا۔"

اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"وہ ماں ہیں ہماری۔ پاپا سے ان کا ضد کا رشتہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے لیکن اس ضد اور انا کے کھیل میں وہ اپنی بیٹیوں کو قربان نہیں کر سکتیں۔ رہا آپی کا معاملہ تو ظاہر ہے ہمارا اتنا تجربہ کہاں، جتنا ماما کا ہے۔ نہ ہم اتنے دور اندیش ہیں نہ مردم شناس۔ ماما نے یہ فیصلہ کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کے کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے، انہوں نے کوئی ایسی خوش آئند بھانپ لی ہو جس کے بارے میں ہم ابھی اندازہ لگانے کے قابل نہ ہوں۔"

"I hope so...."

☼ ☼ ☼

"بیٹھو پروین.... تم سے ایک مشورہ کرنا تھا۔"

وہ آئیں تو اپنی بات کرنے تھیں مگر شوکت جہاں بھی ان سے کوئی مشورہ مانگنے تیار بیٹھی تھیں۔

وہ جو اپنے تئیں بڑے مناسب الفاظ اور موزوں توجیہات تلاش کر کے آئی تھیں، دل مسوس کے رہ گئیں۔

"جی.... کہیے اماں جان۔"

"یہ جو منزہ ہے تمہاری بھائی۔"

پروین کا حلق تک کڑوا ہو گیا اس کے ذکر سے۔

"جی....!"

ان کے انداز میں تلخی تھی جسے اپنی دھن میں بات کرتی شوکت جہاں نے محسوس نہ کیا۔

"ہے سمجھ دار عورت...."

باقی آئندہ شمارے میں

www.pkdigest.com

بشریٰ رحمٰن

فن کار

موسیٰ بھائی دلبری کے سارے انداز جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کے اردگرد دلکشی کے سارے عنبر و لوبان سلگا رکھے تھے۔ ویسے بھی اگر کسی مرد کے آس پاس فن اور شہرت کا اجالا ہو تو تصورات کی ڈسی ہوئی لڑکیاں اس کے آگے پیچھے منڈلانے لگتی ہیں۔

مگر موسیٰ بھائی دو معنوں میں فنکار تھے ایک تو اس لیے کہ زندگی کے کئی چمن یار کیے تھے۔ کچھ عرصہ ریڈیو میں اپنی آواز کا جادو جگایا تھا پھر مستقلاً" ٹی وی پر انجمن سجانے چلے آئے تھے۔ اور انہیں جلد ہی معلوم ہوگیا تھا کہ پاگل لڑکیاں شو بزنس کی طرف شہد کی مکھیوں کی طرح آتی ہیں۔ کسی کو چھب دکھلانا ہے' کسی کو گیت گانا ہے' کسی کو پاس کی ضرورت ہے۔ موسیٰ بھائی ان سب مچلتی مہکتی لڑکیوں سے محظوظ ہونے کے گر جانتے تھے۔ فنکارانہ دل آرائی کے علاوہ ان کے ترکش میں کچھ دو رمار تیر بھی تھے یعنی انہوں نے اپنے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہ محبت کے معاملے میں زخم خوردہ ہیں۔

بس۔ بس۔ ان کو ہر دلعزیز کرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ ان کا طریقۂ واردات عام مردوں سے مختلف تھا۔ جب کوئی لڑکی قریب آکر آنچ دینے لگتی تو وہ یوں گم صم ہو کر خلاؤں میں کھو جاتے جیسے ان کے پاس آگ نہیں برف کا تودہ رکھا ہے۔ کافی دیر خلا کی آپ بیتی سننے کے بعد پائپ میں خوشبودار تمباکو بھر کے فضا میں خوشبودار دھواں' آہوں کی صورت میں چھوڑنے لگتے۔ کڑوے دھویں کی جان لیوا خوشبو سے لڑکی کا ارمانوں بھرا چہرہ دھندلانے لگتا تو اس کی معصوم و مصفا آنکھوں میں اپنی ذات کی نفی کا کرب جاگ اٹھتا۔ تب وہ ہر ندی کو پار کرنے کا تہیہ کر لیتی۔ کسی لمحے اگر موسیٰ بھائی کی دکھتی رگ اس کے ہاتھ میں آجاتی تو وہ کچھ آگے بڑھنا چاہتی۔

موسیٰ بھائی اپنے اسی مار ڈالنے والے انداز میں ایک ٹھنڈی سانس چھوڑتے اور کہتے۔

"بی بی! نہ کوشش کرو۔ میں ان باتوں سے بہت دور ہوں۔"

"مگر کیوں۔ کیوں۔؟" وہ تڑپ کر پوچھتی۔

تو آپ اداسی سے ٹھنڈی سانس چھوڑتے اور دوبارہ اپنے اندر جذب کر کے پھر کہتے۔

"چوٹ کھا چکا ہوں۔ دوبارہ نہیں کھاؤں گا۔"

"کون تھی وہ کم ظرف؟"

"بس تھی۔ اب اسے میرے سامنے کوسنے نہ دو۔"

"اہونہہ!" لڑکی کو اس کم بخت پر بے حد غصہ آنے لگتا جو جاتے جاتے موسیٰ بھائی کو پتھر کر گئی تھی۔

"میرے ساتھ کھیلتی تھی۔ میرے ساتھ پڑھتی تھی۔ ہم نے کوئلے سے دیواروں پر اپنے نام لکھے

www.pkdigest.com

تھے۔ چاک کے ٹکڑے سے بلیک بورڈ پر سلام لکھے تھے اور آنکھوں کی روشنائی سے ایک دوسرے کے دل پر پیغام لکھے تھے۔"

"پھر؟"

"پھر اسے عقل آگئی۔"

"یعنی؟"

"ایک دن کہنے لگی تم فنکار ہو۔ فنکار مفلس اور قلاش ہوتا ہے۔ شہرت کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ اور ایک بڑے آدمی کا ہاتھ تھام کر چلی گئی۔"

"اف!" لڑکی لرز جاتی۔ "کتنی بے درد تھی۔ کوڑھ مغز، بدنصیب۔ اور جانے کیا کیا۔"

موسیٰ بھائی سامنے والی دیوار پر نظریں گاڑے جانے کیا تلاش کرتے رہ جاتے۔ اور معصوم لڑکی ان کے چہرے کے خدوخال میں اپنے نصیب ڈھونڈتی رہتی۔

پھر ڈرتے جھجکتے ۔۔۔ اس دوراہے پر پہنچ جاتی جہاں لاج کا گھونگھٹ اتار پھینکتے ہیں۔

"تو کیا آپ۔۔۔ ایک سفاک لڑکی کی خاطر زندگی کی ساری خوشیاں تج دیں گے۔۔؟"

"تو کیا کریں؟" وہ اپنے لہجے میں محرومیوں کو سمو لیتے۔

"کسی کو اپنا لیجیے۔" تمنا التجا بن جاتی۔

"بی بی! کیا کروں۔ اب میں کسی سے پیار نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی لڑکی خالی مکان میں رہنا پسند کرے گی؟"

لڑکی کے حلق میں آنسوؤں کے گرد باد پھنس جاتے۔ تو پھر وہ اس کے سچے موتیوں جیسے چہرے پر اپنی سفاک آنکھیں گاڑ کر کہتے۔

"بی بی! کیا دنیا میں کوئی ایسی لڑکی ہے جو ایسے شخص سے پیار کر سکے جو اپنا آپ پہلے ہی کھو چکا ہو۔ اپنا سب کچھ لٹا چکا ہو۔"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں؟" لڑکی کے صبر کا آنچل ڈھلک جاتا۔ پھر حوصلے کا ایک جھونکا بڑھ کر اس کا آنچل پکڑ لیتا اور وہ کہتی۔

"آپ آزما کر تو دیکھیں۔ ساری دنیا ایک جیسی نہیں ہوتی۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" آگے بڑھ کر وہ اپنی انا کی چڑھی ندی پار کر لیتی اور کہتی۔

"میں آپ کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ سب کچھ۔"

اب موسیٰ بھائی کو اپنے ترکش کا آخری تیر آزمانا ہوتا۔ اس کی کھوجی آنکھوں میں اپنی تربیت یافتہ نگاہ کی کمند ڈال دیتے آواز کو بادلوں کی طرح جو جھل کر لیتے اور کہتے۔

"تم اتنی چھوٹی سی، اور معصوم سی ہو۔ تمہاری معصومیت پر مجھے ترس آتا ہے۔ میں سنگلاخ چٹان ہوں۔ سر پھوڑو گی تو زخمی ہو جاؤ گی۔"

"موسیٰ جی!" لڑکی کا دل آنکھوں میں آجاتا۔ اپنی آنکھوں کی نمی ہونٹوں میں بھر لیتی اور سسک کر کہتی۔

"میں آپ کے لیے کیا نہیں کر سکتی؟"

"کیا کر سکتی ہو تم میری خاطر؟"

وہ اپنی آواز میں اس کے قرب کا لمس شامل کر لیتے۔ لڑکی دین و دنیا سے ٹکر لینے کا ارادہ کر لیتی اور بے تاب ہو کر کہتی۔

"آپ کہہ کے تو دیکھیں۔"

بس۔۔۔ یہی وہ لمحہ ہوتا جب موسیٰ بھائی کو نقب کی آخری واردات کرنا ہوتی۔ لڑکیاں اخلاص اور ایثار کی آخری حدوں کو چھونے کے لیے اپنا سب سے قیمتی موتی پیش کر دیتی ہیں مگر انہیں کیا معلوم کہ ادھار کے کھاتے کھولنے والے اچھے کاروباری نہیں ہوتے۔ جو شخص دنیا بھر کا مقروض ہو وہ تو اپنی ذات کا قرض بھی نہیں چکا سکتا۔ پھر ایک دن ایسا آتا ہے کہ اسے قرض پر زندگی گزارنے کی لت پڑ جاتی ہے۔

جانے والی لڑکی نے کبھی آنے والی لڑکی کو نہ بتایا کہ کیا لٹا کر جا رہی ہے اور آنے والی لڑکی ہمیشہ فوقیت کے نشے میں سرشار رہی۔ یوں موسیٰ بھائی کے غیر شرعی

بستان میں ہمیشہ چراغاں رہا۔

ہماری ایک نازک آپا تھیں۔ ہمیشہ ہمارے گھر نازک وقتوں میں ہی آیا کرتیں۔

ان کی شادی کو جانے کتنے سال ہو گئے تھے، ان کی تین بیٹیاں تھیں۔ آج تک یہ نہیں پتہ چل سکا تھا کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہیں یا نہیں۔ انہیں سب نے مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے اور گنگناتے ہوئے سسرال جاتے دیکھا تھا۔ یوں وہ بھی اپنے زمانے کی ایک بلا تھیں۔ اور خاندان کا ہر لڑکا ان سے بیاہ رچانا چاہتا تھا۔ شان بھائی دور پار سے گرجتے بادل کی طرح آئے اور جیسے انہیں دبوچ کر لے گئے۔

وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوئیں۔ موسیٰ بھائی اپنا پائپ سلگائے نیم تاریک کمرے کی خوشگوار فضا میں شگو پر اپنی واردات کر رہے تھے۔ شگو نے ان کی آنکھوں میں سورج، چاند، ستارے دیکھ لیے تھے اور کرب کے اس دوراہے پر کھڑی تھی جہاں ایک ماں کے بدلے زندگی پیش کرتے ہیں۔

شگو کی منگنی اپنے چچازاد عادل سے ہو چکی تھی۔ نازک آپا نے بڑھ کر کمرے کی بتی جلا دی۔

موسیٰ بھائی پر شادی شدہ عورت حرام نہیں تھی اس لیے انہوں نے کچھ چونک کے کچھ پریشان ہو کر نازک آپا کو دیکھا۔ کہنے کو نازک آپا تین بچیوں کی ماں تھیں مگر نزاکت میں ابھی تک نرالا پن تھا۔ چہرے پر تڑپا دینے والا سوز ٹھہر گیا تھا۔ اور لمبے بال اس طرح لچکتے تھے جیسے سیاہ کوبرے کی کھال۔

"آخاہ۔! ہمارے ملک کے اتنے بڑے فنکار براجمان ہیں۔" آپا نے اس خوش دلی سے کہا کہ شگو چھپکلی کی طرح کھسک گئی اور موسیٰ بھائی پھول کی طرح کھل اٹھے۔

پتہ نہیں نازک آپا میں کیا بات تھی، جو انہیں دیکھتا بات ضرور کرنا چاہتا۔ مگر اس رات نازک آپا نے شگو کو اپنے کمرے میں سلا لیا۔ شگو کی سسکیوں کی آواز باہر تک آتی رہی۔

صبح نازک آپا کو اسپتال جانا تھا ان کی سب سے چھوٹی بیٹی کو پولیو کی تکلیف ہو گئی تھی۔ اسی کے علاج کی غرض سے وہ اچانک کراچی آگئی تھیں۔

"موسیٰ جی! آپ میرے ساتھ ذرا اسپتال چلیں گے۔" صبح ہی صبح وہ آنکھوں میں بجلی کی دھار ڈالے آگئیں۔

"اگر میں آپ کے کام آسکوں تو میری خوش بختی ہوگی۔" موسیٰ بھائی جھوم کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

پھر اس کے بعد موسیٰ بھائی اور نازک آپا سائے کی طرح ایک ساتھ نظر آنے لگے۔

"موسیٰ جی! بہت بڑے دل شناس ہو۔" ایک دن نازک آپا نے کہا۔

"پتہ نہیں کس لڑکی کو دل کے پاس آنے دو گے۔"

"تم آجاؤ نازک آپا!"

موسیٰ بھائی نے اسی مار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"میں۔ مجھ سے کون پیار کرے گا؟" نازک آپا نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔ "پامال کی ہوئی کھیتی کون اپنے نام کرتا ہے۔"

"دیکھنا تو یہ ہے کہ کھیتی میں جان ہے یا نہیں۔ اور نازک جی! یہ عورت ذات بھی عجیب چیز ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کر اور بھی حسین ہو جاتی ہے۔ اور بھی نرالی نظر آتی ہے۔"

"جیسے میں؟" نازک آپا نے ایک دم کہا اور پھر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

دوسرے دن جب آپا کی بیٹی نکو کو اندر بجلی لگ رہی تھی باہر کوریڈور میں موسیٰ بھائی چپ چاپ کھڑی آپا کے قریب آئے اور بولے۔

"نازک! کل تم نے میری بات کو مذاق سمجھا تھا؟"

"کون سی بات؟" آپا نے پوچھا۔

"جو میں نے تمہارے بارے میں کی تھی۔"

"بھئی میرے بارے میں کون سنجیدہ ہوگا۔ میں تو کپڑے کا وہ تھان ہوں جس کے گز گز پر مہر لگی ہے۔"

"یہ مہر مٹائی بھی تو جا سکتی ہے۔"

"مگر کون مٹائے گا؟"

"میں!"

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

head & shoulders
Vitamin E
100%
65
Noorani

"آپ؟ آپ تو دل برداشتہ انسان ہیں۔"

"نازک بانو! مرد کبھی دل برداشتہ نہیں ہوتا۔ وہ اس عورت کے لیے تازہ دم ہو جاتا ہے جسے پسند کرتا ہو۔ جب سے مجھے احساس ہوا ہے کہ تم ناقدرے ہاتھوں میں ہو۔ میں تمہارے بارے میں سوچنے لگا ہوں۔"

"موسیٰ جی! آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

"میں تمہارے لیے کیا نہیں کر سکتا۔! تم کہو تو... تم کہو تو... کہہ کے تو دیکھو۔"

اسی وقت آپا نے اپنی آنسو بھری آنکھیں دوسری سمت پھیر لیں اور نرس ان کی بچی کو اٹھائے باہر نکل آئی۔ بچی آئی... بچی کو آپا کے بجائے موسیٰ بھائی نے اٹھا لیا اور وہ دونوں باہر نکل آئے۔

ہنس مکھ آپا... اتنی کھوئی کھوئی اور بے کل کبھی بھی نہ تھیں۔ سنگھار پٹی کرنے کے باوجود سارا دن ٹھنڈی آہیں بھرا کرتیں اور موسیٰ بھائی ان کے اردگرد منڈلاتے پھرتے۔ یوں ایک نظر دیکھنے میں ان کا جوڑ بھی بہت اچھا تھا ایک ساتھ چلتے ہوئے' ایک ساتھ بیٹھے ہوئے بہت بھلے لگتے۔ پر گھر کی سیانی عورتوں کو کون سمجھائے۔ ایک دم کہنے لگی تھیں۔

"موسیٰ نازک کی مت ماری گئی ہے۔ یہ تو چھوئی موئی لڑکیوں سے بھی بدتر نکلی۔"

ایک روز جب شگو نازک آپا کے سر میں تیل ڈال رہی تھی۔ اور موسیٰ بھائی ان کے دلکش چہرے پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے۔ آپا نے ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"موسیٰ جی! میری بچی ٹھیک ہو گئی ہے مگر میرا واپس جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

اسی وقت موسیٰ بھائی نے پائپ منہ سے نکال لیا اور مضطرب لہجے میں بولے۔

"نازک! تمہارے سوا مجھے کوئی نہیں سمیٹ سکتا۔ آؤ کوئی سمجھوتہ کر لیں' میں بھی تھک گیا ہوں۔"

شگو روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلی صبح اس نے تاریخ مقرر کرنے کی اجازت دے دی۔ اور پھر اپنے آپ کو جہیز کی سرگرمیوں میں مصروف تر کر لیا۔

شادی سے ایک دن پہلے اچانک نازک آپا نے گھر جانے کی تیاری کر لی جس نے بھی سنا حیران ہوا۔ ایک تو اتنے دنوں سے شگو راضی نہیں ہو رہی تھی اور بطور خاص نازک آپا کو بلوایا گیا تھا' سارے کام تو نازک آپا کے مشوروں سے ہو رہے تھے یکایک انہیں اپنے میاں کی تنہائی اور تکلیف یاد آ گئی سبھوں نے بہتیرا زور لگایا کہ ایک دن اور ٹھہر جائیں مگر وہ سامان سمیٹتی رہیں۔

کسی نے یہ خبر موسیٰ بھائی تک پہنچا دی۔ بوکھلائے بوکھلائے فرہاد بنے دوڑے آئے۔

"نازک!"

انہوں نے آواز کو گمبھیر بنایا۔

سامان سمیٹتی ہوئی نازک آپا جھنجلا کر کھڑی ہو گئیں۔ اور بولیں۔

"موسیٰ!"

"کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔ تم جو فنکارانہ حربے معصوم لڑکیوں پر آزماتے تھے وہ میں نے تم پر آزما ڈالے۔ شگو میری بھتیجی ہے۔ بھائی نے مجھے لکھ دیا تھا کہ اس نے عادل سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے۔ دو خاندان ٹوٹ رہے تھے' میں نے دو خاندان بچا لیے پھر تم سے کون محبت کرے گا موسیٰ! تم تو وہ مٹکے ہو جس کے پیندے میں چھید ہوتا ہے۔ بابا میں اپنے گھر میں بہت خوش باش ہوں۔"

"نازک!"

موسیٰ بھائی نے کہنا چاہا کہ میں اپنے حربوں سے خود ہی گھائل ہو گیا کہ تم جیسی سیانی سمن موہنی اور تجربہ کار ـــ عورت ہی مجھے راہ راست پر لا سکتی تھی۔ چار دن کی دل لگی میں دل ہار گیا ہوں۔

مگر انہوں نے مسکرا کر صرف اتنا کہا۔

"تم مجھ سے بڑی فنکار ہو نازک!"

سمیعہ صدف

داستان حیات

چڑیوں کی چہکار کے ساتھ کھڑکی سے اندر آتی روشنی صبح ہونے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر کھڑکی سے اندر آتی سورج کی کرنوں کو دیکھا۔ آسمان پر ساری رات اس کی مانند تنہا کھڑا چاند اپنی روشنی سمیٹ کر کب کا غائب ہو چکا تھا۔ ایک تواتر سے ساری رات گرنے والی بوندیں اس کی آنکھوں سے لگی جھڑی کا ساتھ دیتے دیتے تھک ہار کر اب تھم چکی تھیں۔

افق سے ابھرتا نیا سورج، سیاہ رات کے خاتمے کی واضح دلیل تھا۔ مگر اس کی زندگی کی سیاہ رات تو اب شروع ہوئی تھی جس میں صبح کے دور دور تک کوئی امکانات نہ تھے۔ نیچے بیٹھے دیوار سے ٹیک لگائے لگائے اس نے اپنے کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ جگہ جگہ ٹوٹے بکھرے ڈیکوریشن پیسز، برتن اور کتابیں کسی طوفان کے آکر گزر جانے کے بعد کا منظر پیش کر رہے تھے۔ اس نے پاؤں سمیٹنے کی کوشش کی تو درد کی شدت سے کراہ کر رہ گئی۔ پاؤں کی ایڑھی میں شیشہ چبھ جانے کے باعث رسنے والا خون کب کا جم چکا تھا۔ گزشتہ رات تو دل میں چبھی کرچیوں کا درد اس قدر شدید تھا کہ اور کسی جسمانی تکلیف کا اندازہ ہی نہ ہوا تھا۔ مگر اب حواس بحال ہونے پر پیر کے ساتھ ساتھ سارے جسم میں ہی شدید درد اور تھکن کا احساس عود کر آیا تھا۔

وہ مزید کتنی ہی دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی۔ ذہن ساری رات سوچوں کی آماجگاہ بنے رہنے کے بعد اب یکسر خالی ہو چکا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑے جا رہے ہوں۔

یکدم ڈور بیل کی چنگھاڑ نے اسے اٹھ کر دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پیر کی چوٹ کے باعث بمشکل لنگڑاتے ہوئے وہ کمرے سے نکل کر گیٹ تک آئی تھی۔ رات اس نے گیٹ پر تالا بھی نہیں لگایا تھا۔ یوں بھی اب پیچھے بچا ہی کیا تھا۔ سارا قیمتی متاع حیات تو جانے والا ساتھ ہی لے گیا تھا۔

ناولٹ

www.pkdigest.com

"لو بھئی پکڑو اپنے صاحبزادے کو۔ مجال ہے جو صبح بیہ کے اسکول روانہ ہونے کے بعد اس نے ایک لمحہ کو صبر کیا ہو۔ ماما پاپا کی رٹ لگادی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی موصوف یوں سویا ہے جیسے ساری رات چوکیداری کرتا رہا ہو۔"

احمر حسب عادت اندر آتے ہی بغیر ادھر ادھر دیکھے شروع ہو گیا تھا۔ احمر کی تقلید میں لنگڑاتی ہوئی وہ اندر آئی۔ زین ابھی بھی احمر کے کندھے پر سر رکھے سو رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اندر کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔ پیچھے مڑتے ہی پہلی بار اس کا دھیان وجیہہ کی سوجی ہوئی متورم آنکھوں، بکھرے بالوں اور چال کی لڑکھڑاہٹ کی طرف گیا تھا۔

"جیا! آر یو آل رائٹ؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے زین کو بیڈ پر لٹایا اور اس کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔

"جیا! بتاؤ کیا ہوا ہے؟ آذر کہاں ہے؟" اس نے جیا کا کندھا پکڑ کر جھنجوڑا تو جیسے وہ نیند سے جاگی تھی۔ اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے اس نے بمشکل لب کھولے تھے۔

"آذر نے دوسری شادی کرلی ہے۔"

☼ ☼ ☼

وجیہہ کمال نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہاں تین بھائیوں کی اکلوتی اور سب سے چھوٹی بہن ہونے کی وجہ سے اسے خاص اہمیت حاصل تھی۔ اسے بے حد لاڈ پیار سے پالا گیا تھا۔ وہ امی کے جگر کا ٹکڑا تھی تو ابو کی آنکھوں کا تارہ۔ تینوں بھائی گھر میں آئی اس ننھی پری کے سب کام بھاگ بھاگ کر کرتے تھے۔ اسفر بھائی اس کے لیے گھوڑا بنتے، اسے پارک لے کر جاتے اور اشعر بھائی اسکول سے واپسی پر اس کے لیے چاکلیٹ لانا ہرگز نہ بھولتے، سب سے چھوٹے احمر سے تو اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ جیا جیا کی رٹ لگائے ہر وقت وہ اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ اس کے ہر کھیل میں جیا کی موجودگی لازمی قرار پاتی۔ پھر چاہے اسے جیا کے ساتھ گڈے گڑیا کا کھیل کھیلنا پڑتا تو چاہے گھر گھر کھیلتے ہوئے جھوٹ موٹ کی دادی کا رول پلے کرنا پڑتا وہ بخوشی تیار رہتا تھا۔

عمروں میں محض دو برس کا فرق ہونے کے باعث کبھی کبھار ان دونوں کی نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی مگر ہر بار اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر وہ خود ہی آگے بڑھ کر اسے منالیا کرتا تھا۔ امی گھر میں کھانا پکاتے ہوئے جیا کی پسند کا خاص خیال رکھتی تھیں اور ابو آفس سے واپسی پر تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر اس کے کہنے پر ہر جگہ جانے کو تیار رہتے تھے۔ بس ایک دادی ہی تھیں جو اس کے اتنے ناز اٹھائے جانے پر اکثر روک ٹوک کیا کرتی تھیں۔

"کمال احمد! اتنے لاڈ مت اٹھاؤ بیٹی کے۔ کل کو اگلے گھر جائے گی تو نباہ کیسے کرپائے گی؟"

"اماں! آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ ہماری بیٹی کہیں نہیں جائے گی۔ اس کے دلہا میاں کو تو ہم بیاہ کر یہیں لے آئیں گے۔" وہ مذاق میں کہا کرتے تھے۔

"ہمارے دنیا سے نرالے دستور ہیں تمہارے۔ بیٹیوں سے پیار سب ماں باپ کو ہوتا ہے۔ مگر قسمت کا کیا بھروسا کل کو جانے اس کے نصیب میں کیا لکھا ہو۔" تسبیح کے دانے گراتی دادی افسردہ سی ہو جاتیں۔

"ماں جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جیا کو اب یہ سیکھنا چاہیے کہ ہر خواہش پوری ہونے کے لیے نہیں ہوتی۔ کبھی کبھار سمجھوتہ بھی کرنا پڑتا ہے۔" ان کا دکھ جان کر امی بھی ان کی حمایت کرتیں۔

"تم تو ہم باپ بیٹی کی دشمن ہو۔ ہمارے ہوتے ہوئے ہماری بیٹی کی کوئی خواہش ادھوری کیوں رہے۔ اپنی شہزادی کی ہر ضد میں پوری کروں گا۔" وہ انہیں چڑاتے۔

"ماں باپ تو بیٹیوں کی ہر ضد پوری کرنا چاہتے ہیں مگر اچھے نصیب تو نہیں دے سکتے انہیں۔ ماواں دیندیاں عقل مت، دیندیاں بھر بھر داج۔ پر جے ہون نصیب نہ چنگے دھیاں نہ کردیاں راج۔"

دادی کو کہاوت یاد آجاتی تو ان کی آنکھیں بھر

آتیں۔ مگر مجال ہے جو کمال احمد یا ان کے تینوں بیٹوں کے کانوں پر جوں تک رینگتی۔

اس تمام لاڈ پیار نے جیا کی شخصیت میں کوئی خاص بگاڑ تو پیدا نہیں کیا تھا مگر وہ تھوڑی بہت خود پسند ضرور ہو گئی تھی۔

ہر بات میں اپنی مرضی چلانا اور ہر کھیل اپنی مرضی کا کھیلنا اس کی عادت سی بن گئی تھی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی حقیقت تھی کہ اپنی بات منوانے کے لیے اسے لڑنا جھگڑنا تو کیا کبھی بحث تک نہیں کرنا پڑتی تھی۔ سب گھر والے اس کی ہر خواہش پوری کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

"جیا کا تو چھکا نہیں آیا پھر گوٹ کیسے نکل آئی؟" اکثر اوقات تو وہ کھیل کے قاعدے قانون بھی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا کرتی تھی۔

"اب سے گوٹ ایک آنے پر بھی نکلے گی۔" بیہ کے معصوم اعتراض کو وہ چٹکیوں میں اڑا دیتی۔ اس کی شخصیت سے مرعوب اور متاثر رہنے والی بیہ اس کی ہر الٹی سیدھی بات بخوشی مان جاتی تھی۔ اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر وہ اور احمر اپنی اس معصوم اور بھولی بھالی کزن کو بیوقوف بنالیا کرتے تھے۔

"چلو آؤ۔ گڑیا کی شادی کرتے ہیں گڑیا تمہاری اور گڈا میرا۔" عمر میں چار سال بڑی ہونے پر وہ بیہ پر خوب رعب جماتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" سدا کی معصوم اور سیدھی سادی بیہ فوراً تیار ہو جاتی۔

"اب تم جہیز بنانا شروع کردو۔ وہ جو نئی سیٹ چچی نے تمہیں برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا، وہ بھی جہیز میں ضرور رکھنا۔"

"اور دلہن کے جوڑے بھی ٹانکنے ہوں گے۔ شادی والے دن اسے ریڈ غرارہ پہنانا۔" وہ سارا پروگرام ترتیب دیتی رہتی اور بیہ سر ہلاتی جاتی۔

"مگر میری گڑیا کے پاس تو کوئی غرارہ نہیں ہے؟" وہ فکر مند ہو جاتی۔

"تو اس میں فکر کی کیا بات ہے تم کپڑا اور گوٹا لے آؤ۔ غرارہ میں سی دوں گی۔" وہ بے فکری سے ہاتھ ہلاتی۔

"مگر کپڑا کہاں سے ملے گا؟" بیہ ہونق بنی اس کی شکل دیکھتی۔

"کل ہی تو چچی نئے سوٹ لائی ہیں شادی میں پہننے کے لیے۔ ریڈ ستاروں والے سوٹ میں سے تھوڑا سا کپڑا کاٹ لاؤ۔" وہ فوراً تجویز دیتی۔

"امی کو پتا چلا تو وہ ڈانٹیں گی۔"

"ارے انہیں کیا پتا چلے گا۔ تم چپ کر کے تھوڑا سا کاٹ لانا۔ ویسے بھی اتنا زیادہ کپڑا ہوتا ہے۔ درزی خود رکھ کر اپنی بچیوں کے فراک بنالے گا۔" احمر بھی ساتھ شامل ہو جاتا تھا۔

"اور جب ہم غرارہ سی کر چچی کو دکھائیں گے نا تو وہ بھی خوش ہوں گی کہ درزی کے ہاتھوں کپڑا ضائع ہونے سے بچ گیا۔" اس نے اپنے تئیں سمجھ داری کا مظاہرہ کیا تو اس کے حوصلہ دلانے پر بیہ تھوڑی ہی دیر میں نئے سوٹوں کے ساتھ کارروائی کر کے واپس آچکی تھی۔

گڑیا کا غرارہ سل کر تیار ہو گیا۔ نہایت شاندار جوڑے اور جہیز بھی بن گیا اور شادی بھی دھوم دھام سے ہو گئی۔ مگر جب درزی نے چچی کے کٹے پھٹے کپڑے معذرت کے ساتھ واپس کیے تو نئی نویلی دلہن تو غرارہ سمیت لنگڑی لولی ہوئی سو ہوئی، ساتھ ہی چچی نے بیہ کی بھی وہ دھلائی کی کہ اسے سب اگلتے ہی بنی۔

اس واقعہ کے بعد دادی اور امی کے ہاتھوں جیا اور احمر کی جو عزت افزائی ہوئی تو انہوں نے آئندہ بیہ کو کسی بھی کھیل میں شامل کرنے سے توبہ کرلی تھی۔ ساتھ ہی احمر نے سارا سامان رکھ کر لولی لنگڑی دلہن واپسی بھجوادی تھی۔ بعد میں بیہ کے بہت منانے پر وہ دونوں اسے اپنے ساتھ کھلانے پر آمادہ ہوئے تھے اور وہ بھی اس شرط پر کہ آئندہ وہ اپنی زبان بند رکھے گی۔ بیہ بی بی نے اس بات پر یوں سختی سے عمل کیا کہ سارا خاندان ہی اسے جیا کا دم چھلا کہہ کر پکارنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو خود کو اپنے گھر میں نہ پا کر یک دم ہی ذہن بیدار ہو گیا تھا۔ کل سے اب تک کے سارے واقعات تازہ ہو گئے تھے۔ صبح اس سے سارا قصہ سننے کے بعد احمر زبردستی اسے گھر لے آیا تھا۔ گھر میں فائزہ بھابی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ انہیں کسی بھی قسم کے سوال و جواب سے روکتے ہوئے اس نے بمشکل اسے دودھ کے ساتھ خواب آور گولیاں دے کر سلایا تھا۔

ابھی کل ہی آذر نے آفس سے فون کر کے اسے جلدی آنے کا بتاتے ہوئے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا تھا۔ اس کے آفس سے واپس آتے ہی وہ لوگ لنچ کر کے شاپنگ کے لیے نکل گئے تھے۔ ورنہ تو گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ سے وہ دفتری مصروفیات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ گھر واپس آتے آتے رات کے گیارہ بج جاتے تھے۔ کام کے سلسلے میں اسے دو ماہ میں پانچ چھ بار شہر سے باہر بھی جانا پڑا تھا۔ کافی دیر گھومنے کے بعد وہ لوگ اس کے میکے آ گئے تھے۔

شام کی چائے پر بھی وہ احمر اور اشعر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ زین کو بیہ نے اِدھر ہی روک لیا تھا۔ یوں بھی وہ بیہ سے بے حد اٹیچ تھا۔ گھر واپس پہنچتے پہنچتے انہیں شام کے سات بج گئے تھے۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ آذر اسے تھوڑی دیر میں واپس آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ باہر برآمدے میں بارش کا مزہ لے رہی تھی تب ہی اندر فون کی گھنٹی بجنے پر اس کی محویت ٹوٹی۔ فرح باجی کا فون تھا۔ فرح باجی اس کی رشتے کی نند تھیں اور اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ گجرات میں مقیم تھیں۔

"آذر کہاں ہے جیا؟" انہوں نے حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

"وہ ابھی ابھی باہر نکلے ہیں کسی کام سے۔"

"آذر کا رویہ آج کل تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ زیادہ گھر سے باہر تو نہیں رہتا؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"وہ آفس کی مصروفیت تھوڑی زیادہ ہے آج کل۔ کیوں خیریت ہے؟"

ان کے کھوجتے لہجہ پر وہ گھبرا گئی تھی۔ جواب میں انہوں نے جو کچھ اسے بتایا تھا وہ اسے حواس باختہ کرنے کو کافی تھا۔ ان کے مطابق سونیا پچھلے ایک ماہ سے اپنے آفس سے چھٹی لے کر لاہور میں مقیم تھی اور ابھی تین چار دن پہلے اس نے بغیر کوئی وجہ بتائے ریزائن کر دیا تھا۔ سونیا آذر کی دور پار کی کزن تھی۔

جیا کی کبھی اس سے ملاقات تو نہیں ہوئی تھی۔ مگر اپنی ساس اور دیگر سسرالی رشتہ داروں کی زبانی اسے علم ہوا تھا کہ آذر شادی سے پہلے اس کے شدید قسم کے عشق میں مبتلا تھا اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ خاندان کے سب ہی لوگوں کو اس کے اور بہت سے افیئرز کا علم تھا۔ مگر آذر کی آنکھوں پر اس نے جانے کون سی پٹی باندھ رکھی تھی۔ اس کے ماں باپ اس شادی کے قطعی حق میں نہ تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ سونیا کے گھر والوں نے اس کی حرکات سے تنگ آ کر زبردستی اس کی شادی گجرات میں ہی کہیں دور کے ملنے والوں میں کر دی تھی۔ کچھ عرصہ آذر اس کے عشق میں مجنوں بنا رہا۔ مگر اماں جی نے قسم دے کر بیٹے کو شادی پر آمادہ کر لیا تھا۔ یوں تقریباً" دو سال بعد انہوں نے آذر کے لیے جیا کو پسند کر کے جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ کیا تھا۔ شادی کے بعد اس افیئر کا علم ہونے پر جیا کو پہلے پہل تو خاصا شاک لگا تھا۔ مگر اماں جی کے سمجھانے پر اس نے اپنے دل و دماغ سے ہر طرح کا وہم نکال کر دور پھینک دیا تھا۔ ویسے بھی سونیا اب شادی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بیٹے کی ماں بھی تھی تو اس سے بھلا اب کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس کی ساس خاصی عقلمند اور دور اندیش خاتون تھیں۔

جیا کو کبھی بھی روایتی سسرال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ بلکہ شادی کے ایک دو ماہ بعد ہی آذر کی پوسٹنگ لاہور ہو جانے پر اماں جی نے اسے بھی ساز و سامان کے ہمراہ فوراً" لاہور بھیج دیا تھا۔ یہ تو اسے بعد میں علم ہوا تھا کہ اس پوسٹنگ میں بھی اس کے ساس سسر کا ہی

ہاتھ تھا۔ درحقیقت وہ یہ چاہتے تھے کہ جیا اور آذر کا دوبارہ کبھی سونیا سے سامنا نہ ہو۔ اسی لیے انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی دوری سہنا بھی گوارا کر لی تھی۔

"محمود بھی اسی کے آفس میں ہیں دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں۔ انہوں نے ہی یہ سب پتا کروایا ہے۔" فرح آپی نے اپنے شوہر کا حوالہ دیا تھا۔

"آپی! اب تو وہ شادی شدہ ہے کسی کے گھر رہنے آئی ہوگی فیملی کے ساتھ۔" اس نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

"تو تمہیں کسی نے بتایا نہیں....؟" انہوں نے چونک کر پوچھا تھا۔

"کیا....؟"

"پورے خاندان کے علم میں ہے کہ چھ ماہ پہلے اس نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی ہے۔ اپنا بچہ بھی اس نے اپنی مرضی سے اس کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔"

ان کی بات سن کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے ریسیور بمشکل سنبھالا تھا۔ وہ مزید اسے فون پر کیا کہہ رہی تھیں اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر فون کی ٹوں ٹوں کی آواز پر اس نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا تھا۔ پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے آذر کے بدلتے رویے کو اس نے اس کی دفتری مصروفیات سمجھ کر ٹال دیا تھا۔ یوں بھی اسے روایتی شکی مزاج بیویوں کی طرح زیادہ سوال جواب کرنے کی عادت نہیں تھی۔ مگر اب اس کے گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ کے رویہ کے بعد آج کا یکدم خوشگوار ہو جانے والا موڈ اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔

ٹکٹکی باندھے وہ دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔ آذر کو گئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ تب ہی گیٹ پر کھٹکا ہوا اور وہ ڈپلیکیٹ چابی سے گیٹ کھول کر کچھ گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مختلف شاپرز تھے۔

"کن خیالوں میں گم ہو مسز؟" اس نے جیا کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا اور ساتھ ہی شاپرز اس کی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل

قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں ذاتی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لیے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لیے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لیے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

ذاتی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

گود میں رکھے۔

"میں باہر کام سے گیا تو سوچا کہ کھانا بھی لیتا چلوں۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے شوز اتارے۔ وہ غائب دماغی سے کھانا نکالتے ہوئے ٹیبل سیٹ کرنے لگی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے سونیا یہاں ہو یا کہیں اور۔ آذر اس سے چھ سال پہلے سے محبت کرتے تھے۔ اب تو ان کی زندگی میں صرف اور صرف میں ہوں اور ہمارا زین۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

ٹیبل پر وہ محض اس کا ساتھ دینے بیٹھ گئی تھی۔ بھوک تو کب کی مر گئی تھی۔ نوالہ حلق سے نیچے ہی نہیں اتر رہا تھا۔

"یوں بھی میں نے آذر کو کون سی کمی ہونے دی ہے جو وہ کسی اور کی طرف توجہ دیں گے۔ ہمارا ایک پیارا سا بیٹا، محبت بھرا پرسکون ماحول، ہر لحاظ سے ایک مکمل گھر اور کیا چاہیے ہوتا ہے انسان کو زندگی میں۔"

برتن دھوتے ہوئے بھی دماغ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے؟" وہ اور احمر سر جوڑے بیٹھے کو نہ جانے کیا سمجھا رہے تھے کہ اشعر بھائی آ دھمکے۔

"کچھ نہیں۔ ہم تو بیبے کو اسٹوری سنا رہے تھے۔" اس نے فوراً بات سنبھالی تو اشعر بھائی سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"کچھ کہیں گے تو نہیں اسفر بھائی؟" بیبے نے باہر صحن میں شیو کرتے ہوئے اسفر بھائی کو دیکھ کر ڈرے ڈرے انداز میں کہا تھا۔

"نہیں بھئی۔ اس آئیڈیے پر تو وہ خوش ہو جائیں گے اور ان کی طرف سے جو پیسے ملیں گے تو ان سے ہم تینوں شام میں آئس کریم کھانے چلیں گے۔" احمر نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ باہر صحن کی جانب چل پڑی۔

"اسفر بھائی! اسفر بھائی!" زبان لبوں پر پھیرتے ہوئے اس نے ہمت کی۔

"کیا بات ہے؟" اسفر نے شیو کرتے کرتے مڑ کر کھا جانے والے لہجے میں پوچھا۔ اس کے غصہ سے سوائے جیا کے خاندان کے سب ہی بچے بہت ڈرتے تھے۔

"وہ میں کہہ رہی تھی کہ آپ شیو کرنے کے لیے اتنی مہنگی کریم کیوں لیتے ہیں؟" اس کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔

"تو اور کیا کروں؟" ماتھے پر بل لا کر انہوں نے اسے گھورا۔ "میں آپ کو دادی کے سلائی والے ڈبے سے دھاگہ لا دیا کروں؟" گھبرا کر اس نے جلدی جلدی بات مکمل کر کے جیا اور احمر کی طرف دیکھا تھا۔ ان کی طرف سے وکٹری کا اشارہ پا کر وہ اپنے اس کارنامے پر داد طلب نظروں سے اسفر بھائی کو دیکھنے لگی تھی۔ ان کے ہاتھ سے برش چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

"تم... یہ بے وقوفانہ مشورہ تمہیں کس نے دیا؟" وہ غصہ میں آگ بگولہ ہوئے جا رہے تھے۔

"میں نے کئی بار اسٹاف روم میں ٹیچرز کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

اسفر بھائی سب چیزیں چھوڑ چھاڑ کر پیر پٹختے باتھ روم چلے گئے تھے۔

تب ہی تخت پر بیٹھی دادی نے جوتا اس کی طرف کھینچ کر مارا۔

"ارے پوری گھوڑی ہو گئی ہے۔ تجھے عقل کب آئے گی؟" کمر سہلاتے ہوئے وہ مدد طلب نظروں سے اندر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ساری بات سمجھتے ہی دادی کھینچ کھانچ کر اندر سے ان دونوں کو باہر لے آئی تھیں۔

"ہوں۔ تو یہ تم لوگوں کی شرارت ہے۔ میں بھی کہوں یہ بکری کب سے شیر ہونے لگی۔"

"بول کیا کہا تھا ان دونوں نے تجھے۔" ان دونوں کے کان کھینچتے ہوئے انہوں نے ساتھ میں اسے بھی گھورا۔

"وہ جیا اور احمر کہہ رہے تھے کہ ٹیچرز والا آئیڈیا اسفر

بھائی کو دو گی تو وہ خوش ہو کر شیونگ کریم کے پیسے تمہیں دے دیا کریں گے اور اس کی ہم تینوں آئس کریم کھا لیں گے۔" دادی کے دھمکانے پر اس نے سارا قصہ ان کے گوش گزار کر دیا۔

"نالائق۔ ارے کہنے کو اگلے برس تو دسویں پاس کر لے گی مگر مجال ہے جو ذرا عقل استعمال کرنا سیکھ لے۔ کیا سکھاتے ہیں یہ اسکول والے اتنی فیسیں بٹور کر۔" احمر کو کس کر دو تھپڑ لگانے کے بعد انہوں نے اب جیا کو لتاڑنا شروع کر دیا تھا۔

"دادی! اب بھلا میٹرک کرنے کا عقل سے کیا تعلق؟"

"ہاں زبان تو خوب چلانی آتی ہے۔ اگلے گھر جا کر خوب نام روشن کرنا اماں باوا کا۔ آثار تو لگتے ہیں کہ کل کلاں کو لڑکا ڈھونڈنے نکلیں گے تو نواب زادی خود بھی ساتھ چل پڑے گی۔ بلکہ یہی حال رہا تو گھوڑی چڑھ کر خود ہی بارات لے جانا۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔

"گڈ آئیڈیا۔ مزہ آئے گا۔ بیبے تم ڈھول بجانا۔ احمر ڈانس کرے گا اور میں شان سے گھڑ سواری کروں گی۔" وہ فرضی کالر اکڑاتی۔

"ارے کیا بے حیا لڑکی ہے۔ ایک ہم تھے کہ ادھر کسی نے شادی کا نام لیا اور ادھر ہم مارے شرم کے کمرے میں جا گھسے۔ پسینے تک چھوٹ جاتے تھے۔ مگر یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔"

"پھر تو دادا ابا کے گھر والے جب رشتہ لائے ہوں گے تو آپ تو چارپائی کے نیچے لحاف میں منہ چھپائے تھر تھر کانپتی ملی ہوں گی۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے۔ جس کے پلے پڑو گی سر پکڑ کر روئے گا بچارا۔" دادی ناراضی سے منہ پھیر بیٹھ جاتیں۔

"سر پکڑ کر کیوں روئے گا۔ وہ تو ناز کرے گا اپنی قسمت پر اور دعائیں دے گا آپ کو بھی کہ..."

"کہ آپ کی ڈانٹ نے اس کو تھوڑا بہت انسان تو بنا کر رکھا ہے۔" احمر اس کی بات کاٹ کر لقمہ دیتا۔

وہ اسے گھورتے ہوئے جھٹ دادی کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی۔ دادی کی ناراضی بھی چند منٹ کی ہوتی تھی فوراً سموم ہو جاتیں۔

"خبردار جو اب میری دادی کو کسی نے تنگ کیا ہو۔ چلو بیبے! تم فٹافٹ دادی کے لیے لیموں کی شکنجبین بنا لاؤ اور تیمور تم دادی کی ٹانگیں دباؤ۔" ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ حکم صادر کرتی۔

"کچھ نہیں ہو سکتا لڑکی تمہارا۔" دادی ہنس کر اسے گلے لگا لیتیں۔

☼ ☼ ☼

وہ فارغ ہو کر بیڈ روم میں آئی تو آذر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"جیا! تم نے زندگی کے ہر مقام پر میرا مکمل ساتھ دیا ہے۔ کبھی میرے کسی بھی حکم سے انحراف نہیں کیا۔ دانستہ طور پر میرا دل نہیں دکھایا۔ میری ہر خواہش کا بغیر کہے احترام کیا ہے۔"

اس کی یہ تمہید کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ سانس روکے یک ٹک سے اسے دیکھے گئی۔

"میں آج تم سے کچھ مانگوں تو تم انکار تو نہیں کرو گی نا؟"

اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے اس نے دست سوال دراز کیا۔ اس کا دل پوری شدت سے دھڑکا تھا۔ آخر وہ اس سے کیا مانگنے جا رہا تھا۔ کیا فرح آپی کے بدترین خدشات درست ثابت ہونے والے تھے؟ اسے اپنا آپ عدالت کے کٹہرے میں کھڑے کسی مجرم کی مانند لگ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے جس کی قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا ہو۔ آسمان یا پاتال، اسیری یا رہائی، زندگی یا موت۔ دونوں میں سے کوئی ایک اس کے مقدر میں لکھی جانے والی تھی۔

"کیا...؟" اپنی آواز اسے خود بھی سنائی نہیں دی تھی۔

"میں تم سے دوسری شادی کی اجازت چاہتا

www.pkdigest.com

ہوں۔" آواز تھی یا صور اسرافیل جو یک دم ہی اس کے کانوں میں پھونک دیا گیا تھا۔

وہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے آذر کا چہرہ دیکھنے لگی تھی اگر یہ خواب تھا تو مارے دہشت کے اب تک اس کی آنکھ کیوں نہیں کھلی تھی اور اگر حقیقت تھی تو اب تک اس کی دھڑکن ساکت کیوں نہیں ہوئی تھی۔ سانسیں چل کیوں رہی تھیں۔ جان نکل کیوں نہیں رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا اس کے لیے تو یہ پل جیسے قیامت کی صدیاں بن کر ٹھہر گئے تھے۔ سامنے بیٹھا شخص سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ وہ اب ساری عمر بول نہیں پائے گی۔ کیا چاہتا تھا وہ اس سے کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے لیے مصلوب ہو جانے کی سزا لکھ دے۔ کیسا پتھر دل انسان تھا کہ اسے ہی منصف ٹھہرا کر اسے اپنے لیے بنا کسی جرم کے سزائے موت سنانے کی امید رکھے ہوئے تھا۔

"آذر! میں نے کبھی کوئی کمی رکھی ہے آپ کی زندگی میں۔ پھر کیوں۔۔۔؟" اس کے ہونٹوں نے جنبش کی تھی۔

"میں نے یہ کب کہا ہے جیا؟"

"تو پھر کیا میری محبتوں یا وفاؤں پر کوئی شبہ ہے آپ کو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن میں بہت محبت کرتا ہوں سونیا سے۔ تب سے جب تمہارا میری زندگی میں دور دور تک نام و نشان بھی نہیں تھا۔" اس کے لہجہ میں بے بسی تھی۔

"محبت تو میں نے بھی آپ سے بہت کی ہے۔ خود سے بڑھ کر چاہا ہے آپ کو۔" اس نے تیزی سے پلکیں جھپکا کر آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسو اپنے اندر مارے تھے۔

"پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ جیا! وہ بہت اکیلی ہے۔ بہت قربانیاں دی ہیں اس نے میرے لیے۔ اپنا شوہر، گھر بچہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔"

وہ جھنجلائے ہوئے لہجہ میں بولا۔

"اور میری قربانیاں۔۔۔؟ ہمارا گھر، ہمارا بچہ۔۔۔" وہ ضبط کھو کر چلا اٹھی تھی۔

جس شخص کی خاطر اس نے خود کو سرتاپا بدل دیا تھا، اپنا کیریئر داؤ پر لگا دیا۔ زندگی کی ساری خوشیاں تیاگ دی تھیں آج وہ اس کے سامنے کسی اور کی قربانیوں کے گن گا رہا تھا۔ کسی اور کی محبتوں اور وفاؤں کی گواہی پیش کر رہا تھا۔

"یہ گھر بھی تمہارا ہے اور بچہ بھی۔ میں تمہیں اور زین کو چھوڑ نہیں رہا۔ مگر ذرا اس کے بارے میں بھی تو سوچو۔ اس کے پاس تو نہ اس کا گھر ہے نہ شوہر نہ بچہ، میری خاطر وہ سب چھوڑ آئی ہے۔ اگر میں بھی اسے خالی ہاتھ لوٹا دوں تو کیا جواز رہ جائے گا اس کے پاس جینے کا۔ پلیز جیا! اپنا ظرف ہمیشہ کی طرح بڑا کر لو اور مجھے اجازت دے دو۔" اس نے آخری حربہ آزمایا تھا۔

"نہیں کر سکتی میں ظرف بڑا۔ اگر میرے ہاتھ میں خنجر تھما کر مجھے میرا ہی گلا کاٹنے کا کہہ رہے ہو تو میں کم ظرف ہی ٹھیک ہوں۔ اگر مجھے خود میرے ہی گھر کو آگ لگانے کا کہہ رہے ہو تو میں یہ اعتراف کرتی ہوں کہ ہاں میں تنگ دل بھی ہوں، تنگ نظر بھی اور مجھ سے زیادہ کم ظرف بھی کوئی نہیں ہے۔ مگر میں کسی بھی حال میں تمہیں دوسری شادی کی اجازت نہیں دے سکتی۔ نیور۔"

غصہ اور صدمہ کی شدت سے بے قابو ہو کر وہ اس پر چیل کی مانند جھپٹی تھی۔

"تو مت دو اجازت۔ شادی تو میں نے کرنی تھی سو وہ میں کر چکا ہوں۔" کس قدر سفاک لہجہ تھا اس کا۔

حیرت اور صدمہ سے گنگ چپ چاپ کھڑی وہ اسے دیکھے گئی۔ جب سب ریاضتیں بے ثمر ٹھہری تھیں، تو اب چلانے کا فائدہ بھی کیا تھا جب اس کی چیخوں کی بازگشت اس کے علاوہ کسی اور کو سنائی ہی نہیں دینا تھیں۔

وہ الماری کھول کر بریف کیس میں اپنی ضروری چیزیں رکھ رہا تھا۔ بریف کیس لاک کر کے اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں سے موبائل اور گاڑی کی چابی نکالی۔

"فی الحال میں جا رہا ہوں۔ میں تمہیں اور زین کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مگر تم اچھی طرح سوچ لو۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہو گا، وہ مجھے منظور ہو گا۔"

سرد اور اجنبی لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا۔

پھٹی پھٹی نظروں سے وہ اس کے پیچھے بند ہوتے دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ جس کے بند ہوتے ہی اس کی قسمت کے سارے در ایک ساتھ بند ہو گئے تھے۔ اک جنون کے عالم میں اس نے کمرے میں موجود جو بھی چیز ہاتھ آئی اٹھا اٹھا کر دیوار پر مارنی شروع کر دی تھی۔ آنسو ایک تواتر سے اس کے گال بھگوئے جا رہے تھے۔ باہر بادلوں کی گرج میں اس کی گھٹی گھٹی چیخیں کمرے میں ہی مقید ہو کر رہ گئی تھیں۔

بہت سوچنے پر بھی اسے اپنی چار سالہ ازدواجی زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا یاد نہیں تھا جب اس نے آذر کی محبت کا جواب محبت سے نہ دیا ہو۔ کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں تھا جب اس نے اس کی حکم عدولی تو کیا اس سے بحث تک کی ہو۔ اپنے فلیٹ میں تن تنہا ساری رات وہ چیخیں مار مار کر روتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ جمال عرف بیہ، کمال احمد کے چھوٹے بھائی جمال احمد کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ان کے گھر سے دو گلیاں چھوڑ کر ہی اس کے تایا یعنی کمال احمد کا گھر تھا۔ اس نے جب آنکھ کھولی تو بہن بھائی کی کمی کے باعث خود کو تنہا ہی پایا۔

بہت چھوٹی عمر سے ہی وہ اپنا وقت تایا ابا یعنی کمال احمد کے گھر میں گزارنے لگی تھی۔ اس کی اور جیا کی عمروں میں پورے چار برس کا فرق تھا مگر اسے محبتوں بھرا یہ گھر اور اس کے مکین بہت اچھے لگتے تھے۔ خاص کر جیا تو اس کے لیے آئیڈیل کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ ہر وقت اس کا سایہ بنی وہ اس کے ہر حکم پر تابعداری سے عمل کرتی رہتی۔ اکثر آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اس کی طرح کے کپڑے پہن کر اسی کی طرح کے بال بناتی۔ مگر اس کی طرح ہر کسی کو اپنے بس میں کر لینا اور ہر طرف سے محبتیں سمیٹنا بیہ کو نہیں آتا تھا۔

اس کے گھر کے افراد میں اضافہ تیمور کے آنے سے ہوا تھا۔ تابندہ بیگم (دادی) کے ہاں دو بیٹوں کے علاوہ اکلوتی بیٹی بھی تھی۔ اس کی پھوپھو نے تیمور کی پیدائش کے دو سال بعد بیوہ ہو کر باقی کی زندگی سسرال والوں کی چاکری کرتے ہوئے گزار دی تھی۔ کئی بار ان کے بھائیوں نے انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لانا چاہا مگر وہ اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر آنے پر ہرگز آمادہ نہ تھیں۔

اپنے سسرال میں نوکرانیوں کی سی زندگی بسر کرتے کرتے ایک رات وہ جو سوئیں تو صبح تک ان کا وجود دنیا کے تمام غموں اور ظلم و ستم سے نجات پا چکا تھا۔ تیمور کی عمر اس وقت محض آٹھ برس تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد مزید دو سال اس نے ددھیال والوں کے مظالم سہتے گزارے۔ مگر جب جمال احمد کو یہ علم ہوا کہ اس کے ددھیال والوں نے اسے اسکول سے اٹھوا کر کسی دکان پر ملازم رکھوا دیا ہے تو وہ لڑ جھگڑ کر اسے اپنے گھر لے آئے تھے۔

ان کی بیگم نے تیمور کو اس طرح گھر لانے پر پہلے پہل تو خاصی ناک بھوں چڑھائی مگر پھر تیمور کے خدمت گزار رویہ نے ان کے دل میں تھوڑی سی ہی سہی مگر جگہ پیدا کر لی تھی۔ جمال احمد نے اسے جیا اور بیہ کے اسکول میں ہی داخل کروایا تھا۔ جیا سے عمر میں ایک سال بڑا ہونے کے باوجود وہ گھر والوں کی عدم توجہ کی بنا پر پڑھائی میں دو سال پیچھے رہ گیا تھا۔ تابندہ بیگم جو ساری زندگی اپنی اکلوتی بیٹی کی قسمت پر خون کے آنسو بہاتی رہی تھیں، تیمور کو انہوں نے بیٹی کی آخری نشانی جان کر سینے سے لگایا تھا۔ دن میں ایک بار اس کی صورت دیکھے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔

بیٹی کو یاد کر کے وہ اکثر دکھی ہو جایا کرتی تھیں اور یہی ان کی زندگی کا وہ واحد ناسور تھا جس نے ان کے جیا اور بیہ دونوں کے ساتھ رویہ میں سختی پیدا کر دی تھی۔ بیہ تو

www.pklibrary.com

یوں بھی خاصی ڈری سہمی اور فرمانبردار بچی تھی مگر جیا کی من مانیاں ان کا دل دہلائے رکھتی تھیں۔

تیمور نے احساسِ محرومی کا شکار ہو کر ان لوگوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے خدمت کو ہی شعار بنا لیا تھا۔ صبح سے رات تک وہ چچی کے باہر کے ساتھ ساتھ گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی نبٹا دیا کرتا تھا۔ اس کی عاجزانہ طبیعت کے باعث جیا کی رعایا میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ دادی کے علاوہ دونوں گھرانوں میں اگر کسی کو اس کا خیال تھا تو وہ بیہ تھی۔

اسے اس ڈرے سہمے اور اپنی طرح کے فرماں بردار لڑکے پر بے حد ترس آتا تھا جو سارا دن خاموشی سے سر جھکائے بھاگ بھاگ کر ہر ایک کا کام کرتا اور رات کو اپنے کمرے میں چپ چاپ ہوم ورک کرتا رہتا۔

اس نے نہ تو اسے بلا ضرورت کسی سے بات چیت کرتے دیکھا اور نہ ہی کبھی کسی سے کوئی فرمائش کرتے سنا تھا۔ اس لیے اکثر ہمدردی کی بنا پر وہ اسے اپنی کھانے کی چیزوں اور کھلونوں میں سے حصہ دے دیا کرتی تھی۔ کبھی کبھار تو اس کی سفارش پر جیا اسے کھیل میں بھی شامل کر لیتی تھی۔ مگر وہ خود ہی سب سے الگ تھلگ رہا کرتا تھا۔ جیا اور احمر اسے "بونگو" کہہ کر چھیڑتے تھے۔

کبھی کبھار اسفر اور اشعر بھائی اس کی کسی بات سے خوش ہو کر ازراہِ عنایت پڑھائی میں اس کی تھوڑی بہت ہیلپ کر دیا کرتے تو وہ کئی دنوں تک تشکر بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہتا۔

☼ ☼ ☼

"جیا! اسفر بھائی کا فون تھا۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ تمہارے ساس سسر حج پر سے کب واپس آ رہے ہیں؟" وہ اپنے کمرے میں تھی کہ فائزہ بھابی نے آواز لگائی۔

"معلوم نہیں۔ ان کا ارادہ کچھ عرصہ زرینہ خالہ کی طرف ٹھہرنے کا بھی تھا۔" اس نے آذر کی خالہ کا نام لیا۔

اسے گھر آئے ایک ماہ سے اوپر ہو گیا تھا۔ مگر اس تمام عرصہ میں آذر نے دوبارہ اس سے ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اسفر بھائی کراچی سے آئے تو سب گھر والوں نے آذر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر اس نے انہیں منع کر دیا۔ اب وہ لوگ اس کے ساس سسر کی واپسی کے منتظر تھے۔

گو کہ اس کے ابو اور تینوں بھائیوں کے ساتھ ساتھ دونوں بھابیوں نے بھی اسے بہت لاڈ سے رکھا ہوا تھا۔ پچھلے ایک ماہ کے دوران ایک بار بھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر میکے میں رہ رہی تھی۔ مگر جب زین روز آذر کو یاد کرتا تو وہ بہت افسردہ ہو جاتی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ آذر نے زین کے لاڈ پیار میں کبھی کوئی کمی نہیں رکھی تھی مگر اب سونیا کے زندگی میں آ جانے کے بعد تو جیسے اس نے زین کو بھی بھلا دیا تھا۔

"جیا! میری بات کا برا مت ماننا میں اس وقت تمہاری بھابی نہیں بلکہ بڑی بہن کی حیثیت سے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ غلطی تمہاری بھی ہے۔ تم نے آذر پر کبھی کوئی ذمہ داری ڈالی ہی نہیں۔ شادی کے بعد بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنا خاوند کا فرض ہوتا ہے۔ مگر تم نے اسے کبھی اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہی نہیں۔ وہ شادی کے بعد بھی کنواروں کی سی آزاد زندگی گزارتا رہا ہے۔ شوہر کی اطاعت بیوی کا فرض ہوتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ اپنے حقوق سے بھی دستبردار ہو جائے۔"

فائزہ بھابی چاول دم پر لگا کر اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ ان کی باتوں کا مطلب وہ سمجھتی تھی۔ حقیقت تھی بھی یہی کہ ہر ماہ اس کے ابا اور بھائی اس سے ملنے جاتے تو ساتھ ہی ایک معقول رقم بھی اس کے ہاتھوں پر رکھ آتے تھے۔ اس نے کبھی بھی آذر سے اپنی ضروریات کے لیے ایک پیسہ نہیں مانگا تھا۔ وہ اپنی تنخواہ میں محض گھر کے اور اپنے ذاتی اخراجات پورے کرتا آیا تھا۔ اور وہ اپنی اور زین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے میکے والوں کی طرف سے ملنے

والی رقم استعمال میں لے آتی تھی۔

"نہیں بھابھی! میں نے بالکل برا نہیں مانا۔ مگر میں کیا کروں کہ مجھے فضول میں لڑنا جھگڑنا پسند نہیں ہے۔ یہاں اس گھر میں بچپن سے اگر میرے بے جا لاڈ اٹھائے گئے ہیں تو وہ اس گھر کے لوگوں نے اپنی خوشی سے اٹھائے ہیں۔ اس کے لیے میں نے نہ تو کبھی کوئی جھگڑا کیا اور نہ ہی کوئی زور زبردستی۔" اس کے لہجہ میں بے چارگی تھی۔

"میں جانتی ہوں مگر بڑے کہتے ہیں کہ جو پہیے شور مچاتے ہیں تیل بھی ان ہی میں ڈالا جاتا ہے۔ میکے کی بات اور ہوتی ہے مگر شادی کے بعد اپنا حق منوانا پڑتا ہے۔ ازدواجی زندگی کی گاڑی یوں ہی چلتی ہے کہ کچھ دوسرے کی مانو کچھ اپنی منواؤ۔ ورنہ یہ شوہر لوگ بیویوں کی ہر خدمت ہر قربانی کو For Granted لیتے ہیں۔ تمہیں آذر کو اتنی ڈھیل نہیں دینی چاہیے تھی۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔ تب ہی زین اچھلتا کودتا اندر داخل ہوا۔

"ماما! ماما!" ہاتھ میں چاکلیٹ لہراتا وہ اس کی گود میں آ بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے بیہ بھی اپنی اسٹک تھامے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ماما! ہم گھر کب چلیں گے؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ بیہ نے آگے بڑھ کر زین کو تھاما تھا۔

"سارے ہاتھ چاکلیٹ سے گندے کر لیے ہیں۔ چلو تمہارے ہاتھ دھلواؤں ہاگڑ بلے۔"

اس کا ہاتھ پکڑے وہ اسے بہلا پھسلا کر باتھ روم لے گئی تھی۔ جبکہ جیا نے پلکوں پر امڈ آنے والی نمی کو آہستگی سے رگڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"واہ بھئی زبردست۔ نام روشن کر دیا پورے خاندان کا۔"

جمال احمد تمتماتے چہرے کے ساتھ مٹھائی کا ڈبہ لیے اندر داخل ہوئے تھے۔ آج صبح تیمور کا رزلٹ آیا تھا اس نے نہ صرف میٹرک میں بہت اچھے مارکس لیے تھے بلکہ خاندان کے اگلے پچھلے سب ہی ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

صبح وہ گھر سے سودا لینے نکلا تھا۔ اخبار میں اپنے نام کے سامنے لکھے نمبر دیکھ کر اسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔ گو کہ اس نے بہت محنت کی تھی۔ مگر دن بھر کام کاج میں مصروف رہنے کے بعد جب رات گئے وہ کتابیں کھولتا تو اسے اپنا جسم اور دماغ خاصے تھکے تھکے محسوس ہوتے تھے۔ چائے کی شدید طلب محسوس ہوتی تھی۔

کچھ ہی دنوں بعد نہ جانے کیسے اکثر رات کو پڑھتے پڑھتے اپنے لیے چائے بناتے ہوئے بیہ اسے بھی ایک کپ دے جاتی تھی جس پر وہ اس کا دل ہی دل میں بے حد ممنون ہوتا تھا۔ اکثر اوقات وہ اپنی امی سے چھپ کر اس کے کپڑے بھی استری کر دیتی تھی۔ تابندہ بیگم کی وفات کے بعد ایک وہ ہی تو تھی کہ جب سب اپنے اپنے کاموں میں اسے بھول جاتے تو بھی اس کا خیال رکھتی تھی۔ اور صرف اسی کا نہیں بلکہ سب کا ہی بے حد خیال رکھا کرتی تھی۔

دبلی پتلی، سانولی رنگت کی مالک اس خاموش سی لڑکی کو دیکھ کر اسے اکثر بچپن کی سنی ہوئی کہانیوں کی وہ رحم دل پری یاد آ جاتی جو ایک جادو کی چھڑی گھماتی اور سب کچھ ٹھیک کر دیتی تھی۔

رزلٹ دیکھ کر وہ کچھ متضاد سی کیفیات کا شکار تھا۔ شاید گزرے ہوئے وقتوں میں وہ یہ بھی بھول چکا تھا کہ خوش ہونا کسے کہتے ہیں اور دل کھول کر ہنسا کیسے جاتا ہے۔ اکثر گھر میں جیا کو بات بے بات قہقہے لگاتے دیکھ کر وہ اسے رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا کرتا کہ کاش کبھی ایسے ہی دل کھول کر وہ بھی ہنس سکے۔

اسے جیا کا وجود کسی ایسی مغرور اور اکھڑ شہزادی کا سا لگتا تھا جسے درحقیقت پیدا ہی حکمرانی کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔ لیکن اپنے اس رویہ میں بھی وہ اسے کبھی بری نہ لگی تھی۔ بلکہ اسے لگتا تھا کہ یہ سب اسے

www.pkdigest.com

سوٹ کرتا ہے۔ اس کے قدم بلا ارادہ ہی قبرستان کی طرف اٹھتے چلے گئے تھے۔ اپنی اب تک کی زندگی کی اس واحد خوشی کو وہ اپنی ماں سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔ ماں کے قبر پر دیر تک آنسو بہانے کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو یہ خیال دل و دماغ سے بالکل محو ہو چکا تھا کہ اسے گھر سے کس کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ چھوٹی ممانی اس کو اتنی دیر بعد خالی ہاتھ لوٹتے دیکھ کر طیش میں آگئی تھیں۔ نتیجتاً اسے ان کی بہت ساری جھڑکیاں برداشت کرنا پڑی تھیں۔

"زندگی میں ہر خوشی ادھوری ہی کیوں ملتی ہے؟ مکمل ہاتھ کیوں نہیں آتی۔" اس نے بے اختیار ہاتھوں کی ابھی لکیروں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

دوپہر کو جب بیہ نے اسکول سے واپس آکر بے تابی سے اس کے رزلٹ کا پوچھا تھا تو اس کے مارکس سن کر خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے اس نے ابا کے ساتھ ساتھ تایا ابا کو بھی فون کر دیا تھا۔ رات گئے جا کر کہیں سب گھر پہ جمع ہوئے تھے۔

"اچھا اب آگے کون سی فیلڈ منتخب کرو گے؟" آج تو اسفر بھائی کا موڈ بھی خاصا خوش گوار تھا۔ اس کی اس کامیابی پر سب ہی خوش نظر آرہے تھے سوائے جیا کہ جو کچھ فاصلے پر منہ پھلائے بظاہر ٹی وی دیکھتی لاتعلق سی نظر آرہی تھی۔ ہمیشہ توجہ کا مرکز بنے رہنے کے باعث اس وقت وہ جیلسی فیل کر رہی تھی اور پھر تیمور نے اس سے پورے دس نمبر زیادہ لے کر اس کا ریکارڈ بھی توڑ دیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے کہ اسے انجینئرنگ میں جانا چاہیے۔ میڈیکل میں تو اپنی جیا ہو جائے گی۔" جمال احمد نے رائے دی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں گریجویشن کے بعد مقابلے کے امتحان کی تیاری کرنی چاہیے۔"

کمال احمد نے گلاب جامن منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے بھئی، کوئی اس سے بھی تو پوچھے کہ یہ کیا چاہتا ہے۔"

جیا کی امی نے مداخلت کی تو سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ سب کی توجہ پا کر وہ بے حد نروس ہو رہا تھا۔ بولنے کی ہمت ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ یوں بھی بھلا اسے کب کسی نے اتنی اہمیت دی تھی۔

"وہ ماموں جان... امی کی خواہش تھی کہ میں ... ایل ایل بی کروں۔"

اس نے بمشکل اٹک اٹک کر جملہ مکمل کیا تھا۔ مرحومہ بہن کے ذکر پر سب ہی نے اس کے وکیل بننے کو اوکے کر دیا تھا۔

"لو ہو گئی چھٹی۔ مطلب یہ کہ اب ہمارا خاندان انجینئر سے محروم ہی رہ جائے گا۔ اپنی اکلوتی اولاد سے تو کوئی توقع نہیں ہمیں۔"

جمال احمد نے ٹھنڈی آہ بھری۔ جس پر بیہ بے حد شرمندہ ہوئی تھی۔ وہ کتنا کوشش کرتی تھی کہ عادتوں میں نہ سہی پڑھائی میں ہی جیا کو کاپی کر لے، جو کہ پڑھائی میں بہترین ہونے کے ساتھ ساتھ تقاریر، اسپورٹس اور بہت سے مقابلوں میں لاتعداد ٹرافیز جیت چکی تھی۔ مگر وہ بہت کوشش کے باوجود بہ مشکل پاسنگ مارکس لے پاتی تھی۔

"شاید پرفیکٹ کا لفظ بنا ہی جیا کے لیے ہے۔" اس نے رشک بھری نظروں سے جیا کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا کریں بیٹا! اس عمر میں اب یہ ذلت باقی رہ گئی تھی۔ پتا نہیں اس لڑکی نے کیا گھول کر پلایا ہے۔ اس کے ابا تو بے حد شرمندہ ہیں۔ پورے خاندان میں ہماری عزت اس لڑکے نے دو کوڑی کی کر دی ہے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ جس کو دیکھو، یہی سوال کرتا ہے کہ آذر کو یہی لڑکی ملی تھی دوسری شادی کے لیے۔"

دوپٹہ کے پلو سے آنسو پونچھتی اس کی ساس بے حد دکھی نظر آرہی تھیں۔

"آنٹی! جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس میں آپ لوگوں کی کیا غلطی ہے؟"

"اب یہ سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے؟" نہیں پانی کا گلاس تھما کر اشعر نے ساتھ ہی تسلی بھی دی تھی۔

"بھائی صاحب! آپ بس ہمیں معاف کر دیں۔ آپ کی بیٹی کو ہم اپنی بیٹی بنا کر لے گئے تھے مگر..." اس کے سسر بار بار کمال صاحب سے معافی مانگ رہے تھے۔

تقریباً دو ماہ بعد وہ لوگ واپس آئے تھے۔ انہیں جب آذر کی اس حرکت کا علم ہوا تو وہ فوراً اس کی طرف گئے تھے۔ مگر اس سے بات کر کے انہیں خاصی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کسی طور بھی سونیا کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا، جبکہ وہ لوگ سونیا کے ماضی سے واقف ہونے کے باعث اسے کسی طرح بھی اپنی بہو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔

"میں اس نالائق کو عاق کر دوں گا۔ مگر اس جیسی لڑکی کو کبھی بھی اپنی بہو تسلیم نہیں کروں گا۔ میں ابھی اور اسی وقت ساری جائیداد اپنے پوتے کے نام کرنے کو تیار ہوں۔ اس نالائق کو پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔"

آذر نے سونیا کو کرائے کے فلیٹ میں رکھا ہوا تھا اور اس کا اپنا مکان جو ابھی اس کے باپ کے نام ہی تھا، جیا کے جانے کے بعد خالی پڑا تھا۔

اس کے سسر نے پہلی فرصت میں ہی وہ مکان مقفل کر کے چابیاں جیا کے حوالے کر دی تھیں۔ بیٹے کو بہت سمجھانے اور دھمکانے پر بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو انہوں نے اسے عاق کر کے ساری جائیداد زین کے نام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں اس لڑکی کو۔ اس نے محض پیسے کی لالچ میں میرے بیٹے سے شادی کی ہے۔ جب پیسہ نہیں ہو گا تو دیکھنا کیسے چھوڑ کر بھاگتی ہے۔" اس کی ساس نے کہا تھا۔

اس کے سسر نے کاغذات تیار کر کے آدھی جائیداد مکان سمیت زین کے نام کر دی تھی اور باقی کی نصف جائیداد بھی ان کی وفات کے بعد اسی کے نام ہو جانا تھی۔

☼ ☼ ☼

"آذر نے کیس واپس لے لیا ہے۔ سو ڈونٹ وری جیا! زین اب تمہارے پاس ہی رہے گا۔" تیمور نے فائل اس کے سامنے رکھ کر خوش خبری سنائی تھی۔

"تھینک یو سو مچ تیمور! میں جانتی ہوں کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" اس کی آنکھیں تشکر سے بھیگ گئی تھیں۔

"نہیں، اس کا کیس تھا ہی کمزور۔ اتنی چھوٹی عمر کا بچہ ہر صورت میں ماں کے حوالے ہی کیا جاتا ہے۔" اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

آذر نے اشتعال میں آکر زین کی کسٹڈی کا مطالبہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر حقیقتاً تیمور نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا اور بطور وکیل اس نے آذر کو آئینہ دکھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ یہ بات تو آذر خود بھی جانتا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر کے بچے کے لیے اگر وہ کیس کرتا تو ہار جانے کے قوی امکانات تھے۔ البتہ زین کی بہتری کے پیش نظر جیا نے اس کو باپ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ بہرحال جو بھی تھا زین سے وہ حقیقتاً پیار کرتا تھا۔ وہ تیمور کی بہت ممنون تھی اور اب دل سے اس کی عزت کرنے لگی تھی۔

آذر ہفتہ میں دو بار زین کو تین چار گھنٹوں کے لیے لے جاتا تھا اور واپسی پر زین کھلونوں سے لدا پھندا چہکتا ہوا واپس آتا۔ جیا نے جان بوجھ کر اس کا سامنا کرنے سے مکمل گریز کیا تھا۔ اسے گھر واپس آئے پانچ ماہ ہو گئے تھے۔ فراغت سے اکتا کر اس نے جاب کرنے اور اپنا کیریئر پھر سے اسٹارٹ کرنے کا سوچا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اس کی خوشی کی خاطر اسے اجازت دے دی تھی۔

احمر کا اپنا کلینک تھا۔ جسے وسعت دیتے ہوئے جیا نے بھی ساتھ ہی پریکٹس شروع کر دی تھی۔ زین کو اس نے مانٹیسوری میں داخل کروا دیا تھا۔ دن بھر وہ اسکول میں ہوتا جبکہ شام کو وہ بیہ کی گود سے ہی نہ اترتا تھا۔ اسے نہلانے دھلانے سے لے کر ہوم ورک

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

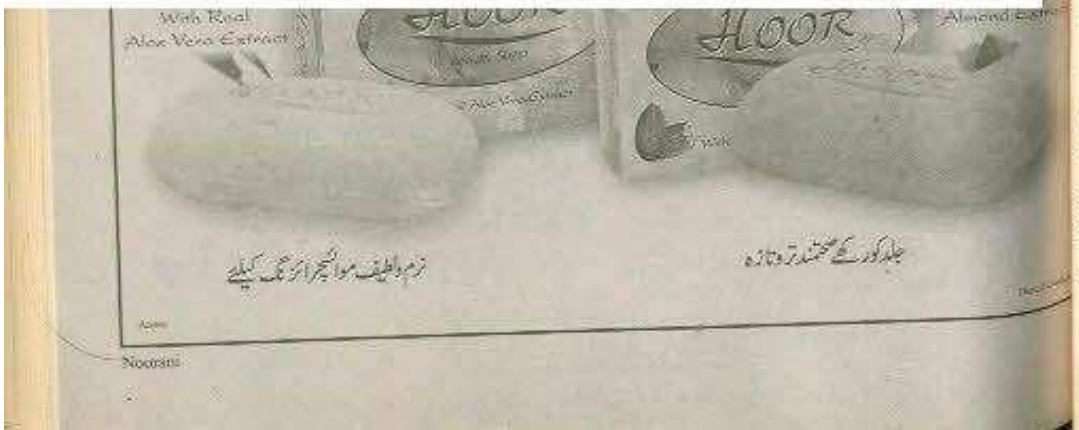

کرانے تک کے سارے کام بیہ ہی انجام دیتی تھی۔ اکثر تو وہ بیہ کے ساتھ اس کے گھر میں ہی سو جاتا تھا۔

"زین سب کے ساتھ اس قدر اٹیچ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے بڑا ہونے پر آذر نے پھر سے اس کی کسٹڈی کا کیس کر دیا تو۔۔۔؟"

زین کی سب کے ساتھ گھل مل جانے والی عادت اکثر اوقات اس کی راتوں کی نیند اڑا دیتی تھی۔

☼ ☼ ☼

بچپن کے قیمتی لمحات کب بند مٹھی میں سے ریت کی مانند پھسلتے چلے گئے تھے پتا ہی نہ چلا۔ اسفر بھائی آرمی جوائن کرنے کے بعد گھر سے دور مختلف جگہوں پر پوسٹ ہوتے رہے۔ اشعر بھائی ایم ایس سی مکمل کر کے ایک فرم میں جاب کر رہے تھے۔ امی نے جاننے والوں میں ہی رشتے دیکھ کر دونوں کی ایک ساتھ شادی کر دی تھی۔ ان کی دونوں بہویں خاصی نیک سیرت اور سلیقہ شعار تھیں۔ احمر میڈیکل کی میرٹ لسٹ پر نام نہ آنے کی وجہ سے بی ڈی ایس کر رہا تھا۔ جیا کا ایم بی بی ایس مکمل ہو گیا تھا اور وہ ہاؤس جاب کر رہی تھی۔ جبکہ بیہ نے بی اے کر کے اسکول جوائن کر لیا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ جیا کے مزاج میں خاصی سنجیدگی اور بردباری آ گئی تھی۔ میڈیکل کی پانچ سالہ انتہائی مشکل پڑھائی اس کی سب شرارتیں چھڑانے میں خاصی مددگار ثابت ہوئی تھی۔ جس پر امی نے سکون کا سانس لیا تھا۔ تیمور ایل ایل بی مکمل کر رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جمال صاحب کا سایہ بھی اس کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ تب ہی سے اس نے صحیح معنوں میں اس گھر میں بیٹے کی کمی پوری کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ جس کی بنا پر بیہ کی امی دل ہی دل میں اس کی بے حد قدر کرنے لگی تھیں۔

بیہ کا گھرانہ مالی طور پر جیا کی نسبت کم خوش حال تھا۔ کم آمدنی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی میں یہ مشکل وہ لوگ اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے تھے۔ گھر کے اخراجات جمال صاحب کی پنشن، بیہ کی تنخواہ اور تیمور کی پارٹ ٹائم جابز سے پورے ہو رہے تھے۔

ان ہی دنوں جب جیا نے ہاؤس جاب مکمل کر کے ابھی جاب شروع ہی کی تھی تو قریبی جاننے والوں کی توسط سے آذر کے ماں باپ اس کا رشتہ لے آئے۔ آذر ایم بی اے کرنے کے بعد خاصی معقول جاب کر رہا تھا۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی ساری جائیداد کا تن تنہا وارث بھی تھا۔ ان ہی دنوں بیہ کی امی نے اس کے لیے تیمور کا بھی سرسری سا ذکر کیا تھا۔ مگر ایک تو تیمور ابھی شادی کے لیے تیار نہیں تھا اور دوسرا وہ خود کو جیا کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ خود جیا کے والدین بھی اس کے مستقبل کی طرف سے کوئی خاص پر امید نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے فوراً" آذر کا پروپوزل فائنل کر دیا تھا۔

البتہ وہ بیہ کی طرف سے خاصی مطمئن تھیں کیونکہ اشاروں کنایوں میں کمال صاحب اور ان کی بیگم کئی بار اس کے لیے احمر کا ذکر کر چکے تھے۔ دادی کی بھی یہی خواہش تھی کہ ان کی یہ بھولی اور سادہ دل پوتی اسی گھر کی بہو بنے۔

جیا کی شادی آذر کے ساتھ بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اکلوتی بہن ہونے کی وجہ سے بھائیوں نے اسے خوب ڈھیر سارا جہیز دے کر نہایت شان و شوکت سے رخصت کیا تھا۔

شادی کے بعد وہ ایک مکمل مشرقی بیوی بقول احمر کے پتی ورتا قسم کی بیوی بن گئی تھی۔ آذر کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھنے اور اس کے مکان کو گھر بنانے میں اس نے اپنی ساری محنت وقف کر دی تھی۔ امی نے اس کا ذمہ دار رویہ اور خوش حال زندگی دیکھ کر مطمئن ہوتے ہوئے ایک دن چپ چاپ آنکھیں موند لی تھیں۔ پھر شادی کے سال بھر بعد ہی زین کی آمد نے اس کی مصروفیات کو اور بڑھا دیا تھا۔ آذر کی خواہش تھی کہ فیملی کمپلیٹ ہونے پر ہی وہ دوبارہ اپنے کیریر کا آغاز کرے اور اس کی اس خواہش پر اس نے چپ چاپ سر جھکا دیا تھا۔

"تمہاری جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو میڈیکل میں جاکر لڑکوں کا حق مارتی ہیں۔ کرنا تو آخر ہانڈی چولہا ہی ہوتا ہے تو سیدھا سادا بی اے کیوں نہیں کرلیتیں۔" احمر کو اس کے جاب نہ کرنے کے ساتھ اپنا میڈیکل میں داخلہ نہ ہونے کا بھی خاصا قلق تھا۔ جس کا اظہار وہ اکثر و بیشتر کیا کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

ساتھ چلنے والے جب
ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
وقت تھم نہیں جاتا
کوئی مر نہیں جاتا
کوئی مر بھی جائے تو
زندگی نہیں رکتی
راستوں کو چلنا ہے
راستے تو چلتے ہیں
یار دوست ملتے ہیں
زخم ایسے سلتے ہیں
گرد گرد لمحوں میں
عمر کٹ ہی جاتی ہے
کچھ مسافروں کو بس
منزلیں نہیں ملتیں

"زین! زین کہاں ہو بیٹا؟" وہ زین کو پکارتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ لاؤنج میں کسی کو نہ پاکر اس نے اسٹیتھو اسکوپ اور بیگ ٹیبل پر رکھا۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ اِدھر اُدھر جھانکتے ہوئے اس نے سب کو اپنے اپنے کمروں میں نہ پاکر کچن کا رخ کیا تھا۔

"آگئیں تم، میں بس چائے لے کر ابھی آتی ہوں۔ تم اتنے میں منہ ہاتھ دھولو۔" فائزہ بھابی چائے پیالیوں میں ڈال رہی تھیں۔

"آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ زین کہاں ہے؟ اور باقی سب لوگ۔۔۔؟" اس نے سامنے پڑا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"اشعر تو آفس سے ہی نہیں آئے۔ بچے سب احمر کے ساتھ ذرا باہر پارک تک گئے ہیں۔" چولہا بند کرکے وہ اس کے ساتھ ہی لاؤنج میں آبیٹھی تھیں۔ چائے کے دوران وہ کبھی اس کی طرف دیکھتیں اور پھر نظر جھکا کر کسی گہری سوچ میں گم ہوجاتیں۔ وہ کسی الجھن کا شکار لگ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے بھابھی۔۔۔؟" انہیں تذبذب میں دیکھ کر جیا سے رہا نہیں گیا تو خود ہی پوچھ بیٹھی۔

"جیا! رات اسفر بھائی اور شہلا بھابی کا فون آیا تھا۔ اشعر سے بھی بات ہوئی تھی۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ اب تم سنجیدگی سے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر ڈالو۔" میز پر انگلیوں سے لائنیں بناتے ہوئے انہوں نے بات مکمل کی تھی۔

"کیسا فیصلہ۔۔۔؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"سات ماہ ہوگئے ہیں آذر کو دوسری شادی کیے۔ پہلے پہل ہمیں لگتا تھا کہ شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔ شاید عاق ہوجانے پر ہی وہ تمہاری طرف لوٹ آئے۔ مگر اب تو اس بات کے بھی کوئی آثار نہیں لگتے۔" ان کے ماتھے پر لکیروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ان کی بات سمجھتے ہوئے وہ زرد پڑتا چہرہ لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کچھ دن پہلے چچی نے بیہ اور احمر کے تذکرے کے ساتھ ساتھ تیمور کا بھی ذکر کیا تھا تمہارے لیے اور۔۔۔" انہوں نے بات دانستہ ادھوری چھوڑی تھی۔

"اور۔۔۔؟" اس کا رنگ فق ہوگیا تھا۔

"اور یہ کہ ابو اور باقی گھر والوں کو بھی تیمور پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پہلے کی بات اور تھی مگر اب تو اس کی پریکٹس بھی ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔ اس نے اپنا گھر بھی بنوانا شروع کردیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بیہ کی رخصتی کے بعد وہ چچی کو لے کر نئے گھر میں شفٹ ہوجائے۔" انہوں نے بات مکمل کرکے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"پہلے کی بات۔۔۔؟ پہلے کی کیا اور بات تھی؟" وہ کچھ

نہ سمجھتے ہوئے کھوجتی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"پہلے بھی چچی نے تمہارے لیے تیمور کا پرپوزل دیا تھا مگر تب اس کا فیوچر اتنا واضح نہیں تھا تو امی ابو نے آذر سے تمہاری بات طے کردی تھی۔" انہوں نے انکشاف کیا تھا۔

چند لمحے کو تو وہ جیسے پلکیں جھپکانا ہی بھول گئی تھی۔ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے غائب دماغی سے سامنے نظریں جمادی تھیں۔

"تم یہ بالکل مت سمجھنا کہ ہم تمہیں مجبور کررہے ہیں یا تمہیں بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔ مگر یوں اکیلے بھی تو زندگی نہیں گزاری جاسکتی۔ زین کے بارے میں بھی تو تمہیں ہی سوچنا ہے۔ مگر اتنا یاد رکھو کہ تم جو بھی فیصلہ کروگی ہم سب اس میں تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"مگر اس بات کی بھی کیا گارنٹی ہے کہ میرے تیمور کے حق میں فیصلہ کرنے سے زین کا بھی بھلا ہوگا؟" اس نے دبا دبا احتجاج کیا تھا۔

"امید تو کی جاسکتی ہے نا!" وہ کافی دیر اسے سمجھانے اور تسلی دینے کے بعد فون کی گھنٹی بجنے پر باہر چلی گئی تھیں۔

تیمور کو کافی دیر سوچنے کے بعد بھی اس کا دماغ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زین کو دو تین دن سے کھانسی اور بخار تھا۔ اسے نزدیکی اسپتال میں اسپیشلسٹ کو دکھا کر احمر کے ساتھ اس نے گھر روانہ کیا تھا۔ میڈیسنز لے کر وہ اپنی فرینڈ صائمہ سے ملنے چلی آئی جو اسی اسپتال میں گائناکالوجسٹ تھی۔ سیڑھیاں چڑھ کر کاریڈور میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ سامنے ڈاکٹر صائمہ کے بورڈ والے سفید دروازے سے آذر، سونیا کا ہاتھ تھامے باہر نکل رہا تھا۔ بڑی سی چادر سے پورا وجود چھپائے وہ بہت سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہی تھی۔

اس کی موجودہ حالت کے پیش نظر آذر اسے سہارا دیے اس قدر احتیاط سے سیڑھیاں اتار رہا تھا جیسے وہ کوئی کانچ کی نازک سی گڑیا ہو۔ اس کی طرف پشت کیے وہ دونوں دوسری طرف سے سیڑھیاں اتر گئے تھے۔ سونیا کی پشت پر اس کے لمبے گھنے ادھ کھلے بال لہرا رہے تھے۔ سرخ و سفید رنگت کی مالک بلاشبہ وہ بلا کی حسین تھی۔ شاید آذر اس کے اسی حسن پر مرمٹا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ کاریڈور میں موجود بینچ پر بیٹھی اپنے حواس بحال کرتی رہی۔ پھر حالت تھوڑی سنبھلنے پر وہ صائمہ کے روم میں چلی گئی تھی۔ صائمہ کو موجود نہ پاکر نرس نے اسے پہچانتے ہوئے انتظار کرنے کو کہا تھا۔

"لگتا ہے پہلا بچہ ہے، تب ہی تو دونوں ایک قدر کانشس دکھائی دیتے ہیں۔ خاص کر اس کا ہسبینڈ تو بہت ہی کیئرنگ ہے۔" اس کے پوچھنے پر نرس نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

"پہلا بچہ۔۔۔" اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

نہ تو وہ سونیا کا پہلا بچہ تھا اور نہ ہی آذر کا۔ ہاں جو اس کا پہلا بچہ تھا اس کی باری میں تو اس نے کبھی جیا کی اتنی کیئر نہیں کی تھی۔ وہ ڈاکٹر تھی، اپنا خیال خود رکھ سکتی تھی یہی بات سوچ کر آذر نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ بس ایک اماں جی تھیں جو گھر بار چھوڑ کر اس کا خیال رکھنے کو وہیں آگئی تھیں۔

"جسے پیا چاہے وہی سہاگن۔" اسے بچپن میں دادی کے منہ سے سنی ہوئی کہاوت یاد آگئی تھی۔ پھر صائمہ سے ملے بغیر ہی وہ گھر واپس آگئی۔ دل و دماغ ہنوز آندھیوں کی زد میں تھے۔ گھر پہنچ کر بظاہر خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے وہ زین کو سوپ پلانے لگی۔ جو تیمور سے کوئی اسٹوری سننے میں مگن تھا۔ اسے دوا دے کر سلانے کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تو وہ بیہ سے اس کی جاب کے بارے میں بات چیت کررہا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن دیکھ کر بیہ اپنی اسٹک تھامے چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

"جیا! تم نے اپنی لائف کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

www.paksociety.com

تیمور نے اس سے معمول کی گپ شپ کے بعد دریافت کیا تو وہ چڑ سی گئی تھی۔

"ایک تو سب کو میری لائف سے پتا نہیں کیا پریشانی ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ سب اپنی لائف کے بارے میں فکر کریں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی۔ وہ چائے اندر لاتی ہوئی بیہ کو ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

کوئی اس طرح میرے ساتھ عداوت کرتا
قید کرلیتا مجھے اور حکومت کرتا
میں نے کب کہا تھا وہ چھوڑ دے سب کو
وہ اپنے انداز سے کرتا پر محبت کرتا

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" بیہ کمرے میں کلپاں چیک کر رہی تھی کہ وہ اندر چلی آئی۔

"آمیں نا جیا! کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیتیں۔" جیا کو اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوگئی تھی۔

چچی جان بیہ کے بارے میں خاصی فکر مند رہنے لگی تھیں۔

کئی بار انہوں نے اور فائزہ بھابی نے باتوں باتوں میں احمر کے بارے میں اس کی رائے جاننا چاہی مگر وہ ہر بار خاموش ہو جاتی تھی۔ پچھلے آٹھ 'نو ماہ سے تو جیا کے مسئلے کی وجہ سے یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا تھا۔ مگر اب اس کی خاموشی کو تیمور کے لیے اس کی نیم رضامندی جان کر گھر والے چاہتے تھے کہ بیہ اور احمر کی شادی بھی جلد از جلد طے کر دی جائے۔ بس ایک بیہ کی چپ تھی جس نے سب کو الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

وہ بچپن سے ہی بہت ریزرو نیچر کی مالک تھی مگر تین برس پہلے ایک حادثہ کے نتیجے میں ٹانگ میں پیدا ہو جانے والے معمولی نقص کے بعد تو وہ جیسے خود میں ہی سمٹ کر رہ گئی تھی۔ چچی اور فائزہ بھابی کے زور دینے پر آج وہ احمر سے رائے لے کر خاص طور پر بیہ سے بات کر کے اسے قائل کرنے آئی تھی۔

"میں سب گھر والوں کے پُر زور اصرار پر احمر کے بارے میں تمہاری رائے جاننے آئی ہوں؟" اس نے شوخ لہجہ میں اسے چھیڑا۔

"اتنے عرصہ سے میری چپ سے آپ لوگ سمجھ کیوں نہیں جاتے آخر؟" وہ کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی تھی۔ اس کے لہجہ میں کچھ ایسی بات تھی جس نے جیا کو چونکا دیا تھا۔

"مگر احمر میں آخر خرابی کیا ہے؟ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔"

"یہی تو خرابی ہے کہ کوئی خرابی نہیں۔ سارا مسئلہ ہی پرفیکشن کا ہے۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" کوئی واضح جواب نہ پا کر وہ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"مطلب یہ کہ احمر ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہیں تو ان کے لیے بھی تو کوئی پرفیکٹ لڑکی ہونی چاہیے۔ جو ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔"

"کم آن بیہ! یہ معمولی سا نقص کوئی مسئلہ نہیں ہے اور خاص کر جب ہمیں اور احمر کو کوئی اعتراض نہیں۔"

اس کے اعتراض کو جیا نے چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔

"احمر کو آج اعتراض نہیں ہے کل تو ہو سکتا ہے نا' آپ لوگ میری اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتے کہ ایک مکمل اور ایک ادھورا انسان' دونوں کا کوئی جوڑ نہیں بنتا' آپ نے دیکھا ہو گا نا جیا! کہ ایک سفید اجلے اور بے شکن لباس پر ایک معمولی شکن ایک چھوٹا سا دھبہ بھی کس قدر بدنما دکھائی دیتا ہے۔"

ہر بات پر تابعداری سے سر ہلا دینے والی بیہ آج کسی طرح بھی قائل نہیں ہو رہی تھی' وہ حیران ہوگئی تھی۔

"کیا کوئی اور.....؟" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھی تھی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے بے ساختہ نظر چرالی تھی۔

"بتاؤ بیہ! کیا تم کسی اور کو چاہتی ہو؟"

"میں نے کہا نا کہ اس بات سے نہ کبھی کوئی فرق پڑا

ہے نہ پڑے گا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ ربیعہ جمال نے بچپن ہی سے اپنا من مار کر جینا سیکھا ہے۔ مرضی' رائے' خواہش جیسے لفظ اس کی سماعتوں کے لیے اجنبی ہیں۔" اس کے لہجہ میں تلخی گھل گئی تھی۔

"بتاؤ بیہ! کیا ہے تمہارے دل میں۔ وہ سب باتیں کہہ دو جو تم نے اپنے دل کے اندر سنبھال کر رکھی ہیں۔ وہ سارے آنسو بہا دو جن پر تم پلکوں کے بند باندھتی آئی ہو۔" اس نے محبت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ سیدھی سادی اور معصوم نظر آنے والی بیہ آج اسے کوئی پہیلی معلوم ہو رہی تھی۔

"بیہ کو کب کسی نے اتنا اہم جانا ہے۔ وہ تو پیدا ہوتے ہی اپنی باتیں خود سے کہنا اور آپ اپنے آنسو پینا سیکھ گئی تھی۔ چھوڑیں جیا! میری عادتیں مت بگاڑیں۔" اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹا کر وہ شکست خوردہ انداز میں ہولے سے ہنسی۔

"تم کم از کم میری محبت پر تو شبہ مت کرو۔ پلیز مجھے بتاؤ۔" بیہ کی اس قدر بدگمانی پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"جیا! چکور ہمیشہ چاند کی طلب کیوں کرتا ہے؟ زمین پر جلتا دیا اسے کیوں نظر نہیں آتا؟ سورج مکھی کی نظر سورج کی طرف ہی کیوں رہتی ہے؟ اپنے ارد گرد منڈلانے والی تتلیاں اسے کیوں کبھی بھی دکھائی نہیں دیتیں؟ کیوں ایسا ہوتا ہے کہ ہم دل ہی دل میں کسی سے درد کا ناتا جوڑ لیتے ہیں مگر اس کے نزدیک تو ہماری کوئی وقعت کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی۔"

وہ کچھ دیر کو رکی تھی اور جیا آتش فشاں سے ابلتے اس لاوے کو تعجب بھری نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ جانے کون سا دھماکہ ہونے والا تھا اگلے ہی لمحے۔

"ہم دونوں کے دکھ مشترک تھے۔ ناقدری کا دکھ' میں اس کا ہر دکھ بن کے ہی پڑھنا سیکھ گئی تھی۔ مگر باقی تمام لوگوں کی طرح اسے بھی آپ کی موجودگی میں میں کبھی نظر ہی نہیں آئی۔ میری ہر خدمت کو وہ for granted ہی لیتا رہا۔ اس کی کہانی میں میرا کردار اس رحم دل پری کا تھا جو جادو کی چھڑی گھما کر پل بھر میں سب کچھ ٹھیک کر دیتی ہو۔ وہ کیوں کبھی یہ نہیں جان پایا کہ میں تو دراصل وہ شہزادی تھی جس نے شہزادے کے جسم سے سوئیاں نکالتے نکالتے اپنے ہاتھ چھلنی کر لیے تھے۔ مگر آخری سوئی نکالنا وہ بھول گئی تھی۔"

"تیمور.....؟" جیا کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔

"وہ کبھی سمجھ ہی نہیں سکا کہ میں خدا نہیں انسان ہوں' مجھے پرستش کی چاہ نہیں محبت کی طلب ہے۔"

اپنی ہی دھن میں کہتے ہوئے سر دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ نیچے بیٹھی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جیا نے بے ساختہ اسے گلے سے لگایا تھا۔ اس کے ان انکشافات نے اسے سچ مچ ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"تو کیا تیمور مجھ سے.....؟" جیا کو سوالیہ نظروں سے اپنی جانب تکتا پا کر اس نے نظریں جھکالی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کی زندگی ایک مقام پر آکر جیسے تھم سی گئی تھی۔ بے کیف سے شب و روز یونہی بے مقصد چلتے چلے جا رہے تھے۔ نہ کوئی واضح راستہ' نہ کوئی منزل کا نشان۔ سب ہی چاہتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کی کوئی سمت متعین کرلے اور وہ جیسے گزرے وقت سے ڈری سہمی کوئی فیصلہ کرنے میں ہچکچا رہی تھی۔ بیہ اس روز اپنا ضبط کھو دینے اور بھرم ٹوٹ جانے پر اس سے آنکھیں چرائے پھرا کرتی تھی اور وہ خود تیمور کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی کہ اس کی نگاہوں میں چھپے واحد سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

تقریباً" دو ماہ سے آذر' زین سے ملنے نہیں آیا تھا۔ زین اداس اور اترا ہوا چہرہ لیے بے مقصد اندر باہر چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کے پاپا کے متعلق سوال کرنے پر بیہ یا احمر اسے کسی نہ کسی طرح بہلا لیا کرتے تھے۔

"شاید اب اپنے اور سونیا کے بچے کے بعد اسے

www.pklibrary.com

زین کی بھی ضرورت نہیں رہی۔"

زین کے سوالوں کا واحد جواب اس کے ذہن میں یہی آیا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ روز صائمہ کی طرف جانے کا ارادہ کرتی اور پھر کچھ سوچ کر رک جاتی کہ اس روز صائمہ خود اس سے ملنے آن پہنچی نہ چاہتے ہوئے بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس سے سونیا اور آذر کے بارے میں پوچھ بیٹھی تھی۔

"میں نے تم سے دانستہ ذکر نہیں کیا کہ سونیا میرے پاس چیک اپ کے لیے آتی ہے کیونکہ میں تمہیں اپ سیٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں کیسے علم ہوا؟" اس کے سوال پر وہ حیران ہو گئی تھی۔ "معلوم نہیں اس بات پر افسوس کرنا چاہیے یا اسے مکافات عمل کا نام دینا چاہیے۔ تقریباً دو ڈھائی ماہ پہلے سونیا کا کیس میرے پاس آیا تھا۔ وہ باتھ روم میں پھسل گئی تھی، پری میچور ڈیلیوری تھی۔ بہت مشکل سے میں تینوں میں سے صرف سونیا کو بچا سکی۔"

"تینوں؟" پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ "تینوں" پر چونک گئی تھی۔

"ہاں اس کی ٹوئنز بیٹیاں تھیں۔ تب ہی تو اور بھی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اس صدمہ کے بعد تو آذر اور سونیا دونوں کا بہت برا حال تھا۔"

صائمہ نے تاسف سے سر ہلایا۔ جبکہ وہ سائیں سائیں کرتے ذہن کے ساتھ بمشکل اسے سن رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ اللہ کی مرضی یہ ہو کہ آذر تمہاری زندگی میں واپس آجائے۔" صائمہ نے اسے تسلی دی۔

"نہیں صائمہ! اب مجھے اس کا انتظار نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ سونیا سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ اگر اس کے لیے اپنی بیوی بچہ اور ماں باپ کو چھوڑ سکتا ہے تو اگلے بچہ کے لیے سال دو سال انتظار کرنا کون سی بڑی بات ہے۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"یہی تو اصل مسئلہ ہے کہ ڈیلیوری میں کچھ ایسی پرابلمز ہو گئی تھیں کہ اب آگے بھی کوئی چانس نہیں ہے۔" صائمہ کے جانے کے بعد بھی وہ شاک کے عالم میں وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

"اللہ جانتا ہے آذر! میں نے کبھی تمہیں بددعا نہیں دی۔ مگر شاید میری خاموش آہ تمہیں لے ڈوبی۔" کسی سوچ میں گم وہ بڑبڑائی تھی۔

"شاید اسے ہی اللہ کا انصاف کہتے ہیں۔" تیمور جانے کب پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔

"تت... تم... تمہیں کیسے پتا چلا؟" مارے حیرت کے اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

"تقریباً" دو ہفتہ پہلے ایک کولیگ کے چیمبر میں ایک فائل نظر سے گزری تھی۔ اس میں مسز سونیا آذر کی طرف سے اس کے سابقہ شوہر جہانگیر آصف پر بچے کی کسٹڈی کا کیس دائر کیا گیا تھا۔"

وہ کہتے کہتے پانی پینے کو رکا تھا اور جیا کو لگا تھا کہ اس کی سانس حلق میں اٹکنے لگی ہو۔

"جب میں نے متعلقہ وکیل سے اس کیس کی تفصیلات معلوم کیں تو یہ سب باتیں میرے علم میں آئیں۔" اس نے پانی کا اگلا گھونٹ بھرا۔

"قانوناً" دوسری شادی کے بعد سونیا کا بچے پر کوئی حق نہیں رہ جاتا۔ اس کیس کی کامیابی کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مگر آج کل وہ بچے کے معاملے میں اس قدر جنونی ہو گئی ہے کہ ہو سکتا ہے وہ اپنے سابقہ شوہر کو معقول معاوضہ کے عوض اس کے لیے آمادہ بھی کر لے۔ کیونکہ اس کا شوہر قانونی داؤ پیچ سے نا آشنا اور مالی طور پر خاصا کمزور انسان ہے۔"

بات مکمل کر کے وہ اسے سوچوں میں گم چھوڑ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی صاحب! بیٹیاں اپنے گھر میں آباد ہی اچھی لگتی ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہم کس مشکل سے ہمت کر کے دوبارہ آپ کے گھر جیا کے لیے جھولی پھیلانے آئے ہیں۔"

وہ اسپتال سے گھر آئی تو زین، دادی کی گود میں چڑھا

کولڈ ڈرنک پینے میں مصروف تھا۔ وہ لوگ مہینہ میں ایک بار اسے ملنے کے لیے چکر لگاتے رہتے تھے۔ آذر سے انہوں نے ملنا جلنا بالکل بند کر رکھا تھا لیکن آج کی ان کی آمد کسی خاص مقصد کے تحت تھی۔ جس کا اندازہ وہ بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں بخوبی لگا سکتی تھی۔ آذر نے زین سے پھر سے ملنا شروع کر دیا تھا۔ جس پر وہ خاصا خوش نظر آتا تھا۔ جیا نے بھی زین کو خوش دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔ مگر اب پچھلے دو ہفتہ سے آذر اسے کانٹیکٹ کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔

وہ اس کی بات سنے بغیر ہی فون بند کر دیتی تھی۔ بعض اوقات تو اس کے بار بار فون کرنے پر وہ موبائل آف کر کے دراز میں ڈال دیتی۔ اب یقیناً اس نے اپنے والدین سے رابطہ کر کے انہیں سفارشی بنا کر بھیجا تھا۔ خاصی معافی تلافی کے بعد اس نے اماں جی اور اپنے والد کو منا کر ہی دم لیا تھا۔

"جی بہن! ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر جس نے غلطی کی ہے۔ بہتر ہو گا معافی مانگنے بھی وہ خود ہی آئے۔ آگے جیا کی مرضی ہے جو وہ بہتر سمجھے۔" ان لوگوں کے بہت قائل کرنے پر ابو نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا تھا۔

عدالت کی طرف سے سونیا کا مقدمہ خارج کر دیا گیا تھا۔ مگر اس کے سابقہ شوہر نے اسے بچے سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے بہت مجبور کرنے پر بھی آذر لاہور سے گجرات منتقل ہونے پر قطعاً" تیار نہیں تھا۔ ایک مسئلہ تو اس کی جاب کا تھا اور ساتھ ہی زین کو چھوڑنا بھی اسے گوارا نہ تھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں کے بیچ اختلافات پیدا ہوتے چلے گئے تھے۔

سونیا کو آذر کا زین سے ملنا بھی کھلنے لگا تھا۔ ایک طرف تو زین کو دیکھ کر اسے اپنے بچے کی دوری کا احساس اور بھی شدت سے ہونے لگتا تھا تو دوسری طرف اس کے دل میں آذر کے جیا کی طرف لوٹ جانے کا خوف بھی پیدا ہو گیا تھا۔ نتیجتاً شادی کے محض ڈیڑھ برس بعد ہی اس نے آذر کو چھوڑ کر گجرات میں سیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان دونوں میں باضابطہ علیحدگی تو نہیں ہوئی تھی مگر ان کے رشتہ میں محبت دم توڑ چکی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے ازحد بے زار ہو چکے تھے۔

جیا کے گھر والوں نے فیصلہ مکمل طور پر اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا تھا۔

"جانے زندگی اب کیا موڑ لینے والی ہے۔ ان سب حالات و واقعات میں آخر خدا کی کون سی مصلحت پوشیدہ ہے؟"

زین کو تھپکیاں دے کر سلاتے ہوئے اس نے بیہ سے سوال کیا۔

"جیا! جب ہمیں زندگی میں ہر من چاہی چیز بن مانگے ملتی رہتی ہے تو اس پر فیکشن کے بل بوتے پر ہم خود کو خدا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہمیں دوسروں پر کی جانے والی زیادتیوں کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو اس نے ہماری زندگیوں میں کچھ نہ کچھ تشنگی اور ادھورا پن رکھ چھوڑا ہے کہ ٹھوکر کھائے بغیر نہ ہم صحیح سمت کا تعین کر پاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں پر کی جانے والی زیادتیوں کا مداوا کرنے کا سوچتے ہیں۔ شاید ان سارے واقعات کے ذریعے سے خدا، آذر بھائی کی آنکھیں کھولنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کر سکیں۔"

زندگی کی کتنی بڑی سچائی بیہ اسے کتنی آسانی سے سمجھا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"زین بیٹا! آپ سب بچوں کے ساتھ پارک کیوں نہیں گئے؟" سیڑھیوں پر اکیلے بیٹھے زین کو منہ لٹکائے دیکھ کر اس نے پیار سے پچکارا تھا۔

"ماما! میرا موڈ نہیں ہے۔" چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیالہ میں تھامے وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"چلو پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم کارٹون دیکھتے ہیں ٹام اینڈ جیری۔" اس نے اس کے فیورٹ کارٹونز کا نام لیتے ہوئے اسے گدگدایا۔

پچھلے کچھ ہفتوں سے وہ سب بچوں سے الگ

www.pkdigest.com

تھلگ اور چپ چاپ رہنے لگا تھا۔ اس کی ٹیچرز کی طرف سے بھی یہی شکایت موصول ہوئی تھی۔ کچھ دن پہلے اپنی سالگرہ پر ڈھیر سارے گفٹ وصول کر کے بھی وہ بجھا بجھا سا ہی رہا تھا۔ آذر سے بھی ملنے جاتا تو پہلے کی طرح پرجوش دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تب ہی اس نے بیہ کو فون کر کے بلوالیا تھا۔

"چلو بھئی اب خالہ زین کو مزے مزے کے چپس اور نوڈلز بنا کر دیں گی اور پھر ہم اسٹوری بھی سنیں گے ماما سے۔"

اسے سیڑھیوں پر بیٹھے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا کہ بیہ چلی آئی۔ اس کے انگلی تھامے وہ بنا کسی خوشی کا اظہار کیے روبوٹ کی مانند چپ چاپ اندر چل پڑا تھا۔ تب ہی جیا کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا تھا۔

زین کو سیڑھیوں پر اداس بیٹھے دیکھ کر بچپن کا کوئی شناسا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا تھا اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ تب ہی موبائل کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اسکرین پر آذر کا نام دیکھ کر اس بار اس نے کال ریجیکٹ کرنے کے بجائے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جیا! میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔ میں نے تمہاری قدر نہیں کی اور تمہیں ٹھکرا کر سونیا کو اپنی منزل سمجھ لیا۔ تم صرف ایک بار مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری باقی کی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ میں اس سے کبھی نہیں ملوں گا۔"

وہ اس کے سامنے نظریں جھکائے گڑگڑا رہا تھا۔ جبکہ وہ سپاٹ چہرہ لیے اس پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ جیا نے آخر کار اس کی بات سننے اور اسے گھر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ مارے شرمندگی کے کسی سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ مگر جیا کے معاف کر دینے کے بعد باقی سب نے بھی اسے معاف کر دیا تھا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری آئندہ کی زندگی بہت خوش گوار گزرے گی۔ میں تمہیں ہر وہ خوشی دوں گا جو تمہارا حق ہے۔ میں تمہاری محبتوں اور وفاؤں کا مقروض ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارا ہر قرض سود سمیت واپس کروں گا۔" اس کے معاف کر دینے پر وہ آنکھوں میں ممنونیت بھرے اسے ایک خوشیوں بھری زندگی کے خواب دکھا رہا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ زندگی تو گزار لوں گی مگر اس دل کا کیا کروں گی جہاں اب تمہاری محبت اور عزت دونوں ہی دم توڑ چکی ہیں۔ شاید میری آنکھیں اب زندگی میں تمہارے حوالے سے کبھی کوئی خواب نہیں بن سکیں گی۔" اسے خوشی خوشی واپس جاتا دیکھ کر اس نے آزردگی سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

سامان پیک کرتے ہوئے وہ مسلسل زین کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی جو باپ کے لائے ہوئے نئے شوز اور ٹیکر شرٹ میں خاصا چہک رہا تھا۔ آج کئی ہفتوں بعد جیا نے اس کے چہرے پر رونق دیکھی تھی۔

"جیا! تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی آسانی سے کیسے کر لیا؟" تیمور کے لہجے میں شکایت تھی۔

"فیصلہ تو کرنا تھا' آج نہیں تو کل سہی۔" وہ سوٹ کیس بند کر کے اس کی جانب مڑی تھی۔

"کیا آج زندگی میں پہلی بار میں تم سے تمہارے کسی فیصلہ کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"بات صرف اتنی سی ہے تیمور! کہ دیر سے ہی سہی مگر میں یہ بات سمجھ گئی ہوں کہ زندگی کوئی کھیل نہیں ہوتی جس میں ہم اپنی مرضی کے قانون بنالیں اور جب ہارنے لگیں تو "ہم نہیں کھیلتے" کہہ کر گیم ختم کر دیں۔ زندگی کا سفر کٹھن ہی سہی طے تو ہر حال میں کرنا پڑتا ہے۔ کل تک جنگ محبت اور انا کے درمیان تھی تو ایک بیوی نے محبت کو ٹھوکر مار دی تھی مگر آج

سوال انا اور ممتا میں سے کسی ایک کی بقا کا ہے تو ایک ماں نے اپنی انا کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ میں نے آج کے خاموش اور اداس زین میں کل کے ڈرے سہمے اور محروم تیمور کی جھلک دیکھی ہے۔ میرے گھر والوں کی محبتیں اپنی جگہ مگر میں کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ میرا بیٹا بھی کل احساس محرومی یا احساس تشکر کا شکار ہو کر اپنی زندگی کی ہر خوشی' ہر حق سے دستبردار ہو جائے۔ میرا بیٹا اپنے ہاتھوں جانتے بوجھتے اپنی قسمت میں مات نہیں لکھے گا۔ پھر چاہے وہ ایک معمولی سے کھیل کی بازی ہو یا محبت کی۔"

اس نے "محبت" پر خاصا زور دیا۔ اس کے الفاظ تیمور کی سماعتوں کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھے۔

"تو تم جانتی تھیں؟" اس نے گہرا سانس لیا۔

"بہت پہلے سے تو نہیں مگر مجھے کچھ عرصہ پہلے ہی اس بات کا علم ہوا تھا کہ تم خود کو مجھ جیسی سوکالڈ پرفیکٹ کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ ہمارے خاندان کے احسانوں تلے دبی اپنی گردن کی وجہ سے تم نے اپنی محبت کو بہت پہلے دفن کر دیا تھا۔ مگر تم نے آذر کی زندگی سے یہ نہیں سیکھا کہ گڑے مردے اکھاڑنے سے سوائے ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی تمہاری ذات پر کوئی احسان کیا ہو۔ اگر غور کرو تو تمہارے ارد گرد وہ کچھ اور لوگ ہیں جن کے تم مقروض ہو۔ ان کا قرض واجب ہے تم پر۔ ویسے بھی محبت ان ہاتھوں میں سونپنی چاہیے جو اس کے طلب گار ہوں اور اس کی قدر کرنا بھی جانتے ہوں۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری محبت کے قدر دان تمہاری دسترس میں ہیں۔ اس سے پہلے کہ وقت کے سمندر کی بے رحم موجیں ان بے غرض اور مخلص لوگوں کو بہا کر تم سے دور لے جائیں' انہیں تھام لو۔"

آذر کی گاڑی کا ہارن پہچان کر وہ اسے سوچوں میں گھرا چھوڑ کر بیگ گھسیٹتی باہر نکل گئی تھی۔

"اس سے پہلے کہ وقت کی گرد سب جذبوں کو دھندلا کر انہیں بے مول کر دے' انہیں قید کر لینا ہی بہتر ہے۔"

اپنے دل کی پکار پر وہ تیزی سے قدم اٹھاتا باہر نکلا تھا۔ دور سڑک پر دھواں اڑاتی اپنی اس محسن کی گاڑی کو اس نے ہاتھ ہلایا جو جاتے جاتے اسے ایک نئی منزل کا پتہ دے گئی تھی۔

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
بھلا لگے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
عین سے عورت	خولہ عزیز	150/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب دریچے	سعدیہ اقبال کاشف	150/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	150/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	400/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	400/-
آج آنگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	180/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	180/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-

دل منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

غزالہ نگار اورکزئی

ایک سیکنڈ کا جوش

مجھے اچھی طرح یاد ہے اولین بہار کے دن تھے جب "بلیو ہیونز" والے "بلبل برصغیر" مس تارا کی آمد کی پبلسٹی کر رہے تھے۔

میں اور یلدرم اکثر ہفتے کی آخری شام "بلیو ہیونز" میں گزارتے ہیں۔ اور تب تو وہاں کی راتیں بڑی ہی زوردار ہوا کرتی تھیں۔ موسیقی کی محفل ہوتی تھی اور رات گئے تک ہلہ گلہ برپا رہتا تھا۔

ہم جیسے مستقل گاہکوں کی تو خیر اور بات تھی لوگ دور دور سے ویک اینڈز پر آیا کرتے تھے۔ "بلیو ہیونز" کا مینجر فرید، یلدرم کا دوست تھا۔ اس لیے ہمیں کبھی میز حاصل کرنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی۔

ہاں تو بات مس تارا کی ہو رہی تھی۔ اور ہمیں بے حد انتظار تھا۔ فرید خود بڑا ایکسائٹڈ تھا۔ لیکن ہمارے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے نہیں بتایا کہ یہ تارا کون ہے۔ اور کہاں سے آ رہی ہے۔ تارا کا ذکر آتے ہی "برٹش سیکرٹ" کا نعرہ بلند کر کے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا۔

تارا کے افتتاحی شو کی شام آئی۔ "بلیو ہیونز" معمول سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر سرخ پردہ لٹک رہا تھا۔ اور پیچھے سے طاقتور روشنیاں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ ہال بھی نئے انداز میں سجا ہوا تھا۔ ٹھیک نو بجے فرید مائیک لیے نمودار ہوا اور تارا کی آواز کی تعریف میں چہکنے لگا۔ لیکن سب سے حیرت ناک اعلان تو یہ تھا کہ تارا پس پردہ گائے گی۔

یہ سنتے ہی سارے ہال بھی بھنبھناہٹ پھیل گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ ایسی ہی پردہ دار تھیں تو گانے کی نوبت کیوں آ گئی۔"

خصوصاً نوجوانوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اور ٹونی حمید اللہ کا پُرجوش گینگ، جو ڈانسز میں پیش پیش ہوتا تھا۔ ڈھیلا پڑ گیا۔ ٹونی کا منہ بھی لٹکا ہوا تھا۔

فرید کی تقریر ختم ہوئی اور ہال کی روشنیاں گل ہو گئیں۔

روشن اسٹیج پر پردے کے پیچھے ایک عورت کا سایہ دُر مزکی آواز کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور پھر جو آواز ہال کے اسپیکرز پر ابھری۔ اب کیا کہوں۔ جھرنا تھی کہ کیا تھی۔ ایسی خوبصورت، ایسی رس بھری کہ یلدرم اور مجھ سمیت سب ہی گم صم رہ گئے۔ سناٹے میں تارا کی آواز تھی یا سازوں کی۔ حالانکہ گانا خاصا تیز تھا۔ اور کوئی موقع ہوتا تو ٹونی اور اس کے ساتھیوں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوتا۔ ایک لمحہ ٹک کر نہ بیٹھتے۔ پر اس شام تو مانو دم نہیں بدن میں۔

اسٹیج پر ایک سایہ ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا۔ اور کائنات گویا اس کی آواز سے مہک رہی تھی۔

گیت ختم ہوا تو تالیوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ روشن ہال میں سب ہی تالیاں بجاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ گانا اتنا لمبا نہیں تھا۔ جتنی دیر مسلسل داد دی جاتی رہی۔ اور فرید تارا کی طرف سے جھک جھک کر شکریہ ادا کرتا رہا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

وہ رات تارا کی رات تھی۔ تارا صبح تین بجے تک مسلسل پردے کے پیچھے نغمہ سرا رہی۔ اور ہم جو عموماً دس گیارہ بجے گھر آ جایا کرتے تھے، ہلے بھی نہیں۔ صبح تین بجے تالیوں کے شور میں سب ہی تارا کا آخری گیت گنگناتے ہوئے ہال سے نکلے۔

اگلے دن یلدرم اور میں نے فرید کو بہت دھمکیاں دیں تارا کا پتہ چلانے کے لیے پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اپنی مجبوری کا قصہ بیان کرتا رہا کہ تارا کی تاکید ہے کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ اور نہ کوئی اس سے مل سکتا ہے۔ ورنہ ہم تو اسے ڈنر پر بلانا چاہتے تھے۔

پھر لوگوں کے بے حد اصرار پر ہفتے کی آخری شام تارا کے لیے مخصوص کر دی گئی۔ اور اس کے بعد سے

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

وہاں میز حاصل کرنا تو جوئے شیر لانے کے برابر ہو گیا۔ فرید نہ ہوتا تو ہمیں بھی اوروں کی طرح ہفتوں پہلے سے بکنگ کرانا پڑتی۔

اور تارا جب اپنے کسی مست گانے میں 'کم آن جرکس' کا نعرہ لگاتی تو ٹونی اور اس کے ساتھیوں کی تو بات ہی کیا۔ اپنے چالیس سالہ یلدرم صاحب بھی بیس سال کے ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے۔ تارا تھی ہی ایسا کریز۔ سارے شہر میں اس کی دھوم تھی۔ ہر محفل میں اس کا ذکر تھا۔ کتنے ہی لوگ اسے اپنی ذاتی محفلوں میں بلانا چاہتے تھے۔ پر تارا تو در نایاب تھی۔ کس کے ہاتھ آتی۔ لڑکے اس کی ایک جھلک دیکھنے کو پاگل ہو رہے تھے۔ پر تارا کے مینجر ریاض کی وہی معذرت۔

ایک روز ٹونی حمید اللہ ملا تو بتانے لگا کہ وہ اور اس کے ساتھی تارا کا سراغ لگانے کی کوشش میں شرلاک ہومز بنے ہوئے ہیں۔ شب بھر بلیو ہیونز' اور فرید کے گھر کی نگرانی کرواتے ہیں۔ لیکن تارا تو کوئی پراسرار' نادیدہ مخلوق لگتی ہے۔ کوئی گھپلا کر رہا ہے۔ وہ یقیناً ٹیپ چلاتا ہے اور اسٹیج پر کوئی یونہی اداکاری کرتا ہے۔ مگر یلدرم نے فوراً ہی اسے یاد دلایا کہ تارا لوگوں کی فرمائش بھی تو پوری کیا کرتی ہے۔

ٹونی قسمیں کھاتا پھر رہا تھا کہ تارا کا راز فاش کر کے رہے گا۔ اور وہ نچلا بیٹھنے والا لڑکا تھوڑی تھا' جو کہتا تھا۔ آخر کر ہی دکھایا۔ تارا کو آئے ہوئے چھٹا مہینہ تھا۔ دیگر راتوں کی طرح اکتوبر کی وہ رات بھی رومانس سے پُر تھی۔ نیم شب کا وقت تھا۔ اور کائنات کے سناٹوں میں فقط تارا کی پیاری آواز مہک رہی تھی۔

اچانک ہی ٹونی حمید اللہ اور اس کے ساتھیوں نے جو اسٹیج کے بالکل قریب بیٹھے تھے' اسٹیج کی طرف چھلانگ لگائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹونی نے جھٹکے سے پردہ چاک کر دیا۔ اور ہم سب جو ٹونی کی اچانک چھلانگوں پر چونک اٹھے تھے۔ تارا کو اپنے سامنے دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ ساز اچانک خاموش ہو گئے۔ تارا خود پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی۔ ہال میں سکوت مرگ طاری تھا۔ لوگ جہاں تھے وہیں رہ گئے تھے گویا اچانک نبض کائنات رک گئی ہو۔

ہمارے سامنے اسٹیج پر سفید ساڑھی میں ایک کم از کم ساٹھ سالہ بڑھیا ہاتھ میں مائیک لیے کھڑی تھی۔ وہی بڑھیا جسے ہم اکثر "بلیو ہیونز" سے واپسی پر نیلی مزدا میں جاتے دیکھا کرتے تھے۔ اور یلدرم نے ایک بار اس کی زندہ دلی اور موسیقی میں دلچسپی کی تعریف بھی کی تھی۔

ٹونی اور اس کے ساتھیوں کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ بالکل ساکت و صامت کھڑے تھے۔

سب سے پہلے ہوش میں آنے والا فرید تھا۔ جس نے ایک شکست خوردہ شخص کی طرح اسٹیج کی سیڑھیاں طے کیں۔ اور تارا کے ہاتھ سے مائیک لے کر بوجھل آواز میں بولا۔

"خواتین و حضرات! نوجوانوں نے تارا کی نقاب کشائی کر ہی دی۔ شاید آپ میں سے بہت سے لوگوں نے ان خاتون کو پہچان لیا ہو' یہ غیر منقسم ہندوستان کی نامور ہیروئن اور گلوکارہ سوتیا دیوی ہیں' جو پچھلے سال ہی لکھنؤ سے پاکستان منتقل ہوئی تھیں۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اس شرط پر گانا قبول کیا تھا کہ وہ بعض ذاتی وجوہات کی بنا پر خود پردے میں رہیں گی۔ یہ ہی مجبوری تھی جس کی وجہ سے ہم تارا کو آپ کے سامنے لانے سے قاصر تھے۔"

فرید خاموش ہو گیا۔ کیونکہ تارا اسٹیج کی سیڑھیاں آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ ہزاروں لوگوں سے بھرے ہال میں فقط تارا کے ہیل کی آواز گونج رہی تھی۔ چال میں شہزادیوں کا سا وقار اور تمکنت تھی۔ ریاض ان کے پیچھے تھا۔ دونوں خاموشی سے ہال سے باہر نکل گئے۔

دور سے ہم نے نیلی مزدا کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ آخری بار۔ اس دن کے بعد ٹونی نے کبھی کوئی شرارت نہیں کی۔ کیونکہ اس دن کے بعد ہم نے تارا کو کہیں گاتے نہیں سنا۔ اور نہ ہی کہیں دیکھا۔

عجیب سی

رشنا کی بھابھی بھی عجیب عورت ہے۔
میں اکثر سوچتی ہوں اگر مجھے دنیا میں کسی کو غائب کر دینے یا چلیں آپ سے کیا پردہ داری، کسی کو قتل کر دینے کی اجازت ہوتی تو وہ یہ ذات یعنی رشنا کی بھابھی ہوتی کوئی سنے تو یقین نہ کرے کوئی دیکھے تو مانے نہیں وہ تو ایسی گھاگ مجرم تھیں جو اپنے خلاف ایک نشان بھی ثبوت کے طور پر نہیں چھوڑتی تھیں یوں صاف ستھری دھلی دھلائی معصوم سی بنی رہتیں جیسے ان سے زیادہ معصوم بھولا اور رشنا کا خیر خواہ اس دنیا میں کوئی ہے نہیں۔

میں جب جب رشنا کی اُتری صورت دیکھتی میرے خون میں حدت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جاتی، جی چاہتا کہ بس آج تو اس عورت سے دو دو ہاتھ کر ہی آؤں، اس کے منہ پہ اور کچھ نہیں تو اسے دو چار سنا کر آتی، مینی کے وہ معروف نام اسے سناتی، آؤں جو اول دن سے اس کے "کمالات" سننے کے بعد میرے دل نے رکھ چھوڑے تھے۔

لیکن چھوڑیں جی ہم جیسوں کے جلنے کڑھنے یا خون کھولانے سے کیا ہوتا ہے۔

کسی انسان کی مجال نہیں کہ وہ کسی دوسرے جیتے جاگتے، صحت مند ذہنی شعور رکھنے والے انسان کے حقوق یا بنیادی حقوق غصب کر سکے، جب تک وہ خود اپنی لاچاری، بے بسی اور معذوری کا اظہار نہ کرے۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا جلنے کڑھنے کا تو اس کی وجہ بھی میری حد سے زیادہ بڑھی ہوئی حساسیت ہے، ورنہ آج کل تو لوگ اس طرح کے خود غرض، اور بے حس ہو چکے ہیں کہ ایسی پسی ہوئی بے چاری حالات کی ماری خواہ کتنی ہی تصویریں دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے متحرک ہوں ان کے کانوں پہ جوں نہیں رینگتی۔

یہ سارا فتور تو میری سپر سپر حساس طبیعت کا ہے امی

www.pkdigest.com

جب جب ہر ایسے کسی بھی خون کو جوش دینے والے معاملے پر، مجھے بازو لہرا لہرا کر ہوا میں تقریر چلاتے بڑے بڑے انقلابی مکالمے بولتے دیکھتی ہیں تو جوتا چپل تو حرکت میں آتا ہی ہے مگر ان کی باتوں میں جو حسرت جو افسوس ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے، جیسے خدانخواستہ اللہ نے انہیں کوئی ایب نارمل بیٹی دے دی ہو۔

"فائدہ کیا ہے پرائے دکھوں پر یوں تقریریں کرنے خود کو جلانے بلکہ خود کو بھڑکانے کا، جو کچھ بھی ہے جیسا بھی ہے چلتا رہتا ہے کہ ہر کسی کا اپنا معاملہ ہوتا ہے اور وہ اپنے طریقے سے اسے ہینڈل کرنا پسند کرتا ہے تم کیوں پرائی آگ میں خوامخواہ کود کر جان جلاتی ہو۔"

ہر بار امی کے یہی نصیحتے ہوتے اور اکثر ہی میں سر جھکا کر ان سے آئندہ "شانت" اور کول مائنڈڈ بلکہ "کول بلڈڈ" رہنے کا نہ ایفا ہونے والا وعدہ کر بیٹھتی۔

اور ہر بار رشنا جیسی مظلوم صورت کو دیکھتے ہی یہ پیمان فٹ سے یوں توڑ بیٹھتی جیسے کوئی جان کر کانچ کا گلاس ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے۔

اس میں قصور نہ تو رشنا کی مظلوم صورت کا تھا، نہ میری عمد شکن فطرت کا، بلکہ اس سارے میں دوش اس پر خلوص دوستی اور دل سے جڑنے والے رشتے کا تھا جو میرا دل رشنا سے اور رشنا کا دل مجھ سے جڑ چکا تھا۔

اس سارے دیباچے یا ابتدائیے کا پس منظر کوئی بہت خوف ناک، وحشت ناک اور نہ جانے کون کون سی ناک والا ہرگز نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں "ناک" تو کہیں ہے ہی نہیں بس "کٹی ناک" ہے جو رشنا بی بی نے پہلے ہی کاٹ چھانٹ کر خود اپنے ہاتھ کے پیالے میں سجا کر اپنی بھابی جان کے حضور پیش کر دی ہے، بطور تحفہ نہ سہی اپنے تا عمر بے زبان رہنے کا ٹوکن بنا کر ان کے پاس گروی رکھوا دیا ہے۔

اوہو! کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ رشنا ناک کٹی ہے۔

ہے بھی لیکن نہیں بھی

ہے کیسے ہو سکتا ہے۔ بھئی آج کل آپ کہیں نہیں آپ خود سمجھ دار ہیں اکثر جو ہوتا ہے وہ کیا ممکن نظر آتا اور جو نظر آتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ سوری نظر نہیں آتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ سوری میں پھر شرمندگی سے اتر گئی۔

"بھئی رشنا بی بی نے اپنے تمام خارجی و داخلی معاملات کا مختار کل کچھ اس طرح سے اپنی بھابی جان کو بنایا ہے کہ کوئی تھوڑی سی بھی عزت نفس رکھنے والا انسان خود کو اس تہذیب یافتہ دور میں غلامی کے لیے پیش کرے گا۔

تو ایسی صورت میں رشنا کو "ناک کٹی" کہنا غلط تو نہیں آپ خود انصاف کر کے بتائیں۔

رشنا سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی ٹھیک سے یاد نہیں شاید بچپن میں یا لڑکپن میں کسی خاندانی تقریب میں ہوئی ہو گی مگر میرے ذہن میں نہیں جب ابا کی ٹرانسفر کے دوران ہر دو سال بعد ہونے والی ٹرانسفر میں جہیں شہر شہر لے کر گھومتے رہتے تو کسی بھی پکے دوست کا بننا اتنا ہی غیر یقینی سا تھا جیسے ابا کا کسی شہر میں دو سال سے زیادہ رکنا، پھر امی کی تربیت کچھ ایسی تھی کہ دوستی کو اسکول کالج تک رکھو اسے لے لے کر گھر تک نہ لے آؤ کہ خود ہماری جان کو آنے لگے۔

یہ ہماری امی کا ذریں قول۔۔۔ بہن بھائیوں کے لیے اتنا ان مٹ اور ضروری تھا جتنا ہمارا اپنا وجود۔۔۔ اس معاملے میں امی کسی بھی لاڈلے یا آنکھ کے تارے بچے کو رعایت دینے کو تیار نہ تھیں۔

ابو کا آخری تبادلہ ۔۔۔ اس شہر میں ہوا اور تین سال بعد ریٹائرمنٹ اور ہماری اس جبری ہجرت سے جان خلاصی ہوئی۔

میرا سیکنڈ ایر میں پہلا دن تھا، اگرچہ ادھر کلاسز اسٹارٹ ہوئے چند دن ہو چکے تھے۔ مگر میں لیٹ کمرز میں سے تھی ایجوکیشن کی کلاس میں جس سیٹ پر مجھے

جگہ ملی اس کے دائیں طرف بیٹھی لڑکی اتنی مسین نازک سی تھی کہ پہلی نظر میں اس کے بے ضرر ہونے کا مجھے یقین ہو گیا اور اس یقین کو پختگی اس کی صورت پر نظر ڈالتے ہی مل گئی۔

کیا بھولی صورت تھی جیسے کوئی ڈار کونج سے بچھڑ گئی ہو یا کوئی چھوٹی سی ممنی اپنے ریوڑ سے بچھڑ کر پر ہنگام سڑک پر آ نکلی ہو، سہمی سہمی نگاہوں کا ہراس اور ہونٹوں پر جبراً کانپتی مسکان اس کے مزید بے ضرر ہونے پر مہر لگا گئی۔ مجھے اس کی طرف دیکھنے اور اس کا گھبرا کر شرما کر نظریں چرانے کا منظر لطف دینے لگا۔

ایجوکیشن کا چالیس منٹ کا پیریڈ اس لکن چھپن میں گزر گیا، میں اس کی طرف بڑے اعتماد سے مسکرا کر دیکھتی اور وہ جھینپ کر یوں زاویہ نگاہ بدل لیتی جیسے گلی کے کسی آوارہ لڑکے نے اسے آنکھ مار دی ہو۔

وہ ایسی ہی تھی پہلی ملاقات سے لے کر آج تک ڈری سہمی تھوڑی خوف زدہ مگر بے حد کم گو، کم آمیز۔

یہ میں ہی تھی عافیہ شفیق جس نے پہلے پیریڈ کے بعد اس کی طرف بڑے اعتماد سے جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو آج تک میری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کی وجہ سے یہ ہاتھ رشنا کے ہولے ہولے مسلسل لرزتے رہنے والے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟"

میں نے تیسرے دن میں اس کی کھسیاہٹ، شرماہٹ اور جھینپے چلے جانے کی مسلسل کیفیت کو تاڑتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

"کیا مسئلہ؟ کوئی مسئلہ نہیں۔"

اس کے لہجے میں تھوڑی سی اجنبیت اور تھوڑی سی گھبراہٹ در آئی۔

گویا محترمہ اپنے مسئلے کی طرف جلد پکڑائی نہیں دیں گی، اس کے انداز سے میں نے فوراً اندازہ لگا لیا۔

عافیہ بی بی! ابھی اس سہمی ہرنی کا اور بھی دل جیتنا ہو گا بلکہ اس کے ڈرے سہمے دل کے اندر اترنا ہو گا۔

پہلی ملاقات کے چوتھے دن تیسرے پیریڈ کے بعد وہ میرے ساتھ گراؤنڈ کے عقب میں جہاں پانی کی بھاری موٹر گھر گھر کر کے چلتی تھی۔ اس کی جھاڑیوں میں بیٹھی اپنی فائل کو بار بار کھولتی، بند کرتی آنکھوں میں امڈتی برسات کو ٹالنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"میں موٹر بند کر دیتی ہوں تم ٹنکی کے اوپر جا کر بیٹھ جاؤ۔" میں نے چند لمحے اس کی کشمکش کا نوٹس لیا اور پھر اسے بے دریغ مشورہ دے ڈالا۔

"کیوں؟" اس نے بھرے بھرے نین کٹورے اوپر اٹھائے۔

"بھئی، موٹر چلا کر بجلی ضائع کرنے کی کیا ضرورت۔ تم ٹنکی کے اوپر بیٹھ کر اپنے اشکوں کی برسات سے باآسانی ٹنکی فل کر سکتی ہو، قومی بچت کے اس کار خیر میں حصہ لینے کے لیے اتنی کشمکش کاہے کو؟"

میرا اتنا کہنے کی دیر تھی کہ چھما چھم بغیر گھٹاؤں کے بدریا برسی کہ الامان الحفیظ!

"اگر اب تم چپ نہ ہوئیں تو میں ٹنکی پر چڑھ کر وہ دھاڑیں مار مار کر روؤں گی کہ سارا کالج اکٹھا ہو جائے گا ہمارے غم میں شریک ہونے کے لیے۔" میری دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ پھپھک پھپھک کر روتی، رشنا سوں سوں کرتی ناک رگڑتی بالآخر چپ ہو ہی گئی۔

رونے کے بعد کیسا گلابی نکھارا آ گیا تھا اس کے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
درد کی منزل
رضیہ جمیل
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pklibrary.com

چہرے پر جیسے ابھی ناریل دودھ اور عرق گلاب سے منہ دھو کر آئی ہو۔ (میں ان دنوں نوخیز حسن کو نکھارنے کے لیے ایسے ہی ٹوٹکے استعمال کر رہی تھی۔ سو وہی تشبیہ استعارہ میرے دماغ میں آسکا۔)

شفاف آنکھوں کے نیلگوں فرش پر تیرتے سرخ پتلے پتلے ڈورے اس کی آنکھوں کو کیا قاتلانہ روپ بخش رہے تھے۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو اب تک اچھی خاصی گڑبڑ ہو چکی ہوتی۔

"اب اس بن بادل برسات کی وجہ بیان کرو گی؟"

میں نے اس کی قاتل نگاہوں اور گلابی چہرے سے نظریں چرا کر کہا۔

"کل شام کو میں انگلش کا ٹیسٹ یاد کر رہی تھی کہ بھائی جان آفس سے ذرا جلدی آگئے اور آئے بھی کب، یہ بھی مجھے پتہ نہیں چلا اور بھابی نے کس وقت اتنے ڈھیر گندے کپڑوں کا لگا کر مشین لگائی، اس کا مجھے پتہ نہیں چلا اور بھائی جان گھر اس لیے جلدی آگئے تھے کہ بھابھی کو چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا، ان کی صبح سے طبیعت اچھی نہیں تھی، اس لیے کالج سے جاتے ہی میں نے کھانا بھی بنا لیا تھا آٹا بھی گوندھ لیا تھا صرف چاول پکانے رہ گئے تھے وہ تو ظاہر ہے رات کو ہی بنتے تھے اس لیے میں فارغ ہو کر پڑھنے بیٹھ گئی اور بھابی نے چپکے سے مشین لگالی بھائی جان نے۔۔۔ بھائی جان نے۔۔۔"

اس نے گھٹ گھٹ کر پھر رونا شروع کر دیا۔

"کیا کر دیا بھائی جان نے، تمہاری بھابی کو ڈانٹا یا تمہیں شاباش دی۔"

میں نے اکتا کر کہا مجھے اس کے رونے کا سبب قطعی غیر دلچسپ لگا تھا۔

"بھائی جان نے مجھے بدحرام، بے حس، خودغرض، احسان فراموش کہا جو وہ مجھے اور بھائی کو ابا امی کے بعد اس گھر میں نہ رکھتے تو ہم دونوں یقیناً سڑکوں پر دھکے کھاتے، اور کسی یتیم خانے میں پلتے اگر تمہاری بھابی تم لوگوں پر اس درجہ مہربان نہ ہوتیں تو تم جیسے احسان فراموشوں اور۔۔۔ اور۔۔۔ آستین کے۔۔۔ اف میرا دل چاہا عافیہ کہ میں زمین میں سما جاؤں۔"

وہ پھر رو رہی تھی۔

"اور بھابی مسلسل انہیں منع کرتے ہوئے نڈھال ہوئی جا رہی تھیں بھابی بہت اچھی ہیں پھر ان کی زرد پڑتی رنگت اور خراب حالت کو دیکھتے ہوئے بھائی جان نے ڈانٹ ڈپٹ موقوف کی اور انہیں ڈاکٹر کی طرف لے کر بھاگے نیلما ان کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر اٹھ گئی اور رونے لگی، ادھر سے مشین اور گندے کپڑوں کا ڈھیر۔

جب بھابی اور بھائی جان لوٹے تو میں کپڑے دھو چکی تھی مگر پھر بھی بھائی جان کا خراب موڈ ٹھیک نہیں ہوا، بھابی کی طبیعت ابھی بھی اچھی نہیں تھی پھر بھی انہوں نے مجھے گلے لگا کر پیار کیا اور کہتی رہیں کہ تم نے کپڑے کیوں دھوئے صبح ماسی کو آہی جانا تھا۔"

"اگر یہی بات تھی تو تمہاری بھابی صاحبہ نے پہلے مشین لگا کر خواہ مخواہ اپنے میاں صاحب کو تاؤ کیوں دلایا۔"

میں بہرحال رشنا کی طرح بے وقوف نہیں تھی پہلی ہی نظر میں بھابی صاحبہ کی چالاکی و معصومیت کو تاڑ گئی۔

"انہوں نے صرف بھائی جان اور اجو بھائی کے چند کپڑوں کے لیے مشین لگائی تھی اور جو گندے کپڑوں کا ڈھیر تھا وہ تو انہوں نے صبح ماسی کے لیے نکال کر الگ کیا تھا۔"

وہ بھابی صاحبہ کی ہمدردی میں مدح سرا تھی۔

"اور یہ اجو بھائی کون ذات شریف ہیں۔"

مجھے اس کی دوغلی بھابی کی مدح نہیں سننا تھی اس لیے موضوع بدل کر بولی۔

"میرے بھائی اور کون؟"

وہ ذرا برا سا منہ کر بولی تو میں نے کندھے اچکا کر لاپروائی کا اظہار کیا۔

"تمہاری بھابی صاحبہ کی طبیعت کو کیا ہوا خیر سے۔"

میں چند لمحوں بعد یونہی اس کی دلجوئی کرنے کو بولی۔

"وہ پریگننٹ ہیں نا اس لیے۔"

وہ نگاہیں جھکا کر شرمگیں لہجے میں بولی۔

"ڈاکٹر نے اس بار کسی پیچیدگی کا کہا ہے، جس کی وجہ سے انہیں بیڈ ریسٹ کا کہا ہے اب میرا کالج۔۔۔ یہ چھٹیاں ذرا جلدی ہو جائیں تو بے چاری بھابی کو میں کچھ ریسٹ کروا سکوں۔"

وہ فکرمندی سے بولی۔

"چلو چلتے ہیں۔"

میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں؟"

وہ حیرانی سے بولی کیونکہ اگلا پیریڈ شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے۔

"پرنسپل صاحبہ کے پاس۔"

میں سنجیدگی سے بولی۔

"وہ کیوں۔"

وہ اٹھتے ہوئے ذرا گھبرا کر بولی۔

"بھئی ان سے ہاتھ باندھ کر دست بستہ درخواست کریں گے کہ اس بار روٹین سے ہٹ کر کوئی ایک آدھ مہینہ پہلے چھٹیاں فرما دیں تاکہ رشنا اپنی بھابی صاحبہ کو ریسٹ کروا سکیں۔"

میں شرارت سے بولی تو وہ مجھے دھپ لگاتے ہوئے ہنس دی۔

اور ایمان داری کی بات ہے اس کے روئے روئے چہرے کی طرح اس کی ہنسی بھی بڑی سجیلی کھنک دار اور کچھ کچھ معطر سی لگی مجھے۔۔۔ اس کی وجہ صرف اس بھولی لڑکی کی معصومیت ہے میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے خود ہی توجیہہ پیش کی۔

☼ ☼ ☼

رشنا کو ہر نئے دن رونے کے لیے ایک کندھا چاہیے ہوتا تھا اور مجھے ایک اچھی دوست کی ضرورت تھی۔ سو ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔

"اس میں ساری چالاکی تمہارے بھابی کی ہے۔"

میں ہر بار اس کے منہ سے بھابی کا ہمدردانہ رویہ اور رشنا کے لیے چاہت کے کلمات سن کر فوراً کہہ ڈالتی اور وہ اتنی ہی شدت سے تردید کر دیتی۔

"نہیں عافیہ میری بھابی ایسی نہیں ہیں، وہ تو ہر طرح سے میرا خیال رکھتی ہیں، بس میں ہی تھوڑی سی کم عقل ہوں، خود سے کچھ بھی نہیں سمجھ پاتی اور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔"

وہ ہر بار اس عورت کی طرف داری اور اپنی کوتاہی بیان کرتی

"مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ عورتیں کسی رشتے وشتے کے سلسلے میں گھر آرہی ہیں اور بھابی نے مجھے دو تین بار اچھے کپڑے پہننے یا ڈھنگ سے تیار ہونے کو کیوں کہا ہے، بلکہ انہوں نے مجھے ایک دو اشارے بھی دیے، میرا ہی دماغ میڈم فرحت کے ٹیسٹ میں الجھا ہوا تھا۔ بھائی نے تو چھوٹے ماموں کو سلا دیا تھا، میں سر جھاڑ منہ پہاڑ ٹیسٹ یاد کرتے ہوئے کتاب میں سر دیے بیٹھی تھی جب بیل بجی اور میں نے بال تک سلجھانے یا سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ تک پہننے کی زحمت نہیں کی اور دروازہ کھولنے چل دی بس۔۔۔

بھائی جان تو اچھے خاصے خفا ہوئے ان کے دوست کی کزن کی والدہ تھیں اور ان کی بہن تھیں، جبکہ بھابی جان نے کہا بھی کہ معصوم ہے ہماری رشنا ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھتی، آپ ہی کو جلدی پڑی ہے اور اسے تھوڑی سمجھ تو آنے دیں پھر یہ سلسلے دیکھے جائیں گے۔

مگر بھائی جان ایک ہی بات کہے جا رہے تھے کہ امی ابا ان پر جو ذمہ داری ڈال گئے ہیں، وہ جلد سے جلد اس سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں اور میری عمر کی لڑکیاں شادی کے بعد گھر بار پورے پورے سسرال سنبھالے بیٹھی ہیں اور میں احمقوں کی طرح اپنی معصومیت کو ٹیگ بنائے ان کے لیے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر رہی ہوں وغیرہ وغیرہ۔"

اور نجانے کیوں پہلی بار مجھے رشنا کی بھابی اتنی بری

www.pkdigest.com

نہیں لگیں کہ میرا خون کھولنے لگتا۔

"وہ تو اس کی بھابھی اور بھائی ہیں' انہیں اتنی جلدی رشنا کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر لگ گئی' جبکہ میری تو امی ابا کو ابھی یہ خیال جیسے چھو کر ہی نہیں گزرا دونوں آپاؤں کی تو ایف اے کے فوراً" بعد شادی بھی کر دی تھی اور میں اب تھرڈ ایر میں ہوں" عجیب سی خود ترسی میرے اندر گھر کرنے لگی تھی۔ میں چپ چاپ اس کے پاس سے اٹھ آئی پھر یہ سارا قصہ وقتاً" فوقتاً" دوہرایا جانے لگا۔

خاص مہمان' آتے کبھی رشنا انجان ہوتی کبھی بھابی بھول جاتیں کہ مہمانوں کو آنا ہے تو خاص اہتمام کرنا ہے رشنا کو بھی سنوارنا ہے یا اور کچھ نہیں تو گھر پر ان کو موجود ہونا چاہیے' وہ بے وجہ کسی بڑی شاپنگ پر نکل گئی ہوتیں۔

کبھی لڑکے والوں کو رشنا کی بے وقوف سی شکل پسند نہ آتی اور کبھی لمبے چوڑے جہیز کے امکان دکھائی نہ دیتے' یوں رشنا کے لیے جو اتنی جلدی یہ سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ ان دو سالوں میں بھی وہیں کھڑا تھا جہاں سے چلا تھا۔ ہاں بھائی کے بچے دو سے چار ہو چکے تھے۔ اور رشنا کی گھریلو ذمہ داریوں میں چار گنا سے آٹھ گنا اضافہ ہو چکا تھا۔

اس کے رونے دھونے اور آنسوؤں میں ٹھیک ٹھاک گھراؤ آ چکا تھا اب وہ ایسے کسی بھی چھوٹے موٹے واقعے پر نہ تو روتی نہ ہمدرد طلب نگاہوں سے دیکھتی بس سر گھما کر بات سنا کر ادھر ادھر لاتعلق سی ہو کر دیکھنے لگتی۔ مجھے اس پر بے تحاشا ترس آنے لگتا۔ ان تین سالوں میں وہ کتنا بدل گئی تھی۔

اس کے چہرے کا گلابی پن سارے کا سارا جیسے اس کے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہیں ڈھل گیا تھا اور آنکھوں کے نیلگوں فرش کیسے اکھڑے اکھڑے ویران سے لگنے لگے تھے جیسے ان پر امید کی ایک بھی کونپل اب نہ پھوٹ سکے گی۔ اس کی ہنسی کے کانچ اب نہیں کھنکتے تھے' نہ وہ معطر سی لگتی تھی پتہ نہیں تبدیلی کہاں آئی تھی۔

اسے اتنا زیادہ جاننے کے باوجود میں اس تبدیلی کا ماخذ نہیں جان سکی تھی۔

دو بار میرا رشنا کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ بہت خوبصورت' کشادہ ہرے بھرے پودوں اور پھولوں کی بیلوں اور باڑوں میں گھری ہوئی چار دیواری کے اندر اسٹائلش انداز میں بنا' جدید طرز کا گھر ہر آنے والے کی توجہ اپنی جانب ضرور کھینچتا تھا پھر خوبصورت اور قیمتی طرز رہائش قطعاً" رشنا جیسی مسکین اور ہونق صورت سے میل نہیں کھاتا تھا۔

اس میں کمال کس کا تھا میں فوری طور پر جان نہ سکی اتنے آرٹسٹک خیالات اور چوائس اس کی بھابی کی تھی یا رشنا کی' کیونکہ گھر میں دو ہی تو عورتیں تھیں اور رشنا کی بھابی کیا زبردست عورت تھی۔ جس طرح کی تصویر رشنا نے میرے آگے پینٹ کی تھی اس سے قطعاً" مختلف' ایک بے حد اسمارٹ' ویل ڈریسڈ' خوش اخلاق' بے حد مہذب عورت وہ بہت میٹھے دار گفتگو نہیں کرتی تھی مگر رشنا کی طرح کم گو یا خشک بھی نہیں تھی' پاس بیٹھ کر میں جس اخلاق اور شائستگی سے آنے والے کا حال احوال دریافت کرتی' پھر جس محبت سے رشنا کو تکتے ہوئے پکارتی کوئی بھی آؤٹ سائیڈر ان کے رویے سے اس کے باطن کا دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔

کوئی بھی شخص اندر اور باہر سے بہرحال اتنا مختلف نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے باہر جاتے ہی معترف ہوئی تھی' پھر جس طرح انہوں نے میری تواضع کی' جیسے میں کوئی بڑی وی آئی پی ہوں۔

"رشنا! تمہاری دوست تو بہت زبردست ہے اور تم نے کبھی اسے گھر انوائٹ ہی نہیں کیا۔ اچھے دوست زندگی میں بار بار نہیں ملا کرتے اور ہر کسی کو تو ملتے بھی نہیں تم لکی ہو' جو تمہیں اتنی پیاری صورت اور سیرت والی دوست ملی ہے۔"

رشنا کی بھابی نے پہلی ہی ملاقات میں میرا دل جیت لیا تھا مگر اگلے روز جو رشنا کی صورت اتری ہوئی تھی اور میرا تھوڑا سا ہی کریدنے پر بہت دنوں بعد اس نے رونے کا شغل اختیار کیا تو میں ٹھٹک گئی۔

"بھابی کہتی ہیں دوستیوں کو کالج سے گھر تک نہ لاؤ تمہیں خوار کر دیں گی' کسی سے بھی اتنا بہناپا گانٹھنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے ہر راز سے واقف ہو جائے' ہر کمزوری جان کر تم پر کسی دن وار کر ڈالے اور یہ لڑکی عافیہ تو..."

وہ اس سے آگے جو بولی میرا خون کھول گیا ایسے بھی دوغلے چہرے ہوتے ہیں۔

"پھر بھائی جان بھی مجھے ڈانٹنے لگے کہ کیا ضرورت ہے فضول میں دوستیاں بنانے کی' تمہارا کالج میں ایک سال ہے' میں تو ایف اے کے بعد ہی تمہیں آگے نہیں پڑھانا چاہتا تھا مگر تمہاری بھابی کا' اسے تمہارا گریجویشن ہر قیمت پر گوارا ہے' خود چاہے سارا دن اسے گھر اور بچوں کے ساتھ کھپنا پڑے مگر تمہاری پڑھائی پر آنچ نہیں آنی چاہیے تو تمہیں بھی اپنی بھابی کی باتوں کو ماننا چاہیے' تم تو شکل سے ایسی بدھو لگتی ہو کہ کوئی بھی تمہیں باآسانی بے وقوف بنا سکتا ہے۔"

وہ رو رہی تھی اور پہلی بار میرا جی چاہا کہ اس کی دوستی پر دو حرف بھیج کر اٹھ جاؤں اور دوبارہ اس فضول لڑکی کی کبھی صورت نہ دیکھوں۔

مگر پھر اس کے تواتر سے بہتے آنسو اور گھٹی گھٹی ہچکیوں پر مجھے آ گیا۔

"اور پھر بھائی کہنے لگیں' یہ بے چاری بھی اپنے دل کی بات کس سے کرے اس کے لیے کوئی دوست' کوئی غم گسار تو ہونا چاہیے' میں لاکھ اس سے محبت جتاؤں اس کی دوستی کے قابل تو نہیں ہو سکتی' اس عمر میں تو دوستی کے پیمانے ہی اور ہوتے ہیں' پھر بھلا بے چاری لڑکیاں اپنا جگر بھی بھون کر پیش کر دیں تو دوستی اور بھروسے کے قابل نہیں ہو سکتیں۔"

اس کی اگلی باتوں نے مجھے وہیں ٹھٹھکا دیا۔

اس کی بھابی کتنی زبردست ایکٹر ہے اس کا اندازہ تھا جو مجھے ہو رہا تھا اپنے بے وقوف بننے کا احساس شدید تر ہو رہا تھا میں جو خود کو بہت عقل مند' ہوشیار سمجھتی تھی کس آسانی سے اس کی ایکٹر بھابی کی میٹھی چھری جیسی فطرت سے مار کھا گئی تھی۔

بھائی جان' بھابھی کے دل گرفتہ ہونے پر انہیں تسلیاں دینے لگے اور میں رات کے کھانے کے برتن دھونے کے لیے اٹھ کر آ گئی' ورنہ انہیں یاد آ جاتا تو انہیں کسی اور ہی ڈھنگ سے مجھے ڈانٹ پڑوانے کا ارادہ باندھ لینا تھا۔ مجھے وہ سمجھ میں نہیں آتے کبھی دھوپ کبھی چھاؤں کبھی ماں کی طرح مہربان کبھی دشمن کی طرح تہہ تیغ کرنے پر آمادہ... بہت ڈر لگتا ہے مجھے ان سے۔"

وہ آخر میں خود ہی اپنا چہرہ رگڑنے لگی۔

"تم اپنے بھائی جان کو ان کا اصل روپ کیوں نہیں دکھاتیں۔"

میں نے تھوڑا تپے ہوئے انداز میں کہا' بلکہ اسے مشورہ دینا چاہا۔

"بھائی جان اور ان کو بتاؤں... دکھانا تو دور کی بات۔"

"چھوڑو جیسے گزری ہے باقی بھی گزر جائے گی" اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکتے ہوئے قدرے لاپروا انداز میں کہا۔

"اور وہ جو تمہارا پچھلے ہفتے پرپوزل آیا تھا اس کا کیا بنا؟"

مجھے اس دکھی سی' بے زبان لڑکی سے ـــــ دلی ہمدردی تھی۔

"جو پہلے آنے والوں کا بنا چلو اٹھو کلاس اسٹارٹ ہونے والی ہے۔"

وہ بات ٹالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو میں نے بھی اس کی تقلید کی مگر صرف اٹھنے میں...

اس کی ایکٹر بھابی سے تو میرے دل نے بیر باندھ لیا ایسی مکار عورت... اس کے سامنے میرے جیسی ہوشیار لڑکی بے وقوف بن گئی تو بے چاری رشنا کیا چیز ہے۔

گھر آ کر میں نے سب کچھ امی کو بتاتے ہوئے اس کی بھابی کی غائبانہ خوب ہی شان میں اضافہ کیا' امی مجھے ٹوکتی رہیں اور میں اس عورت کو خوب ہی برا بھلا کہہ کر اپنا کھولتا خون ٹھنڈا کرتی رہی۔ مگر اس کی بھابی سے

www.pkdigest.com

دوسری ملاقات نے ایک بار پھر مجھے اپنے خیالات بدلنے پر مجبور کر دیا۔

☼ ☼ ☼

امی کی کسی کزن کی بیٹی کی شادی تھی جہاں میں بالکل غیر متوقع طور پر رشنا کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ارے تم یہاں کہاں؟"

وہ موو کلر کے نفیس کام والے فینسی سوٹ میں خاصی مختلف رشنا لگ رہی تھی میچنگ سلور جیولری اور سلور نازک سینڈل کے ساتھ پہلی ہی نہیں دوسری تیسری بلکہ ہر نظر میں اچھی لگ رہی تھی اور دوسرا جھٹکا مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے میں لگا۔

امی رشنا کی بھابی کے ساتھ بڑے گرم جوش انداز میں مل رہی تھیں اور رشنا کی بھابی کے چہرے کے رنگ ہی اور تھے یا شاید اس شام کا رنگ ہی کچھ ایسا تھا کہ ہر چیز بدلی بدلی مگر بے حد بھلی اور نئی نویلی سی لگ رہی تھی۔

"ارے اس گھٹیا کے مرض کا برا ہو کہیں آنے جانے کے قابل نہیں چھوڑا' قریبی عزیز رشتہ داروں سے ملے بھی سالوں گزر جاتے ہیں اب یہی دیکھ لو آخری بار قدیر بھائی سے ملاقات تمہاری شادی پر ہوئی اور اس کے بعد ان کی وفات پر' بعد میں دل میں دس بار ارادے باندھتی رہی مگر اس بیماری نے اجازت ہی نہ دی کہ آکر تم لوگوں کا حال احوال معلوم کر لیتی یوں بھی اس شہر میں سکون سے آکے بیٹھے بھی تو دو چار سال ہوئے ہیں۔"

امی کیا پیار بھرے اپنے اپنے سے انداز میں رشنا کی بھابی کو ساتھ لگائے کہے جا رہی تھیں۔

"اور آنٹی جی دیکھ لیں' میں نے آپ کو پہلی نظر میں پہچان لیا۔"

وہ فوراً" اس پیار کا جواب مٹھاس بھرے لہجے میں دیتے ہوئے بولیں۔

"ماشاءاللہ کیا حافظہ ہے' پہلی نظر میں تو نہیں پہچان نہیں سکی تھی اور سناؤ اطہر کا' مظہر کا کیا حال ہے رشنا کدھر ہے۔"

امی یوں کہہ رہی تھیں جیسے ان کے بچھڑے ہوئے بھتیجے بھتیجی انہیں اس اچانک موقع پر مل گئے ہوں۔

رشنا میرے ساتھ حیران حیران سی کھڑی تھی اس کی سمجھ میں بھی شاید یہ اچانک پیدا ہونے والی رشتہ داری نہیں آرہی تھی۔

اپنی بھابی کے اشارے پہ وہ آگے بڑھ کر امی کو سلام کرنے لگی۔

"ماشاءاللہ جیتی رہو' کیسی بڑی ہو گئی قدیر بھائی کی وفات پر تو ابھی بچی تھی اللہ نصیب اچھے کرے۔"

امی اسے ساتھ لگائے پیار کر رہی تھیں' امی کی نظر مجھ پر پڑی۔

"ارے عافیہ سے ملیں تم رشنا! اور ثروت یہ میری بیٹی ہے۔"

امی کو میرا تعارف کرانے کا خیال بھی آگیا میں مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔

"ارے یہ تو اپنی عافیہ ہے' رشنا کی دوست دیکھو کل دن گھر آئی تو کوئی ذکر نہیں کیا کہ یہ آپ کی بیٹی ہے۔"

رشنا کی بھابی مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اسی میٹھے لہجے میں بولیں جس سے میں پہلی ملاقات میں دھوکا کھا گئی تھی۔

"ارے آج کل بڑے ملنے میں سالوں لگا دیتے ہیں تو بچوں کا کیا قصور' آج کل کی نسل تو یوں بھی مصروف بہت ہے' ہر وقت' وقت کی کمی کا رونا روتی رہتی ہے ٹی وی کمپیوٹر' موبائل کے لیے ان کے پاس وقت ہے وقت ہے بس انسانوں سے ملنے کا وقت نہیں ہے۔"

امی جو شروع ہونے جا رہی تھیں' کسی خیال سے چونک کر رکیں۔

"یہ وہی رشنا ہے' تمہاری کالج کی سہیلی۔"

انہیں ایک دم سے یاد آیا تو بڑے غور سے پہلے رشنا کو اور پھر اس کی بھابی کو دیکھنے لگیں ان کی نگاہوں میں خود بخود جذبۂ ترحم سا ابھر آیا تھا رشنا کے لیے۔

کھسیا کر سر ہلانے لگی۔

"ہوں" امی نے یوں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہوں۔ "اچھا یہ وہی رشنا ہے جس کی ہمدردی کا بخار تمہیں گھر میں بھی چین نہیں لینے دیتا اور جس کی بھابی کے خلاف تمہاری تقریریں تمام نہیں ہوتیں۔"

"رشنا!"

"وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی شاید امی کی نگاہوں سے گھبرا کر۔"

"آؤ رشنا! تمہیں اپنی کزنز سے ملواؤں۔"

اس سے پہلے کہ امی کے منہ سے کوئی کلمہ حق نکلتا میں رشنا کا ہاتھ کھینچ کر اسے وہاں سے لے گئی۔

"یہ رشنا ہے۔"

تعارف سنتے ہی سب کے منہ سے حیرت بھرا پہلا جملہ یہی نکلتا تھا۔

میں اچھی خاصی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

جو بھی ذرا قریبی تھوڑا ہمدرد دوست آشنا تھا' اس کے سامنے رشنا کی مظلومیت اس کی بھابی کی دوغلی فطرت اور کمینے پن کے دکھڑے میں نے رو رکھے تھے' اب ہر ایک کے منہ سے اچھا یہ رشنا ہے نکلنا تو لازم تھا۔

لگا ساری محفل اس ایک سوال کی بارش میں بھیگ گئی ہے' میں شرمندہ سی ہو کر اسے لیے ایک طرف بیٹھ گئی۔

"تم نے تو ہر جگہ میرا اچھا خاصا غائبانہ تعارف کرا رکھا ہے۔"

رشنا بہرحال اتنی بھی بدھو نہیں تھی کہ اچھا یہ رشنا ہے کہ پیچھے چھپے معنی خیز سوالیہ انداز کو نہ جان سکتی۔

"عافیہ یہ اچھی بات نہیں۔"

وہ بہت دیر بعد سر اٹھا کر بولی تھی' سر جھکائے نہ جانے اتنی دیر کون سے مراقبے میں گم ہو رہی تھی۔

"کون سی بات؟"

میں غائب دماغی سے سامنے بیٹھی امی اور رشنا کی بھابی کو خوب گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگا کہ سب مجھ پر ترس بھری نظریں ڈال کر خاموش ہمدردی جتائیں۔"

"ہیں!"

وہ کیا بولی تھی میں بھونچکی سی رہ گئی۔

"تو بھلا میں نے کیا برا کیا' یا تمہارا برا چاہا یوں بھی برے کو برا کہنا کون سا غلط ہے' اب اپنی بھابی صاحبہ کو دیکھ رہی ہو کیا مٹھار مٹھار کر امی سے باتیں کر رہی ہیں' جیسے ان سے اچھا مہربان' خوش اخلاق اور نیک فطرت اور کوئی ہے ہی نہیں۔"

میں ایک دم سے جوش میں آکر بولی۔ رشنا نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"عافیہ! وہ میری بھابی ہیں اور مجھ سے ان کا جو بھی رویہ ہے' وہ میرے لیے ہے' میں اگر تمہیں اپنی مخلص دوست جان کر ذرا دل ہلکا کر لیتی تھی تو۔۔۔ اور یہ میری ہی غلطی ہے مجھے اپنے گھر کی بات تم سے کیا کسی سے بھی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

اس کی آنکھیں برسنے کو تھیں۔

"یہی تمہارا سرنڈر کرنے والا رویہ انہیں شہہ دینے کو کافی ہے۔"

میں حسب عادت چمک کر بولی۔

"تم کیوں ان کی غلط باتوں پر انہیں منہ پر جواب نہیں دیتیں' کیوں بولنے کے موقع پر منہ سی لیتی ہو' آخر وہ تمہارے باپ کا گھر ہے' تمہارے بھائیوں کا اور شادی ہو جانے تک تمہارا بھی' انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ تم سے یوں ملازموں جیسا سلوک کریں' تم سے اپنی اور اپنے بچوں کی چاکری بھی کروائیں پھر اپنی ٹانگ اونچی رکھتے ہوئے سب پر یہ تاثر دیں کہ تم یہ سب کچھ اپنی خوشی سے کرتی ہو' ورنہ انہیں کوئی مجبوری نہیں' تم نے ان کے اس دوغلے عجیب سے رویے کے خلاف پہلے دن آواز اٹھائی ہوتی زبان کھول کر سب کے سامنے حقیقت بیان کر دی ہوتی تو آج تمہیں نہ یوں بیٹھ کر رونا پڑتا اور نہ اپنے دل کے دکھ اور درد گھر کی باتیں کسی سے بھی بیان کرنے کی ضرورت پڑتی۔"

میں جوش میں بولی تو بولتی چلی گئی۔ اس نے اپنا چہرہ

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

اور
سپر جیب
کی کسی بھی 3 لیٹر بوتل کے ساتھ (25 گرام)
حبیب مصالحہ مکس
بالکل مفت!
adcom 1514-08

ٹشو سے صاف کرلیا۔

"تم یہ سب باتیں کہہ سکتی ہو اور بڑے جوش میں کہہ سکتی ہو کہ تمہارے سر پر تمہارے ماں باپ کا سایہ ہے لیکن سچ اور حق پر ہوتے ہوئے بھی خود کو ثابت نہیں کرسکتی اور اگر کروں تو کوئی میری بات نہیں مانے گا مان بھی لے تو معلوم ہے۔۔۔ پھر۔۔۔"

وہ رکی۔

"وہ گھر بے شک میرے باپ اور میرے بھائیوں کا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھ جیسی کمزور لڑکی ایسا کوئی بھی دعوا کرکے زبان دراز، گستاخ اور باغی جیسے خطاب تو پاسکتی ہے، اپنی جگہ بھی اس گھر میں کھو سکتی ہے، گھر کی چھت سے بڑھ کر اپنے بھائیوں کی پناہ سے بڑھ کر مجھے کچھ بھی عزیز نہیں۔"

وہ خشک لہجے میں دوٹوک بولی تھی۔

"چاہے اس چھت اور پناہ کے نیچے روز تمہاری انا کا خون ہو اور تمہاری عزتِ نفس کو جوتوں تلے روندا جاتا رہے۔"

میں طنز سے بولی۔

"یہ سب محسوس کرنے اور سر پر سوار کرنے کی باتیں ہیں، کسی بھی چیز کو ہم معمولی یا غیر معمولی جان کر اس کو بڑھا بھی سکتے ہیں اور گھٹا بھی سکتے ہیں اور میرے نزدیک۔۔۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ میں اپنی پناہ گاہ کو داؤ پر لگادوں ارے بھائی آگئے لگتا ہے گھر جانے کے لیے بھابی سے کہنے آئے ہیں۔"

وہ اپنی رندھی ہوئی آواز کا گلا گھونٹ کر ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی تو میں بھی بددل سی اس کے پیچھے چل پڑی۔

امی کسی سے مل رہی تھیں۔

"قدیر بھائی کے بعد مظہر سے تو انجم آپا کے چہلم پر ملاقات ہوئی پر اجو تو اتنے سالوں بعد نظر آیا ہے۔"

امی کہتے ہوئے کسی اونچے لمبے نوجوان کے جھکے سر پر پیار دے رہی تھیں۔ کیمل کلر کی شرٹ میں اس کے چوڑے کندھے اور دراز قد ایک وجیہہ جوان ہونے کا پتا دے رہے تھے۔

"ماشاءاللہ قدیر بھائی کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اللہ زندگی اور رزق میں برکت دے، علم میں اضافہ کرے کیا کرتے ہو آج کل؟"

امی تو یہاں بچھڑے ہوئے رشتہ داروں سے مل رہی تھیں، جیسے برسوں سے ان سے ملنے کی حسرت دل میں لیے بیٹھی تھیں، ویسے کبھی ان کے منہ سے ان کا ذکر نہ سنا تھا۔

"آنٹی جی! ابھی اسی سال ایم بی اے مکمل کیا ہے اجو نے، ماشاءاللہ گولڈ میڈلسٹ ہے آپ کا بھتیجا۔"

مظہر بھائی اور رشنا کی بھابی ساتھ ساتھ ہی بولے تھے، بات مکمل رشنا کی بھابی نے کی تھی۔

وہ جوان سے تھوڑا کترا کر بیٹھا تھا کیونکہ امی ایک بار پھر چٹاچٹ اس کی بلائیں لینے لگی تھیں۔

وہ پلٹا اور مجھے یوں لگا پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

یہ رشنا تو کتنی احمق بدھو اور بے وقوف سی ہے اسے تو کسی کو Convey بھی نہیں کرنا آتا۔

"جو میرے بھائی ہیں۔"

بار بار اس کا سادہ مگر طنزیہ لہجہ گونجتا اس کے کہنے سے جیسے کسی کم گو، معمولی شکل وصورت ہونق سے سراپے کی شبیہہ دماغ میں ابھرتی تھی مگر یعنی اظہر تو مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار مگر بن کی طرح کم آمیز جھینپو گھبرایا شرمایا کترایا سا نوجوان تھا۔

اس کی یہ شرماہٹ گھبراہٹ ہی شاید سامنے والے کے دل پر پہلا وار کرتی تھی اور دوسرا وار۔۔۔ اس کی وجاہت، ابھرے ابھرے سے نقوش ہلکی ہلکی سی رودس والا تازہ خط شدہ چہرہ جس پر اس شرماہٹ کی ہلکی لالی اسے دوسرے بے باک اور نظرباز لڑکوں سے ممتاز و منفرد بناتی تھی اور تیسرا وار تو سب سے کاری تھا۔

اس کی ایم بی اے کی گولڈ میڈلسٹ ڈگری اور اس کی نئی شاندار ملٹی نیشنل کمپنی میں زبردست جاب اپنے معصوم دل کو اس کے کس کس وار سے بچاتی کا گھائل ہونا تو لازم تھا۔

جس طرح میرے تعارف پر اس نے نیچی نظروں سے سرہلا کر میرے سلام کا جواب دیا تھا اور جس تندہی اور محویت سے اس نے میرے پیروں اور ان میں پڑی سینڈلز کا جائزہ لیا تھا مجھے یقین تھا اس نے مجھے قطعاً نہیں دیکھا ہوگا مگر اس کے اتنے عمیق معائنہ کے دوران میں نے بڑے بے خوف سے انداز میں اس کا بھرپور جائزہ لے ڈالا تھا اور اس بھرپور جائزے نے سمجھیں میرے دل کا بیڑا غرق کر ڈالا۔

پہلی رات کی نیند تو گئی مگر اس سے اگلی راتیں بھی رت جگوں میں ڈھلنے لگیں۔

اور یہ محبت وہ بھی پہلی نظر کی محبت۔۔۔ محبت بھی اتنی شدید کہ عشق سے کوئی قریبی تعلق جڑتا نظر آتا ہو ایسی محبت تو کیا۔۔۔ محبت کرنا ہی ہماری کلاس میں ابھی اس کا فیشن اتنا پروان نہیں چڑھا تھا۔

لڑکوں کی پسندیدگی عرف عام محبت عشق کا کوئی خال خال قصہ تو خاندان میں سننے کو مل جاتا تھا مگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے لیے خود اپنی زبان سے محبت و پسندیدگی کا اقرار کرے' یہ انہونی ابھی تک ہمارے خاندانی ریکارڈ میں کہیں بھی درج نہیں تھی جو لگتا تھا میں درج کروانے جا رہی ہوں' کیسا باغیانہ فعل ہو سکتا تھا۔ یہ میں کیا کرتی میری تو اس لمحے سے جیسے آنکھوں کی نیند دل کا چین ہی کہیں کھو گیا تھا۔

کتابیں کالج پڑھائی کچھ بھی ہوش نہیں رہا تھا۔

احمق سی رشنا کی بچی کیا نادر و نایاب ہیرا گدڑی میں چھپائے بیٹھی تھی اور کبھی جو اس نے منہ سے پھوٹا ہو کہ اس کا بھائی کیسا وجیہہ قابل سراپا رکھنے کے علاوہ کیسا ذہین قابل ہے وہ تو بس ہر وقت بھائی نامہ سے دکھڑے ہی روتی رہتی تھی۔

مجھے رہ رہ کر رشنا پر ہی غصہ آتا۔

اب رشنا دو تین دن سے اس کا فون بھی نہیں آیا' میں کالج نہیں گئی تو اس نے بھی پتہ نہیں کروایا' آخری دنوں میں پڑھائی کا لوڈ کتنا زیادہ ہوتا ہے مجھے بھی خیال نہیں آیا' اب اگر دل کو درد ملا ہے تو اس کی دوا بھی تو کرنا ہوگی کہ یونہی جلتے تڑپتے کمرے میں بند اس درد کو سینے سے لگا کر ہائے وائے کیا جائے نکلو عافیہ بی بی درد کا درماں ڈھونڈو ورنہ تو تم اس درد کے ہاتھوں دنیا سے چل بسو گی اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔

ایسی جواں مرگی کا سوچ کر ہی آنکھیں بھر آئیں۔

سو اگلے ہی روز اٹھ کر نئے عزم نئے خوابوں کے ساتھ تیار ہو کر کالج چلی آئی اور بے چینی سے رشنا کا انتظار کرنے لگی اس نے بھی لگتا تھا مجھے تڑپانے کی قسم اٹھائی ہے۔

پہلے پیریڈ میں وہ موجود نہیں تھی' میرا دل مایوسیوں کے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا' خود پر ایسا ترس آ رہا تھا کہ ابھی رو پڑوں گی۔

شاید رو ہی پڑتی جو رشنا کو بیس منٹ لیٹ کلاس میں داخل ہو کر ٹیچر سے اجازت مانگتے اور ڈانٹ کھاتے نہ دیکھ لیتی وہ آخری نشستوں پر جا کر بیٹھی تو میرے دل کو قرار آیا۔

☼ ☼ ☼

"اف تم اس روز شادی میں کتنی زبردست لگ رہی تھیں کہ تم۔ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی دل میں اتنی بار خیال آیا کہ آج تم سے کہے بغیر رہ نہیں سکی۔"

میں نے اس کے چپ چپ موڈ کی پروا کیے بغیر اپنی پاکٹ منی سے چاٹ کھلانے کے بعد اسے اپنے پسندیدہ گوشے میں لے آئی۔

"تو کیا؟"

بظاہر وہ غیر حاضر دماغ لگ رہی تھی گھاس نوچتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"اگر میرے دونوں بھائیوں کی شادی نہ ہو گئی ہوتی تو میں یقیناً" تم جیسی اتنی پیاری دوست کو اپنی بھابی بنا کر گھر لے آتی۔"

میں نے اپنے درد دل کی دوا کرنے کی ہی کوشش کی۔

"ہوں۔"

اس کے چپ چپ چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑی اور بس اسی طرح گھاس نوچ نوچ کر ڈھیر لگاتی رہی' جیسے آج مالی نے اس کے ذمے یہی کام لگایا ہو۔

"کیا بات ہے موڈ اچھا نہیں پھر بھابی سے کوئی بات ہو گئی۔"

مجھے اس کے چپ چپ موڈ کا نوٹس لینا ہی پڑا۔

"ہوں نہیں تو؟"

وہ جبراً" مسکرائی۔

"پھر!"

آخر میں اس کی اکلوتی مخلص ہمدرد دوست تھی اس کے دکھی مزاج کی دل جوئی کرنا میرا فرض تھا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں۔"

اس نے پھر کوئی سرا نہیں پکڑایا۔

"خفا ہو۔"

میں تھوڑی دیر بعد سوچ کر بولی۔

"کس بات پر۔"

وہ جیسے سوتے سے اٹھ کر آ گئی تھی۔

"اس شام جو سب نے تمہیں دیکھ کر۔۔۔ تمہیں شاید ناگوار گزرا تھا۔"

میں نے ہولے سے کچھ شرمندہ لہجے میں کہا۔

"نہیں وہ بات اس وقت ختم ہو گئی تھی' مجھے برا لگا میں نے تم سے فوراً" کہہ ڈالا تھا۔"

وہ صاف گوئی سے بولی۔

اور یہ سچ بھی تھا وہ کوئی بات بری لگتی تو میرے منہ پر کہہ دیتی تھی مگر اس میں جرات صرف میرے منہ پر کہنے کی تھی۔

"پھر اداس کیوں ہو؟"

"یونہی اس دن تمہاری امی کا محبت بھرا سلوک دیکھا تو پتہ نہیں کیوں امی کی یاد آئی کہ۔۔۔ بس اس دن ہی سے طبیعت پر ایسی اداسی طاری ہے' کسی سے بھی بولنے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا' اس لیے دو دن کالج بھی نہیں آئی۔ ابھی بھابی نے زبردستی بھیجا کہ ہفتے دس دن بعد تو چھٹیاں ہو ہی جانا ہے ایگزام کے لیے تو جا کر نامکمل نوٹس مکمل کر لاؤں۔"

وہ آہستہ آہستہ اس طرح گھاس نوچتے ہوئے بولی تو مجھے اس کا دکھ اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوا۔

اکیلی تھی نہ ماں کی ہمدرد دوستی نصیب نہ بابل کی شفقت بس تیرے میرے جیسی کی زبانی کلامی ہمدردی۔۔۔ اس پر بھی بے چاری پھونک پھونک کر اعتبار کرتی ہے اور سوکھے پتے کی طرح کانپتی رہتی ہے۔

میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے دل گرفتہ سا ہوئی۔

"کم آن رشنا کیوں دکھی ہوتی ہو یار! میں ہوں نا پھر میری امی تمہاری بھی تو کچھ لگتی ہیں آج تیسرے پیریڈ کے بعد ہماری کوئی خاص کلاس تو ہے نہیں میرے ساتھ گھر چلو' امی تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی' تمہارا بھی دل بہل جائے گا اور ان تین سالوں میں اتنی بار تم سے کہتی رہی کہ ہمارے گھر چلو مگر تمہارے سر پہ تو بھائی جان کے خوف کا بھوت سوار رہتا تھا۔"

میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اس کی دل جوئی کر رہی تھی۔

"اب تو انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

زبانی لفاظی اپنی جگہ مگر فزیکل ٹچ یا ہمدردی بھرا لمس دوسرے کے دکھ کو کتنا کم کرتا ہے' اس کا اندازہ مجھے اگلے ہی لمحے رشنا کی کھلی کھلی سی مسکراہٹ کو دیکھ کر ہوا۔

"نہیں بھائی نے تو پہلے بھی کبھی خاص منع نہیں کیا تھا' پھر بھی میں انہیں بلاوجہ اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی' یوں بھی ہم روز تو کالج میں مل لیتے ہیں اس لیے مجھے بھی ایسی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کہ تمہارے ساتھ گھر چلتی۔"

وہ میرا ہاتھ اسی محبت سے دبا کر بڑے اپنائیت بھرے لہجے میں بولی گویا اسے میرے دلی خلوص کا پورا علم تھا۔

"چلو اب چلی چلو یوں بھی اس ہفتے کالج بند ہو رہا ہے آج گھر دیکھ لینا تو پھر چھٹیوں میں بھی کچھ نوٹس یا اسٹڈیز کے لیے تمہیں میری یا مجھے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے' گھر دیکھا ہوگا تو چاہے تم اپنے کسی بھائی کے ساتھ آ جاؤ۔"

میں نے اپنے دل کی بات کہی۔

www.pkdigest.com

"نہیں وہ تو مسئلہ نہیں بھائی جان نے تم لوگوں کا گھر دیکھ رکھا ہے۔"
وہ آہستگی سے بولی۔
"تو پھر پرسوں یا کل شام ہی آجاؤ امی بھی تمہارا ذکر بڑی محبت سے کر رہی تھیں۔"
میں اسے گھر آنے پر آمادہ کرنا چاہ رہی تھی۔
"بھائی جان یا بھابی سے ذکر کروں گی تو پھر ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ آجاؤں گی۔"
وہ اس طرف نہیں آرہی تھی، جس طرف میں اسے لانا چاہ رہی تھی۔
"تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا تمہارے بھائی ایم بی اے کر رہے ہیں۔"
میں خود ہی ڈھیٹ بنی۔
"اس میں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔"
وہ الٹا معصوم بن کر سوال کرتے ہوئے بولی تو میں کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔
"گولڈ میڈل لینا تو بڑی بات ہے۔"
میں نے اپنی ڈھٹائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔
"ہاں یہ مجھ سے غلطی ہوئی، اصل میں جن دنوں بھائی کا رزلٹ آیا تو میں نے ایک ہفتے کی کالج سے چھٹیاں لی ہوئی تھیں، جب چھوٹے شاہ زیب کو نمونیہ ہو گیا تھا بس اس پریشانی میں تمہیں بتا نہ سکی۔"
"اس بات پر تو ٹریٹ ہونا چاہیے نا۔"
"ہاں بنتی تو ہے جب تم کہو۔"
وہ مان ہی گئی۔
"تو چلو ہمارے گھر آجاؤ کسی دن، وہیں کچھ مل کر پکائیں گے۔"
میں نے بے تکی سی بات کی تو وہ چپ کر گئی۔
"نہیں ٹریٹ تو کالج میں ہی دوں گی، وہ صائمہ وغیرہ بھی کہہ رہی تھیں، صائمہ کا کزن بھائی کا کلاس فیلو تھا انہیں تو پہلے سے پتا تھا روز تقاضا کرتی ہیں تو ان کا بھی منہ بند ہو جائے گا۔"
وہ گھر آنے پر کسی صورت راضی نہیں تھی، سو میں نے بھی بعد میں اصرار نہیں کیا۔

مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو کسی صورت چین نہیں لے رہا تھا، جیسے اس کی کوئی قیمتی متاع چرائے لے جا رہا ہے۔
پھر ان ہی دنوں گھر میں خاص مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا میں خاصا جھنجلائی امی سے لڑی بھی کہ "آپ کو بھی میرے ایگزام کا انتظار تھا یہ سلسلہ شروع کرنے کے لیے۔"
"ہم کون سا رشتہ طے کر کے بارات منگوا رہے ہیں ابھی تو دیکھنے دکھانے کا سلسلہ ہے، اللہ کرے جلد ہی کوئی بات بنے اب لگیں گے تو کہیں سال چھ مہینے میں کچھ ہوتا نظر آئے گا، تم دھیان سے پڑھو بس گھڑی بھر کو آکر سلام ہی کرنا ہوتا ہے سو کر جاؤ۔"
امی یوں بولیں جیسے کوئی ہوا میں مکھی اڑاتا ہے۔
"اچھی مصیبت ہے میرے چودہ سال کی محنت ہے اب آخر میں آکر خاک بندہ یکسوئی سے پڑھ سکے گا، ایک دو ہفتے صبر بھی کیا جا سکتا ہے۔" میری بڑبڑاہٹ پر امی مجھے گھور کر رہ گئیں۔
"اور سناؤ وہ تمہاری دوست رشنا اس کی کہیں بات بنی۔"
امی کو جیسے کچھ یاد آیا۔
"نہیں اس کی بھابی ہی مخلص نہیں۔"
میں بے دلی سے بولی۔
"اچھا اب یونہی نہ ہر موضوع پر منہ کھول لیا کرو دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں پھر خاندان کا معاملہ ہے اور بھابھی نند کی چپقلش کس گھر میں نہیں ہوتی، تمہیں زیادہ بیچ میں گھس کر قاضی بننے کی ضرورت نہیں۔"
امی نے موقع ملتے ہی مجھے لتاڑا۔
"مجھے کیا ضرورت ہے کسی کے بیچ گھسنے کی۔"
میں بڑبڑائی یوں بھی ان دنوں میرا دل بھنا تا ہی رہتا تھا۔
"بھائی اس کا اچھا ہے۔"
میں جو یونہی بیٹھی کڑھ رہی تھی امی کی آواز پہ میرا دل جیسے بلیوں اچھلا تھا۔

"کون....؟"
میں نے انجان بن کر پوچھا۔
"وہی جس نے ٹاپ کیا ہے اجو کیا نام ہے اس کا بھلا سا اظہر۔" امی پر سوچ نظروں سے کسی نادیدہ نکتے کو گھورتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔
"ہاں اس دن رشنا بھی کہہ رہی تھی۔"
میں نے کھنکھار کر کہا۔
"کیا کہہ رہی تھی۔"
امی اپنے خیال سے باہر نکلیں۔
"یہی کہ وہ اپنے بھائی کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔" میں نے ہوا میں تیر چلایا۔
"اچھی سی لڑکی۔"
امی لبوں میں بڑبڑائیں۔
"دیکھا بھالا خاندان ہے پھر کوئی بھری پری سسرال بھی نہیں ایک جیٹھ جٹھانی اور ایک نند سال بھر میں بیاہی جائے گی اپنا گھر بار اور شاندار نوکری پھر لڑکا بے حد نیک شریف مہذب اور صورت کا بھلا آج کل کے ہزار لڑکوں سے ہزار گنا سادہ اور نیک طبیعت کا۔" امی خود سے کہے جا رہی تھیں اور میرا دل جیسے ٹنکی پر چڑھا تھا۔
"دو چار جگہ گئی بھی ہیں وہ لوگ لڑکی دیکھنے مگر کچھ خاص پسند نہیں آئی انہیں لڑکی یا کسی جگہ گھر اور فیملی بیک گراؤنڈ۔"
میں نے راکھ سے چنگاری کریدنے کی کوشش کی۔
"ہوں۔"
امی پر خیال نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔
"کرتی ہوں بات صفیہ آپا سے۔" وہ پھر خود سے بولیں۔
"کون صفیہ آپا۔"
میں جلدی سے بولی۔
"تمہیں کیا تم جا کر اپنا پڑھو۔"
وہ ناگواری سے بولیں تو میں کندھے اچکا کر اٹھ گئی۔
مگر مجھے لگتا تھا امی کے دل تک میرے دل کی بے چین دھڑکنوں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے اور امی کے دل نے اسے وصول بھی کر لیا ہے کیونکہ اس کے بعد کتنے دن، کتنے مہینے کوئی بھی خاص مہمانوں کا ٹولا نہیں آیا نہ کوئی دوسری مشکوک سرگرمی مجھے گھر کی متوازن فضا کو غیر متوازن کرتی دکھائی دی۔ اس دوران ہمارے ایگزام بھی ہو گئے۔
دوسرے چوتھے روز میں رشنا کو فون کر لیتی یا اس کا دس پندرہ دن میں ایک بار فون آجاتا، وہ اس معاملے میں بھی خاصی محتاط تھی یوں بھی میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی، اپنی غرض کے باعث ہی جلد جلد فون کر لیتی کہ شاید کسی طرح اس سے بھی کبھی ہائے ہیلو ہو جائے مگر ایسا صرف ایک بار ہوا وہ بھی اس نے "ہولڈ کریں میں رشنا کو بلاتا ہوں۔"
کہہ کر معاملہ اسی طرح دن وے ٹریفک والا رکھا۔
میرے بے حد اصرار پر رشنا صرف دو بار ہمارے گھر آئی تھی، وہ بھی ایک بار بھابی کے ساتھ اور ایک بار اپنے بڑے بھائی کے ساتھ۔
اس کی بھابی کے سامنے تو اور کسی کی دال کم ہی گلتی تھی یوں بھی اسے ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے رہنا پڑا اور ایک بار میں نے اندر چلنے کو کہا تو اس کی بھابی نے بھی خوب میٹھے لہجے میں اسے اندر جانے کو کہا جیسے اس نے ان سنا کر دیا۔
"تمہیں تکلیف کیا تھی میرے کمرے میں، بس کھڑے کھڑے رکیں جبکہ تمہاری بھابی صاحبہ بھی فرما رہی تھیں اندر جا کر گپ شپ کر لو۔"
میں بعد میں فون پر غصہ ہوتے ہوئے بولی۔
"تمہیں ابھی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔"
وہ ذرا ٹھہر کر بولی۔
"سب کے سامنے تو وہ اجازت دے رہی تھیں بعد میں انہوں نے دس بار مجھے جتانا تھا کہ میں کونے کھدروں میں چھپ کر گھر کی باتیں تمہیں بتاتی ہوں، اپنی مظلومیت کے قصے سنا کر ہمدردی بٹورتی ہوں اور میرے ظلم کی کہانی سنا کر مجھے ظالم ثابت کرنا چاہتی ہو حالانکہ۔"

www.pkdigest.com

اس کی آواز حسب عادت رندھ گئی۔
اور میں دل میں یہ بھی نہ کہہ سکی کہ کہتی تو وہ ٹھیک ہیں۔

میں صرف ایک بار ان کے گھر گئی وہ بھی خوب تیار ہو کر مگر ایسی سادگی کے ساتھ جو بالکل نیچرل لگے' دن بھی اتوار کا تھا مگر اس کے باوجود اس ظالم اظہر عرف اجو سے ملاقات تو درکنار اس کے درشن بھی نہ ہو سکے' وہ گھر میں موجود نہیں تھا' ہاں جب ہم آرہے تھے تو وہ گھر میں داخل ہو رہا تھا۔

امی نے اپنی ساری شفقتیں' محبتیں اس پر وہیں چوکھٹ پر کھڑے کھڑے لٹا دیں اور میں..... میری دید نے جی بھر کر اپنی سیری کی کیونکہ وہ تو توقع کے عین مطابق میرے اور امی کے پیروں کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھا۔

"بیٹا اتنی دیر تمہارا انتظار کیا کسی دن چکر لگاؤ نا ہمارے گھر۔"

امی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے اپنے دوپٹے کے پلو سے باندھ لیں یا اپنے بڑے سے بیگ نما شولڈر پرس میں ڈال لیں۔

"مائیں بیٹیوں کے دلوں سے کتنی قریب ہوتی ہیں۔"

مجھے ان لمحات میں اندازہ ہوا امی اور میں دونوں ہی سرشار لوٹے تھے۔

امی کیوں خوش تھیں مجھے تو معلوم نہیں مگر میرا دل تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہا تھا' لمبی مناجات کے بعد تو دل کے صحرا میں دید کی بارش برسی تھی' میرا من من اس بارش میں بھیگا جا رہا تھا مجھے ارد گرد کا ہوش نہیں تھا تو امی کے بدلے بدلے سے انداز کہاں سوجھتے۔

"ہم بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں۔"

جب میں نے امی سے یہ بے پر کی بات کہی تھی اس وقت شاید قبولیت کی گھڑی پاس ہی کھڑی تھی' جو اس دن رشنا مجھ سے فون پر بولی۔

"ہم بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"ہیں' اور تم تو کہہ رہی تھیں تمہارے بھائی بھابی کہتے ہیں پہلے تمہارا رشتہ کریں گے۔"

میں مجھے دل سے بولی۔

"وہ تو لگے ہی ہوئے ہیں مگر بھائی کا بھی تو کرنا ہے لڑکی کون سی آرام سے مل جائے گی' ڈھونڈنے میں اتنے دن لگ جاتے ہیں۔"

وہ اسی بھولپن سے کہہ رہی تھی' جو اس کا خاصہ تھا اور جو مجھے پسند بھی تھا مگر آج..... میرا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

"اچھی لڑکی..... تو کیا میں اچھی لڑکی نہیں تھی۔"

وہ لڑکی ڈھونڈنے نکلیں گے تو کیا میں جو ہر روز اس سے بات کرتی ہوں' آئے دن آنے والے مہمانوں کے بارے میں بتاتی ہوں تو کیا اسے پتا نہیں چلتا کہ میں جو اس کی ہمدردی اور محبت کے اظہار میں اتنے خلوص کا اظہار کرتی ہوں اس سارے کا کیا مطلب ہے؟"

میرا دل جیسے درد کے مارے پھٹنے کو تھا۔

"اگر اسے میری دوست ہو کر میرے دل کی حالت کا علم نہیں تو ایسی دوستی کا کیا فائدہ؟ لعنت بھیجو ایسی دوستی پر۔"

میں نے فوری طور پر فون بند کر دیا۔

ہم دونوں کا رزلٹ آگیا تھا اور ہم دونوں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئی تھیں۔

"میں جاب کر رہی ہوں غوری صاحب بھائی جان کے دوست بھی ہیں اور بڑا اچھا امریکن سسٹم ٹائپ اسکول اسٹارٹ کر رہے ہیں' میں وہاں جاب کر رہی ہوں تم بھی کر لو کب تک بھائی کا دل جیتنے کے لیے خود کو گھر چولہے ہانڈی میں گھساتی رہو گی۔"

اب تو میں اس سے بات بھی کرتی تھی تو خفا خفا روٹھی سی..... مگر وہ احمق پھر بھی نہیں سمجھی۔

"ہاں جاب اس نے کر لی میرے ساتھ۔ غوری صاحب کا اسکول ہم دونوں کے گھروں کے درمیان میں تھا سو آنے جانے کی زیادہ دقت نہیں تھی خالی ذہنوں کو کچھ مصروفیت بھی مل گئی۔

"عافیہ ہم نے بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈلی ہے۔"

ہماری جاب کو ابھی چار ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک صبح رشنا نے مجھے بڑے جوش سے یہ خوشی کی خبر سنائی۔

"تم نے سنا نہیں کچھ۔"

میری گہری چپ پر وہ دوبارہ بولی۔

"ہوں اچھا مبارک ہو میں ذرا ابھی آتی ہوں۔"

میں... ایک دم سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔

اس سے زیادہ بہادر تو نہیں تھی میں اور اس دن رشنا کے فارغ ہونے سے پہلے ہی میں طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے گھر چلی آئی اور مجھے نہیں پتا تھا کہ شام کو ہمارے گھر میں خوشیوں کی بارات آنے والی ہے۔

میں تو اسکول سے گھر آکر جو کمرہ بند کر کے لیٹی تھی' شام کو میری بھابی نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹا کر مجھے اٹھایا۔

"جلدی سے نہا دھو کر آجاؤ ڈرائنگ روم میں امی بلا رہی ہیں۔" وہ خود ایمرجنسی میں تھیں' پیغام دے کر میرا جواب لیے بغیر چلی گئیں' میں غصے میں دروازہ بھیڑ کر پھر بیڈ پر آگر لیٹ گئی۔

"ارے میری بنو! کیا ابھی سے مایوں بیٹھ گئیں اٹھ کر کم از کم آکر اپنے بے چارے سسرالیوں سے مل تو لو۔"

رشنا کی کھلی ہوئی آواز سن کر میں اچھل ہی تو گئی تھی۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تو میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا' میں اپنے خوابوں کے سچے ہونے کے بارے میں میں اس قدر مشکوک تھی کہ کبھی کھل کر قبولیت کی دعا مانگی نہ انہیں مجسم کسی خواب میں دیکھ سکی۔

مگر ہمیں پیدا کرنے والا تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے تو پھر کیسے ممکن ہے اسے ہمارے دل کی لگن پتا نہ ہو ہمارے خوابوں ہماری بن مانگی مگر بے تاب دعاؤں کا علم نہ ہو۔

سو میرے ساتھ بھی یہی ہوا بن مانگی دعائیں میری جھولی میں تعبیر بن کر آگری تھیں اس میں کسی کی کاوش کسی کی کوشش تھی' نہ مجھے اس کی جستجو تھی نہ جاننے کی آرزو۔

البتہ ثروت بھابی نے اس رشتے میں اچھے خاصے روڑے اٹکانے کی کوشش کی کہ وہ اپنی کسی کزن کو دیورانی بنا کر لانا چاہتی تھیں' مگر تقدیر کے لکھے پر کس کا زور چلا ہے۔

میری بے قراریاں تھیں کہ امی کی دعائیں اور وظیفے یا کسی صفیہ آپی کی کوششیں یا رشنا کا کوئی ہاتھ مگر ٹھیک سات ماہ بعد میں دلہن بن کر اس گھر میں آچکی تھی' جس کو پہلی نظر دیکھتے ہی میرے دل نے چپکے سے اس میں بسنے کی آرزو کی تھی۔

ہے نا عجیب سی بات کہ جو چیز ہمارے مقدر میں ان مٹ تحریر ہوتی ہے' وہ نہ جانے کیسے ہمارے دل سے ہماری طبیعت سے خود بخود میل کھانے لگتی ہے' دل ادھر ہی کو مائل ہونے لگتا ہے۔

جیسے اس گھر کو پہلی نظر میں میں نے دل سے سراہا تھا اور میں اپنے دل میں طے کیا تھا کہ اگر میرا گھر مستقبل میں ہو گا تو وہ ایسا ہی ہو گا جدید اسٹائلش اور پھولوں پودوں سے ڈھکا ہوا۔

پھر رشنا کا پر خلوص ساتھ اس کی دوستی کی طرف کیسے پہلے ہی دن میرا دل لپکا تھا اور سب سے بڑھ کر اظہر... اجو... اونہوں..... میں نے تختی سے پہلی رات اجو... اونہوں اظہر کو اور بعد میں رشنا سے کہہ دیا تھا کہ اب انہیں کوئی "اجو" نہ کہے مجھے پسند نہیں اور رشنا تو یوں بھی آنکھیں بند کر کے میری ہر بات مانتی تھی اور میرے تو یہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا بھائی جسے پہلی نظر میں میں پسند تو کر چکی تھی مگر تھوڑا ہونق تھوڑا بدھو شرمیلا گھبرایا جس سے میں کچھ خائف بھی تھی' پہلی ہی رات اپنے دل میں چھپی میری محبت کے کیسے ان کہے قصے بیان کرنے لگا کہ مجھے اپنے جذبے اس کی شدت کے سامنے ہیچ محسوس ہونے لگے میں اس کی محبت میں پور پور ڈوبی تھی تو وہ سینے تک میری چاہت

www.pkdigest.com

میں غرق تھا۔

محبت کی سلطنت کا تخت و تاج پہلی ہی رات اس نے میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میں کیسی خوش نصیب تھی، کیسی بھاگوان جیسے بغیر کسی خاص بڑے نیک عمل کے ایسا اچھا شاندار اجر انعام ملا تھا کہ میرے پیر زمین پر نہیں ٹکتے تھے، بس ہواؤں ہی میں اڑی جا رہی تھی۔

ثروت بھابی کے ماتھے پر کچھ بل تھے مگر مجھے ان "بلوں" کی نہ پہلے پروا تھی نہ اب۔۔۔ اب تو میں اظہر کے دل کی ملکہ ہی نہیں، اس گھر میں ان کی برابر کی شریک تھی اور سب سے بڑھ کر رشنا جیسی بے ضرر نند کا مہرہ بھی میری جیب میں تھا۔ مجھے یوں لگتا جیسے ساری دنیا میری مٹھی میں آگئی ہو اور اس میں کوئی جھوٹ بھی نہیں تھا، میں خوش تھی بے حد خوش! میرے دل نے جو چاہا سو پالیا مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہوگا؟

☼ ☼ ☼

دن مہینوں میں مہینے سالوں میں یوں ڈھلتے چلے گئے کہ ان کے گزرنے کا نہ ان کے ڈھلنے کا مجھے کچھ احساس ہوا، نہ میں نے کوئی حساب رکھا اور سچ پوچھیں تو حساب رکھنے کا تو میرے پاس ٹائم تھا بھی نہیں۔ شادی کے ٹھیک تیرہ مہینوں بعد شمیر اور معیز ٹوئنز کی شکل میں میری گود میں تھے۔ قدرت نے میرے لیے خوشیاں بھی بونس کی شکل میں جمع کر رکھی تھیں، اور اب دو پے در پے مجھے مل رہی تھیں۔

امی تو ہمہ وقت میری بیٹی کو نظر نہ لگ جائے۔ اللہ میری بیٹی کو نظر بد سے بچائے کے وظائف کرتی رہتیں۔ ان کی طرف جاتی یا وہ میری طرف آتیں کبھی پھٹکری توے پر جلا کر اس کا پتلا بنتے دیکھ کر کسی حاسد سے تشبیہ دیتے ہوئے میری اور ازدواجی زندگی کی نظر اتارتیں تو کبھی سرخ مرچیں جلاتیں میں ان کی وہمی شکی طبیعت کا ہنس ہنس کر مذاق اڑاتی مگر دل ہی دل میں خود بھی اپنی خوشیوں کو نظر نہ لگ جانے کی دعائیں مانگتی رہتی۔ شمیر اور معیز کے بعد میں کم از کم چار سال کا وقفہ کرنا چاہتی تھی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

وہ دونوں ابھی ڈیڑھ دو سال کے تھے کہ رمشا میری گود میں آگئی۔ کتنا لڑی تھی میں اظہر سے اور پھر ہم دونوں نے اس بات کا پکا بندوبست کیا کہ یہ تین سے چار نہ ہونے پائیں مگر۔۔۔ اف ان تینوں نے مجھے تگنی کا ناچ نچا دیا تھا۔

سوچتی ہوں جو رشنا میرا ساتھ نہ دیتی تو جانے میں پاگل ہی ہو جاتی اگرچہ صفائی کے لیے اور کپڑے دھونے کے لیے الگ الگ ماسیاں آتی تھیں مگر ایک تو ان کے نخرے پھر آئے دن کی چھٹیاں۔۔۔ گھر کے سارے ہی کام ضروری ہوتے ہیں کہ ایک سے بھی فرار ممکن نہیں، ایسے میں ان تینوں میں سے کوئی نہ بیمار پڑ جاتا تو میری جان عذاب میں آجاتی۔

ثروت بھابی تو دو سال پہلے ہی اوپر شفٹ ہو کر اپنا کچن علیحدہ کر چکی تھیں اس لیے اپنا کچن، گھر کے سارے کام پھر تینوں بچوں کو سنبھالنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف تھا۔

رشنا نے جاب جاری رکھی تھی، اسکول سے آتے ہی وہ پہلے میرے ساتھ کچن کا کام کرواتی ماسی کوئی چھٹی پر ہوتی تو صفائی یا کپڑوں کا کام کرواتی بچوں کے کپڑے بھی تو روز ہی دن میں بے شمار گندے ہو جاتے تھے پھر استری کا ڈھیر اور نہ جانے کیا کیا۔

رشنا اچھی تو بہت تھی مددگار بھی مگر اس کی میسنی عادتیں مجھے اب سخت زہر لگنے لگی تھیں، کام کے انبار لگے ہوتے اور وہ چپکے سے میری نظر بچا کر اوپر ثروت بھابی کی طرف چلی جاتی تو گھنٹوں نیچے نہ اترتی بلکہ اکثر کیا روز ہی ان کا رات کا کھانا وہی پکا کر آتی تھی، صرف کھانا کیا کپڑے دھونا استری کرنا بچوں کو پڑھانا بھابھی گھر پر نہ ہوں تو ان کو سنبھالنا سب اس کے ذمہ ہوتا اور وہ یوں ان کے ساتھ گھل مل کر کام میں جتی رہتی، جیسے وہی اس کی سب سے بڑی ہمدرد ہیں اور میں غیر۔

اب تو وہ کبھی مجھ سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں کرتی تھی ساتھ ساتھ کام بھی کر رہے ہوتے تو بس

ہی روزانہ کی سرسری باتیں یا بچوں کی باتیں۔۔۔ وہ تو اسکول کی بھی کوئی بات مجھ سے نہیں کرتی تھی، اگرچہ اس نے وہاں ایک دو دوست بنا ہی لی تھیں۔

رشتہ اس کا اب کوئی بھولے سے آجائے تو آجائے ورنہ تو جیسے کسی کو کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی تھی، چار سال تو میری شادی کو ہونے آئے تھے چھبیسویں سال میں وہ لگ چکی تھی اور مسلسل چپ چپ رہنے سے اس کے چہرے پر کیسا پکا پن سا آگیا تھا جیسے کسی ستر برس کی بڑھیا کا چہرہ ہو۔

وہ کسی مشین کی طرح کام میں لگی رہتی فارغ ہوتی تو اپنے کمرے میں گھس جاتی اور ایسی فراغت تو اسے رات گیارہ بجے کے بعد ہی ملتی تھی۔

"تم جاب چھوڑ دو، تھک جاتی ہوگی۔"

شروع شروع میں جب شمیر اور معیز کو سنبھالنا میرے لیے ناممکن [illegible] نے اس کی ہمدردی میں مشورہ دیا تھا جسے اس نے رد کر دیا تھا دوبارہ کسی نے اسے یہ مشورہ نہیں دیا یوں بھی اسے اب اچھی خاصی تنخواہ ملنے لگ گئی تھی، سینئر ٹیچر کی سیٹ جو مل گئی تھی اور اس کی تنخواہ سے اکثر بچوں کے قیمتی کپڑے کھلونے جوتے آجاتے یا وہ اپنا خرچ نکال لیتی یوں کسی پر بوجھ بھی نہیں تھی۔

"ہمارا تین روزہ ورکشاپ ہے اسلام آباد میں اور غوری صاحب نے میرا نام لسٹ میں ڈال دیا ہے۔"

اس رات بائے چانس سب اکٹھے تھے، جب اس نے گویا دونوں بھائیوں کو اطلاع دی دونوں نے کوئی بھرہ نہیں کیا البتہ ثروت بھابی نے کچھ معنی خیز انداز میں پہلے اسے اور پھر مجھے دیکھا۔

"ایسی کون سی ورک شاپ ہے، رہنے دو تم وہ بھی تین دنوں کے لیے۔" میں نے فوراً کہا۔

"جانے دو بھئی ذرا رشنا کی بھی آؤٹنگ ہو جائے گی اور تین دنوں کی کیا بات ہے۔"

اظہر صاحب نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری، میں نے ایک دو جملے معترضہ کہے، کچھ ثروت بھابی نے بھی اختلاف کیا مگر کوئی خاص دلیل تھی نہیں اس لیے رشنا

ماہنامہ
حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور

ستمبر کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

ستمبر 2008 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ گلوکارہ "رابی پیرزادہ" سے ملاقات،
☆ "ہاری بھی تو تیری پیا" فرحت شوکت کا مکمل ناول،
☆ "اسے ہم سے بھی محبت ہے" ہمارا کا مکمل ناول،
☆ "نیلا موسم" سعدیہ امل کاشف کا سلسلے وار ناول،
☆ "خواب زندگی میں گم ہیں" تحسین اختر کا ناولٹ،
☆ "جگنو کے دیس میں" قدسیہ یاسمین کا ناولٹ،
☆ "میرے چارہ گر میرے مہربان" تحسین اختر کا سلسلے وار ناول،
☆ "عجب سلسلے ہیں وفا کے" سعدیہ امل کاشف کا سلسلے وار ناول،
☆ ثمینہ شیخ، نازیہ ضیاء، سعدیہ امل کاشف، عائشہ مصطفےٰ اور عقیلہ ہاشمی کے افسانے،

اس کے علاوہ

پیارے نبی ﷺ کی باتیں، انشاء نامہ، انٹرویو، شوبز کی دنیا کی دلچسپ معلومات اور عید سروے کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں

ستمبر 2008ء کا شمارہ

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

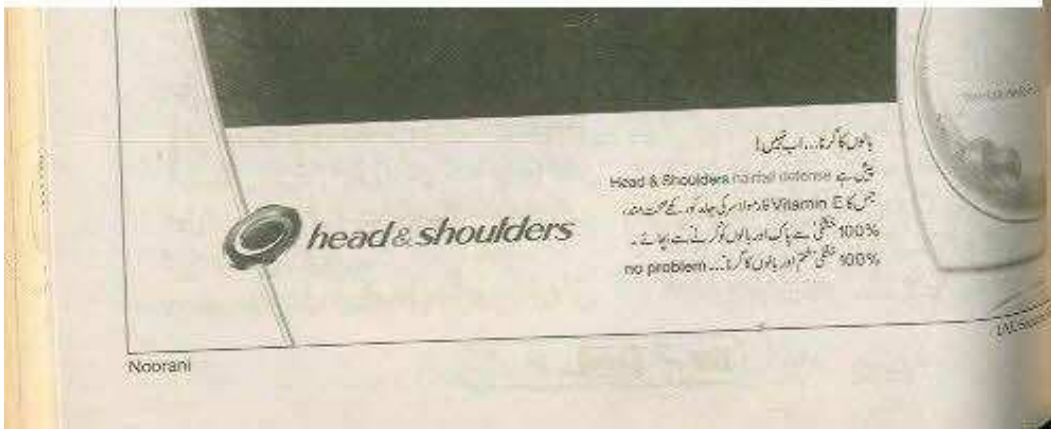

کو جانے کی اجازت مل گئی کیونکہ ان ہی تاریخوں میں اظہر کو بھی اسلام آباد جانا تھا' سو رشنا کا جانا اظہر کے ساتھ طے پا گیا۔

وہ دونوں اکٹھے ہی تین دن بعد واپس آئے تھے۔

میں مسلسل کام کے بوجھ سے ان تین دنوں میں پاگل سی ہو گئی تھی۔ ماسی نے بھی ان تین دنوں میں ایک چھٹی مار لی تھی۔ رشنا کچھ اور بھی چپ گم صم سی ہو گئی تھی' دو ایک بار ٹوکا بولی کچھ نہیں اور اس کی چپ کا راز اگلے ہفتے کھل گیا۔

غوری صاحب کے کزن کا پرپوزل آیا تھا رشنا کے لیے جس کے اسلام آباد مری اور شمالی علاقہ جات میں تین ہوٹلز تھے۔ ہوٹل مینجمنٹ میں اس نے ماسٹر کے علاوہ ڈپلومے بھی لے رکھے تھے' دیکھنے میں گڈ لکنگ اور چارمنگ تھا کہ پہلی نظر میں میں بھی دھک سے رہ گئی' بالکل اسی طرح جیسے اظہر کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"کیا اب رشنا کے لیے کسی ڈھابے والے کا رشتہ قبولا جائے گا ہم لوگوں کا کوئی اسٹیٹس کوئی اسٹینڈرڈ نہیں۔"

ان دونوں بھائیوں کی خوشی کو میرے ایک ہی جملہ اعتراض نے بھک سے اڑا دیا تھا' پھر ثروت بھابی کی چہ میگوئی۔

"یہ رشنا کا اسلام آباد جانا' وہیں جواد احمد کا ملنا اور پرپوزل بھیجنا یوں بھی وہ غوری صاحب کا کزن ہے' آنا جانا تو ہو گا ان کے اسکول میں' رشتہ کر دیا تو سوچیں لوگ کہاں تک نہیں سوچیں گے اور کیا کیا باتیں نہیں بنائیں گے' اتنی عزت اور غیرت کی پروا تو ہونی چاہیے۔"

ثروت بھابی کا اعتراض مجھ سے بھی وزنی تھا' سو خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آ گیا۔

اس دوران کئی بار مجھے لگا رشنا کی آنکھوں کے نیلگوں فرش پر سرخ ڈوروں سے کسی نے کڑھائی کر دی ہو' اس کے چہرے پر ایسی لالی اور سفیدی رکھی تھی جیسے وہ عرق گلاب اور نمکین پانیوں سے منہ دھو کر آئی ہو۔

"مظلوم بننے کا شوق ہے اور کیسی گھنی جو دل کی بات کرتی ہو' خود ہی آنکھ مٹکا کر کے اب مظلوم بنی پھرتی ہے۔"

میرے دل میں ان چاہا سا تنفر بھر گیا تھا۔

ان ہی دنوں میری کزن ناجیہ تین دن کے لیے کراچی سے آئی اس کے ہسبینڈ کو یہاں کوئی کام تھا۔

اس کے آنے کی مجھے ایسی خوشی ہوئی جیسے کوئی برسوں بعد بچھڑا اپنا آن ملا' ہو ہم دونوں نے پرائمری تک اکٹھے پڑھا تھا' یعنی جہاں ابا کا تبادلہ ہوتا عموماً وہیں خالو بھی بھیج دیے جاتے' یوں ہم دونوں اتفاقاً ہر کلاس میں اکٹھے ہو جاتے صرف انٹر میں وہ رحیم یار خان میں رہ گئے تھے اور ہم لاہور آ گئے تھے۔ اب جیسے بچپن لڑکپن کے بھولے بسرے دنوں کو یاد کرنے کا موقع ہمیں مل گیا تھا' اس کا میاں صبح اپنے کام سے نکل جاتا اور ہم دونوں اپنے اپنے بچے اور گھر کے سارے کام ایک طرح سے رشنا پر ڈال کر جو ناشتے کے بعد چائے کے مگ لے کر بیٹھتیں تو عموماً" دوپہر کے کھانے کی خوشبو پر ہی اٹھتیں' جو کچن میں تیار ہونے کے آخری مراحل میں ہوتا۔

میں نے ناجیہ اور اس کے بچوں کے لیے بڑے اچھے گفٹ خریدے' وہ بھی میرے لیے اور میرے بچوں اور اظہر کے لیے تحائف لائی تھی سو ریٹرن تو لازمی تھا۔

صبح اس کو چلے جانا تھا تو بجے ان کی فلائیٹ تھی آج اس کی ادھر آخری رات تھی اور ہمیں یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ہماری کئی جنم کی باتیں ادھوری ہیں۔ بچوں کو اپنے اپنے میاؤں کے حوالے کر کے ہم دونوں اوپر ٹیرس پر چلے آئے۔

"رشنا! زبردست سی چائے کے دو کپ تو ذرا اوپر دے جانا۔"

میں اوپر آتے ہوئے رشنا سے کہہ آئی تھی' جو کچن میں ڈنر کے بعد ہونے والے برتنوں کا انبار دھونے میں لگی تھی' وہ دس منٹ میں ہمیں چائے اوپر پہنچا گئی۔

خیر تین دن تو جیسے پر لگا کر اڑ گئے نہیں کم از کم

ہفتہ بھر کے لیے تو آنا چاہیے تھا۔"

میں نے فضا میں گہرا سانس لیتے ہوئے کہا' آج موسم خلاف معمول اچھا تھا' نرم سی ہوا چل رہی تھی جس میں ٹھنڈک بھی تھی۔

"اب تم آنا کراچی اور کم از کم پندرہ دن کے لیے۔"

اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"تم تین دنوں کے لیے اور میں پندرہ دنوں کے لیے واہ۔"

میں نے احتجاجاً" کہا۔

"کامران بھائی کو بھیج دو' تم ہفتہ بعد چلی جانا۔"

"ناممکن۔"

اس نے فوراً" کہا۔

"یار! چائے بڑی زبردست ہے۔"

"ہوں۔"

میں نے بھی تائید کی۔

عافیہ! رشنا تمہاری وہی دوست ہے نا جو کالج میں تھی اور تم ہمیشہ مجھے خط میں فون پر کہا کرتی تھیں کہ تمہیں فخر ہے دنیا میں تمہارا ایک ایسا مخلص اور دل سے محبت کرنے والا دوست بھی ہے' جو ہر مشکل گھڑی میں تمہاری ڈھارس بن سکتا ہے۔"

ناجیہ نے اتنے اچانک کہا کہ میں فوراً" کوئی جواب ہی نہیں دے سکی۔

"اور۔۔۔ تم بھی اس سے ایسی ہی بے لوث دوستی اور محبت کی دعوے دار تھیں کہ تم دنیا میں اس کی واحد خیر خواہ ہو اور۔۔۔ یہ کہ رشنا کی بھابی دنیا کی عجیب ترین عورت ہے' دوغلی اور خود غرض اپنے مفاد کے لیے اس سے کسی غلام اور لونڈی کی طرح بیگار لینے والی اور دنیا کے سامنے ایسے جیسے اس سے بڑی رشنا کی ہمدرد اور کوئی ہے ہی نہیں اور اگر تمہیں دنیا میں ایک کسی شخص کو مارنے کی اجازت ہوتی تو وہ تم رشنا کی بھابی کو مار کر اپنے اس حق کو استعمال کرتیں کہ وہ اس بے زبان بھولی لڑکی کو جس طرح سے ایکسپلائٹ کر رہی ہیں اسی سلوک کی مستحق ہیں۔"

ناجیہ سانس لیے بغیر مجھے کوئی موقع دیے بغیر بولتی چلی جا رہی تھی۔

"اور رشنا بے زبان جانور کی طرح اس کے ہر فریب کو محض بھائیوں کی پناہ اور گھر کی چار دیواری کی خاطر سہے جا رہی ہے اور احتجاج کے لیے اس کے منہ پر ایک جملہ نہیں آیا' اس کی بھابی جو بظاہر اس کی سب سے بڑی خیر خواہ بنتی ہیں اسے پھنسانے کے لیے آئے دن خاص مہمانوں کی دھوم بھی مچائے رکھتی ہیں کہ لوگوں کو پتا چلے کہ وہ اس کی کتنی فکر کرتی ہیں۔ یہی سب کچھ تم کہا کرتی تھیں نا اپنی اس اکلوتی قابل رحم حالات میں صابر شاکر رہ کر کسی پر ظاہر کیے بغیر بھائیوں کی عزت سنبھال کر بیٹھنے والی' رشنا کے بارے میں۔"

وہ رکی۔

"اور اب یہاں آکر تین دن رہنے کے بعد مجھے ایسے لگ رہا ہے رشنا کی بھابی' ثروت بھابی نہیں تم تھیں۔ اگر وہ ایسی تھیں تو تم اس منصب پر آتے ہی ان جیسی بن گئیں' یاد ہے تم نے آخری بار مایوں میں بیٹھے مجھے کیا کہا تھا کہ ناجیہ! شاید قدرت نے رشنا کے لیے کسی آسان زندگی کا فیصلہ کر لیا ہے جو میں اس کی بھابی بن کر جا رہی ہوں' دیکھنا میں کیسے اس کی زندگی کو بدل کر رکھ دوں گی۔

اور میری دوست! مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے اس کی زندگی کو واقعی "بدل" کر رکھ دیا ہے۔ پہلے اسے ایک بھابی کی طرف سے دکھ ملتے تھے تم نے ان کو ڈبل کر دیا اور اس سے دکھ سکھ کہنے والی "دوست" کو بھی چھین لیا۔

"کیا تمہیں اس کی آنکھوں کی ویرانی اور چہرے کی وحشت نظر نہیں آتی اپنے کاموں کے انبار' اپنے مفاد اپنی ضروریات اور خود غرضی کے آگے شاید وہ تمہیں ایک ہیبتی صورت لگتی ہے' جو کبھی تمہارا دم بھرتی ہے تو کبھی ثروت بھابی کا۔۔۔ کبھی سوچا تم نے کس طرح اس کی زندگی کو ہزار مشکلوں سے دوچار کر دیا ہے اور اس کے لیے فرار کی ایک بھی راہ نہیں چھوڑی۔

معمولی رشتے تم لوگ "رشنا" کے قابل نہیں کہہ کر ٹھکرا دیتے ہو اور خاص رشتے جیسے تم نے ڈھا ہے

والے کا رشتہ کہہ کر شاید کسی حسد یا رقابت میں آکر مسترد کروا دیا کہ یہ معمولی بے وقوف بدھو سی رشنا ایک دم سے چھ ہوٹلوں کے مالک خوبرو ویل ایجوکیٹڈ شخص کی بیوی بن کر کیسے تم سے برتر ہو جائے گی یہ تو تم برداشت نہیں کر سکو گی۔

میں تمہاری دوست ہوں عافیہ! اور یہ باتیں بہت سخت ہیں اور کوئی دوست کسی دوست سے نہیں کہتا اگر وہ اس سے مخلص نہیں۔۔۔ میں تمہیں بہت اچھا بہت نیک فطرت' حساس اور دوسروں کی پست حالت پر کڑھنے اور ان کی بہتری کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے والا سمجھتی تھی مگر تم تو رشنا کی بھابی بنتے ہی اپنا اصلی چہرہ بھی مسخ کر بیٹھیں۔

میں تم سے یہ سب کبھی نہ کہتی اگر میرے دل میں تمہاری محبت نہ ہوتی ویسی عارضی اور دکھاوے کی محبت نہیں' جیسی تم رشنا سے کرتی تھیں' یہ چلتی پھرتی آرزوؤں کی زندہ لاش ذرا خود کو اس کی جگہ پر رکھ کر سوچو اور ذرا اگر تمہیں برا نہ لگے دل پر ہاتھ رکھو اور سوچو خدانخواستہ اگر رشتہ کے ساتھ شبیر اور معیز کی بیویاں ایسا سلوک کریں گی تو تم پر۔۔۔"

"پلیز چپ کر جاؤ۔"

میں روتے روتے پھٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"عافیہ میری دوست میں تمہیں کسی مظلوم کی آہ سے بچانا چاہتی ہوں' ہم خود کو معمولی معمولی برائیوں میں انوالو کرتے اتنے بے خبر ہو جاتے ہیں کہ پھر ہمیں اپنے وجود میں پنجے گاڑ کر بیٹھی یہ برائیاں برائیاں ہی نہیں لگتیں' اپنے وجود کا حصہ لگنے لگتی ہیں' تمہیں جو برائیاں کل تک ثروت بھابی میں نظر آتی تھیں' جنہیں تم دیکھ کر کڑھا کرتی تھیں' آج تم ان کا چلتا پھرتا اشتہار بن چکی ہو اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں۔

دوستی کے رشتے کو تو شاید تم نبھانے کے قابل نہیں' ایک بھاوج کے رشتے کی لاج رکھ لو۔۔۔ ورنہ شاید رشنا کی خاموش ریاضتیں اس کی ویران راتوں کی سسکیاں خدا نہ کرے تمہاری اس ہنستی بستی جنت کو۔۔۔ پلیز۔"

ناجیہ میرا کندھا ہلا رہی تھی اور میں روئے جا رہی تھی یہ کیا ہوا کس نے میرے آگے اتنا سچا کھرا آئینہ رکھ دیا ہے اور اس آئینے میں نظر آنے والے بھیانک عکس کا پرتو کیا میں ہو سکتی ہوں' مجھے اس آئینے میں دیکھنے سے خوف آ رہا تھا۔

ہم اپنے پیمانے صرف اپنے لیے سیٹ کرتے ہیں جب دوسروں کے بارے میں سوچنا ہو تو ہم جھٹ سے پیمانے بدل لیتے ہیں' میں نے بھی پیمانے بدل لیے تھے' اپنے لیے اور رشنا کے لیے اور ناجیہ ابھی بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' میں تو بس روتے ہوئے اس بھیانک عکس کو مٹانے کی کوشش میں لگی تھی' جو اس کے آئینے میں جڑا تھا اور مجھے یہ بھی پتا ہے یہ عکس آنسوؤں سے نہیں مٹے گا بلکہ جس چیز سے مٹے گا اس کا بھی مجھے علم ہو چکا ہے۔

مجھے اب ناجیہ سے کوئی عہد نہیں باندھنا نہ خود سے۔۔۔ بلکہ اب مجھے کوئی زبانی یا خاموش عہد نہیں کرنا۔۔۔ بلکہ عملی طور پر کچھ کرنا ہے کچھ ایسا کہ رشنا کی آنکھوں کے نیلگوں فرش پر مجھے دوبارہ وہ سرخ ڈوروں والی کڑھائی کبھی نظر نہ آئے' مجھے صرف اس کا اہتمام کرنا ہے' اور مجھے یقین ہے اس میں اب اور دیر نہیں ہوگی۔

★

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
ائیر ہوسٹس
اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

گراشدہ رفعت

زندگی کا سفر

ہال کمرے میں آج پھر عدالت جمی تھی۔ دادی جان' تایا ابو' پاپا' تائی جان اور سب سے بڑھ کر انتہائی طیش میں آئی ہوئی ملیحہ پھوپھو۔ وہ ایسے ملزم کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی' جو جرم کی صحت سے تو انکار کرے مگر جس کو سزا ملنے کی پوری امید ہو۔

"آخر کیا ملتا ہے تمہیں وہاں جا کر۔ ہزار بار منع کر چکے ہیں مگر بات تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آتی۔" ملیحہ پھوپھو جن کے مستقبل میں اس کی ساس بننے کے روشن امکانات تھے' بار بار کرسی پر پہلو بدل کر کڑے تیوروں سے استفسار کر رہی تھیں۔

"میں وہاں نہیں گئی۔" اس نے منمناتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا امجد جھوٹ بول رہا ہے۔" تائی جان چمک کر بولیں۔

"ہو سکتا ہے' امجد کو غلط فہمی ہوئی ہو۔" دادی جان تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

"ناممکن' اسے سو فی صد یقین ہے کہ وہ حمنیٰ ہی تھی۔"

"تو وہ کیا کر رہا تھا وہاں؟" اس کے جی میں تو آئی کہ پوچھ لے مگر اس گستاخی کی کڑی سزا مل سکتی تھی' سو چپ رہی۔

"بہرحال آئندہ تم وہاں گئیں تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھے پاپا نے سرد لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ وہ اس طرح کا طرز تخاطب بہت کم استعمال کرتے تھے۔ یہ ان کی طرف سے شدید ناراضی کا

www.pkdigest.com

مکمل ناول

اظہار تھا۔ اس نے تصور میں اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگوں کو دیکھ کر جھرجھری لی تھی۔

"نہیں ہارون! یہ لڑکی اس طرح نہیں مانے گی اس کا کچھ اور علاج کرنا پڑے گا۔" تایا جان نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولے پھر ملیحہ پھوپھو کی جانب رخ کیا تھا۔

"حارث ملائیشیا سے کب آرہا ہے؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"ابھی مہینہ تو لگے گا۔" ملیحہ پھوپھو نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ جواباً" تایا جان نے بھی پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا تھا۔ پھر قدرے توقف کے بعد حمنیٰ کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے' اب تم جاسکتی ہو مگر خبردار آئندہ وہاں گئیں تو تجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" تایا جان کے کہنے پر اس نے بے یقینی سے پہلے انہیں اور پھر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا۔ آج کی پیشی صرف پچیس منٹ پر مشتمل تھی۔

"میں جاؤں۔" اپنی برمت پر ابھی بھی یقین نہ آیا تھا' سو ڈرتے ڈرتے دوبارہ تصدیق چاہی۔ تایا جان نے انتہائی برہمی کے انداز میں اثبات میں گردن ہلادی تھی۔ وہ اتنی تیزی سے رفو چکر ہوئی جیسے خطرہ ہو کہ کوئی دوبارہ نہ روک لے۔

"کیا ہوا؟" باہر طوبیٰ انتہائی فکر مندی سے ٹہل رہی تھی۔

"لڑکا۔" اس نے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا۔

جواباً" طوبیٰ نے اسے بری طرح گھورا تھا۔

"جسٹ جوکنگ یار! دراصل تمہیں ٹہلتا دیکھ کر یوں لگ رہا تھا' جیسے کوئی لیبر روم کے باہر خوش خبری کے انتظار میں ٹہل رہا ہو۔"

"شٹ اپ حمنیٰ! کتنی بے تکی باتیں کرتی ہو تم۔ یہ بتاؤ پاپا وغیرہ نے کیا کہا؟" طوبیٰ اندر کے اجلاس کی ساری تفصیل جاننا چاہ رہی تھی۔

"کہنا کیا تھا! بس مجھے آئندہ وہاں جانے سے منع کردیا۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

"آرام سے منع کردیا' ڈانٹ نہیں پڑی؟" طوبیٰ نے بے یقینی سے پوچھا۔

"پتا نہیں یار! ڈانٹیں کھا کھا کر اتنی ڈھیٹ ہوگئی ہوں کہ اب لگتا ہی نہیں کہ کوئی ڈانٹ رہا ہے' بالکل معمول کی بات لگتی ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ طوبیٰ اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ تمہارے موبائل میں کریڈٹ ہے۔" حمنیٰ کو کچھ یاد آیا تو اچانک پوچھا۔

"کیوں کس کو فون کرنا ہے؟" طوبیٰ نے پوچھا۔

"حارث کو اس سے پہلے ملیحہ پھوپھو اس کو فون کرکے میری شکایت لگائیں میں کم از کم اپنی صفائی تو پیش کردوں۔" وہ اپنے اور طوبیٰ کے مشترکہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"کیوں تمہارا موبائل کہاں گیا کہیں پاپا وغیرہ نے تو....."

"ارے نہیں شکر ہے پاپا وغیرہ کا دماغ تمہاری طرح اتنا تیز نہیں چلتا' ورنہ سب سے پہلا خیال انہیں میرا موبائل چھیننے کا ہی آنا چاہیے تھا۔" وہ مسکرائی پھر وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

"دراصل میں اپنا موبائل مینا کو دے آئی ہوں۔ اس کی نانی کی طبیعت کافی خراب تھی۔ مینا بے چاری بہت پریشان ہورہی تھی۔ مجھے فوری طور پر تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اپنا موبائل دے دیا تاکہ اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو مجھ سے رابطہ کرلے۔"

"کس نمبر پر.....؟" طوبیٰ نے کڑے تیوروں سے استفسار کیا۔ وہ ہنس پڑی۔

"ظاہر ہے گھر کا نمبر تو دے نہیں سکتی تھی۔ جانے کون فون اٹھالے۔ تمہارا ہی دیا ہے۔"

"اور جو گھڑی گھڑی تمہاری دوستوں کے فون آتے ہیں مینا کس کس کو ریسیو کرے گی۔" طوبیٰ کا دماغ واقعی بہت آگے کی سوچتا تھا۔

"اُفوہ یار! کل جاؤں گی تو اپنی سم واپس لاکر اسے نئی سم ڈلوادوں گی۔ موبائل تو میں نے ویسے ہی چینج کرنا تھا۔ بہت پرانا ماڈل ہوگیا ہے۔ حارث بھی پوچھ رہا تھا ملائیشیا سے کیا لاؤں۔ سوچ رہی ہوں۔ کسی اچھے سے ماڈل کے موبائل کی فرمائش کردوں لیکن پھر سوچتی ہوں کہ وہ تو مہینے بعد آئے گا اتنے....."

وہ جانے کیا کیا بول رہی تھی مگر طوبیٰ کا دھیان پہلے فقرے میں ہی اٹک گیا تھا۔ ویسے کل جاؤں گی تو.....

"کیا ہوا ایسے کیا گھور رہی ہو؟" بات مکمل کرنے کے بعد طوبیٰ کی گھورتی نگاہوں کا احساس ہوا تو مسکرا کر پوچھا۔

"تم کس مٹی کی بنی ہو حمنیٰ میرے واقعی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"سمجھ میں مجھے خود بھی نہیں آتا' ویسے اتنا مجھے یقین ہے کہ میں کم از کم اس مٹی سے بالکل نہیں بنی جس سے ملیحہ پھوپھو' تایا جان اور پاپا بنے ہیں' اور شاید میری مٹی تم سے بھی مختلف ہے۔ تم جتنی بزدل نہیں ہوں میں۔ ویسے طوبیٰ! سچ کبھی کبھی مجھے تم میں اور مینا میں اتنی مشابہت نظر آتی ہے کہ حد نہیں۔ وہ بھی بالکل تمہاری طرح ہے ذہین مگر بزدل' ڈرپوک اور کم ہمت۔"

"اگر تایا جان اور پاپا کو پتا چل گیا کہ تم دوبارہ وہاں گئی ہو تو سوچو کیا ہوگا۔" طوبیٰ نے اسے ڈرانا چاہا۔

"زیادہ سے زیادہ مجھے شوٹ کردیں گے اور کم سے کم مجھے ڈانٹ لیں گے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کے درمیان بھی ایک راستہ ہے مائی ڈیئر۔" طوبیٰ مسکرائی۔

"وہ کیا.....؟" اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"وہ یہ کہ حارث کے آتے ہی تمہیں اس کے سنگ رخصت کرکے پھوپھو کے گھر بھیج دیا جائے گا۔"

"سو واٹ' شادی کے بعد حارث کی سپورٹ حاصل ہوجائے گی' پھر تو دھڑلے سے مینا کے گھر جایا کروں گی۔" وہ مزے سے بولی تھی۔

"اچھا اب موبائل تو دے دو۔" طوبیٰ کی پریشان شکل دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اسے کافی سے زیادہ ستا چکی ہے۔ تب ہی بات بدلی تھی۔ "بیلنس نہیں ہے۔ کرامت (ملازم) سے کہہ کر لوڈ کروالو۔" طوبیٰ نے سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھا کر اسے تھمایا تھا۔

"چلو چھوڑو' رات تک حارث کا فون خود ہی آجائے گا۔" اس کا پروگرام بدل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امجد! دیکھو یہی وہ لڑکی ہے نا' جو صبح تمہارے ساتھ تھی۔" رات کے کھانے پر جب سب لوگ بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ اس نے ٹی وی اسکرین کی طرف اچانک اشارہ کرکے امجد کو مخاطب کیا۔

"کون؟" امجد بری طرح گڑبڑا گیا۔

"بے وقوف انسان اور کرو میری جاسوسیاں۔" اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔

"ویسے ٹی وی پر اتنی پیاری نہیں لگ رہی' جتنی نزدیک سے دیکھنے پر لگتی ہے نا امجد!" آج دن میں جب اس پر جرم ثابت کیا جاچکا تھا تو وہ اسے کیوں بخشتی۔ امجد کو اس کی آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ بڑی کمینی سی لگی۔

"میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا۔ آج اتفاقاً" اسے گھر ڈراپ کرنے چلا گیا تھا۔" اس نے اس موقع پر اتنی ہی بے تکی بات کی' جتنی اس سے توقع تھی۔ تائی جان نے جز بز ہو کر کرسی پر پہلو بدلا تھا۔

"تنویر! خدا کے لیے اس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا بزنس ختم کردو' ماربل اور گلاس فیکٹری کا کاروبار اس گھر کو چلانے کے لیے بہت ہے۔" دادی جان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"کیا منافقت ہے بھئی میرے لیے کھنڈا سجالیا گیا اور امجد کے بچے کو کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" اسے سب لوگوں کی خاموشی پر ٹھیک ٹھاک تاؤ چڑھا تھا۔

عیدالاضحیٰ کا تحفہ
کھانا خزانہ
سنجیو کپور کا نیا ایڈیشن
جس میں گوشت کے پکوانوں
کی 25 لذیذ ترکیبیں
20 خوبصورت رنگین تصاویر
نئے ایڈیشن میں -/25 روپے کی خصوصی رعایت
نئی قیمت -/225 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
آج ہی منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی۔
فون: 2216361

www.pkdigest.com

"طوبیٰ باجی! آپ کا فون بج رہا ہے۔" اسی لمحے صغریٰ بجتا ہوا موبائل لے کر طوبیٰ کے پاس آئی تھی' طوبیٰ نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر اسکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھا۔

"میری دوست کا فون ہے' بہت لمبی بات کرتی ہے' کھانے کے بعد خود کرلوں گی۔" طوبیٰ نے موبائل آف کرکے خود کلامی کی۔

"تمہاری ایسی کون سی دوست بن گئی لمبی بات کرنے والی۔" حمنیٰ نے سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھاتے ہوئے یونہی سوال کیا' جواب میں طوبیٰ نے تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

"اوہ۔" اس نے ایک دم ہونٹ سکیڑے' معاملہ سمجھ میں آگیا تھا۔

"کیا بات ہے حمنیٰ! آپ ٹھیک سے کھانا کیوں نہیں کھا رہیں' صرف سلاد سے پیٹ بھرنا ہے۔" پاپا نے اسے ٹوکا۔

"جی پاپا!" اس نے جلدی سے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن بھی ڈالا تھا۔

پاپا کی موجودگی میں کھانے کی میز سے جلد اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سو ہر ڈش سے باری باری انصاف کیا مگر جیسے ہی پاپا اٹھ کر اپنے کمرے میں گئے وہ بھی طوبیٰ کی گود سے موبائل اٹھا کر کھسک لی۔ مسڈ کالز چیک کرنے سے معلوم ہوا کہ ذرا دیر پہلے فون مینا کا ہی تھا۔

"اللہ جی خیریت ہی ہو' اس وقت مینا نے بلوایا تو کیا بہانہ بنا کر گھر سے نکلوں گی۔" گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے زیر لب دعا کی پھر موبائل پر نمبر ملایا تھا۔

"ہاں مینا! کو نانی کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" مینا کے ہیلو کے جواب میں اس نے پہلا سوال نانی کی طبیعت کے بارے میں ہی کیا۔

"نانی کی طبیعت تو ٹھیک ہے حمنیٰ لیکن..." مینا نے ہچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

"لیکن کیا؟" اس کے ادھورے فقرے نے حمنیٰ کو پریشان کیا تھا۔

"میں تمہارا موبائل آف کرنا بھول گئی تھی جیسے ہی بیل بجی' میں سمجھی تم نے فون کیا ہے لیکن..." مینا کی سوئی ایک بار پھر لیکن پر اٹک گئی۔

"کس کا فون تھا۔ میری کوئی دوست ہوگی کوئی بات نہیں۔ پریشان ہونے کی قطعاً" ضرورت نہیں۔" اس نے مینا کو تسلی دی۔

"نہیں۔ وہ شاید حارث بھائی تھے پتہ نہیں کیا' کیا کہہ رہے تھے وہ تو جب انہوں نے کہا کہ میں ہی بولتا رہوں گا یا تم بھی کچھ بولو گی پھر میں نے جلدی سے موبائل آف کردیا۔"

"بس یہی مسئلہ تھا یا کچھ اور..." حمنیٰ کو ہنسی آگئی۔

"کچھ غلط تو نہیں ہوگیا حمنیٰ۔" وہ فکرمند ہوئی۔

"نہیں بابا! کچھ غلط نہیں ہوا' ڈونٹ وری۔" اسے ڈھیر ساری تسلی دینے کے بعد اس نے مسکرا کر حارث کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"ہاں طوبیٰ! سناؤ کیسے یاد کیا؟" حارث نے بشاشت سے دریافت کیا نمبر دیکھ کر اسے غلط فہمی ہوئی تھی' حمنیٰ مسکرادی۔

"طوبیٰ تمہیں کیوں یاد کرنے لگی یہ میں ہوں حمنیٰ۔" اس نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

"جی فرمایئے کیسے فون کیا؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد حارث نے لٹھ مار انداز میں دریافت کیا تھا۔

"خفا ہو؟" اس کے انداز پر حمنیٰ کو ہنسی آگئی تھی۔

"بندے کی کیا مجال کہ خفا ہوسکے۔" اسی انداز میں جواب دیا۔

"لگتا ہے پھوپھو نے تمہیں فون کردیا ہے۔ میں طوبیٰ سے یہی کہہ رہی تھی کہ اس سے پہلے پھوپھو تمہیں..."

فار گاڈ سیک حمنیٰ! تم اپنی حرکتیں کب چھوڑو گی۔" حارث نے زچ ہوکر بات کاٹی تھی۔

"میں نے ایسا کیا کردیا ہے حارث!" وہ بھی ناراض ہوئی۔

"مجھے تمہاری بالکل سمجھ نہیں آتی۔ ممی کا فون آیا تھا ان کے پاس تمہاری شکایتوں کا انبار تھا مگر میں نے فون پر تم سے نہ تصدیق چاہی نہ تردید بس اتنی التجا کی تھی کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں کم از کم اس وقت تک اپنی جیمز بانڈ والی سرگرمیاں ترک کردیں مگر تم کتنا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو میری شرافت کا۔ پندرہ' بیس منٹ تک بکواس کرتا رہا اور تم نے کچھ کہے بغیر کھٹاک سے فون بند کردیا۔"

"او گاڈ! اس کا مطلب ہے مینا بے چاری کو بیس منٹ تک تمہاری تقریر سننا پڑی۔" اسے پھر سے ہنسی آگئی تھی۔

"کیا مطلب؟" چند لمحوں تک اس کی بات سمجھنے کی

کوشش میں ناکامی کے بعد حارث نے الجھ کر پوچھا تھا۔

"بابا!" اس نے مختصر الفاظ میں اسے ساری رام کتھا سنائی تھی۔

"میں تمہارا کیا کروں حمنیٰ؟" فون کے دوسری طرف حارث یقیناً" بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"تم کچھ نہ کرو حارث! بس جلدی سے واپس آجاؤ' تمہارے بغیر میں یہاں بالکل تنہا ہوں' ایک طوبیٰ ہے میری رازدار مگر اتنی ڈرپوک کہ حد نہیں۔ مینا کو ہم لوگوں کی مدد کی جتنی ضرورت اب ہے پہلے کبھی نہ تھی۔" حارث ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"کوشش کررہا ہوں یار! نائنٹی پرسنٹ کام مکمل ہے لیکن میں باقی کام کو ادھورا چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ پروجیکٹ بہت اہم ہے میں چاہ رہا ہوں کہ جب پاکستان سے مال ریلیز ہوکر یہاں پہنچے تو میں یہاں موجود ہوں دراصل یہاں کی پارٹیاں..."

حارث سنجیدگی سے بتانے لگا اور اس کاروباری گفتگو کے دوران واحد کام جو وہ کرسکتی تھی' وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیوں کو روکنا تھا۔ حارث کو بھی چند لمحوں بعد اس کی عدم دلچسپی کا اندازہ ہوگیا تھا' سو مسکرا کر گفتگو کا موضوع تبدیل کردیا۔

☼ ☼ ☼

"آپ بہت جلد ٹھیک ہوجائیں گی نانی! مینا کی بچی کو یہ بات سمجھائیں۔"

کالج سے آخری دو پیریڈ ڈراپ کرکے وہ ابھی مینا کے ہاں پہنچی تھی۔ مینا نانی کے سرہانے بیٹھی انہیں کھچڑی کھلا رہی تھی اسے دیکھ کر حسب معمول اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"نانی بہت بیمار ہیں حمنیٰ! کسی دوا سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔"

"ٹھیک ہوں میں بس ذرا کمزوری ہے اور کوئی بات نہیں۔" نانی نقاہت زدہ آواز میں بولیں۔

"اور کیا نانی! بس اپنی خوراک پر توجہ دیں' چند دنوں میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔" اس نے نانی کے ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دی تھی۔ ایک لمحے کو مینا اور نانی دونوں ہی خاموش ہوگئیں اور حمنیٰ نے اس خاموشی کو دل سے محسوس کیا تھا۔

"میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" مینا ایک دم اٹھی۔

"ہاں پلیز ایک کپ اسٹرانگ سی چائے۔ میں اتنے میں نانی سے گپ شپ لگاتی ہوں۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔ مینا اٹھ کر چلی گئی۔

"میرے بعد مینا کا کیا بنے گا؟" نانی کے چہرے کا کرب دیکھ کر وہ بھی افسردہ ہوگئی۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں نانی! آپ بالکل ٹھیک ہوجائیں گی اور مینا کے متعلق تو آپ کو فکر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ وہ سب لوگ جو اس کا وجود تسلیم کرنے سے انکاری ہیں ایک دن آئے گا کہ وہ اسے خود اپنائیں گے۔"

اس نے صدق دل سے تسلی دی اور اس کے لہجے کے خلوص نے نانی کو پل بھر کے لیے ہی سہی پر مطمئن ضرور کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ملیحہ پھوپھو نے اپنا خانساماں بھیجا ہے تمہیں بلانے کے لیے۔" وہ بہت مگن ہوکر فزکس کے نوٹس بنانے میں مصروف تھی جب طوبیٰ نے اندر آکر اطلاع دی۔

"کیوں رات کے کھانے کے لیے ملیحہ پھوپھو مجھے روسٹ کروانا چاہ رہی ہیں۔"

"عثمان انکل کی کوئی کزن آئی ہوئی ہے کینیڈا سے۔ شاید تمہیں ان سے ملوانا ہوگا۔" طوبیٰ نے قیاس آرائی کی۔

"عجیب مصیبت ہے بھئی۔" اسے کوفت نے آن گھیرا۔

"بری بات حمنی۔ حارث کے حوالے سے وہ تمہیں ان کو دکھانا چاہ رہی ہوں گی۔ تھوڑی دیر کے لیے چلی جاؤ۔"

"جانا ہی پڑے گا۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی تھی' پھر گھڑی پر نگاہ ڈالی پونے چھ ہورہے ہیں۔ چھ بجے تک میں نہ آئی تو کوئی بہانہ بنا کر مجھے بلوا لینا کل میرا فزکس کا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔" وہ کتابیں بند کرکے اٹھ گئی تھی۔

"یونہی منہ اٹھا کر جاؤ گی۔" وہ پاؤں میں سلیپر ڈال کر باہر جانے لگی تو طوبیٰ نے اسے پکارا۔

"تو منہ یہیں رکھ کر جاؤں' بے چاری ڈر جائیں گی۔"

www.pkdigest.com

اس نے اپنی بات سے خود ہی لطف لیا تھا۔

"فی الحال ٹائم نہیں ہے۔ فرکس کا ٹیسٹ تیار کرنے کے بعد نہا دھو کر بدلوں گی۔" وہ بالوں میں برش کرکے پیچھا اور وہ جا۔ طوبیٰ ٹھنڈی سانس بھر کر اس کی کتابیں سمیٹنے لگی۔

باہر موسم کافی خوشگوار تھا۔ عثمان انکل اپنے لان میں بیٹھے ڈھیر ساری فائلوں کے ساتھ نبرد آزما تھے اس کا ارادہ دونوں گھروں کی درمیان باڑ کو عبور کرکے اس طرف جانے کا تھا مگر انکل کی موجودگی میں ہائی جمپ کا یہ مظاہرہ کچھ بھلا نہ لگتا' سو شرافت سے لکڑی کا چھوٹا سا گیٹ کھول کر دوسری طرف آگئی تھی۔ عثمان انکل اسے دیکھ کر بشاشت سے مسکرائے تھے۔

"لگتا ہے آج ہماری بیٹی راستہ بھول کر اس طرف آگئی۔ کہیں اپنی پھوپھو سے کوئی کھٹ پٹ تو نہیں ہوگئی۔" انہوں نے اس کے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو انکل! بس پڑھائی..." وہ شرمندہ ہوگئی تھی۔ انکل ہنس پڑے۔

"جاؤ تمہاری پھوپھو اندر ہی ہیں۔ یاد کررہی تھیں تمہیں۔" انکل نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

اندر لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔

"آجاؤ حمنیٰ۔" ملیحہ پھوپھو نے اسے آواز دے کر بلایا تھا۔

"یہ حمنیٰ ہے ہارون بھائی کی بیٹی اور حمنیٰ یہ شازیہ آنٹی ہیں حارث کی پھوپھو۔" ملیحہ پھوپھو نے تعارف کروایا تھا۔ خاتون نے اٹھ کر بہت تپاک سے اسے گلے لگایا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری ہوگئی ہے اور بڑی بھی۔ میں نے تو سات آٹھ سال پہلے دیکھا تھا۔ اب تو پہچان میں ہی نہیں آتی۔" شازیہ کے کہنے پر ملیحہ پھوپھو اسے محبت سے دیکھ کر مسکرادیں۔ تین دن پہلے والی ناراضی کا شائبہ بھی نہ تھا۔ خیر یہ تو طے شدہ بات تھی کہ وہ اسے اور طوبیٰ کو بہت چاہتی تھیں' ہاں کبھی کبھار اس کی حرکتیں ان کا پارہ ضرور ہائی کردیتی تھیں۔

"پڑھتی ہو۔ کون سی کلاس میں ہو؟" شازیہ آنٹی نے باتوں کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ وہ کافی باتونی خاتون تھیں۔ باتیں کرنے پر آئیں تو کتنی دیر تک اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے اس کا (قیمتی) وقت ضائع کرتی رہیں۔ اسے رہ رہ کر طوبیٰ پر غصہ آرہا تھا۔ آدھے گھنٹے میں اس سے ذرا سا بہانہ تیار نہ ہوسکا۔ آخر وہ خود اپنے ٹیسٹ کا بتا کر معذرت کرتے ہوئے اٹھ گئی۔

"بالکل ماں پر گئی ہے۔ وہی نین نقش' وہی اٹھان' اللہ کرے مزاج اس پر نہ گیا ہو۔" باہر جاتے ہوئے اس کی قابل رشک سماعتوں نے شازیہ آنٹی کا فقرہ کیچ کرلیا تھا۔

دل پر ایک دم بوجھ آن گرا تھا۔ ملیحہ پھوپھو نے کیا کہا۔ اس نے سننے کی کوشش نہ کی بلکہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"خیریت پاپا! اس وقت گھر پر کیسے ہیں؟" کالج سے واپسی پر اس کا پہلا ٹاکرا پاپا سے ہی ہوا وہ دادی جان کے کمرے کی طرف جارہے تھے۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو رکے سلام کا جواب دینے کے بعد گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی۔ ان کی تقلید میں اس نے بھی وال کلاک کی جانب دیکھا۔

"جس دن پریکٹیکل ہو' اتنا وقت لگ ہی جاتا ہے پاپا!" اس نے بلاوجہ صفائی دی۔

"بہرحال آج تمہیں کالج نہیں جانا چاہیے تھا۔ پتہ بھی ہے تمہاری دادی جان کی طبیعت۔ خیر چلو جاؤ کھانا وغیرہ کھاؤ۔"

پاپا نے اپنی عادت کے مطابق مختلف باتیں ادھوری چھوڑی تھیں۔ وہ ان باتوں سے مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتی کمرے میں داخل ہوئی۔ طوبیٰ نماز پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیر کر پہلے اسے پھر گھڑی کو دیکھا۔

"کیا مصیبت ہے بھئی پریکٹیکل تھا میرا۔" وہ جھنجلا ہی تو گئی۔

"چور کی داڑھی میں تنکا اسی کو کہتے ہیں۔" طوبیٰ مسکرا دی۔

"پتہ نہیں کس کو کہتے ہیں پورے گھر میں ایک میرے آنے جانے پر ہی یوں نظر رکھی جاتی ہے۔"

"اچھا میرے دو نفل رہ گئے ہیں۔ تم جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر فریش ہوجاؤ پھر اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔"

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ کالج میں ردا کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ بہت کچھ کھالیا۔ اور ہاں آج پاپا اس وقت گھر پر کیسے ہیں؟" اسے اچانک یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

"پاپا آفس نہیں گئے۔ دادی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" طوبیٰ نے بتایا۔

"کیوں کیا ہوا دادی جان کو؟" اس کے لہجے میں بھی کچھ تشویش در آئی تھی۔

"آج تیمور چاچا کی برسی ہے حمنیٰ۔" طوبیٰ نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

"اوہ۔" وہ بھی ایک لمحے کو خاموش ہوگئی۔

"شام کو قرآن خوانی ہے۔ تھوڑی دیر ریسٹ کرلو پھر مہمان آنا شروع ہوجائیں گے۔"

"میں ذرا دادی جان کے پاس جارہی ہوں۔" اس نے جاگرز کی قید سے پاؤں آزاد کرکے سلیپر پہنے۔

دادی جان کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔ پاپا آنکھیں موندے ان کے بیڈ کے پاس کرسی ڈالے بیٹھے تھے۔ آہٹ پر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ان کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر حمنیٰ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"تیمور چاچا بہت یاد آرہے ہیں پاپا!" وہ پوچھنا چاہتی تھی اگر ان سے تھوڑی بہت بے تکلفی ہوتی تو۔

"تمہاری دادی جان کو دوا دے کر ابھی سلایا ہے۔" پاپا نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

"آپ چلے جائیں پاپا میں ہوں یہاں دادی جان کے پاس۔" اس نے انہیں مخاطب کیا۔

"طوبیٰ نے تمہارے انتظار میں ہم سب کے ساتھ لنچ نہیں کیا تھا۔ تم پہلے کھانا کھالو۔"

پاپا ان دونوں کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ وہ بحث میں پڑے بغیر چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ طوبیٰ کا ساتھ دینے کے لیے زبردستی تھوڑا بہت کھانا کھایا پھر گھنٹے بعد اٹھنے کا ارادہ کرکے جو سوئی تو شام ڈھلے ہی آنکھ کھلی' طوبیٰ نے اس کے کپڑے پریس کرکے ہینگ کررکھے تھے۔ جلدی سے شاور لے کر دوپٹے کو سلیقے سے سر پر جما کر وہ ہال کمرے میں چلی آئی۔

ہال کمرے کی وسعت مہمانوں کی تعداد کے سامنے چھوٹی پڑ رہی تھی۔ عورتوں سے کھچا کھچ بھرا ہال کمرا اور ہمیشہ کی طرح خواتین میں گھری متفکر دادی جان' بیس برس کسی کو بھلانے کے لیے کم عرصہ نہیں ہوتا مگر اس گھر کے مکین تیمور احمد کو بیس برس میں بھی بھلا نہ پائے تھے اور شاید وہ بھلائے جانے کے قابل تھے بھی نہیں۔ دیوار پر لگی ان کی ہنستی مسکراتی تصویر پر نگاہ پڑی تو آنکھوں کے گوشے آپوں آپ نم ہوگئے۔

"مجھے معلوم ہے تیمور چاچا! آپ کی روح بہت بے چین ہوگی۔ آپ کی بیٹا بہت مشکل زندگی گزار رہی ہے مگر میں اسے اس کا حق دلوا کر رہوں گی۔" اس نے بار بار خود سے کیا عہد دہرایا تھا۔

"حمنیٰ بیٹے بات سنو۔" ملیحہ پھوپھو نے اسے آواز دے کر بلایا۔ وہ جیسے ایک دم چونکی پھر آہستہ سے اٹھ کر ان کے پاس آگئی۔ سفید ساڑھی میں ان کا سوگوار حسن پوری محفل میں سب سے نمایاں لگ رہا تھا۔ انہوں نے حسب توقع اسے پاس بلا کر کسی مہمان خاتون سے متعارف کروایا تھا۔

"کس سے ملوا رہی تھیں پھوپھو؟" ملیحہ پھوپھو اور مہمان خاتون آگے بڑھ گئیں تو طوبیٰ نے پاس آکر پوچھا۔

"پتہ نہیں بتایا تو تھا مگر میں نے غور سے نہیں سنا۔" وہ صاف گوئی سے بولی اور سچ بھی یہی تھا کہ اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔

"کتنے لوگ اکٹھے ہوئے ہیں نا طوبیٰ!" اس کے لہجے پر طوبیٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور کھانے کا مینیو بھی ہمیشہ کی طرح زبردست ہوگا۔" وہ کیا کہنا چاہتی تھی' طوبیٰ سمجھ نہ پائی۔

"اور وہاں طوبیٰ! وہاں دو وقت کا کھانا بھی..." وہ جذبات کی شدت سے جملہ مکمل نہ کرپائی تھی۔

"ہم سب تیمور چاچا سے محبت کے دعوے دار ہیں اور تیمور چاچا کی اولاد کس حال میں زندگی گزار رہی ہے ہم سوچ..."

"آہستہ بولو حمنیٰ! کوئی سن لے گا۔" طوبیٰ اس کے انداز سے خائف ہوئی۔

"اور یہی میں چاہتی ہوں۔" وہ اطمینان سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں چاہ رہا ہوں بھابھی کہ طوبیٰ اور حمنیٰ کی ذمہ داریوں سے جلد سبکدوش ہوجاؤں۔"

رات کے کھانے کے بعد گرین ٹی کا دور چل رہا تھا' جب ہارون صاحب نے زرینہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"آپ آفاق صاحب اور ان کی بیگم سے بات کریں' کیا خیال ہے ان کا۔"

www.pkdigest.com

"ہاں لیکن اتنا اچانک۔" زرینہ بیگم ہچکچائی تھیں۔
"یوں کرو کسی دن اپنے بھائی بھاوج کو ڈنر پر انوائٹ کرلو' تسلی سے ساری باتیں طے کرلیں گے۔" تنویر احمد نے بیوی کو مخاطب کیا۔
"وہ پوچھیں گے نہیں کہ اتنی جلدی کیا پڑ رہی ہے۔" زرینہ بیگم نے شوہر کو گھورنے کے بعد تیکھے انداز میں کہا۔
"کتنی جلدی بھابھی! طوبیٰ کی منگنی کو دو سال ہونے کو آئے ہیں۔" ہارون احمد اپنی ناگواری ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکے۔
"اچھا ٹھیک ہے میں آفاق بھائی سے بات کروں گی۔" انہوں نے جیسے جان چھڑائی۔
"میرا خیال ہے اتوار کو ان لوگوں کو رات کے کھانے پر مدعو کرلو۔" دادی جان نے نحیف آواز میں حتمی رائے دی۔

☼ ☼ ☼

"اس سنڈے کو تمہارے سسرال والے آرہے ہیں۔" حمنیٰ نے طوبیٰ کو اطلاع دی۔
وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اس اطلاع پر محض سر اٹھا کر دیکھا اور پھر دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔
"میں کہہ رہی ہوں کہ اتوار کو تمہارے سسرال والے ڈنر پر آرہے ہیں۔" اس نے طوبیٰ کے ہاتھ سے کتاب کھینچ لی۔
"اچھا تمہیں کیسے پتہ؟" طوبیٰ نے بادل نخواستہ معاملے میں دلچسپی لی۔
"دادی جان کے کمرے میں میٹنگ ہورہی تھی پاپا جلد از جلد ہم دونوں کو ٹھکانے لگانے کی بات کررہے تھے۔ مجھے تھوڑی سی بات سنائی دی تھی لیکن بات دلچسپ لگی تو کان لگا کر ساری سننا پڑ گئی۔"
"یہ سب تمہاری وجہ سے ہورہا ہے حمنیٰ۔" طوبیٰ خفگی سے بولی۔
"کیا مطلب میری وجہ سے؟ کیا میں نے پاپا کے کان میں سرگوشی کی تھی کہ وہ تمہارے سسرال کو ڈنر پر انوائیٹ کریں۔ بائی دا وے مجھے انتہائی برے لگتے ہیں وہ لوگ' نانی جان کے بھائی کی فیملی ہے بالکل ان ہی جیسے اسٹوپڈ قسم کے لوگ ہیں پتہ نہیں پاپا نے کیا دیکھا ان لوگوں میں۔"
اس نے منہ بناتے ہوئے کہا مگر طوبیٰ جس طرح ایک دم چپ ہوئی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔
"بس ایک نعمان بھائی معقول شخص ہیں اور سیانے کہتے ہیں کہ اگر گھر والا صحیح ہو تو عورت ہر طرح کے سسرال میں گزارا کرسکتی ہے۔" اس نے بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔
"پتہ نہیں حمنیٰ! لیکن آج کل مجھے بہت وہم ستاتے ہیں۔" طوبیٰ دھیمے لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی آزردگی چھائی ہوئی تھی۔
"کیسے وہم طوبیٰ!" وہ اس کی بات سن کر حیران ہوئی۔
"چھوڑو۔ کہتے ہیں برے وہم اور خواب بتانے نہیں چاہیں ورنہ وہ سچے ہوجاتے ہیں۔"
"ارے سچے ہوں یا جھوٹے اگر کسی نے تمہارے ساتھ برا کیا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔"
"اچھا یہ بتاؤ۔ مینا کے ہاں گئی تھیں؟" طوبیٰ نے دانستہ موضوع بدلا۔
"نہیں البتہ فون پر بات ہوئی تھی۔ اس کی نانی کی حالت سنبھلنے میں نہیں آرہی مجھے تو دھڑکا لگا ہوا ہے۔"
"اللہ نہ کرے۔" طوبیٰ نے دہل کر اس کی بات کاٹی۔
"ہاں واقعی اللہ نہ کرے۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

☼ ☼ ☼

"حمنیٰ! نانی کی طبیعت بہت خراب ہورہی ہے۔" رات کے آٹھ بج رہے تھے' جب اس نے مینا کی کال وصول کی۔ وہ مسلسل روئے جارہی تھی۔
"میں آرہی ہوں مینا! تم حوصلہ کرو۔ نانی کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ اگرچہ خود بھی گھبرا گئی تھی پھر بھی اسے تسلی دی۔
"کیا ہوا؟" پاس بیٹھی طوبیٰ اگرچہ یک طرفہ گفتگو سے کچھ نہ کچھ اندازہ لگا چکی تھی پھر بھی پوچھ بیٹھی۔
"مینا کی نانی کی طبیعت خراب ہورہی ہے مجھے جانا ہوگا۔"
"اس وقت؟" طوبیٰ متوحش ہوگئی۔ "کیسے جاؤ گی؟"
"یہ آج میرا نہیں تمہارا مسئلہ ہے پلیز جو مرضی بہانہ بنا دینا' مجھے فوراً جانا ہوگا وہ اکیلی ہے بہت پریشان ہورہی ہے۔"

"پاپا شام کو تایا جان کے ساتھ ان ہی کی گاڑی میں کہیں گئے تھے۔ تم پاپا کی گاڑی لے جاؤ۔" اس نے طوبیٰ کو تشکر سے دیکھا۔ وہ کم از کم اس وقت اس سے اس جملے کی توقع نہیں کررہی تھی۔
"تھینک یو سو مچ طوبیٰ۔ تم بس دعا کرنا کہ نانی کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو۔ وہ لڑکی ہے بھی بہت چھوٹے دل کی۔ بہت جلد پریشان ہوجاتی ہے۔ ورنہ ابھی کل ہی تو میں گئی تھی۔ اچھی بھلی تھیں نانی۔"
"شکر ہے نانی جان گھر پر نہیں۔ تم وہاں جاتے ہی مجھے فون کردینا اور پلیز ان کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو تو جلدی آنے کی کوشش کرنا۔" طوبیٰ کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"اور پلیز گاڑی آہستہ چلانا۔" طوبیٰ اسے چھوڑنے پورچ تک آئی تھی اور جب تک اس نے ڈرائیونگ سیٹ نہ سنبھالی' طوبیٰ کی نصیحتیں جاری رہیں۔
"مینا کے ہاں جاکر اندازہ ہوا کہ نانی کی طبیعت واقعی کافی خراب ہے۔ ان کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ مینا سرہانے بیٹھی روئے جارہی تھی۔
"ساتھ والی فیروزہ آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا کیونکہ اس سے پہلے نانی کو ہسپتال لے جانے کا کام وہی سرانجام دیتی تھیں۔
"اپنی بیٹی کے ساتھ لاہور گئی ہیں۔ اس کا آپریشن ہے۔" مینا نے سوں سوں کے درمیان بتایا۔
"اچھا اب ایسا ہے کہ نانی کو اس حالت میں نیچے تو لے کر جا نہیں سکتے۔ اتنی سیڑھیاں کیسے اتریں گی وہ۔ میرے پاس گاڑی ہے میں کوشش کرتی ہوں کہ کسی ڈاکٹر کو لے آؤں۔ اور پلیز تم رونا بند کرو۔"
اس کے ذہن نے تیز رفتاری سے کام کیا تھا۔ وہ واپس پلٹ گئی۔ گاڑی مین روڈ پر لاکر اس کی متلاشی نگاہیں کسی کلینک کو تلاشتی رہیں۔ آخر کچھ فاصلے پر ایک کلینک کا بورڈ نظر آگیا۔ وہ دل ہی دل میں یہ دعا کرتی ہوئی کلینک کی عمارت میں داخل ہوئی تھی کہ ڈاکٹر نانی کو دیکھنے گھر جانے پر راضی ہوجائے۔ باہر کمرے میں اٹینڈنٹ کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔
"شکر ہے کوئی مریض نہیں' وہ سیدھی ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں ایک دراز قد شخص بہت اطمینان سے صوفے پر نیم دراز حالت میں موبائل پر گفتگو کرنے میں مشغول تھا۔ اسے دیکھنے کے ساتھ ہی وہ اٹھ بیٹھا۔
"ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟" اس نے کال ڈسکنکٹ ہونے کا انتظار کیے بغیر پوچھا۔
"آپ بیٹھیے۔" اس نے حمنیٰ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر دوبارہ باتوں میں مشغول ہوگیا۔ وہ نہایت اضطراب کے عالم میں کھڑے کھڑے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھتی رہی۔ دو' تین منٹ بعد اس شخص نے بات مکمل کرکے کال ڈس کنکٹ کی تھی۔
"جی بی بی! بیٹھیے آپ۔ کیا مسئلہ ہے؟" اس نے میز کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے اسے پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میز پر پڑا اسٹیتھو اسکوپ اٹھالیا۔ حمنیٰ نے قدرے استعجاب سے اسے دیکھا۔ اتنے رینک سے ڈاکٹر کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی' شاید ذہن میں کسی ادھیڑ عمر ڈاکٹر کا تصور تھا۔ حمنیٰ کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ پائے تھے' جب ہی وہ مبہم سے انداز میں مسکرا دیا۔
"ڈاکٹر مجتبیٰ ابرار!" اس نے قدرے جتاتے ہوئے انداز میں بتایا۔
"جی ڈاکٹر صاحب مسئلہ یہ ہے کہ ایک پیشنٹ کو دیکھنے اس کے گھر جانا ہے۔"
"سوری میں کلینک پر ہی مریضوں کو دیکھتا ہوں۔ آپ پیشنٹ کو یہیں لے آیئے۔" اس نے شائستگی سے معذرت کی۔
"وہ بہت ضعیف ہیں۔ ان کا یہاں آنا ممکن نہیں۔ آپ جو چاہے مرضی فیس لے لیجیے گا۔ زیادہ دور نہیں جانا۔ میرے پاس گاڑی ہے۔ آنے جانے میں دس منٹ بھی نہیں لگیں گے۔" اس نے جیسے منت کی۔
"بات فیس کی نہیں ہے بی بی!" ڈاکٹر نے بات ادھوری چھوڑی تھی پھر کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اٹینڈنٹ کو بلایا تھا۔
"کوئی اور مریض؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ حمنیٰ کو اس پریشانی کے عالم میں بھی ہنسی آگئی۔ کلینک پر ہو کا عالم تھا۔
"نو سر۔" اٹینڈنٹ مؤدبانہ انداز میں بتایا۔
"ٹھیک ہے چلیے۔" وہ اتنی جلدی مان جائے گا' یہ حمنیٰ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
"تھینک یو سو مچ۔" وہ ممنونیت سے گویا ہوئی۔
راستے میں اس نے نانی کی طبیعت کے بارے میں

www.pkdigest.com

مختصراً بتایا تھا۔ ڈاکٹر مجتبیٰ نے بھی ایک دو متعلقہ سوال کیے باقی سارا وقت گاڑی میں خاموشی رہی۔ لیکن جب اس علاقے میں گاڑی داخل ہوئی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ حمنیٰ بغیر دیکھے اس کے چہرے کے تاثرات جان سکتی تھی اور پھر مطلوبہ بلڈنگ کے سامنے گاڑی روک کر اس نے ڈاکٹر مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔

"آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ پیشنٹ کا تعلق اس علاقے سے ہے۔" وہ اگرچہ گاڑی سے اتر تو گیا تھا مگر برہمی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

"اس علاقے سے آپ کی کیا مراد ہے ڈاکٹر صاحب! اس علاقے میں بھی آخر انسان ہی بستے ہیں۔ وہ عام انسانوں کی طرح بیمار بھی ہو سکتے ہیں اور شاید علاج معالجے کا حق بھی رکھتے ہیں۔" وہ تلخ ہوئی۔ ڈاکٹر چپ ہو گیا تھا۔

اور پھر اس وقت تک چپ ہی رہا جب تک حمنیٰ اسے لے کر نانی کے چوبارے تک نہ پہنچ گئی۔ مینا نے دروازہ کھولا تھا اور اس کے پیچھے ڈاکٹر کو کھڑا دیکھ کر دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

نانی کی حالت کچھ دیر پہلے کی نسبت کافی بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے نانی کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا۔

"میں نسخہ تو لکھ رہا ہوں لیکن ان کی کنڈیشن..." وہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔

"آپ پلیز صرف نسخہ لکھ دیجیے۔ ان کی کنڈیشن کے بارے میں مجھے واپسی پر بتا دیجیے گا۔"

شستہ اور انتہائی رواں انگریزی میں مخاطب ہو کر اس نے مجتبیٰ کو بات مکمل نہ کرنے دی۔ مجتبیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ لڑکی اسے حیران کیے دے رہی تھی۔ سر ہلاتے ہوئے اس نے نسخہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"میں ڈاکٹر صاحب کو چھوڑ کر واپس آ رہی ہوں۔ تم فکر نہ کرنا۔" اس نے مینا کو مخاطب کیا۔

"تم اب نہ آنا حمنیٰ بہت ہو گئی ہے۔ اللہ نے چاہا تو صبح تک نانی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی ویسے بھی اب ان کی حالت بہتر لگ رہی ہے۔"

مینا اس کی مجبوری بھی سمجھ سکتی تھی اس لیے آنسو پیتے ہوئے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ حمنیٰ کو اس لمحے اس پیاری سی لڑکی پر ترس آیا۔ کس قدر تنہا تھی وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے اسے نے مینا کے ہاتھ تھپتھپائے تھے۔ نانی پر اب غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود رات یہاں نہیں گزار سکتی تھی۔

"چلیے۔" اس نے مجتبیٰ کو مخاطب کیا جو حیران کھڑا اس جگسا پزل کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"مریضہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟" سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ خود کو پوچھنے سے باز نہ رکھ پایا۔

"نانی۔" اس کا جواب صرف ایک لفظ پر مشتمل تھا۔ انداز ایسا تھا کہ وہ پھر کوئی سوال پوچھنے کی جرأت نہ کر پایا۔

☼ ☼ ☼

"مما پاکستان آ رہی ہیں۔" رات کو وہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی جب طوبیٰ کی دھیمی آواز سنائی دی۔

"کب؟" بہت دیر بعد کمبل میں سے آواز برآمد ہوئی۔

"شاید اگلے مہینے اچھی ڈیٹ کنفرم نہیں ہے۔"

"فون آیا تھا؟" اس نے کمبل چہرے پر سے ہٹانے کی زحمت کیے بغیر پوچھا۔

"ہاں۔" طوبیٰ نے مختصر جواب دیا۔

"تین سال ہو گئے ہیں مما سے ملے ہوئے۔" کچھ دیر بعد طوبیٰ پھر بولی تھی۔

"تین سال، چار مہینے اور پانچ دن۔" اس نے بے تاثر لہجے میں طوبیٰ کی تصحیح کی۔ طوبیٰ نے اس کے چہرے پر سے کمبل ہٹایا تھا۔

"پلیز طوبیٰ! انٹ آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"میں پاپا سے بات کروں گی اس دفعہ ہم مما کے پاس بہت سارے دنوں کے لیے رہنے جائیں گے۔" اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر طوبیٰ کو دیکھا۔

"مجھے واقعی سمجھ میں نہیں آتا طوبیٰ! کہ تم کس مٹی سے بنی ہو۔" وہ تلخ ہوئی تھی طوبیٰ کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"تم اس ماں کے پاس جانے کو تڑپ رہی ہو جو دس سال پہلے ہمیں اپنی زندگیوں سے نکال کر خود ایک نئی زندگی کے سفر پر چل پڑی۔ اور باپ سے منت کرو گی کہ وہ ہمیں ہماری ماں سے ملنے کی اجازت دے دے۔ کیا ان کو اندازہ نہیں کہ اولاد کی زندگیوں میں ماں کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی ماں سے ملنے کے لیے بھی ان کی منت سماجت کرنا پڑے گی۔ انہیں قائل کرنا پڑے گا۔ یہ ہمارے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔"

"اتنا مت سوچا کرو حمنیٰ! زندگی کی بہت سی حقیقتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ زندگی نام ہی کمپرومائز کا ہے۔" طوبیٰ نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

"کیا تم نے کبھی غور کیا طوبیٰ! کہ ہماری زندگیاں ہی اتنے ایب نارمل طریقے سے کیوں گزر رہی ہیں؟" اس نے طوبیٰ کی بات جیسے سنی ہی نہ تھی۔

"کیا سارے کمپرومائز ہماری قسمت میں ہی لکھ دیے گئے ہیں۔" وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ طوبیٰ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نے کبھی سوچا کہ دادی جان کو ڈپریشن کے دورے کیوں پڑتے ہیں۔ پھوپھو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکون ڈھونڈنے کے لیے سوشل ورک کا سہارا کیوں لیے ہوئے ہیں۔ پاپا اتنی تنہا زندگی کیوں جی رہے ہیں۔ مما کو شادی کے چودہ سال بعد یہ احساس ہوا کہ یہ ویسی زندگی نہیں جیسی ان کو تمنا تھی۔ پاپا جیسے شان دار شخص کو چھوڑ کر انہوں نے اپنے لیے اپنے جس نام نہاد دانشور کزن کا انتخاب کیا، کیا کوئی باشعور شخص اس احمقانہ فعل کی کوئی توجیہہ پیش کر سکتا ہے۔ ان کے اپنے خاندان نے اس فیصلے کی مخالفت کی تو طوبیٰ ڈیر! مان لو کہ ہم سب قدرت کی طرف سے ان غیر معمولی واقعات کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ تمہیں بددعاؤں پر یقین ہے طوبیٰ!"

وہ بات کرتے کرتے رکی۔ طوبیٰ نے کوئی جواب نہ دیا بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"ہم سب ایک بددعا کے حصار میں ہیں۔"

"فضول باتیں مت سوچا کرو حمنیٰ۔" طوبیٰ نے اسے ٹوک ہی دیا۔

"فضول باتیں نہیں ہیں طوبیٰ۔ یہ سچ ہے ہم نے جو کچھ مینا کے ساتھ کیا، اس کے بعد بھی ہم سب ہنسی خوشی رہتے کیا یہ ممکن تھا؟" وہ پوچھ رہی تھی طوبیٰ خاموش رہی۔

"میں نے مینا کی امی کو نہیں دیکھا۔ صرف مینا کو اور اس کی نانی کو دیکھا ہے اور میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ کرپٹ خاتون نہیں تھیں اور تیمور چاچا کے متعلق دادی خود بتاتی ہیں، کہ تیمور ان کے سب بچوں میں سب سے اعلا ذوق رکھتا تھا۔ اس کی پسند لاجواب تھی۔ وہ بہت نفیس انسان تھا۔ تم خود سوچو کہ وہ نفیس شخص زندگی کے سب سے اہم معاملے میں معیار پر سمجھوتا کر سکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق ہی اپنے لیے لائف پارٹنر کا انتخاب کیا تھا۔ میں نے ان کی تصویریں دیکھی ہیں طوبیٰ اور وہ اتنی انوسنٹ، اتنی پیاری ہیں تاکہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔"

"ہاں مگر دنیا تو صرف ظاہر دیکھتی ہے ان کا تعلق تو اس بازار سے ہی تھا نا!"

"کیوں دیکھتی ہے دنیا صرف ظاہر وہ کیا کرتی تھیں۔ گانا گاتی تھیں نا، محفلوں میں نہیں بلکہ اسکرین کے پیچھے۔ وہ صرف جنگلز گاتی تھیں۔ اس جگہ پر رہتے ہوئے انہوں نے اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کی اور چلو ان کا ذکر چھوڑو لیکن مینا تو اس خاندان کا حصہ ہے۔ اس کی رگوں میں تیمور چاچا کا خون دوڑ رہا ہے اور وہ ہماری ہٹ دھرمی اور بے حسی کی وجہ سے وہاں رہنے پر مجبور ہے۔"

"قصور تیمور چاچا کا بھی تو تھا حمنیٰ! وہ تو قدرت نے انہیں مہلت نہیں دی لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں اس شادی کو منظر عام پر لے آتے تو کوئی مینا کے وجود سے انکار نہ کر پاتا۔"

"اگر کوئی مینا کے وجود کو نظر بھر کر دیکھ ہی لیتا تب بھی انکار نہ کر پاتا۔ قدرت نے تو اس معاملے میں مینا کا بھرپور ساتھ دیا ہے بس ہم ہی ضرورت سے زیادہ ہٹ دھرم ہیں۔ وہ تیمور چاچا کی فوٹو اسٹیٹ ہے اور چلو برسوں پہلے انہوں نے مینا کی نانی کے دعوے کو تو جھٹلا دیا کہ وہ ان کی نظر میں ناقابل اعتبار تھیں لیکن اب میرے کہے پر تو اعتبار کر لیں۔ میں نے سب سے کتنا کہنے کی کوشش کی کہ اس لڑکی کو صرف ایک نظر دیکھ ہی لیں اس کا وجود اپنے آپ گواہی دے دے گا کہ اس کا تیمور چاچا سے کیا رشتہ ہے مگر..." اس نے بے بسی سے بات ادھوری چھوڑی۔

"ہم نے اپنی سی کوشش کر لی حمنیٰ! اور سب کا ردعمل بھی دیکھ لیا۔ اب مزید ہمارے اختیار میں کیا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟" طوبیٰ افسردگی سے بولی تھی۔

"میں بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں، ہاں تم اگر دعا کر سکتی ہو تو کر لینا۔" اس نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔ طوبیٰ خاموش ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

آج اس کا جنم دن تھا۔ طوبیٰ نے اسے فجر کے وقت ہی نیند سے جگا کر وش کیا تھا۔

"دن نے نکلنا ہی تھا طوبیٰ!" وہ مندی مندی آنکھیں

www.pkdigest.com

کھول کر مسکرائی۔

"میں چاہتی تھی سب سے پہلے میں تمہیں وش کروں۔" طوبیٰ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا مذاق ہے۔ مجھے وش کرنے والوں کی تو جیسے لمبی فہرست ہے نا!" اسے ہنسی آگئی تھی۔

"اب اٹھ ہی گئی ہو تو نماز بھی پڑھ لو۔" طوبیٰ نے اسے کروٹ بدلتے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

"رات بہت دیر سے سوئی تھی یار!" اس نے کسل مندی سے کہا مگر پھر انگڑائی لے کر اٹھ ہی گئی۔ نماز پڑھ کر کتنی ہی دیر وہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھی رہی۔ نمازیں وہ باقاعدگی سے نہیں پڑھتی تھی مگر جب بھی پڑھتی تو بہت خشوع و خضوع سے پڑھتی اور اس ارادے کے ساتھ کہ اب باقاعدگی سے پڑھوں گی مگر طوبیٰ جیسی استقامت کہاں سے لاتی؟

نماز پڑھ کر وہ لان میں چلی آئی۔ عجیب سکون آمیز لمحات تھے۔ اس نے لمبا سا سانس لے کر ماحول کی ٹھنڈک اور تازگی اپنے اندر اتاری تھی۔

"پتہ نہیں مما کو میری سالگرہ یاد بھی ہوگی یا نہیں۔" ذہن میں یونہی خیال آیا تھا۔ پاپا سے تو خیر ایسی بے تکلف تھی ہی نہیں۔ ہمیشہ آرزو ہی رہی کہ وہ بھلے سے گفٹ نہ سہی مگر گلے سے لگا کر ہیپی برتھ ڈے ہی کہہ دیں۔ طوبیٰ کہہ رہی تھی کہ وہ مجھے سب سے پہلے وش کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے پھر سے ہنسی آگئی۔ تلخ سی ہنسی۔

کتنی ہی دیر تک وہ اسی طرح کی سوچوں میں غلطاں و پیچاں لان کے چکر کاٹتی رہی۔ پھر اچانک وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔ نگاہوں کو سامنے کے منظر پر یقین نہ آیا۔ جب تک وہ باڑ پھلانگ کر اس طرف نہ آگیا وہ ساکت کھڑی رہی۔ وہ اس کے پاس آنے سے پہلے گلاب کے کنج کی طرف گیا تھا پھر ٹہنی سمیت سرخ گلاب توڑ لایا۔

"گڈ مارننگ اینڈ ہیپی برتھ ڈے۔" اس نے مسکراتے ہوئے وش کیا۔ اتنے نارمل انداز میں جیسے ملاقات ڈیڑھ مہینے کے بجائے ڈیڑھ دن کے بعد ہو رہی ہو۔

"تمہارا گفٹ سوٹ کیس میں ہے اور سوٹ کیس ماما کے بیڈ روم میں پڑا رہ گیا فی الحال اسی پر گزارا کرو۔" اس نے گلاب کی ٹہنی آگے کی۔

"کب آئے؟" حمنیٰ نے ٹہنی پکڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"رات بارہ بجے کے بعد پہنچا ہوں اور اتنی صبح صرف تمہاری وجہ سے اٹھنا پڑا۔ تھینک یو ہی بول دو لڑکی!" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ وہ ہنس پڑی جبکہ آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ ابھی ذرا دیر پہلے کتنی فضول سی خود ترسی میں مبتلا ہو رہی تھی وہ۔

"میں رات بارہ بجے کے بعد سوئی ہوں نہ تمہاری کال آئی نہ میسج۔ میں سمجھی تھی تم میرا برتھ ڈے بھول گئے ہو۔"

"ایسا ممکن تھا؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔" وہ بھی مسکرائی۔

"یعنی میرے پیچھے فلسفہ بولنا بھی سیکھ لیا۔ گڈ چلو بتاؤ کیسے گزرا وقت۔" اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا اور بتانے کے لیے تو بہت کچھ تھا۔ حارث کو ہمیشہ کی طرح خاموش سامع کا کردار ادا کرنا تھا اور وہ یہ کردار بخوشی ادا کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنی انتائیس سالہ زندگی میں اس قدر بچکانہ کام اس نے اب تک نہ کیا تھا۔ شام کو ایک مخصوص وقت میں اس چھوٹی سی پبلک لائبریری میں آنا اور یہاں بیٹھ کر بلاوجہ کتابیں کھنگالنا تین چار دن کے بعد کہیں جا کر مراد بر آئی تھی۔

ڈیڑھ مہینہ پہلے کی بات تھی جب وہ پہلی بار اتفاقاً لائبریری آیا۔ بڑی خالہ اور خالو جان چند دن کے لیے رہنے آئے ہوئے تھے۔ خالہ کافی عرصے بعد اپنے آبائی شہر آئی تھیں کبھی کوئی رشتہ داران سے ملنے آرہا ہوتا تو کبھی وہ کسی کے ہاں مدعو ہوتیں۔ خالو جان البتہ جی بھر کر بور ہو رہے تھے۔ انہوں نے تیسرے دن ہی واپسی کی رٹ لگا دی۔

"لگتا ہے ہم آپ کو ٹھیک طرح سے کمپنی نہیں دے پائے۔" حدید نے مسکرا کر انہیں مخاطب کیا۔

"بیٹا! انسانوں کی کمپنی تو انہیں راس ہی کہاں آتی ہے؟ جب سے ریٹائر ہوئے ہیں اسٹڈی میں ہی صبح سے رات کر دیتے ہیں۔ دنیا جہان کی کتابیں اکٹھی کر رکھی ہیں۔ ہمیں تو بات کرنے سے پہلے بھی ٹائم لینا پڑتا ہے ان سے۔" خالہ کے انداز میں شکوہ تھا۔

"دنیا جہان کی کتابیں نہ سہی مگر دو چار کتابیں ضرور لا کر دے سکتا ہوں میں آپ کو۔" اس نے مسکرا کر خالو جان کو مخاطب کیا اور اسی شام وہ لائبریری گیا تھا۔

"میں کارڈ کے بغیر کتابیں ایشو کرنے کا مجاز نہیں ہوں جناب!" ادھیڑ عمر سنگی سالا لائبریرین ایک ہی بات کی تکرار کیے جا رہا تھا۔

"آپ جتنی مرضی سیکیورٹی رکھ لیجیے۔" وہ زچ ہو گیا اور اسی لمحے ایک لڑکی چلی آئی۔ لائبریرین اسے چھوڑ کر لڑکی کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے بھی سرسری سی نگاہ لڑکی پر ڈالی۔

"کتابیں واپس کرنی ہیں۔ تین دن پہلے ایشو کروائی تھیں۔" لڑکی نے دو کتابیں لائبریرین کے سامنے کھسکائی تھیں۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے رجسٹر کھول کر اندراج کیا۔

"پرسوں جب میں آئی تھی تو واصف علی واصف کی قطرہ قطرہ قلزم ریک میں رکھی تھی۔ آج نظر نہیں آرہی۔"

"تو جس دن نظر آرہی تھی اسی روز لے جانا تھی نا!" وہ بیزاری سے رجسٹر بند کرتے ہوئے بولا۔

"واپسی پر نظر پڑی تھی میری میں کتابیں ایشو کروا چکی تھی۔" اس نے جیسے شرمندہ ہو کر وضاحت دی۔ بہت خوبصورت سا دھیما لہجہ۔ وہ دل ہی دل میں متاثر ہوا تھا۔

"اور کہاں جائے گی بی بی! آپ کے سوا ایسی کتابیں یہاں کوئی اور ایشو کروانے نہیں آتا۔ ایک بار پھر دیکھ لیں وہیں رکھی ہوگی کتابوں کے اوپر نیچے۔" لائبریرین کا اپنی جگہ سے اٹھنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ لگ رہا تھا۔

"میں دیکھ چکی ہوں۔" اس نے پھر اپنی بات پر اصرار کیا۔

"نہیں مل رہی تو رہنے دیں۔ یہ اتنی ڈھیر ساری کتابیں اور ہیں۔ شاعری کی نئی کتابیں آئی ہیں صبح سے کئی لڑکیاں لے کر جا چکی ہیں۔ چار ناول آئے ہیں۔ ان میں سے دیکھ لیں۔" اس نے کتابوں کا پلندہ سامنے رکھا تھا۔ کتابوں کے ٹائٹل دیکھنے کے بعد وہ ایک ایک کر کے کتابیں کھسکاتی گئی۔ چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔

"میں ڈھونڈ دیتا ہوں آپ کو کتاب لیکن یہ چھوٹی سی لائبریری ہے۔ آپ پڑھنا چاہتی ہیں دنیا کا منتخب ادب۔ یہاں عام پبلک کی پسند کے مطابق کتابیں آتی ہیں۔" وہ بیزار کرتا چلا گیا تھا۔ ذرا دیر بعد مطلوبہ کتاب سمیت آن موجود ہوا۔

"تھینک یو سو مچ۔ پتہ نہیں میری نگاہ اس پر کیوں نہیں پڑی۔" وہ شرمندہ ہوئی۔ حدید کے لبوں پر بلا ارادہ ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی بھیا! بتائیے کیا مسئلہ تھا؟" لڑکی کے جانے کے بعد وہ پھر حدید کی جانب متوجہ ہوا اور پھر خود ہی مسئلہ یاد آگیا تھا۔

"آپ یہ دو کتابیں لے کر جانا چاہتے ہیں تو لے جائیں مگر سیکورٹی جمع کروانی ہوگی۔" اس نے وہ دونوں کتابیں حدید کے سامنے رکھیں جو ابھی لڑکی واپس کر کے گئی تھی۔ اس نے کتابوں کے نام دیکھے۔ ایک قرۃ العین حیدر کی سیتا ہرن تھی اس نے اٹھالی۔

"تھوڑی دیر سوچنے کے بعد دوسری کتاب بھی اٹھالی دونوں دے دیں۔" مبادا لائبریرین اس محدود مدت کی پیشکش سے ہاتھ کھینچ لے۔ اس نے جلدی سے کہہ کر سیکورٹی دینے کے لیے والٹ کھول لیا۔

☼ ☼ ☼

"اور سناؤ بیٹا! کیسا ٹور رہا تمہارا؟" پاپا حارث سے مخاطب تھے۔ آج پھوپھو کے گھر سب ڈنر پر مدعو تھے۔

"بہت زبردست ماموں جان!" حارث سنجیدگی سے تفصیلات بتانے لگا۔ ملیحہ پھوپھو بہت محبت اور محویت سے بیٹے کی باتیں سن رہی تھیں۔

"ہم نئی نسل پر اعتبار کرنے سے ہچکچاتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ اب ہمارا وقت بیت چکا۔ ان بچوں میں ہم سے زیادہ پوٹینشل ہے۔" عثمان انکل کے لہجے میں بھی فخر صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو عثمان! ماشاء اللہ حارث تمہارے بزنس کو خوب آگے بڑھائے گا۔ لیکن ہر کوئی تمہاری طرح خوش قسمت نہیں ہوتا۔"

مایا جان کا اشارہ کس طرف تھا۔ سب ہی واقف تھے۔ تائی جان کے چہرے کے زاویے بھی بگڑ گئے تھے۔ "حمنیٰ کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ فرائیڈ فش ٹرائی کریں بھابھی! میں نے نیا شیف رکھا ہے۔" ملیحہ پھوپھو نے ماحول میں تناؤ محسوس کر کے تائی جان کا دھیان بٹانا چاہا تھا۔

"ہاں میں نے چکھی ہے اچھی ہے۔" انہوں نے ڈش پھوپھو کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ پر رکھ دی۔ حارث اور حمنیٰ نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور دونوں نے ہی بڑی

www.pkdigest.com

مشکل سے مسکراہٹ دبائی۔

"تم نے آفاق میاں کو دعوت دی۔ کیا کہا انہوں نے؟" دادی جان کو اچانک یاد آیا تو تائی جان کو مخاطب کیا تھا۔

"بھائی جان اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ آئیں گے تو بات کروں گی۔" انہوں نے رکھائی سے جواب دیا۔

"میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ میں چاہتی ہوں جانے سے پہلے اپنے بچوں کی کچھ خوشیاں تو دیکھ جاؤں۔" دادی جان کا لہجہ نقاہت زدہ تھا۔ سب خاموش ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ کتابیں تم لائے تھے برخوردار؟" وہ شام کو آفس سے لوٹا تو سب گھر والے حسبِ معمول خالہ جان کو لے کر شہر کی سیر کو نکلے تھے۔ خالو جان تنہا لان میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے میز پر کتابیں دھری تھیں۔

"جی کل میں ہی تو لایا تھا۔" وہ بھی سامنے والی کرسی پر ٹک گیا۔

"خوب انتخاب لاجواب ہے۔" خالو جان نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے جھانکتے ہوئے کہا۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔ شاید خالو جان طنز کر رہے تھے۔

"اس کتاب کی مجھے عرصے سے تلاش تھی' کیا کلاسک ناول ہے۔ تم نے تو پڑھا ہو گا۔" انہوں نے الکیمسٹ اسے تھماتے ہوئے پوچھا۔ حدید نے انہیں ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

"جی کافی عرصے پہلے پڑھا تھا۔ اس پر نظر پڑی تو سوچا آپ کے لیے لیتا چلوں۔"

خالہ بتاتی تھیں کہ خالو جان ان کو اکثر ان کے میکے کے متعلق طعنہ دیتے رہتے ہیں کہ وہ صرف دو جمع دو چار کرنے والے لوگ ہیں۔ علم و ادب سے دور کا بھی تعلق' واسطہ نہیں اب اگر وہ تھوڑا سا متاثر ہو ہی گئے تھے تو حدید نے بھی جھوٹ بولنے میں کوئی عار نہ سمجھا۔

"حیرت ہے بھئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہیں بھی پڑھنے پڑھنے میں دلچسپی ہے۔" انہوں نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ انکساری سے گردن جھکا کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں اس لڑکی کے لیے دعا نکلی تھی جس کے ذوق کی وجہ سے آج خالو جان تھوڑا بہت سہی پر متاثر ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے ہی اس کی طبیعت کچھ مضمحل تھی۔ موسمی بخار اور فلو تھا لیکن اس ذرا سی بیماری نے اس لمبے چوڑے بندے کو نڈھال کر دیا تھا۔ رات اسے ایک آفیشل ڈنر اٹینڈ کرنا تھا لیکن بابا نے اسے سرِ شام ہی گھر بھیج دیا۔

"جاؤ یار! آخر جب تم ملائیشیا گئے ہوئے تھے تب بھی ہم ذمہ داریاں سنبھال ہی رہے تھے۔ صبح سے چھینک چھینک کر برا حال کر رکھا ہے۔ گھر جا کر اپنی ممی سے جوشاندہ بنوا کر پی لینا۔" انہوں نے مذاق کیا۔

"اگر اس وقت ممی سے ملاقات ہو گئی تو آپ کی ہدایت پر ضرور عمل کروں گا۔" وہ مسکرا دیا۔

"ہاں یار! تمہاری ممی بھی بہت سوشل ہو گئی ہیں۔ ویسے سچ کہوں تو اس میں زیادہ قصور ملیحہ کا نہیں۔ بے چاری اکیلی گھر میں رہ کر کیا کرے۔ ہم دونوں ہی صبح کے گئے شام کو لوٹتے ہیں۔ اسی لیے تو آج کل سنجیدگی سے بہو لانے کے متعلق سوچ رہی ہے۔"

"خدا کے لیے! فی الحال بہو کو اسی کے گھر میں رہنے دیں۔ وہ آئے روز اپنے گھر کی پر سکون فضا میں ہی بھونچال لائے رکھتی ہے۔ ممی سے کہاں برداشت ہوں گی اس کی حرکتیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ عثمان صاحب بھی ہنس پڑے۔

"بہت اچھی بچی ہے۔ سادہ' پر خلوص اور حساس۔ ایسے صاف دل کے لوگ آج کل کہاں ملتے ہیں۔" ان کی رائے حمنیٰ کے متعلق ہمیشہ سے ہی بہت اچھی رہی تھی۔

"تم آج آفس سے جلدی نہیں آ گئے؟" وہ ابھی پورچ میں ہی تھا جانے حمنیٰ کو اس کے آنے کی خبر مل گئی۔

"ہاں۔ طبیعت خراب تھی۔"

"اچھا اپنی گاڑی کی چابی تو دو۔" پر خلوص لڑکی نے طبیعت خرابی کی وجہ جاننے کی زحمت بھی نہیں کی۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے کڑے تیوروں سے گھورا۔ شام کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ موسم کے تیور بھی کچھ خطرناک سے تھے۔

"میں نے اپنی دوست کے یہاں جانا ہے۔ آج اس کی سالگرہ ہے۔ اور گھر پر کوئی گاڑی نہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی' دیکھ نہیں رہیں موسم کتنا خراب ہے۔" اس نے چابی دینے سے صاف انکار کر دیا۔

"پلیز حارث! میرا جانا بہت ضروری ہے۔ میری دوست کی پوری دنیا میں واحد دوست میں ہی ہوں۔"

"اچھا واحد دوست صاحبہ' جانا ضروری ہے تو ڈرائیور کے ساتھ جاؤ۔ ڈرائیور کہاں ہے؟"

"ڈرائیور اس وقت فضول کی بحث کر رہا ہے۔ اگر موسم خراب ہے تو اسے چاہیے کہ ساتھ چل پڑے۔" اس کی بات چند لمحوں بعد سمجھ میں آئی تھی۔

"چلو۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سوری۔ میں نے تمہیں تنگ کیا' کیا طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔" بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد حمنیٰ کو آخر خیال آ ہی گیا۔

"تم کس دوست کے جا رہی ہو؟" حارث نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ اب حیات کچھ چوکس ہو گئی تھیں۔

"بس پہنچنے ہی والے ہیں۔ لیفٹ پر موڑ لو۔" اس نے حارث کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

"میں یہاں گاڑی میں بیٹھ کر ہی انتظار کر رہا ہوں۔ تم پندرہ منٹ کے اندر واپس آؤ۔" گاڑی منزلِ مقصود پر پہنچ چکی تھی۔ جب حارث نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"حارث پلیز! میرے ساتھ چلو۔" اس نے اتنی لجاجت سے کہا کہ وہ انکار نہ کر سکا۔ بلکہ شاید وہ کبھی اسے انکار کر ہی نہ سکتا تھا۔

لب بھینچے وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتا رہا۔ دروازہ مینا نے کھولا تھا۔ حمنیٰ پر نظر پڑتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا مگر حمنیٰ کے پیچھے ایک اجنبی صورت کو دیکھ کر گھبرا سی گئی تھی۔

"آج اندر نہیں آنے دو گی۔" اسے دروازے میں ایستادہ دیکھ کر حمنیٰ نے مسکرا کر کہا وہ خفیف سی ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

"آجاؤ حارث" حمنیٰ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چپ چاپ اندر چلا آیا۔

"یہ حارث ہے اور حارث یہ مینا!" اس نے اس یقین کے ساتھ تعارف کروایا جیسے فریقین ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہیں۔

"نانی کہاں ہیں مینا؟"

"اندر کمرے میں۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ حمنیٰ بے تکلفی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ ناچار اسے بھی جانا پڑا۔ تنگ و تاریک سے کمرے میں پہلے مدقوق بلب کی روشنی تاریکی کم کرنے کے بجائے عجیب پراسراریت پیدا کر رہی تھی۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر ایک مسہری اور دو کرسیاں تھیں۔ مسہری پر ایک نحیف و نزار وجود تکیوں کے سہارے بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھا۔ حمنیٰ کو دیکھ کر وہ مسکرائیں اور پھر دوبارہ کلام پاک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ رکوع مکمل کر کے قرآن پاک بند کر کے جزدان میں لپیٹا تھا جبکہ ہاتھ مسلسل کپکپا رہے تھے۔

"مینا!" ایسی آواز جو صرف مینا ہی سن سکتی تھی' جب ہی اگلے پل کمرے میں آ گئی تھی۔ قرآن مجید اسے تھما دیا۔ تب حمنیٰ نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"یہ حارث ہے۔" وہ تعارف کروا کر رکی جیسے سمجھ میں نہ آیا ہو آگے کیا کہے۔

"ملیحہ پھوپھو کا بیٹا یعنی تیمور چاچا کا بھانجا۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر تعارف مکمل کروایا۔

"السلام علیکم۔" اس نے دھیمے لہجے میں سلام کر دیا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔" نانی کے لب ہلے تھے۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی نانی!" حمنیٰ نے انہیں بے تکلفی سے نانی کہہ کر مخاطب کیا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ بہتر ہوں۔" انہوں نے جواب دے کر مینا کو چائے بنانے کا کہا تھا۔ "نہیں پلیز ہمیں جلدی ہے۔" حارث نے انہیں روکنا چاہا۔ وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ مینا بھی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"ارے نہیں۔ چائے تو ہم ضرور پئیں گے۔ تمہیں نہیں پتہ' مینا بہت مزے دار چائے بناتی ہے۔" حمنیٰ کے کہنے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے نانی سے گپ شپ شروع کر دی تھی۔ وہ خاموشی سے کمرے کے در و دیوار تکنے لگا۔ یہ کمرہ کسی طور "کوٹھا" کہلانے کا مستحق نہیں تھا۔ سامنے والی دیوار پر خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کے بہت پرانے پورٹریٹ آویزاں تھے۔ مسہری کے ساتھ تپائی پر کچھ دوائیاں اور ایک تسبیح دھری تھی۔ کمرے کی بغیر کواڑوں والی واحد الماری میں سلیقے سے کتابیں اور نوٹس رکھے ہوئے تھے۔

حمنیٰ بظاہر نانی سے باتوں میں مشغول تھی لیکن وہ ساتھ بیٹھے حارث کی خاموشی کو پوری طرح محسوس کر رہی

www.pkdigest.com

تھی۔ وہ اسے آفس سے واپس پر سیدھا یہیں لے آئی تھی۔ اس کی طبیعت کافی خراب تھی۔ اس نے رخ موڑ کر ایک نظر حارث پر ڈالی۔ بخار سے تمتماتے چہرے اور سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ بہت لاتعلقی اور خاموشی سے بیٹھا تھا مگر اس کے باوجود اتنا شان دار لگ رہا تھا کہ حمنیٰ کو مسکرا کر نظر پھیرنا پڑ گئی۔

"آجاؤ بھئی مینا! تم تو تکلف میں پڑ گئیں۔" اسی لمحے مینا ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی تو حمنیٰ نے اسے مخاطب کیا۔

"کیسا تکلف؟" وہ شرمندگی سے مسکرا دی۔ حارث نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ دماغ عجیب الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔

حمنیٰ نے تپائی کی چیزیں اٹھا کر الماری میں رکھی تھیں اور تپائی گھسیٹ کر درمیان میں رکھ دی۔ مینا نے ٹرے تپائی پر رکھ دی۔ چائے، نمکو اور بسکٹ، وہ اس سے زیادہ اہتمام کرنے کے قابل نہ تھی اور یہی چیز خفت کا باعث بن رہی تھی۔ اس نے چائے کا کپ اٹھا کر حارث کی طرف بڑھایا تھا اور اسی لمحے حارث کو زوردار چھینک آئی تھی۔ مینا کے ہاتھ میں کپ لرز گیا۔ تھوڑی سی چائے چھلک کر حارث کی شرٹ پر گری تھی۔

"سوری۔" وہ بوکھلا گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہہ کر کپ تھام لیا۔

"تمہارے ایڈمیشن جا رہے ہیں۔ میں فارم لے کر آئی تھی۔" حمنیٰ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے فارم نکال کر اسے تھمایا تھا۔ مینا فارم لے کر سامنے مسہری کی پائنتی پر ٹک گئی تھی۔

"اسے فل کر دینا۔ میں پرسوں آکر لے جاؤں گی۔"

"میں پیپرز نہیں دے رہی حمنیٰ۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گا مینا! پورے سال کی محنت برباد کر دو گی۔" حمنیٰ نے اسے ڈپٹا تھا۔

"کیسی محنت؟ میں نے بالکل تیاری نہیں کی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"تو ابھی کون سا وقت گزرا ہے۔ پیپرز تک تیاری ہو جائے گی۔" حمنیٰ قطعیت بھرے انداز میں بولی۔

حارث چائے کے سپ لیتا ہوا خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا مگر نگاہیں مینا کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

چہروں میں مشابہت تلاش کرنا عورتوں کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے لیکن سامنے بیٹھی اس لڑکی کو غور سے دیکھنے پر وہ اس کے نقوش میں کسی اور کی مشابہت بہت آسانی سے تلاش کر سکتا تھا۔ تیمور ماموں کی تصویروں والے ڈھیروں البم اس کی ماں نے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے جب بھی بھائی کی یاد شدت سے حملہ آور ہوتی تو وہ گھنٹوں بیٹھی ان تصویروں کو دیکھتی رہتیں۔ وہ اور بابا بہت مشکلوں سے ان کا دھیان بٹاتے تھے اور یہ لڑکی جو اس بوسیدہ گھر کی مکین ہے کیا یہ واقعی تیمور احمد کی بیٹی ہے۔ یہ بات حمنیٰ اسے پچھلے ڈیڑھ سال سے بتا رہی تھی اور وہ اسے حمنیٰ کی حماقت اور بے وقوفی کے سوا کچھ نہ سمجھتا تھا لیکن اب دل و دماغ میں عجیب کشمکش برپا ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے تیمور ماموں اور اس لڑکی میں مشابہت محض اس لیے محسوس ہو رہی ہے کیونکہ وہ یہ مشابہت خود تلاش کرنا چاہ رہا ہے لیکن دل و دماغ کی اس دلیل کو خاطر میں لانے پر تیار نہ ہو رہا تھا۔

"نانی! آپ ہی سمجھائیں اس مینا کی بچی کو۔ سال ضائع کرنے سے اسے کیا حاصل ہو گا۔" حمنیٰ اسی بحث میں الجھی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں فارم فل کر دوں گی۔" مینا نے جیسے ہار مان لی تھی۔ حمنیٰ نے سکون کا سانس لیا پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ واپسی کے لیے اٹھ گئے تھے۔

"توبہ ہے حارث! کتنی خوف ناک چھینک ماری تھی تم نے مینا بے چاری کا ہاتھ لرز گیا تھا۔" وہ بالکل خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے میں مصروف تھا جب حمنیٰ نے بات چھیڑی۔

"تم نے مینا کو برتھ ڈے وش نہیں کیا۔" حارث نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سالگرہ سے دو مہینے پہلے کوئی پاگل ہی سالگرہ کی مبارکباد دے سکتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ حارث بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اچھا گھورو مت، وہاں بیٹھے بیٹھے بھی مینا کو گھورتے رہے۔ کیا سوچتی ہو گی وہ، آج ایسی سرخ تو تمہاری آنکھیں ہو رہی ہیں۔ وہ بے چاری تمہاری گھورنے سے اتنا پزل ہو رہی تھی میں نے تین دفعہ تمہیں ٹھوکے بھی دیے

تھے۔" ایک پل کے لیے حارث کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری پھر معدوم ہو گئی۔

"تم ناراض ہو حارث!" کچھ توقف کے بعد حمنیٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔

"میں یہاں آنے کے بعد ذہنی طور پر بہت الجھ گیا ہوں حمنیٰ۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ حمنیٰ بھی چپ ہو گئی۔

"میں کیا کرتی حارث! یہ معاملہ سلجھانا اکیلے میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت ہے اور تمہارے علاوہ میرے ذہن میں کوئی اور نام نہیں آتا۔ اب تو تم نے مینا کو دیکھ لیا۔ اب بھی تم یہی کہتے ہو کہ وہ تیمور چاچا کی بیٹی نہیں۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ حارث خاموش رہا۔

"فار گاڈ سیک حارث! ہمیں اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنا پڑے گا۔ مینا تیمور چاچا کی سگی بیٹی ہے۔ وہ ہمارا خون ہے۔ ہماری فرسٹ کزن اور کس حال میں زندگی گزار رہی ہے وہ۔ پوری دنیا میں اس کا نانی کے سوا کوئی نہیں اور ہر گھڑی، ہر پل اسے یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نانی بھی اسے چھوڑ کر نہ چلی جائیں اور اس کا خدشہ بے جا نہیں۔ ڈاکٹرز ان کے متعلق زیادہ پر امید نہیں۔ پھر اس کے بعد وہ کہاں جائے گی۔ کیا کرے گی؟ چڑیا جتنا دل ہے اس کا۔ اعتماد نام کو نہیں۔ وہ گھر کے ہوتے ہوئے بے گھر ہے۔ اس کے خونی رشتے موجود ہیں، اس کے باوجود وہ بے سائبان ہے۔ کتنے ظالم ہیں ہم لوگ حارث! تیمور چاچا کی روح کتنا تڑپتی ہو گی۔" وہ بولنے پر آئی تو جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی۔

"تمہیں یقین آگیا نا کہ وہ تیمور چاچا کی بیٹی ہے۔ میں سچ کہتی تھی نا۔ حارث؟" اس نے پھر استفسار کیا۔

"اگر یہ سچ ہے تو بہت ہولناک سچ ہے۔" وہ خود شدید دکھ کی لپیٹ میں تھا۔

"تم کچھ کرو گے نا حارث!" اس نے بہت امید سے پوچھا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں حمنیٰ۔" اس نے بے بس ہو کر پوچھا۔ جواب سن کر اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ حارث ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ لائبریری میں کتابیں لوٹانے آیا تھا لیکن کاؤنٹر کے پیچھے لائبریرین موجود نہ تھا۔ اس نے کوفت سے پہلے گھڑی کو دیکھا پھر گرد و پیش میں نگاہیں دوڑائی تھیں اور یہ اتفاق ہی تھا کہ سامنے وہی لڑکی دکھائی دے گئی۔ وہ ایک میں سے ایک کتاب اٹھائے ورق گردانی میں مصروف تھی۔ چہرے پر مدہم سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اسے دلچسپی سے دیکھے گیا۔

"جی بھیا! فرمایئے۔" اتنے میں لائبریرین جانے کہاں سے نمودار ہو گیا۔ وہ ایک دم سٹپٹایا تھا۔

"یہ کتابیں لوٹانا تھیں۔" اگلے ہی پل سنبھلتے ہوئے اس نے لائبریرین کو کتابیں تھمائیں۔ اتنے میں وہ لڑکی بھی کتابیں منتخب کر کے کاؤنٹر پر آگئی تھی۔ حسب توقع لائبریرین اسے چھوڑ کر لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"یہ دو کتابیں ایشو کر دیجیے۔" لائبریرین نے اثبات میں سر ہلا کر رجسٹر میں کتابوں کا اندراج کیا۔

"اور یہ "چاکیواڑہ میں وصال" آپ پلیز سنبھال کر رکھیے گا۔ میں اگلی بار ایشو کروا دوں گی۔" ایک وقت میں ایک کارڈ پر صرف دو کتابیں ایشو ہو سکتی تھیں۔ شاید اسی لیے اس نے پیشگی بکنگ کروا دی۔

"مینا! آپ دو چھوڑ چار کتابیں لے جائیں۔ آپ تو باقاعدہ آنے والوں میں سے ہیں۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں۔" لائبریرین کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

"شکریہ لیکن اصول تو اصول ہوتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ کر مسکرائی تھی اور پھر دونوں کتابیں اٹھا کر پلٹ گئی تھی۔ حدید چند لمحوں تک اس "بااصول" لڑکی کو تکتا رہا تھا۔

"فرمایئے صاحب!" لائبریرین کی آواز نے اسے پھر چونکایا تھا۔

"جی وہ یہ کتابیں۔" اس نے سنبھلتے ہوئے آنے کا مقصد بتایا۔

☼ ☼ ☼

وہ واقعی الجھ گیا تھا۔ جس بات کو وہ حمنیٰ کی حماقت سمجھ کر نظر انداز کرتا آیا تھا، وہ حمنیٰ کے بجائے تیمور ماموں کی حماقت نکل آئی تھی۔ حمنیٰ سچی تھی۔ وہ لڑکی واقعی تیمور ماموں کی بیٹی تھی۔ اتنی مشابہت کا اور جواز بھی تو پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تیمور ماموں اگرچہ اس کے بچپن

www.pkdigest.com

pKDigest

کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

ایک = ایک ٹیٹنس ویکسین
Pampers unicef Pampers unicef Pampers
IAL Saatchi & Saatchi
Noorani

میں ہی ایک روز ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے تھے مگر اس کی یادداشت میں کبھی ان کی تصویر دھندلی نہ ہو پائی تھی۔ اس میں کمال اس کی یادداشت کا نہیں بلکہ اس گھر کے مکینوں کا تھا۔ وہ سب تیمور احمد سے بے تحاشا محبت کرنے کے دعوے دار تھے۔ وہ ان کی یادوں اور باتوں کو دوہرا دوہرا کر ان کا ذکر زندہ رکھے ہوئے تھے۔ ورنہ بیس برس کسی کو بھلانے کے لیے کم عرصہ تو نہیں ہوتا۔ وہ نانو کے لاڈلے بیٹے تھے تو باقی بہن بھائیوں کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے ترین بھائی۔ بہن بھائیوں میں محبت کا ایسا بندھن کم از کم اس کی نظر سے کبھی نہیں گزرا تھا۔ ممی اور دونوں ماموں اکٹھے ہوتے تو تیمور ماموں کا ذکر لازمی نکلتا تھا اور اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے وہ کتنی دیر تک ان کی باتیں دوہراتے رہتے۔ یونہی یہ باتیں لاشعور کا حصہ بنتی گئیں۔

تیمور ماموں کی ڈیتھ کے بعد کسی عورت نے انہیں بلیک میل کرنا چاہا تھا۔ یہ تذکرہ اس نے سرسری انداز میں دو چار بار سنا تھا۔ بڑے ماموں بہت تنفر سے اس عورت کا ذکر کرتے تھے جو تیمور ماموں کی ڈیتھ کے تین مہینے بعد ایک بچی کو ان کے پاس یہ کہہ کر لائی تھی کہ یہ تیمور احمد کی نومولود بیٹی ہے اور اس کی ماں اس کی پیدائش کے وقت مر گئی ہے۔

حارث نے کبھی دلچسپی لے کر پورا قصہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لوگ پیسے کے لیے ایسی حرکتیں کر گزرتے ہیں اور تیمور ماموں کو لڑکیوں کی کون سی کمی تھی' جو یوں چوری چھپے ایک گانے والی سے شادی کر بیٹھتے۔ ان جیسی ڈیسنٹ اور ڈیشنگ شخصیت سے یہ توقع ہی عبث تھی لیکن برسوں بعد حمنیٰ نے یہ بھولا بسرا قصہ پھر زندہ کر دیا تھا۔ اس کی کالج میں کسی لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی جس کی ولدیت کے خانے میں تیمور احمد یزدانی کا نام درج تھا اور جو بقول حمنیٰ ہو بہو تیمور احمد کی کاپی تھی۔ اس نے بہت جوش و خروش سے سب گھر والوں کے بیچ یہ خبر نشر کی تھی لیکن اسے ہر طرف سے بے بھاؤ کی سننا پڑی تھیں۔

"تم کس کی باتوں میں آ رہی ہو۔ ان لوگوں کا طریقہ واردات ہی یہ ہوتا ہے۔ اپنے خاندان کی عزت کا احساس ہے کچھ۔ خبردار جو آئندہ اس لڑکی سے ملیں۔"

اس کی بات پر یقین کرنا تو درکنار الٹا اسے جھاڑ کر رکھ دیا گیا۔ یقین تو حارث کو بھی نہ آیا تھا لیکن وہ اسے سب کی طرح جھٹلا کر ہرٹ نہ کرنا چاہتا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی حمنیٰ!" اس نے بہت نرمی سے اسے سمجھا۔

"غلط فہمی؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"میں نے اس کے پاس تیمور چاچا کی تصویر دیکھی ہے۔"

"ایک تصویر کے ذریعے وہ یہ بات ثابت کرنا چاہ رہی ہے کہ وہ تیمور ماموں کی بیٹی ہے؟" وہ کچھ برہم ہوا۔

"وہ ہرگز یہ ثابت کرنا نہیں چاہ رہی۔ نہ ہی اسے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس نے یا اس کی نانی نے کچھ ثابت کرنا ہوتا تو آج سے اٹھارہ' انیس سال پہلے کرتے' انہیں نہ تو اس خاندان کی دولت میں سے کچھ چاہیے نہ جائیداد میں سے۔ ہاں اس کے نام کے ساتھ تیمور چاچا کا نام ضرور جڑا ہے اور یہ نام ہم میں سے کوئی بھی چھیننے پر قادر نہیں کیونکہ وہ واقعی تیمور چاچا کی بیٹی ہے۔"

اس کے انداز میں اتنی قطعیت تھی کہ حارث چپ ہو گیا۔

"تایا جان کہتے ہیں کہ اس عورت نے تیمور چاچا پر بہتان لگایا تھا۔ کتنے ظالم ہیں تایا جان! بہتان تو انہوں نے لگایا تھا۔ انہیں تو مینا کی نانی کا احسان مند ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس عزت دار گھرانے کا باعزت خون ان ہی کے حوالے کرنے آئی تھیں اور تایا جان نے یہ کہہ کر انہیں دھکے دے کر گھر سے نکالا تھا کہ وہ کسی کے گناہوں کی پیداوار ان کے سر تھوپ رہی ہیں۔ الزام انہوں نے مینا کی نانی پر نہیں بلکہ اپنے بھائی پر لگایا تھا۔"

وہ جانے کیا کچھ بول رہی تھی۔ حارث اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔ کوئی بہت چالاکی سے اس کی برین واشنگ کر رہا تھا۔ وہ سدا سے اتنی ہی احمق اور بے وقوف تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ بے وقوف لڑکی اسے عزیز بھی بہت تھی۔ اسے اپنی آئندہ زندگی اس کے سنگ گزارنی تھی اس کا غیر رسمی اعلان ہوئے تو چند ہی مہینے ہوئے تھے مگر اس کی حمنیٰ سے محبت اس نئے استوار شدہ تعلق کی محتاج نہ تھی۔ وہ ہمیشہ سے ہی خود کو اس لڑکی کی پروا کرنے پر خود کو مجبور پاتا تھا۔ وہ بہت حساس تھی اور نو عمری میں ہی ماں باپ کی علیحدگی کے باعث اس کی شخصیت عجیب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی تھی۔ طوبیٰ اگرچہ اس سے محض دو

ڈھائی سال بڑی تھی لیکن کہیں زیادہ سمجھ دار تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس دھچکے کے بعد سنبھال لیا تھا۔ اس کی اپنی الگ کتابی دنیا تھی پھر اس کا دین کی طرف رجحان بھی بڑھ گیا تھا' شاید اسی لیے طبیعت میں ٹھہراؤ اور سکون در آیا تھا۔ رہی حمنیٰ تو وہ حالات سے سمجھوتہ نہ کرپائی۔ اس کی شخصیت میں عجیب خودسری اور ہٹ دھرمی پیدا ہوگئی تھی۔ ایسے میں طوبیٰ اور حارث ہی تھے جو اس کی شخصیت کے الجھاؤ کو سلجھانے میں لگے ہوئے تھے' پھر بھی وہ آئے روز کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کیے ہی رکھتی اور اب تو مسئلے کی نوعیت ہی مختلف تھی۔ سب نے اسے کالج کے اندر اس لڑکی سے ملنے کو منع کیا تھا اور وہ بہت آرام سے اس کے گھر کا چکر بھی لگا آئی۔ حارث کو پتہ چلا تو وہ ششدر رہ گیا۔

"تم اس علاقے میں گئیں۔ فار گاڈ سیک حمنیٰ! اپنا نہیں تو خاندان کی عزت کا خیال کرو۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو...؟" اسے سمجھ نہ آئی کہ بات کی سنگینی سے کیسے آگاہ کرے۔

"نہیں چلے گا۔" وہ لاپروائی سے بولی اور یہ اس کی خام خیالی تھی۔ کسی طرح تایا جان کے نوٹس میں یہ بات آگئی تھی۔ اس کے بعد نہ صرف اسے سخت ترین الفاظ میں ڈانٹا گیا بلکہ کچھ روز تک "انڈر آبزرویشن" بھی رکھا گیا اور جب سب مطمئن ہوکر یہ قصہ بھول بھال گئے تو اس نے دوبارہ مینا کے ہاں جانا شروع کردیا۔

اس بات کا حارث اور طوبیٰ کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ وہ اسے سمجھا سکتے تھے پر روکنے پر قادر نہ تھے اور جب ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں اسے ملائیشیا جانا پڑا تو امجد کی جاسوسی کے نتیجے میں وہ دوبارہ زیر عتاب آگئی تھی۔ سب گھر والوں کی رائے میں اس کی ہٹ دھرمی کا واحد علاج شادی تھا۔

"اماں چاہ رہی ہیں کہ طوبیٰ اور حمنیٰ کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں اور میں اماں کی بات سے متفق ہوں۔"

وہ ملائیشیا میں ہی تھا' جب ممی نے اسے فون کرکے اطلاع دی وہ ممی کو تو کیا کہتا فون کرکے اسے ضرور کھڑکایا تھا۔ حیرت اسے حمنیٰ کی خاموشی پر ہوئی تھی اور ذرا دیر بعد پتہ چلا کہ خاموش سامع حمنیٰ نہیں بلکہ مینا تھی۔ پاکستان واپس آنے کے بعد اس نے حمنیٰ کو ایک بار پھر سمجھایا کہ وہ اس قصے سے خود کو الگ رکھے۔ حیرت انگیز طور پر اس روز وہ خاموش ہوگئی تھی مگر آج چار دن بعد حارث کو وہاں لے جاکر اس نے اس روز کی تقریر کا عملی جواب دے دیا تھا۔

اب وہ واقعی کچھ کہنے کے قابل نہ رہا۔ حمنیٰ گزشتہ ڈیڑھ برس سے جس یقین کے ساتھ اس اجنبی لڑکی کو تیمور ماموں کی بیٹی بتاتی آئی تھی' کبھی کبھار وہ بھی چند لمحوں کے لیے دل ہی دل میں اس مفروضے کو حقیقت مان لیتا مگر یہ حقیقت اتنی تلخ لگتی کہ اگلے ہی پل وہ سر جھٹک کر یہ سوچ جھٹلا دیتا۔ لیکن آج وہاں لے جاکر حمنیٰ نے اس یہ آپشن بھی چھین لیا۔

وہ اس حقیقت کو جھٹلانا چاہ رہا تھا مگر جھٹلا نہ پا رہا تھا۔ حمنیٰ سچی تھی مگر صورت حال اتنی گمبھیر تھی کہ سوچ سوچ کر دماغ ماؤف ہوگیا مگر مسئلہ سلجھانے کی کوئی تدبیر ہاتھ نہ آئی۔

☼ ☼ ☼

"اتنے دنوں بعد تو آپ لوگ آئے تھے خالہ جان! کچھ دن تو مزید رکتے۔" آج خالہ جان اور خالو جان کی واپسی تھی۔ کھانے کی میز پر سب ہی جمع تھے' جب حدید نے انہیں مخاطب کیا۔

"اب تو بیٹا جان تمہاری شادی پر ہی آئیں گے۔" خالہ جان مسکرائی تھیں۔

"ویسے رافعہ! حدید میاں کے لیے کوئی لڑکی وڑکی ڈھونڈ بھی رکھی ہے یا نہیں۔" انہوں نے امی کو مخاطب کیا۔

"اب لڑکی ڈھونڈنا کوئی آسان تھوڑی ہے اور اپنے خاندان میں تو گنتی کی چند لڑکیاں ہیں۔ کچھ کی شادیاں ہوئے برسوں بیت گئے تو کچھ کی شادیاں ہونے میں برسوں باقی ہیں۔ میرے حدید کی ہم عمر تو ایک بھی نہیں۔ سچ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ بہو کی تلاش کا کام کیسے انجام دوں۔" امی نے دکھڑا رویا۔

"تو یہ کام آپ صاحبزادے پر چھوڑ دیں۔" خالو جان نے بھی مسکراتے ہوئے لب کشائی کی۔

"صاحبزادے اس قابل ہوتے بھائی جان تو ہمیں کاہے کو پریشانی ہوتی۔ بالکل سیدھا ہے میرا بچہ۔ آج کل کے لڑکوں والی تو بات ہی نہیں۔" امی کے لہجے میں بیٹے کے لیے فخر چھپا ہوا تھا۔

"پھر بھی لڑکی ڈھونڈنا شروع کروگی تو ملتے ملتے ملے گی۔ خیر سے تیس برس کے تو ہوگئے ہیں حدید میاں! اب کیا بڈھا کرکے شادی کروگی۔" خالہ جان نے بے لاگ انداز میں تبصرہ فرمایا تھا اور ان کے جانے کے بعد امی واقعی بہو لانے کے بارے میں سنجیدہ ہوگئی تھیں۔

بیٹے کی "بڑھتی" عمر کے احساس نے ان کی راتوں کی نیندیں اڑا دیں۔ تندہی سے بہو کی تلاش شروع کردی۔ خاندان میں لڑکیوں کی کمی سہی مگر حلقۂ احباب میں تو بے شمار لڑکیاں تھیں مگر جس بیٹے کی فرمانبرداری پر انہیں ناز تھا' اس کے سامنے جس لڑکی کا بھی نام لیا جاتا وہ فرمانبرداری سے انکار کردیتا چند ہی دنوں میں امی زچ ہوگئی تھیں۔

"یار! آخر تجھے کوئی لڑکی پسند کیوں نہیں آرہی۔ تائی اماں کو بلاوجہ پریشان کر رکھا ہے۔" مجتبیٰ جو بہترین دوست اور فرسٹ کزن بھی تھا۔ امی کے کہنے پر ہی اس سے جواب طلبی کر رہا تھا۔

"یار! انکل کی مہرین میں کیا کمی ہے بھلا؟"

"کچھ کمی نہیں بلکہ زیادتی ہی ہے۔" حدید ہنسا تھا۔

"کیا مطلب؟" مجتبیٰ نے ابرو اچکائے۔

"مطلب یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ حسین' ضرورت سے زیادہ فیشن ایبل' ضرورت سے زیادہ خود اعتماد اور ضرورت سے زیادہ باتونی ہے۔"

"اور روحیہ آنٹی کی جاء کے متعلق کیا خیال ہے؟" مجتبیٰ نے اگلا نام گنوایا۔

"اتنا لمبا اس کا قد ہے' وہ تو تیرے ساتھ سوٹ کرے گی۔" اس نے بات مذاق میں اڑائی۔

"شزینہ اکبر کے متعلق آپ کی رائے؟" مجتبیٰ نے چبا چبا کر پوچھا۔

"اول ہوں۔ بہت مغرور اور بے نیاز بننے کی کوشش کرتی ہے' حالانکہ گوری رنگت کے سوا اس میں کوئی قابل ذکر خوبی نہیں۔"

"پھر تجھے کیسی لڑکی چاہیے؟" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"یہ اچھا سوال ہے۔" وہ مسکرا کر سوچ میں پڑ گیا۔

"یار! مجھے بہت زیادہ خوبصورت بیوی کی تمنا نہیں ہے لیکن...." وہ بات کرتے کرتے رکا' جیسے سمجھ میں نہ آیا ہو کہ اپنے خیالات کا اظہار کیسے کرے۔ مجتبیٰ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"لڑکی میں وقار ہونا چاہیے۔ سادگی اور معصومیت ہو' اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد آپ کا دل خود بخود اس کی عزت کرنے کو چاہے اسے اپنے گردوپیش سے بے نیاز نظر آنے کے لیے کوئی کوشش نہ کرنی پڑے' بلکہ وہ واقعی ایسی ہو۔ کھوئی کھوئی سی اپنی ذات میں گم۔ اس کی آنکھیں بہت شفاف ہوں اور ان میں جھلکنے والی اداسی کا کوئی سبب سمجھ میں نہ آتا ہو لیکن جب وہ مسکرائے تو اس کی آنکھیں بھی مسکرائیں اس کا لہجہ بہت دھیما اور خوبصورت ہو۔ وہ جب...."

حدید بولتا جا رہا تھا اور مجتبیٰ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے تک رہا تھا۔

"کون ہے وہ؟" اس کے خاموش ہونے کے بعد مجتبیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" وہ سوال سن کر حیران رہ گیا۔

"مطلب یہ کہ تیرا تخیل اتنا طاقت ور نہیں کہ ایک من پسند فرض لڑکی کی شبیہہ یوں تیار کرکے دکھا دے۔ زیادہ سے زیادہ بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ لڑکی گریس فل ہو' خوبصورت ہو' پڑھی لکھی ہو لیکن جو خصوصیات تو نے گنوائی ہیں۔ یہ باتیں تو سمجھ میں آنے والی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ حدید بھی خاموش ہوگیا۔ مجتبیٰ نے کیا درست تجزیہ کیا تھا۔ اسے خود اب اندازہ ہوا کہ لڑکی کی خصوصیات گنواتے وقت اس کی ذہنی روح بھٹک کر کہاں چلی گئی تھی۔

"آفس میں کوئی نئی لڑکی ہے؟" مجتبیٰ کرید رہا تھا۔ اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"پھر کہاں ملاقات ہوئی؟"

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے مجتبیٰ سے زیادہ خود کو جھٹلایا۔ ایک لڑکی جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ لائبریری میں اتفاقیہ دو تین بار دیکھنے کے بعد وہ اس کے لاشعور پر یوں چھا گئی یہ حیران کن بات تھی اور اس بات پر یقین کرنے کو اس کا دل تیار نہ تھا۔

"پھر میں تائی جان کو کیا کہوں کہ وہ تیرے لیے ایسی لڑکی ڈھونڈیں جو بہت معصوم اور سادہ ہو اور جس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس کی عزت کرنے کو دل چاہے۔ جو گردوپیش سے بے نیاز ہو اور جس کی آنکھیں اتنی شفاف ہوں کہ جب وہ مسکرائے تو اس کی آنکھیں بھی مسکرائیں اور جس کا لہجہ بہت خوبصورت ہو۔"

وہ یقیناً" طنز کر رہا تھا۔ حدید خجالت سے سر کھجا کر مسکرا دیا۔

www.pkdigest.com

☼ ☼ ☼

طوبیٰ کے سسرال والوں نے ڈنر پر آنے سے معذرت کرلی تھی۔

"آخر ان لوگوں کے ارادے کیا ہیں؟ رشتہ لے کر ہم ان کے گھر نہیں گئے تھے' وہ ہمارے ہاں آئے تھے اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے انہیں اس رشتے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ اتنے کھینچے کھینچے کیوں ہو رہے ہیں وہ لوگ؟" ملیحہ پھوپھو نے خفگی کے عالم میں تائی جان سے استفسار کیا۔

دو سال پہلے زرینہ بیگم کے بھائی' بھابھی نے بہت چاؤ سے طوبیٰ کا ہاتھ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے مانگا تھا۔ فیملی دیکھی بھالی تھی۔ رسمی طور پر سوچنے کے بعد ہارون احمد نے رشتے کے لیے ہاں کردی۔ شروع شروع میں طوبیٰ کے سسرال والوں نے خاصا جوش و خروش دکھایا تھا لیکن اب ایک عرصے سے ان کی طرف سے تعلقات میں پہلے والی گرم جوشی دیکھنے میں نہ آرہی تھی اور اب تو ان لوگوں نے حد ہی کردی۔

طوبیٰ کے سسر آفاق صاحب کے اسلام آباد سے لوٹنے کے بعد ہارون احمد نے نعمان کی پوری فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا اور ڈنر سے ایک روز پہلے انہوں نے کوئی معقول وجہ بتاتے ہوئے آنے سے معذرت کرلی۔ چونکہ زرینہ بیگم سے ان کا قریبی رشتہ تھا' اس لیے یہاں سب لوگ ان کے اس عجیب و غریب رویے سے متعلق زرینہ بیگم سے ہی استفسار کررہے تھے' صبح سے سب کو جواب دے دے کر زرینہ بیگم کی ہمت جواب دے گئی تھی اور اب ملیحہ نے بھی تیکھے لہجے میں ان ہی سے استفسار کیا تو وہ بری طرح چڑ ہی تو گئیں۔

"بات یہ ہے بی بی! کہ ان کا بیٹا اس رشتے پر راضی نہیں ہو رہا۔" وہ بات جو ابھی تک وہ ساس' شوہر اور دیور سے نہ کہہ پائی تھیں' اب زبان سے نکل ہی گئی۔

"کیا مطلب ہے بھابھی آپ کا؟" ملیحہ تو جواب سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔

"یہی ہے میرا مطلب اور کیا مطلب ہونا تھا۔ نعمان شادی کے لیے راضی نہیں ہو رہا۔" انہوں نے بیزاری سے کہا۔

"کیوں راضی نہیں ہو رہا کیا انہوں نے منگنی سے پہلے بیٹے کی رضامندی نہیں پوچھی تھی۔"

"اب یہ تو مجھے نہیں پتا کہ مرضی پوچھی تھی یا نہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت وہ لوگ طوبیٰ کی شکل و صورت پر مرمٹے تھے لیکن وہ نئے دور کا بچہ ہے اسے ایسی بیوی چاہیے جو قدم سے قدم ملا کر ساتھ چل سکے۔ کیا مضائقہ تھا اگر طوبیٰ' نعمان کے ساتھ کبھی کبھار لانگ ڈرائیونگ پر چلی جاتی۔ لنچ یا ڈنر اکٹھے کرلیتے۔ کتنی دفعہ تو اس نے میوزک کنسرٹ کے ٹکٹ خرید کر طوبیٰ کو ساتھ چلنے کا کہا مگر طوبیٰ تو اس سے فون پر بات تک کرنے کی روادار نہیں تھی' بچہ اس بندھن سے اکتا گیا تو اس میں کوئی اتنے اچنبھے کی بات نہیں۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

"تو آپ کو طوبیٰ کے مزاج کا اندازہ نہیں تھا۔ آپ کو انہیں منگنی سے پہلے بتانا چاہیے تھا کہ ہمارے گھرانے میں بچیاں..."

"بس کرو ملیحہ! بچیوں کا کیا ذکر کرتی ہو۔ ایک ہماری طوبیٰ کو ہی زمانے کی ہوا چھو کر نہیں گزری' ورنہ دوسری تو شہر بھر میں موٹر دوڑاتے پھرتی ہے۔ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ منہ پھٹ اور بدتمیز' نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹے..."

"تو اب وہ کیا چاہتے ہیں؟" ملیحہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔

"چاہنا کیا ہے۔ بیٹے کو مسلسل سمجھانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن وہ بھی اکلوتا اور ضدی ہے۔ طوبیٰ کے لیے تو ہرگز نہیں مان رہا۔ ہاں کہتا ہے اگر حمنیٰ..."

"بس کریں بھابھی!" ملیحہ کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔

"مجھے دکھ ان لوگوں کے رویے سے زیادہ اس بات پر ہے کہ یہ سب باتیں آپ کو پتہ تھیں تو آپ کو ہمارے علم میں لانی چاہیے تھیں۔ آپ نے بلاوجہ معاملے کو لٹکایا۔ وہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ہم اپنی ہیرے جیسی بچی انہیں سونپیں۔ میں ہارون بھائی سے بات کرتی ہوں اگر رشتہ ختم ہونا ہی ہے تو انکار وہ نہیں ہم کریں گے۔" ملیحہ کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما رہا تھا۔

"ہونہہ! رشتہ ختم ہونا ہے تو انکار ہم کریں گے۔" ان کے جانے کے بعد زرینہ بیگم نخوت سے بڑبڑاتی رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ پہلی نظر کی محبت کا قائل نہیں تھا لیکن وہ پہلی نظر کی محبت کا شکار ضرور ہوگیا تھا یہ اور بات کہ خود سے یہ اعتراف کرنے میں کافی وقت لگا تھا۔ اپنی ڈھیروں مصروفیات کو پس پشت ڈالتے ہوئے وہ باقاعدگی سے لائبریری جانے لگا تھا۔ کتابیں پڑھنے سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود لائبریری کارڈ بھی بنوالیا تھا۔ اس لڑکی کے لائبریری آنے کا کوئی مخصوص دن نہیں تھا۔ وہ کبھی تین دن بعد ہی آجاتی اور کبھی چار یا پانچ دن بعد۔

ہر بار وہ اسے پہلے سے زیادہ پروقار' پہلے سے زیادہ خوبصورت اور پہلے سے زیادہ اداس لگتی۔ جب اس کے دل کو پوری طرح یقین آگیا کہ وہ لڑکی اسے بے تحاشا و بے حساب اچھی لگنی لگی ہے' تب اس لڑکی نے لائبریری آنا چھوڑ دیا۔ پہلے تو وہ دو' تین دن چھوڑ کر لائبریری جاتا تھا لیکن اب بے وقوفوں کی طرح روز منہ اٹھا کر لائبریری جانا شروع کردیا۔ لیکن بہت دن گزرنے کے باوجود انتظار لاحاصل ہی رہا۔

"کتنا کھامڑ شخص ہے تو۔ اتنے دن تک اس کی خاموش محبت میں مبتلا رہا اور نام تک معلوم نہ کرسکا۔"

آج جب تھک ہار کر اس نے مجتبیٰ کے سامنے حال دل بیان کیا تو حسب توقع وہ دیر تک قہقہے لگا کر ہنستا رہا تھا۔

"اچھا اب ہنسنا بند کر اور مجھے بتا کہ میں کیا کروں؟" وہ خفگی اور بے چارگی سے بولا۔

"وہ تو کر ہی رہا ہوں۔" اس نے گہری سانس لی۔

"ہوسکتا ہے اس کی طبیعت وغیرہ خراب ہو' اس لیے لائبریری نہ آرہی ہو۔" مجتبیٰ نے قیاس آرائی کی۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے جس بے ساختگی سے کہا مجتبیٰ کو ہنسی آگئی۔ آثار بتا رہے تھے کہ موصوف واقعی گرفتار محبت ہوگئے ہیں۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ پیپرز وغیرہ ہو رہے ہوں اس لیے کتابیں پڑھنے کا ٹائم نہ ملتا ہو۔"

"ہاں یہ ہوسکتا ہے۔" حدید کے دل کو یہ بات لگی تھی۔

"یار! یہ ہوسکتا ہے اس کی شادی وادی کا سلسلہ..." مجتبیٰ نے قیاس آرائیوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا مگر حدید نے سرہانے دھری موٹی سی کتاب اٹھا کر اس کے کندھے پر دے ماری تھی۔

"ڈاکٹر مجتبیٰ ابرار۔ میں نے آپ کو دوست سمجھ کر حال دل سنایا تھا لیکن آپ نے میرے دکھے دل پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑک رہے ہیں۔" اس نے بہت مشکل سے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اونہوں! نمک زخموں پر چھڑکا جاتا ہے۔ دکھے دل پر نہیں۔" مجتبیٰ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے تصحیح کی اور اس سے پہلے وزنی کتاب دوبارہ اس کی خیریت پوچھتی' اس نے حدید کے ہاتھ سے کتاب اچک لی۔

"اوہ تو گویا نوبت شعر و شاعری تک آپہنچی ہے۔ یار! شاعری تو تیرے تین فٹ اوپر سے گزرتی تھی۔"

"شاعری ابھی بھی میرے سر کے تین فٹ اوپر سے ہی گزرتی ہے۔" وہ جل کر بولا۔

"آخری بار اس نے یہ کتاب واپس کی تھی تو میں نے ایشو کروالی۔" اگلے ہی پل اس نے دھیمے لہجے میں وضاحت کی۔

"اور اگر خدانخواستہ واپس نہ آئی تو' تو اس نشانی کو آخری نشانی سمجھ کر سینے سے لگا کر رکھے گا اور پھر جب..." مجتبیٰ بالکل سیریس نہ تھا۔ حدید نے چڑ کر اس کے ہاتھ سے کتاب چھیننا چاہی تھی اور اسی چھینا جھپٹی میں کتاب سے کچھ نکل کر نیچے گرا تھا۔ مجتبیٰ نے جھک کر اسے اٹھایا۔

"تیرا کام بن گیا لالے!" مجتبیٰ نے مسکرا کر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ انگوٹھی جو دو برس تک اس کی انگلی کی زینت بنی رہی تھی۔ اسے اتارنے کے بعد ہاتھ بالکل خالی خالی لگ رہا تھا۔ یہ واحد احساس تھا جو اس تعلق کے ختم ہونے کے بعد دل میں پیدا ہوا۔ ہاں دکھ تھا تو صرف اس بات کا کہ اس سے وابستہ لوگ بہت دکھی ہوگئے تھے۔ دادی جان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔

تایا جان اور تائی جان میں زبردست قسم کی جھڑپ ہوئی تھی۔ حمنیٰ کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ نعمان واجد نامی شخص کو شوٹ کردے۔ حارث کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا۔ ملیحہ پھوپھو بھی بہت رنجیدہ تھیں۔ رہ گئے پاپا تو وہ بالکل چپ ہوگئے تھے۔ جب بھی ان کے چہرے پر نگاہ پڑتی طوبیٰ کا دل کٹ سا جاتا۔ دو دن کے اندر ہی وہ کتنے بوڑھے لگنے لگے تھے اور پھر جب رات کو پاپا نے کمرے میں آکر اسے گلے سے لگایا تو اسے خود کو نہ پتہ چلا کہ اتنے ڈھیر سارے آنسو کہاں سے نکل آئے وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ ان آنسوؤں کا تعلق اس نام نہاد منگنی کے ٹوٹنے سے ہرگز

www.pkdigest.com

نہیں ہے مگر الفاظ نے ساتھ نہ دیا' البتہ آنسو گال بھگوتے رہے اور پھر حمنیٰ نے کیسے منہ پھاڑ کر کہا تھا۔

"کاش میری منگنی ٹوٹتی تو پاپا اس بہانے مجھے بھی گلے لگا کر پیار کر لیتے۔"

اور پاپا نے اسے بھی اپنے دوسرے بازو کے حلقے میں چھپا لیا تھا۔ ایک مدت بعد پاپا نے یوں گلے لگا کر پیار کیا تھا۔ پھر یہ موقع کب ملنا تھا۔ دونوں بیٹیوں نے باپ کے سینے میں سر چھپا کر سارے ہی آنسو بہا ڈالے۔

☼ ☼ ☼

"حمنیٰ بیٹا! آپ کا لاسٹ پیپر کب ہے؟" وہ صبح کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی' جب پاپا دستک دے کر کمرے میں آئے تھے۔

"جمعے کو پاپا!" وہ اور طوبیٰ دونوں ہی اس سوال پر حیران ہوئے تھے۔ انہوں نے پر سوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔

"شاید آپ کو معلوم ہو کہ آپ کی ماما پاکستان آئی ہوئی ہیں۔" پاپا کی بات پر دونوں نے نظریں جھکا لیں۔

"وہ چاہتی ہیں کہ آپ لوگ کچھ دن ان کے ساتھ گزارو۔" پاپا نے بے تاثر لہجے میں بتایا تھا۔ طوبیٰ اور حمنیٰ خاموش رہیں۔

"میں آپ دونوں کی سیٹیں ریزرو کروا دیتا ہوں۔ جتنے دن بھی آپ نے اپنی ماما کے ساتھ گزارنے ہوں' آپ گزار سکتی ہو۔" پاپا کہہ کر واپس مڑ گئے تھے۔ دونوں بہنوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"پاپا ہماری دل جوئی کرنا چاہ رہے ہیں۔" حمنیٰ بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔ پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھسل گئی۔

☼ ☼ ☼

"پلیز حارث! اس سے رابطے میں رہنا۔ وہ بہت اکیلی ہے۔" حارث انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے گیا تھا اور وہ آخری وقت تک اسے مینا کا خیال رکھنے کی تلقین کرتی رہی تھی۔

"تم اتنے مشکل مشکل کام مجھے کیوں سپرد کر دیتی ہو۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"تم پر اعتماد جو ہے۔" وہ مسکرا دی تھی۔

اور آج ان دونوں کو گئے ہوئے چار دن ہو گئے تھے۔ آفس سے اٹھتے وقت اس کا ارادہ سیدھا گھر جانے کا ہی تھا مگر راستے میں ہی جی میں کیا سمائی کہ اس نے گاڑی دوسرے روڈ پر موڑ دی۔ وہ وہاں کیوں جا رہا تھا۔ اس بات کی کوئی توجیہہ وہ خود کو نہ دے سکا۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دینے تک بہت بار واپس پلٹ جانے کے متعلق سوچا مگر دیر ہو چکی تھی۔ دروازہ کھل گیا تھا۔

"آپ؟" مینا کو دروازہ کھولنے کے بعد حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ حارث کچھ خفیف ہو گیا۔

"السلام علیکم۔" حارث نے دھیمے لہجے میں سلام میں پہل کر ڈالی۔ مینا کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمودار ہوئے تھے' گویا فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ اسے اندر آنے کا کہے یا نہیں۔ حارث کو اس کا تذبذب کھلا تھا۔

"آیئے۔" آخر اس نے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ وہ اس کے پیچھے داخل ہوا تھا۔

وہ سیدھی نانی کے کمرے میں گئی تھی۔ نانی مسہری پر آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ نحیف لگ رہی تھیں۔ قدموں کی چاپ پر بھی ان کی آنکھ نہ کھلی۔ شاید وہ سو رہی تھیں۔

"آپ بیٹھیے۔ میں چائے بناتی ہوں۔"

"نہیں۔ چائے کا تکلف رہنے دیں۔" حارث کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی نانی کی پائینتی پر ٹک گئی۔ کچھ لمحوں کے لیے کمرے میں بے نام سی خاموشی چھائی رہی۔ حارث کو سمجھ میں نہ آیا کہ کس طرح بات کا آغاز کرے۔

"کیسی ہے ان کی طبیعت؟" اس نے نانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ مینا نے ایک نگاہ سوئی ہوئی نانی پر ڈالی۔

"بہتر ہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"حمنیٰ اپنی مدر کے پاس گئی ہوئی ہے۔" حارث نے کچھ توقف کے بعد بتایا۔

"جی۔ مجھے معلوم ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ حارث نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی' آج وہ پہلی ملاقات سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ اس دن وہ کچھ پزل' کچھ افسردہ سی تھی' جبکہ آج چہرے پر عجیب سی سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔

"حمنیٰ! آپ کی نانی کی طبیعت کے متعلق بتاتی رہتی ہے۔ انہیں مناسب علاج معالجے اور اچھی غذا کی ضرورت ہے۔" اس نے بات کی تمہید باندھی۔ اس اطلاع پر مینا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"یہ کچھ پیسے ہیں نانی کے علاج۔" اس نے بولتے بولتے والٹ نکالا تھا۔ مینا ایک دم تڑپ کر اٹھی تھی۔

"آپ خیرات دینا چاہتے ہیں تو شہر میں مستحقین کی کوئی کمی نہیں۔" وہ اس کے ردعمل پر ششدر رہ گیا تھا۔

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں صرف یہ چاہ رہا تھا۔"

"آپ کا جو بھی مقصد تھا۔ ہمیں آپ کے مقصد سے کوئی سروکار نہیں اور براہ مہربانی آئندہ یہاں آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔ تیمور احمد کے بعد اس گھر کی دہلیز کو کسی مرد کے پاؤں نے نہیں چھوا ہے۔ یہاں بہت عزت ہے ہماری' اس گھرانے کی مثال دی جاتی ہے۔ یہ عورت جو آپ کے سامنے لیٹی ہوئی ہے اپنی جوانی میں ہی تائب ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اس کی پوری زندگی عزت دار گھرانوں کی نشانیاں سنبھالتے گزری ہے۔ میری ماں بھی عزت دار باپ کی بیٹی تھی۔ نکاح کیا تھا انہوں نے نانی سے۔ پھر گھر والوں کے دباؤ پر انہیں چھوڑ دیا لیکن نانی نے اس عزت دار شخص کی نشانی سنبھالنے میں اپنی آدھی زندگی بتا دی پھر میری ماں مری تو اس کی نشانی سنبھال لی۔ اس جگہ پر رہنے والی عورت کے لیے پیسہ کمانا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حارث صاحب! مسئلہ عزت کی روٹی کا ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے روکھی سوکھی کھلائی مگر عزت کو محفوظ رکھا۔ ہمیں آپ کے خاندان کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ اس جگہ کا بچہ بچہ ہمارے کردار کی گواہی دے سکتا ہے۔ اور کیوں دے رہے ہیں آپ یہ پیسہ' اگر آپ کو ہماری طرف سے کوئی خدشہ ہے تو وہ بالکل بے بنیاد ہے ہمیں نہ آپ کی ہمدردی چاہیے نہ کسی قسم کی مدد۔"

وہ بولتے بولتے ہانپ گئی تھی۔ سپید رنگت پر غصہ سرخی بن کر چھا گیا۔ حارث کو اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر تلافی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ چپ چاپ واپس پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"میری پوری زندگی میں کسی نے میری اتنی انسلٹ نہیں کی اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ فون پر حمنیٰ پر برس رہا تھا۔

"تمہارا تو ہے سوری۔"

"تمہاری سوری کہنے سے کیا ہوتا ہے۔" وہ خفگی سے بولا۔

"تو میں سوری کہہ بھی نہیں رہی۔ یہ مینا نے کہا ہے اس کا میرے پاس فون آیا تھا۔ بہت شرمندہ تھی وہ۔"

"بہت خوب تمہیں فون کر کے اس نے معذرت بھی کر ڈالی اور مجھے بغیر کسی وجہ کے بے بھاؤ کی سنا ڈالیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ میں اس سارے قصے کا فریق ہی نہیں' نہ میں تین میں نہ تیرہ میں۔ صرف تمہارے اصرار پر میں اس کی نانی کی عیادت کرنے گیا تھا اور وہ نہ صرف۔"

"پلیز حارث! تم اس کی ذہنی کیفیت تو سمجھنے کی کوشش کرو۔" حمنیٰ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"ڈاکٹرز نے اس کی نانی کو تقریباً" جواب دے دیا ہے۔ اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ وہ اکیلی لڑکی کیا کرے گی۔ کہاں جائے گی۔ وہ بہت فرسٹریٹڈ ہو رہی ہے۔ نانی کے بعد پوری دنیا میں اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا ایک بھی شخص نہیں ہے۔ اگر اس نے فرسٹریشن میں آ کر تمہیں کچھ کہہ دیا تو اتنا خفا کیوں ہو رہے ہو اور تمہارے جانے کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی۔ شی از ویری ڈیپریسڈ حارث!" حمنیٰ کے کہنے پر وہ چپ ہو گیا۔

"تمہیں اس کو تسلی دینا چاہیے تھی۔" کچھ توقف کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ذرا دیر پہلے والے غصے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"آج تک تسلی ہی تو دیتی آئی ہوں۔ لیکن اب تسلی سے بات نہیں بنے گی۔ چلو خیر چھوڑو۔ تم ابھی آفس میں مصروف ہو' میں تمہیں بعد میں فون کروں گی۔"

حمنیٰ نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ اس نے تھک کر کسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

پتا نہیں کون کون لوگ تھے جو اسے پرسہ دینے آ رہے تھے۔ وہ خالی نگاہوں سے سب کو تکے جا رہی تھی۔ پچھلے دو دنوں میں اتنے آنسو بہائے تھے کہ اب آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ ایک بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ نانی پوری دنیا میں اس کا واحد سہارا تھیں' وہ اسے یوں چپ چاپ چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ دل اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے

www.pklibrary.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

انکاری تھا۔ پرسوں رات ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ بہت دن بعد انہوں نے رغبت سے کھانا کھایا تھا۔

"ڈاکٹرز تو ایسے ہی ڈراتے ہیں نانی! آپ بہت جلد اچھی ہو جائیں گی۔"

اس نے ان سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ وہ مسکرا دیں اور رات کو کتنی ہی دیر تک وہ بیتی باتیں دہراتی رہی تھیں۔ اس کے بچپن کی معصوم سی شرارتیں' اس کی ماں کی باتیں پھر زندگی کا وہ مختصر ترین خوشگوار دور جب تیمور احمد ان کی زندگیوں میں داخل ہوئے تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے نانی کی آنکھیں کتنی بار جھلملائیں۔ وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والا شخص جس کو قدرت نے ان کی بیٹی کا نصیب بنایا تھا۔ وہ بہت تھوڑی زندگی لکھوا کر لایا تھا لیکن اس نے انہیں دل سے عزت دی مان دیا اور جو کہتا تھا۔

"میں نے ابھی صوفیہ کو صرف اپنا نام دیا ہے لیکن میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں اسے پوری دنیا کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ اپناؤں گا بس مجھے تھوڑی سی ہمت درکار ہے۔"

انہیں اس کے الفاظ پر یقین تھا کہ ایسی روشن آنکھوں اور فراخ پیشانی والے شخص سے بدعہدی کی توقع نہیں تھی لیکن اسے قدرت کی طرف سے ہی مہلت نہ ملی اور پھر بیٹی کے اندر بھی جینے کی آس ختم ہو گئی۔ محض تین مہینے بعد وہ بچی کو جنم دے کر انہیں تنہا چھوڑتے ہوئے اپنے رفیق سفر سے جا ملی۔ بچھڑے ہوؤں کو یاد کر کے ان کی آنکھیں بار بار جھلملا رہی تھیں۔

مینا ان کے سینے سے سر ٹکا کر ان کے ساتھ ہی ماضی کے سفر پر نکلی ہوئی تھی۔ باتیں کرتے کرتے مینا کی آنکھ لگ گئی تھی اور نانی نے اس مہلت کو ہی غنیمت جانا۔ صبح اجالا پھیلنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ زندگی اندھیر ہو گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

"کچھ کھا لو مینا! یوں کب تک بھوکی پیاسی رہو گی۔ زندہ رہنے کے لیے تو انا کی ضرورت ہوتی ہے۔" حارث اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔ پڑوس کی فیروزہ چاولوں کی پلیٹ لیے اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

"زندہ کون رہنا چاہتا ہے؟" وہ سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بڑبڑائی۔ حارث اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"دو چار نوالے ہی لے لو میری چندا! ایسا کر کے تم نانی کی روح کو تکلیف پہنچا رہی ہو۔" آنٹی فیروزہ نے اسے پچکارا۔ اس نے گویا تھک ہار کر پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے لی۔

"تم کھانا کھاؤ میں ذرا گھر کا چکر لگا کر آتی ہوں' بلکہ گلی کے ہاتھ تمہارے لیے گرما گرم چائے اور سر درد کی گولی بھجواتی ہوں۔"

وہ کہہ کر چلی گئیں۔ اس نے خالی نظروں سے انہیں جاتے دیکھا۔ "یہ لوگ کب تک میرے لیے اپنے کام دھندے چھوڑے بیٹھے رہیں گے۔ اوخدایا کیا بنے گا اب میرا۔" آنسوؤں کا گولہ پھندا بن کر حلق میں اٹک گیا تھا۔ حارث بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے اس نے بھی حارث کو دیکھا پھر یکدم نگاہیں جھکا لیں۔

اور اگر یہ شخص نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ اس نے دل میں سوچا۔

یہ جاننے کے بعد کہ نانی اب اس دنیا میں نہیں اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے تھے۔

"کسی کو اطلاع دینی ہے مینا!"

فیروزہ آنٹی نے اس سے پوچھا تھا اور اس نے کس کو اطلاع دینی تھی بس حمنیٰ کا نمبر فیروزہ آنٹی کو دے دیا تھا۔ شاید اسی نے حارث کو نانی کے انتقال کی خبر دی تھی۔ نانی کے جنازے کو کندھا دینے والوں میں ایک حارث بھی تھا۔ دو دن سے وہ یہیں تھا۔ رات کو صرف چند گھنٹوں کے لیے اپنے گھر گیا تھا۔ لیکن وہ یہاں اس کے پاس کب تک رہ سکتا تھا۔ اب بھی وہ اس سے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ شاید وہ یہ چاہ رہا تھا کہ وہ کھانا ختم کرے۔ اس نے بمشکل دو چار نوالے لیے تھے پھر پلیٹ کھسکا دی۔

"تمہیں ہمت سے کام لینا ہو گا مینا!" کچھ توقف کے بعد حارث نے بات کا آغاز کیا۔

وہ یقیناً" تمہید باندھ رہا تھا۔ ظاہر ہے' اس نے بھی باقی سب کی طرح رخصت چاہنا تھی۔ اکیلے رہ جانے کے خوف سے اس کا دل بری طرح کانپا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس کے شکریے کے لیے الفاظ ترتیب دینے لگی۔

"بے شک تمہارے آس پاس بسنے والے لوگ تم سے بے پناہ مخلص ہیں۔ دو دنوں میں مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہے۔ وہ خود ایک باعزت پیشے سے منسلک نہیں لیکن وہ تمہاری بہت عزت کرتے ہیں۔" اس نے بات

کے درمیان توقف کیا۔

(تم ان سب کے درمیان بلا خوف و خطر رہ سکتی ہو' میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی مالی پریشانی نہیں ہونے دوں گا۔) اس نے دل میں اس کا ادھورا فقرہ مکمل کیا۔

"لیکن میں تمہیں یہاں اکیلے رہنے نہیں دے سکتا۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" الفاظ تھے یا دھماکا۔ اس نے بے یقینی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں جانتا ہوں' یہ فیصلہ تمہارے لیے بہت مشکل ہوگا۔ تم پر تازہ تازہ غم ٹوٹا ہے اور تمہاری ذہنی کیفیت ایسی نہیں کہ تم کوئی اور شاک برداشت کر سکو۔ لیکن یہ مجبوری ہے۔ ہم اچھے وقت کے انتظار میں اسے معاملے کو مزید نہیں لٹکا سکتے' پوری دنیا میں تمہارے لیے اس گھر کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں۔"

"بیس برس پہلے انہوں نے میرے وجود کو دھتکار دیا تھا۔ نانی کو دھکے دے کر گھر کی دہلیز سے باہر نکالا تھا۔ میں ان کے لیے ایک الزام ہوں۔ وہ مجھے پناہ کیوں دینے لگے۔" وہ سسک پڑی تھی۔

"بیس برس بہت طویل ہوتے ہیں مینا! اور مجھے اتنا یقین ہے کہ اب وہ تمہیں گھر کی دہلیز سے باہر نہیں نکال پائیں گے۔" حارث نے اس کے چہرے کے نقوش کو نظر بھر کر دیکھا اور دھیمے مگر پُریقین لہجے میں جملہ مکمل کیا۔

"اور یہ ضروری تو نہیں کہ تم فوری طور پر اپنی اصلی شناخت کے ساتھ اس گھر میں جاؤ ہمارے پاس اور بھی بہت سے آپشن ہو سکتے ہیں۔"

وہ کیا کہہ رہا تھا مینا اسے سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"نانی نے میرے ساتھ بہت برا کیا۔" اس کی بات مکمل ہونے پر وہ گھٹنوں میں سر دے کر دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اس کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"اب جو بھی فیصلہ کرنا ہو سوچ سمجھ کر کرنا۔ پہلے کی طرح جلد بازی مت دکھانا' میری بچی بہت حساس ہے۔" فاطمہ خاتون دھیمے لہجے میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"نہیں اماں! اب جو بھی ہوگا ان شاء اللہ طوبیٰ کے حق میں بہتر ہوگا۔" ملیحہ نے ماں کو تسلی دی۔

آج ڈنر پر سب ہی موجود تھے اور اس وقت طوبیٰ کے لیے آنے والا پروپوزل ڈسکس ہو رہا تھا۔ کاروباری حلقوں میں احسان صاحب کا گھرانہ کسی تعارف کا محتاج نہ تھا۔ وہ بہت بڑے انڈسٹریلسٹ نہ سہی لیکن ایک سیلف میڈ انسان کے طور پر انہوں نے بہت ترقی کی تھی۔ وہ ایک وضع دار اور نیک نام شخص تھے۔ کل جب وہ اپنی بیگم کے ساتھ ہارون احمد سے ملنے گھر آئے تو ہارون احمد کو ان کی آمد پر اچنبھا ہوا تھا۔ کیونکہ رسمی جان پہچان کے علاوہ مراسم کی نوعیت اتنی گہری نہیں تھی اور جب ان کی آمد کا مقصد پتہ چلا تو حیرت دوگنا ہو گئی تھی۔

"میری مسز نے بہت پہلے ایک تقریب میں آپ کی بچی کو دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ہی ان کے دل کو بھا گئی تھی لیکن ان دنوں میرا بیٹا زیر تعلیم تھا۔ ہم خواہش کے باوجود آپ سے سوال نہ کر پائے لیکن اب ماشاء اللہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ میرا سارا بزنس اس نے ہی سنبھال رکھا ہے۔ اگر آپ میرے بچے کو اپنی فرزندی میں لیں گے تو یہ ہمارے لیے بہت اعزاز کی بات ہوگی۔"

"میری دو بچیاں ہیں احسان صاحب پتہ نہیں بھابھی نے کس کو اور کہاں دیکھا تھا۔"

"طوبیٰ۔ آپ کی ایک بچی کا نام طوبیٰ ہے نا؟" بیگم احسان نے جھٹ گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ ایک اطمینان بھری سانس ہارون احمد کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔

"جی۔ میری بڑی بیٹی کا نام طوبیٰ ہے۔" وہ مسکرائے۔

"بچیاں آج کل اپنی والدہ سے ملنے گئی ہوئی ہیں' ورنہ میں آپ کو ان سے ضرور ملواتا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولے تھے۔

"کوئی بات نہیں۔ اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا اور بچی تو ہمیں دیکھے بنا ہی پسند ہے۔" بیگم احسان کے کہنے پر احسان صاحب ذرا سا کھنکھارے تھے۔ اپنی بیگم کی عجلت پسند طبیعت کا وہ کیا علاج کرتے۔

"ہاں! میرا مطلب ہے کہ بچی تو ہماری دیکھی بھالی ہے۔" انہیں غلطی کا احساس ہوا تو گڑبڑاتے ہوئے بیان میں ترمیم کر ڈالی۔

"میں اپنی فیملی کے مشورے کے بعد آپ کو جواب دوں گا۔"

انہوں نے شائستگی سے مہلت چاہی تھی اور آج رات

کے کھانے پر انہوں نے ملیحہ اور عثمان کو بھی بلوا لیا تھا۔ سب لوگوں نے ہی اس پروپوزل کے بارے میں مثبت رائے کا اظہار کیا تھا۔

"اور ہاں' حارث نے اماں کے لیے کسی کل وقتی اٹینڈینٹ کا ذکر کیا ہے۔ وہ کیا ذکر ہے بھئی۔" اچانک تنویر احمد کو خیال آیا تو ملیحہ سے پوچھا تھا۔

"جی بھائی! حارث نے ایک لڑکی کا بندوبست کیا ہے۔ کہہ رہا تھا بے سہارا بچی ہے۔ ماں باپ فوت ہو چکے ہیں اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن ماں' باپ کے مرنے کے بعد رشتہ داروں نے رکھنے سے انکار کر دیا۔ ایک عرصے تک حارث کے دوست کے بھانجے' بھانجیوں کو ٹیوشن پڑھاتی رہی ہے۔ رہائش بھی انہوں نے ہی دی ہوئی تھی لیکن اب وہ لوگ امریکہ شفٹ ہو رہے ہیں' اس نے حارث سے ذکر کیا تو اسے اماں کا خیال آگیا اب اماں کی کنڈیشن سے تو آپ آگاہ ہیں ہم گھر والے لاکھ کیئر کریں لیکن چوبیس گھنٹے کی دیکھ بھال تو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں تو اور کیا ہم تو خود مریض ہیں بھئی۔" زرینہ بیگم نے نندی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سچی بات ہے کہ اب نہ تو جوانی جیسی ہمت رہی نہ یادداشت۔ اپنی دوا وقت پر لینا بھول جاتے ہیں تو اماں کی کہاں تک یاد رکھیں اور اماں کو خود بھی اپنی صحت کی کوئی پروا نہیں۔ کوئی گولی ہتھیلی پر رکھ کر پانی کا گلاس تھما دے گا تو دوا کھا لیں گی' ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔ اچھا ہے اٹینڈینٹ رکھ لیں گے تو ہمیں بھی بے فکری ہو جائے گی۔" زرینہ بیگم کو بھی اٹینڈینٹ والا آئیڈیا بہت بھایا تھا۔ بوڑھی ساس کی وجہ سے خوامخواہ میں ان کے آنے جانے کی آزادی محدود ہو گئی پڑی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے اگر اس نے اماں کا اچھی طرح خیال رکھا تو تنخواہ کے ساتھ رہائش دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔" تنویر احمد نے رضامندی دے دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تو یہ تھا اس کے باپ کا گھر۔" وہ حارث کی ـــــ معیت میں اس عالی شان گھر میں داخل ہوئی تھی۔ دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ قدرت نے اسے اس گھر کی دہلیز عبور کرنے کا موقع دے دیا تھا' تیمور احمد کی بیٹی کی حیثیت سے نہ سہی' تیمور احمد کی ماں کی اٹینڈنٹ کی حیثیت سے ہی سہی۔

"ریلیکس مینا! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" حارث نے اس کے چہرے پر جھلکنے والی گھبراہٹ بھانپ کر تسلی دی تھی۔ وہ بے بسی سے مسکرا کر رہ گئی۔

وہ اسے سیدھا فاطمہ خاتون کے کمرے میں لے گیا تھا۔

"یہ مینا ہے نانو! آپ کی اٹینڈینٹ۔" اس نے مینا کا تعارف فاطمہ خاتون سے کروایا تھا۔ مینا نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے دھیرے سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" انہوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔

انہیں جب ملیحہ نے بتایا تھا کہ حارث نے ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک اٹینڈینٹ لڑکی کا انتظام کیا ہے تو انہوں نے پہلے پہل اس فیصلے کی مخالفت کی تھی۔

"اچھی بھلی تو ہوں ملیحہ!" لیکن جب ملیحہ نے لڑکی کے حالات زندگی بتائے تھے ان کا دل پسیج گیا۔

"آپ کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی اماں اور ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا بھی مل جائے گا۔" ملیحہ کی بات سن کر وہ راضی ہو گئی تھیں۔

"مینا آپ کا ہر طرح سے خیال رکھے گی نانو! آپ کو وقت پر دوا دینا۔ اخبار پڑھ کر سنانا۔ کھانا کھلانا' واک کروانا۔ آپ کو لگے گا کہ طوبیٰ یا حمنیٰ میں سے کوئی آپ کی خدمت کر رہا ہے۔" حارث نے مسکرا کر کہا۔ وہ بھی مسکرا دیں۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا!" انہوں نے اسے شفقت سے مخاطب کیا۔

"اور سنایئے نانو! آپ کی پوتیاں کب آ رہی ہیں؟" اس نے مینا کو ریلیکس کرنے کے لیے فاطمہ خاتون کا دھیان اس پر سے ہٹایا تھا۔

"کچھ دن اور رہ لیں ماں کے ساتھ' برسوں بعد تو موقع ملا ہے۔" ان کے چہرے پر افسردہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ مینا خاموشی سے انہیں تک رہی تھی ان کے چہرے پر کتنی نرمی' کتنی ملائمت تھی۔ اس کے خدشوں سے دھڑکتے دل کو کچھ سکون ملا تھا۔ حارث کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے دوبارہ نگاہوں کے ذریعے ریلیکس رہنے کا پیغام دیا تھا۔ فاطمہ خاتون دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

بے چاری بچی حالات کی ستائی ہوئی تھی۔ انہوں نے

www.pakdigest.com

اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی تھی اور اچانک دل میں عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

"یہاں آؤ بیٹا!" وہ دل کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھیں۔ مینا نے حیرت سے انہیں دیکھا

"میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ بنائی وہ جھجکتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ مینا ان کی جانچتی نگاہوں سے خائف ہو رہی تھی۔

"تمہاری شکل دیکھی بھالی سی لگ رہی ہے۔" انہوں نے خود کلامی کی۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میری پوتی بالکل تمہاری ہم عمر ہے حمنیٰ نام ہے اس کا۔ وہ بھی بالکل تمہارے جیسی ہے بچیاں سب ایک سی لگتی ہیں۔"

وہ مسکرائی تھیں ایک پھیکی مسکراہٹ مینا کے لبوں پر بھی پھیل گئی تھی۔ گویا پہچان کا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ واقعی لڑکیاں سب ایک جیسی لگتی ہیں۔ خاص طور پر بوڑھے لوگوں کو۔

☼ ☼ ☼

رات کو زرینہ بیگم سے ملاقات ہوئی تھی وہ ایک فنکشن سے واپسی پر گھر آئیں تو ملازمہ نے اٹینڈینٹ کے بارے میں بتایا تھا۔ انہوں نے اسے اپنے کمرے میں ہی بلوا لیا۔

"دیکھو لڑکی! بات یہ ہے کہ تمہیں... ویسے نام کیا ہے تمہارا؟" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر نام دریافت کیا۔

"مینا۔" "یہ کیا نام ہوا بھئی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسیں۔ ملازمہ نے بھی ساتھ دیا۔

"اچھا خیر! مجھے تمہارے نام سے کیا لینا دینا۔" انہوں نے گھورتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"بس تمہیں اپنا کام اچھے طریقے سے کرنا ہوگا۔ وہ جو بڑھیا ہیں بہن کی خدمت کے لیے تمہیں لایا گیا ہے۔ وہ میری ساس ہیں۔ ویسے تو بھلی چنگی ہیں بس بیمار نظر آنے کا شوق ہے اور اصل مسئلہ وہ نہیں بلکہ ان کی اولاد ہے، ذرا سی ان کی طبیعت اوپر نیچے ہوتی نہیں اور گھر میں واویلا مچا کر رکھ دیتے ہیں۔ بیٹوں کا بس چلے تو سارا دن ماں کی پائنتی سے لگ کر بیٹھے رہیں۔ رہی بیٹی تو ویسے تو ساتھ والے گھر میں رہتی ہے ماں کی خدمت کرنا چاہے تو آرام سے کر سکتی ہے لیکن اسے ماں کی خدمت سے زیادہ خدمت خلق کا شوق ہے ظاہر ہے ماں کی خدمت کے لیے ہم جو بیٹھے ہیں لیکن محترمہ چھاپے مار ٹیم کی طرح انسپکشن کرنے کسی بھی وقت آجاتی ہیں، اماں نے وقت پر دوائی نہیں لی۔ اماں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ اماں کے سر میں درد تھا ابھی چیک کیوں نہیں کروایا۔" زرینہ بیگم، نند کے لہجے کی نقل اتار رہی تھیں۔

اسے حمنیٰ کی بات یاد آئی۔ "ہماری تائی جان کو فضول اور بے مقصد باتیں کرنے کا بہت شوق ہے لیکن انہیں سننا دل گردے کا کام ہے۔"

وہ واقعی اس بے تکی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"چل صغریٰ تو کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہے ذرا پاؤں ہی دبا دے۔ ایمان سے بہت تھک گئی ہوں۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ملازمہ کو مخاطب کیا وہ فوراً بیٹھ کر پاؤں دبانے لگ گئی تھی۔

"ہاں تو لڑکی کیا نام بتایا تھا تینا یا مینا خیر جو بھی نام ہے مجھے کیا۔ میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ اماں کا دھیان وغیرہ اچھی طرح رکھنا۔ دوائیاں کھانے کی چور ہیں، وہ بلکہ میں تو کہوں گی کہ زبردستی طبیعت خراب کرتی ہیں۔ ایسی ایسی بیماریاں لگا رکھی ہیں جو نظر بھی نہیں آتی۔ ایک تو ڈیپریشن جان کو چمٹا رکھا ہے۔ دوائیوں کا ہی ہزاروں کا خرچہ ہے۔ دوسرا موا بلیڈ پریشر ہے۔ بس چوبیس گھنٹے ان کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ میں تمہارا بستر بھی اماں کے کمرے میں لگوا دوں گی۔ اگر تمہارے کام سے اماں کے بچے مطمئن ہو گئے تو سمجھو تم پکی۔ میری بھی جان چھٹے گی۔ تمہیں تنخواہ کے علاوہ تھوڑا بہت اوپر سے بھی دے دوں گی۔ بات سمجھ میں آگئی۔ ٹھیک ہے نا!" زرینہ بیگم نے پوچھا۔

"جی!" اس نے بادل نخواستہ گردن ہلائی۔

"ہاتھ تو زور سے ہلا صغریٰ!" وہ دوبارہ ملازمہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ اس کے رکنے کا کوئی جواز نہ بچا۔ وہ چپ چاپ پلٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بیڈ پر سوئے ہوئے وجود کو دیکھا۔ جھریوں بھرا نحیف چہرہ۔

رات ملازمہ اس کا میٹریس قالین پر بچھا کر چلی گئی تھی۔

"اسے ہٹا دو۔ تم ادھر آجاؤ میرے پاس۔" فاطمہ خاتون نے اسے تکیہ رکھتے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

"میں یہاں ایزی ہوں۔" اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"آجاؤ بیٹا! مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا کہ تم نیچے سوؤ۔ تم میری پوتیوں جیسی ہو۔"

"پوتیوں جیسی ہوں پوتی تو نہیں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں خود کلامی کی لیکن اگلے ہی پل تکیہ اٹھا کر ان کے پاس لیٹ گئی۔ وہ ذرا دیر بعد ہی سو گئی تھیں اور وہ ان کی طرف کی کروٹ لیے ان کے چہرے کو تکتی رہی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسے لگا جیسے یہ چہرہ نانی کے چہرے میں بدل گیا ہے۔ بوڑھے لوگوں کے چہرے بھی ایک جیسے ہوتے ہیں، وہ دیر تک انہیں تکتی رہی اور پھر نانی کی یاد اس شدت سے حملہ آور ہوئی تھی آنسوؤں کے ساتھ سسکیاں بھی جاری ہو گئیں۔ وہ کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہی تھی اسے نانی کے سینے میں منہ چھپا کر سونے کی عادت تھی۔

ان کے مدھم خراٹے اس کے لیے کسی لوری کا کام انجام دیتے۔ اور آخری دنوں میں تو وہ اتنی ڈرپوک اور وہمی ہو گئی تھی کہ جب بھی ان کے خراٹے بند ہوتے تو ان کے سینے سے چمٹے چمٹے کان لگا کر ان کے دل کی دھڑکن چیک کرتی۔ نانی کے بغیر اس کی زندگی کا کوئی تصور نہ تھا لیکن اب نانی نہ تھیں اور وہ تھی۔

اتنے دنوں سے تہمارہ جانے کے خوف نے اسے نانی کا غم صحیح طریقے سے منانے نہ دیا تھا لیکن آج جب وہ ایک محفوظ چھت کے نیچے موجود تھی تو نانی کی یاد کسی آرے کی طرح دل کو چیرنے لگی۔ اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں سے فاطمہ خاتون کی آنکھ کھل گئی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ سسکیوں سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے؟" وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اس کا سر اپنے شانے سے ٹکایا تھا۔ چند گھنٹوں کی قربت میں انہیں اس لڑکی سے کیسا انس ہو گیا تھا۔

"اس طرح نہیں روتے۔" اس کی سسکیاں انہیں بے چین کر رہی تھیں۔ وہ ہولے ہولے اس کا سر تھپکنے لگیں۔

"میں اکیلی ہوں، بالکل اکیلی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"تم اکیلی نہیں ہو۔ میں ہوں نا تمہارے پاس۔" وہ اسے پچکار رہی تھیں۔

"نئی جگہ ہے شاید اسی لیے تم ڈر رہی ہو۔ سکون سے لیٹ جاؤ۔ میں جاگ رہی ہوں۔" انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"شاباش میں کہہ رہی ہوں نا لیٹ جاؤ۔" انہوں نے اس کا تکیہ درست کیا۔ وہ کسی سہمی ہوئی بچی کی طرح ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے لیٹ گئی۔

"آنکھیں بند کر لو۔ نیند آجائے گی۔" انہوں نے اگلی ہدایت کی۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ لیکن ان کی اپنی نیند اڑ چکی تھی۔ اس کا چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ یہ چہرہ انہیں کس چہرے کی یاد دلا رہا تھا۔ "شاید میں سٹھیا گئی ہوں۔" انہوں نے خود کو ڈپٹا تھا لیکن ان کی نگاہیں اس کے نقوش کو پڑھ پڑھ کر بے چین ہوتے جا رہی تھیں۔ ان کی باقی رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہارون احمد ناشتے کی میز پر ماں کے منتظر تھے۔ وہ ناشتہ ماں کے ساتھ کرتے تھے برسوں سے ان کا یہی معمول تھا۔ اخبار کے صفحے پلٹتے ہوئے انہوں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ آج اماں کو آنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی۔ وہ صغریٰ کو پکارنے ہی والے تھے کہ اتنے میں فاطمہ خاتون آتی دکھائی دے گئیں۔ جو بچی انہیں سہارا دے کر لا رہی تھی شاید وہی ان کی اٹینڈینٹ تھی۔ ہارون احمد نے اٹھ کر ماں کے لیے کرسی کھینچی۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا! ناشتا کر لو۔" فاطمہ خاتون نے اسے واپس پلٹتے دیکھا تو پکار لیا ہارون احمد نے اچھنبے سے ماں کو دیکھا وہ ایک ملازمہ کو کھانے کی میز پر اپنے ساتھ بٹھا رہی تھیں۔

"میں بعد میں کر لوں گی۔" وہ بھی جھجک گئی تھی۔

"تمہاری عمر کی بچیاں کھانے پینے میں بہت لاپروائی کرتی ہیں، جبکہ وقت پر ناشتہ کرنا صحت مند زندگی کا بنیادی اصول ہے اور تم نے تو رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔"

ہارون احمد کو محبت اور اپنائیت کا یہ مظاہرہ بہت غیر ضروری لگ رہا تھا۔ اماں بڑھاپے میں بہت رقیق القلب ہو گئی تھیں۔ انہوں نے کوفت زدہ ہو کر نگاہیں اوپر اٹھائی تھیں۔ اس لڑکی کا اماں کی بات کی طرف دھیان ہی نہ تھا وہ ایک ٹک سامنے والی دیوار کو تکے جا رہی تھی۔ ہارون احمد

www.pdfdigest.com

نے حیران ہو کر اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ سامنے والی دیوار پر تیمور احمد کی ہنستی مسکراتی تصویر آویزاں تھی۔ وہ اسی تصویر میں کھوئی ہوئی تھی۔ ہارون احمد نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا اور پھر کئی لمحوں تک وہ اس پر سے نگاہیں نہ ہٹا سکے۔ فاطمہ خاتون نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر سٹپٹائی تھی۔

"صغریٰ سے کہہ کر ناشتہ کمرے میں منگوالو۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔ وہ "جی اچھا" کہہ کر تیزی سے پلٹ گئی۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" وہ سوال جو ان کے ذہن میں ابھرا تھا۔ اب وہ ہارون احمد کی زبان پر تھا وہ وہی کچھ بتانے لگیں جو ملیحہ اور حارث نے بتایا ہوا تھا۔ لیکن ہارون احمد اس کہانی سے مطمئن نہ ہوئے تھے ان کے چہرے پر واضح الجھن کے تاثرات تھے۔

☼ ☼ ☼

"حارث سے کہہ کر اس لڑکی کا پورا بائیو ڈیٹا معلوم کرو ملیحہ!" آفس میں سارا دن اس کی شکل ان کی نگاہوں میں گھومتی رہی تھی تب ہی وہ آفس سے واپسی پر سیدھا ملیحہ کی طرف آئے تھے۔

"کس لڑکی بات کر رہے ہیں آپ بھائی؟" ملیحہ ابھی ابھی این جی او کی میٹنگ اٹینڈ کر کے لوٹی تھیں۔ تھکے تھکے انداز میں استفسار کیا۔

"اماں کی اٹینڈنٹ وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے؟"

"اچھا وہ۔ بتایا تو تھا بھائی آپ کو بے سہارا بچی ہے۔ ماں باپ فوت ہو چکے رشتہ داروں نے رکھنے سے انکار کر دیا۔ حارث کے دوست کی فیملی۔۔۔" ملیحہ دوبارہ حارث سے سنی سنائی تفصیل سنانے لگیں۔

"تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے؟" ہارون نے ان کی بات کاٹی۔

"کیوں بھائی! خیریت تو ہے؟" انہیں فکر ہوئی تھی۔ آج کل اخبار ایسی ویسی خبروں سے بھرے ہوئے تھے اور حارث کو کون سا تجربہ تھا لوگوں کو پرکھنے کا۔ "آپ مطمئن نہیں ہیں تو پھپھی کو دیں اس کی۔"

"تم ایک دفعہ اسے دیکھو تو سہی ملیحہ! ہو سکتا ہے جو مجھے لگ رہا ہے وہ میرا وہم ہو۔ اور اللہ کرے وہم ہی ہو۔" وہ بہت تھکے تھکے انداز میں بولے ملیحہ نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔ لیکن انہوں نے اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں وہ کچھ اور بتانے کے موڈ میں نہ لگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

تیکھے مغرور نقوش والی یہ لڑکی جو ان کی ماں کی دیکھ بھال کے لیے لائی گئی تھی ان کے سامنے خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر سے ہٹانے میں ناکام ہوئے جا رہی تھیں۔ ان کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے وہ بھی کچھ گھبرا گئی تھی۔ فاطمہ خاتون ان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن ان کی توجہ ماں کی جانب تھی ہی نہیں۔ وہ اپنے ذہن میں کسی چالاک نو سرباز قسم کی لڑکی کا تصور لے کر آئی تھیں۔ ہارون بھائی یونہی تو پریشان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے اس لڑکی میں ضرور کچھ دیکھا ہو گا۔ وہ دل ہی دل میں حارث کی لاپروا طبیعت پر ناراض ہوتی اس طرف آئی تھیں لیکن ان کا اندازہ غلط نکلا تھا۔

ہارون احمد نے اس لڑکی میں کیا دیکھا تھا یہ انہیں اب پتہ چلا تھا لیکن ہارون احمد کی طرح وہ بھی اپنے آپ کو جھٹلانے میں مصروف تھیں یہ اور بات کہ ایسا کرنے میں انہیں بہت مشکل پیش آ رہی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" انہوں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ماہ نیم ماہ۔" وہ ہولے سے بولی۔ ملیحہ اس کمرے میں آنے کے بعد دوسری دفعہ بری طرح چونکی تھیں۔

"لیکن سب مجھے مینا کہتے ہیں۔" اس نے جملہ مکمل کیا۔

ملیحہ کے پاس فی الحال کوئی دوسرا سوال نہ تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد واپس چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم نے مجھے مایوس کیا لڑکی! میرا خیال تھا بیٹی ہو گی۔" وہ اس کے گلابو سے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے بولا۔

"تیمور!" اماں جی نے اسے فہمائشی انداز میں گھورا۔

"سچ کہہ رہا ہوں اماں! مجھے بیٹیاں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ میرا خیال تھا میری پہلی پہلی بھانجی ہو گی۔ میں نے تو نام تک سوچ رکھا تھا۔"

"اچھا بتاؤ تو کیا نام سوچا ہوا تھا۔" ملیحہ نے مسکرا کر بھائی کو دیکھا۔

"ماہ نیم ماہ، بچپن میں میری کلاس فیلو تھی۔ بہت کیوٹ لڑکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ہی وہ ہمارا سکول چھوڑ کر چلی گئی تھی لیکن مجھے آج تک یاد ہے۔ میرے ذہن میں تمہاری بیٹی بھی ویسی ہی آتی تھی۔ گلابی گلابی گال گھنگھریالے بال، سیاہ آنکھیں۔"

"اور میرا بیٹا! یہ خوبصورت نہیں لگا تمہیں۔" ملیحہ نے مصنوعی خفگی سے پوچھا۔

"یہ تو بالکل میری فوٹو اسٹیٹ ہے۔ کیوں پیارا نہیں لگے گا مجھے ہے نا اماں! میں اپنے بچپن کی تصویروں میں بالکل ایسا لگتا ہوں نا!" اس نے حارث کو چومتے ہوئے ماں سے تصدیق چاہی۔

"کیا ہوا ہے ممی! اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟" حارث کی آواز ملیحہ کو ماضی سے حال میں لے آئی تھی۔ اس نے پردے ہٹا کر روشنی کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ ہمیشہ تک سک سے تیار رہنے والی ملیحہ آج شکن آلود کپڑوں میں ملبوس، آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے لنچ کیوں نہیں کیا؟" اس نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

"بھوک نہیں تھی۔" انہوں نے آنکھیں کھولے بنا جواب دیا۔

"صبح ناشتے پر بھی آپ موجود نہیں تھیں اور بابا بتا رہے تھے کہ آپ رات کو دیر تک جاگتی رہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے فکرمندی کا اظہار کیا تھا۔

"وہ لڑکی کون ہے حارث؟" وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھ بیٹھی تھیں۔

"کون لڑکی ممی؟" وہ جانتے بوجھتے انجان بنا۔

"اماں کی اٹینڈینٹ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟"

"میں بہت زیادہ تفصیل نہیں جانتا ممی! مجھے جو پتہ تھا آپ کو بتا دیا تھا۔ ویسے ہی میرے دوست نے ذکر کیا تھا تو مجھے نانو کا خیال آ گیا۔ آپ ہی تو کہتی تھیں کہ ان کے لیے کسی اٹینڈینٹ کا بندوبست کرنا ہے۔ کیا ہوا وہ ٹھیک کام نہیں کر رہی؟"

"تم اپنے دوست سے اس کے متعلق پوچھو۔ ساری تفصیل معلوم کرو۔ وہ پہلے کہاں رہتی تھی۔ اس کے رشتہ دار کون ہیں۔ اس کے ماں باپ کی ڈیتھ کب ہوئی ہے میں اس کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"اینی پرابلم ممی؟"

"کوئی پرابلم نہیں ہے حارث! بس جو تم سے کہا ہے وہ کرو۔" وہ جھنجلا گئی تھیں۔

"اوکے، آپ ٹینشن نہ لیں۔ میں پتا کروا لوں گا۔" حارث نے انہیں تسلی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج حمنیٰ اور طوبیٰ کو واپس آنا تھا۔ وہ حمنیٰ کی شدت سے منتظر تھی۔ اس کی موجودگی سے اسے یقیناً بہت ڈھارس ملتی۔ اس کا دل کسی انہونی کے خوف سے لرز رہا تھا۔ گھر والوں کی جانچتی، کھوجتی نگاہوں سے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ اسے پہچان لیتے تو کیا سلوک کرتے اس کے ساتھ۔

سوچ سوچ کر دماغ ماؤف ہونے لگتا اور آج تو دل کچھ زیادہ ہی گھبرا رہا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔ ہارون احمد ماں کا چیک اپ کروانے ڈاکٹر کے لے کر گئے ہوئے تھے۔ تنہائی میسر آئی تو ذہن پر مختلف سوچوں نے یلغار کر دی، دھیان بٹانے کے لیے اس نے الماری کھول کر کوئی کتاب نکالنا چاہی۔ فاطمہ خاتون رات کو سونے سے پہلے کچھ دیر مطالعہ کرتی تھیں۔ الماری میں ڈھیروں کتابیں رکھی تھیں۔ لیکن کتاب منتخب کرتے کرتے اس کی نگاہ تصویروں کے البم پر پڑی تھی۔

اس نے بہت اشتیاق سے البم نکالا۔ یقیناً" اس میں کچھ تصویریں اس کے باپ کی بھی ہوں گی۔ اسے یہ علم نہ تھا کہ یہ سارا البم اس کے باپ کی تصویروں سے ہی بھرا پڑا ہے۔ وہ تیمور احمد سے صرف دو تین تصویروں کی حد تک واقف تھی۔

اس کا دل باپ کی زندگی کے مختلف روپ دیکھنے کو مچل اٹھا تھا۔ اس نے بہت محبت اور اشتیاق سے تصویریں دیکھنا شروع کی تھیں۔ پہلی تصویر میں وہ بیڈ منٹن کا ریکٹ تھامے، ہارون احمد کے گلے میں ہاتھ ڈالے مسکرا رہے تھے۔ ان کی بھوری شرارتی آنکھیں اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ۔

کتنا شاندار شخص اس کا باپ تھا۔ وہ تصویر پر ہاتھ پھیر پھیر کر انہیں محسوس کرنا چاہ رہی تھی اگرچہ یہ ایک بچکانہ حرکت تھی۔

نانی کہتی تھیں کہ تیمور احمد کو بیٹی کی خواہش تھی اور انہوں نے اپنی بیٹی کا نام بھی سوچ رکھا تھا۔ ان کی خواہش

www.pkdigest.com

پوری ہوگئی تھی۔ نانی نے اس کا وہی نام رکھا' جو تیمور احمد نے سوچا تھا۔

تصویریں دیکھتے دیکھتے آنسو اس کے گال بھگونے لگے تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ہنستا مسکراتا سا شخص اتنا کم جی پائے گا۔

آپ کی وجہ سے کتنے لوگ زندہ درگور ہوئے۔ میری ماں' نانی' آپ کی ماں اور آپ کی بیٹی۔ آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے۔ اللہ سے بیٹی مانگی تھی تو اللہ سے زندگی بھی مانگی ہوتی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا تھا۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ آنے والی ملیحہ تھیں۔ اس نے جلدی سے البم بند کرکے آنسو پونچھے تھے لیکن ملیحہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے البم جھپٹا تھا۔ ان کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات تھے۔ وہ سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کون ہو تم؟" ملیحہ نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہوگئی۔

"تم نے سنا نہیں میں کیا پوچھ رہی ہوں کون ہو تم کہاں سے آئی ہو؟" ان کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔

"کیا دیکھ رہی تھیں ان تصویروں میں۔" ملیحہ نے تیمور احمد کی تصویر کھینچ کر باہر نکالی۔

"اس شخص سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ بتاؤ جواب دوں۔" وہ چیخ پڑی تھیں۔ تنفس بھی تیز ہو رہا تھا۔ اسی لمحے ہارون احمد' فاطمہ خاتون کو لے کر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ملیحہ؟" وہ تیزی سے بہن کے پاس گئے۔

"پوچھیں اس سے ہارون بھائی! کون ہے یہ۔ یہ ہم سے کیا چھپا رہی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ رہی تھیں۔ مینا کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔

"ریلیکس ملیحہ!" تیمور احمد کے بچھڑی ہوئی بہن کو سنبھالنا چاہا۔

"یہ تیمور کی تصویریں کھولے رو رہی تھی۔ کیوں رو رہی تھی یہ؟" وہ ہسٹریک ہونے لگیں۔

"آپ اسے غور سے دیکھیں ہارون بھائی! آپ بھی دیکھیں۔ اسے دیکھنے کے بعد میں تین دن سے سو نہیں پائی ہوں۔ یہ کیا چھپا رہی ہے ہم سے یہ کیوں تڑپا رہی ہے ہمیں۔ بتاتی کیوں نہیں تیمور سے کیا رشتہ ہے اس کا؟ تیمور میرے خواب میں آتا ہے۔ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ وہ خفا ہے مجھ سے۔ وہ مجھے دیکھ کر رخ پھیر لیتا ہے۔ یہ آخر بتاتی کیوں نہیں۔ تیمور سے کیا رشتہ ہے اس کا۔ یہ ہو بہو اس کا عکس ہے۔ پھر کیوں چھپا رہی ہے ہم سے۔ بولو جواب دو۔"

وہ اسے جھنجوڑنے لگی تھیں۔ ہارون احمد اور فاطمہ خاتون انہیں روکنا چاہ رہے تھے۔ وہ اسے بھی کچھ کہہ رہے تھے۔ لیکن اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ اور اس سے پہلے ہارون احمد اسے آگے بڑھ کر تھامتے وہ تیورا کر نیچے گر پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ لوگوں کو کوئی حق نہیں تھا' ایسے اس طرح کٹہرے میں کھڑا کرنے کا۔ وہ کیا مانگ رہی تھی سے کچھ بھی تو نہیں۔ وہ تیمور احمد کی بیٹی کی حیثیت سے اپنا حق مانگنے نہیں آئی تھی۔ اسے صرف سر چھپانے کا ٹھکانا چاہیے تھا۔

وہ خادمہ بن کر رہنے کو تیار تھی۔ اور پھر وہ اپنی شناخت کیوں بتاتی تاکہ آپ اسے دھکے دے کر گھر کی دہلیز سے نکال باہر کریں۔ جیسا میں سارا پہلے اس کی نانی کو نکالا تھا۔ کتنے بے رحم ہیں آپ لوگ۔ صرف آپ لوگوں کی نام نہاد انا اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بیس سال تک تیمور ماموں کی نشانی کو ٹھوں میں پروان چڑھی ہے۔"

کمرے میں سب لوگ خاموش تھے۔ صرف حارث تھا جو برس رہا تھا۔ حمنیٰ نے ایک نگاہ باقی لوگوں پر ڈالی اور پھر حارث کو دیکھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں حارث کو اتنا برہم ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

"وہ کمزور دل کی لڑکی ہے۔ اس نے پے در پے اتنے صدمات سہے ہیں کہ اس کے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا ہے اور اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں۔ اگر خدانخواستہ اسے....."

"قصور تمہارا ہے حارث! تمہیں اسے یہاں لانے سے پہلے ہمیں اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔" عثمان صاحب نے بیٹے کو ٹوکا تھا۔

"کس بات پر آپ لوگوں کو اعتماد میں لیتا۔ نانو کے لیے اٹینڈینٹ کی ضرورت تھی۔ میں نے انتظام کردیا۔ آپ لوگ تو تیمور ماموں کی بیٹی کے وجود سے ہی منکر تھے۔ آپ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ آپ کے لاڈلے بھائی آپ لوگوں سے چھپ کر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ ڈیڑھ سال تک یہ چھپتی رہی۔"

اس نے حمنیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کم از کم ایک بار تو سوچا ہوتا کہ ہوسکتا ہے یہ سچ بول رہی ہو لیکن آپ لوگوں کی خاندانی انا اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار ہی نہ ہوتی تھی۔"

"اور ان میں تم بھی تو شامل تھے حارث!" حمنیٰ نے دل میں سوچا تھا۔

"میں کیا کرتا بابا! اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد کہ مینا تیمور ماموں کی بیٹی ہے۔ میں اسے اس جگہ زندگی گزارنے کے لیے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بیس سال تک اس کی نانی نے اسے کسی سیپ میں بند موتی کی طرح محفوظ رکھا تھا۔ لیکن قدرت نے اس کا واحد سہارا بھی چھین لیا۔ میں اسے کہاں لے کر جاتا۔"

"اور ابھی بھی آپ لوگوں کو اس کے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ لوگوں کو اس کا وجود گوارا نہیں تو شہر میں دارالامانوں کی کوئی کمی نہیں۔"

"اٹس اٹ حارث بہت ہوگیا۔" عثمان صاحب نے بیٹے کو روکا تھا۔

"اسے بولنے دو عثمان! مت روکو اسے۔ یہ صحیح کہہ رہا ہے۔ ہمارا جرم بہت بڑا ہے۔"

ہارون احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ حمنیٰ نے حیرت سے باپ کو دیکھا۔ وہ اس وقت ان سے یہ سننے کی توقع نہیں کررہی تھی۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ گھر پہنچے تھے۔ حارث انہیں ایرپورٹ سے ریسیو کرنے گیا تھا۔ گھر آتے ہوئے وہ پورا راستہ اس سے الجھتی رہی۔

"وہ اپنے ہی گھر میں ایک اٹینڈینٹ کے طور پر رہ رہی ہے۔ یہ راستہ نکالا ہے تم نے۔"

"ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے حمنیٰ!" حارث نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

"یہی مناسب وقت تھا حارث جو ہونا تھا ہوجاتا آریا پار۔ تمہیں اسے اس کی اصل حیثیت میں گھر لانا چاہیے تھا۔"

"میں یہ کیسے کرتا حمنیٰ! کیا یہ ممکن تھا کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر والوں کے درمیان لاکر دھماکا کرتا کہ یہ ہے تیمور احمد کی بیٹی۔ یہ بہت مشکل تھا میں چاہ رہا ہوں کہ وہ لوگ اسے خود پہچانیں وہ تمہیں یا مجھے تو جھٹلا سکتے ہیں لیکن اپنے دل کی آواز کو نہیں۔"

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ خوش گمان ثابت ہوئے ہو حارث!" اس نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔

"نہیں حمنیٰ! مجھے یقین ہے کہ وہ سب اسے بہت جلد قبول کرلیں گے۔ اسے دیکھنے کے بعد ان کے دل و دماغ میں کشمکش کا آغاز ہوگیا ہے۔ وہ تیمور ماموں کے عکس سے کہاں تک نظریں چرا سکتے ہیں۔"

اس کے پریقین انداز پر اسے ہنسی آگئی تھی۔ لیکن گھر پہنچ کر ایک عجیب و غریب صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ مینا بے ہوش پڑی تھی تو فاطمہ خاتون ہوش و حواس سے بے گانہ۔ عثمان صاحب نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو بلوالیا تھا۔

"بچی کے دماغ پر بہت اسٹریس ہے۔ خدانخواستہ نروس بریک ڈاؤن ہوسکتا تھا۔"

ڈاکٹر نے دادی' پوتی دونوں کو سکون آور انجکشن لگائے تھے اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد مینا کی حالت دیکھتے ہوئے حارث ساری مصلحتیں بھلا کر گھر والوں سے الجھ پڑا تھا۔ لیکن اب حمنیٰ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی۔ مینا کا وجود تسلیم کیا جاچکا تھا۔ قدرت کو آخر اس لڑکی پر رحم آ ہی گیا تھا۔ اس پریشان کن ماحول کے باوجود وہ اپنے اندر ڈھیر سارا اطمینان اترتا محسوس کرسکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے تنویر صاحب! سوچ سوچ کر میرا تو دماغ خراب ہو رہا ہے۔ لگ رہا تھا آنکھوں سامنے کوئی اسٹار پلس کا ڈرامہ چل رہا ہے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے مل رہے ہیں۔" زرینہ بیگم غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

"آپ کی ماں بہن تو سدا کی جذباتی ہیں۔ ڈرامہ کرنے کی شوقین۔ رونے دھونے کے ریکارڈ توڑ دیے۔ حیرت مجھے ہارون پر ہے۔ دو بیٹیاں کیا کم تھیں' جو تیسری بھی گود لے لی۔"

"چھوڑیں ممی! ہمیں کیا۔" امجد جو بے زار شکل بنائے اس روم میٹنگ میں شریک تھا لاپروائی سے بولا۔

"کیسے نہیں ہمیں کچھ' آج اسے تیمور کی بیٹی تسلیم کررہے ہیں کل اسے جائیداد میں سے حصہ بھی دینا پڑے

www.pkdigest.com

گا اور پھر دنیا والوں کو کیا جواب دیں گے؟"

"پھر ہم کیا کریں زرینہ! اس حقیقت کو کیسے جھٹلائیں۔ جبکہ وہ ہو بہو تیمور کا عکس ہے۔" تنویر احمد کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"ہم نے بے سہارا بچیوں کو ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا تنویر صاحب! ملیحہ کو زیادہ ہمدردی ہے تو لے جائے اپنے گھر۔"

"زرینہ! زرینہ! تم صورتِ حال کی نزاکت سمجھنے کی کوشش کرو۔ اماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، ہمیں اسے قبول کرنا پڑے گا۔" وہ جیسے بھی تھے لیکن ماں کے لیے بہت حساس تھے۔

"قبول کرنا تھا تو بیس سال پہلے کیا ہوتا۔ اس وقت تو آپ کو یقین ہی نہ آیا تھا کہ آپ کا لاڈلا بھائی یہ چاند بھی چڑھا سکتا ہے۔"

"شٹ اپ۔" تنویر احمد دھاڑے تھے۔ ان کی برداشت کی بس اتنی ہی حد تھی۔

"اونہہ میرا منہ تو بند کروالو گے اور دنیا والوں کو کیا جواب دو گے۔ خاندان کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔"

"یہ میرا اکیلے کا تو مسئلہ نہیں۔ ہارون بھی تو ہے۔ وہ بھی صورتِ حال کو فیس کرے گا۔"

یہ سوال جو زرینہ نے کیا انہیں بھی پریشان کر رہا ہے۔ انہیں اپنے خاندان کی نیک نامی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی لیکن اب صورتِ حال ایسی تھی کہ مصلحت سے کام لیے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے میں جا سکتا ہوں۔" امجد جو موبائل پر میسجنگ کرنے میں مصروف تھا اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

"چپکے بیٹھے رہو۔" انہوں نے اسے جھڑکا پھر دوبارہ میاں کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جوان بیٹے کا گھر ہے۔ اس لڑکی کو اپنے گھر میں رکھ کر آپ دانش مندی سے کام نہیں لے رہے۔" انہوں نے تصویر کا ایک اور رخ دکھایا۔

"کم آن مام! میرا ٹیسٹ اتنا بھی گیا گزرا نہیں۔ سولہویں صدی کی اس دوشیزہ سے مجھے قطعاً" کوئی دلچسپی نہیں۔ اتنے بڑے دوپٹے کی تو بکل مارے رکھتی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا تو زرینہ بیگم جز بز ہو گئیں۔

"مجھے پنکی جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ پاپا نے تو دیکھ رکھی ہے۔ کیا آئیڈیل ہائٹ ہے اس کی اور کتنا زبردست فگر، دیکھ لیجیے گا کچھ عرصے میں ہی ٹاپ ماڈل بن جائے گی۔ میٹرک پاس ہے مگر آپ اس کی انگلش سنیں تو دنگ رہ جائیں مجھے ایسی لڑکیاں اپیل کرتی ہیں جو سوسائٹی میں موو تو کر سکیں۔"

امجد اپنے زریں خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ تنویر احمد نے بیوی کو استہزائیہ انداز میں دیکھا اور زرینہ بیٹے کو۔ بے بسی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

صرف ایک غلطی کی تلافی کرنے کی دیر تھی اور زندگی نے خوشیوں کے دروازے وا کر دیے۔ احسان صاحب کی فیملی کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بہت محبت اور اپنائیت کے ساتھ طوبیٰ کا رشتہ مانگ رہے تھے۔ ہارون لڑکے متعلق اچھی طرح چھان بین کروا چکے تھے۔ اقرار کرنے کی دیر تھی کہ انہوں نے شادی کی تاریخ مانگ لی۔

"اتنی جلدی کیسے ہو گا سب؟" ملیحہ کچھ پریشان ہو گئی تھیں۔

"جلدی تو آپ کہہ رہی ہیں بہن! میرا بیٹا تو ماشاء اللہ تیس کا ہو کر اکتیسویں میں لگنے والا ہے۔"

بیگم احسان اپنی فطری سادگی سے بولی تھیں۔ فاطمہ خاتون اور ملیحہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اور پھر ان لوگوں کی بات مانتے ہوئے شادی کی تاریخ دے دی گئی۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے حمنیٰ!" طوبیٰ اتنی افراتفری مچنے پر پریشان ہو گئی تھی۔

"تمہارے دل کی ایسی کی تیسی۔ اللہ اللہ کر کے تو خوشیوں نے اس گھر کا راستہ دیکھا ہے۔ اب ہمیں کھل کر انجوائے کرنے دو۔ کیوں مینا!" اس نے مینا کو بھی گفتگو میں گھسیٹا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"تمہارے چہرے پر مسکراہٹ اتنی بھلی لگتی ہے نا مینا! تم بس مسکراتی رہا کرو۔" طوبیٰ نے اسے پیار سے دیکھا تھا۔ وہ پھر جھینپ کر مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"ڈھائی گھنٹے ہو گئے ہیں اور تمہاری شاپنگ ہی مکمل ہونے میں نہیں آ رہی۔ بس یہ آخری دکان ہے۔ باقی کام کل پر اٹھا رکھو۔" حارث نے دکان میں داخل ہونے سے پہلے ہی حمنیٰ کو وارننگ دی تھی۔

"آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔" وہ مسکراتے

ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے حمنیٰ۔ باقی شاپنگ کل کر لیں گے۔" مینا نے بھی حارث کی تائید کی تھی۔ وہ آفس سے واپسی پر سیدھا ان کو لے کر بازار آ گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔

"کل تم آؤ گی تو بات ہے۔ اتنی مشکل سے آج تمہیں گھسیٹ کر لائی ہوں۔ کم از کم دو تین سوٹ تو آج لے لو۔ دن اتنے کم رہ گئے ہیں۔ پھر ٹیلرز کے چکر کاٹنے پڑیں گے۔" وہ اسے لے کر زبردستی دکان میں گھس گئی تھی۔ اور پھر شاید حارث کی وارننگ کا اثر تھا کہ بہت ساری شاپنگ اسی دکان سے مکمل ہو گئی تھی۔

"مینا! تم یہ اورنج اور پنک کمبی نیشن والا سوٹ دیکھو۔ بہت یونیک سا کام ہے۔ میرا خیال ہے اچھا لگے گا۔ لے لیتے ہیں۔" حمنیٰ نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں اچھا تو ہے۔" اس کے انداز میں تذبذب تھا، جس کو حمنیٰ نے تو محسوس نہ کیا مگر حارث بھانپ گیا تھا۔ اس نے مینا کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ دکان دار سے بھاؤ تاؤ کرنے لگی تھی۔

"ایک منٹ حمنیٰ!" حارث نے اسے ٹوکا تھا۔ اس نے حیران ہو کر حارث کو دیکھا۔ وہ شاپنگ کے دوران بالکل لاتعلق سا بیٹھا رہتا تھا۔

"ہاں کیا بات ہے؟" اس نے استفسار کیا۔

"مینا شاید وہ پرپل والا سوٹ لینا چاہ رہی ہے۔" حمنیٰ نے سوالیہ نگاہوں سے اپنے ساتھ بیٹھی مینا کو دیکھا۔

"میرے پاس پرپل شیڈ میں کوئی سوٹ نہیں۔" اس نے جیسے اپنی پسندیدگی کی وجہ بتائی۔ حمنیٰ نے اثبات میں سر ہلا کر دکان دار سے سوٹ پیک کرنے کا کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے میرا لائبریری کارڈ تو نہیں دیکھا، بہت دن سے تلاش کر رہی ہوں۔" حمنیٰ وارڈ روب میں سر گھسائے کپڑے نکال رہی تھی جب طوبیٰ نے اسے مخاطب کیا۔

"توبہ ہے طوبیٰ! تمہاری شادی میں جمعہ جمعہ آٹھ دن رہتے نہیں ہیں اور تمہیں اپنے لائبریری کارڈ کی پڑی ہے۔" حمنیٰ کو طوبیٰ کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"تو میں کون سا کتابیں ایشو کروانے جا رہی ہوں۔ بس ایسے ہی سنبھال کر رکھنا چاہ رہی تھی۔" طوبیٰ نے صفائی دی۔

"ہمیں ملے گا تو ہم رکھ لیں گے، سنبھال کر اور ویسے بھی تمہیں شادی کے بعد کون کتابیں پڑھنے دے گا بی بی! یہ سارے شوق شادی سے پہلے کے ہوتے ہیں۔" حمنیٰ نے ویسے ہی مذاق کیا تھا مگر طوبیٰ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے، آج کل وہ ویسے بھی بات بات پر رونے کے بہانے تلاش کرتی تھی۔

"طوبیٰ!" حمنیٰ نے اسے گھور کر دیکھا پھر وارڈ روب بند کر کے اس کے پاس آئی تھی۔

"پتہ نہیں حمنیٰ! مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں کسی کے معیار پر پوری اتر بھی سکوں گی یا نہیں۔" وہ رو پڑی تھی۔ حمنیٰ نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"پاگل ہو رہی ہو۔ وہ لوگ تمہاری دیوانے ہیں۔ اتنے برس پہلے آنٹی نے تمہیں کسی تقریب میں دیکھا تھا، اور تب سے انہوں نے تمہیں اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"پتہ نہیں کہاں دیکھا تھا آنٹی نے اور آنٹی نے ہی دیکھا تھا نا۔ انہوں نے تو نہیں۔" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے کہا اور حمنیٰ کو اس کے خدشے پر ہنسی آ گئی تھی۔

"نعمان کے گھر والے بھی مجھے پسند کر کے انگوٹھی پہنا کر گئے تھے۔ پھر کیا ہوا؟" گزشتہ تجربے نے اسے بے حد ڈرا دیا تھا۔

"پھر یہ ہوا تھا کہ ہم نے ان کی انگوٹھی ان کے منہ پر دے ماری۔ وہ گھٹیا لوگ تھے ہی اس قابل۔ تم ان اسٹوپڈ لوگوں کا موازنہ ان لوگوں سے کر رہی ہو۔ فار گاڈ سیک طوبیٰ! ہر خدشے کو ذہن سے جھٹک دو۔ احسان انکل کی پوری فیملی بہت ملنسار، بہت خوش اخلاق اور بہت سادہ مزاج کی ہے اور ہمارے دولہا بھائی کے تو کیا کہنے ہی از ریئلی آجینٹل مین۔ لڑکیاں ایسے شریکِ سفر کے خواب دیکھتی ہیں۔ خدا کا شکر ادا کیا کرو۔" حمنیٰ نے اسے کسی بڑی بہن کی طرح سمجھایا تھا۔

"وہ تو کرتی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی اور اس معصومیت پر حمنیٰ کو بے ساختہ پیار آ گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں بہن کی ڈھیر ساری خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

آج طوبیٰ کے سسرال والے اسے ابٹن لگانے آئے ہوئے تھے۔ زرد سوٹ پہن کر اس پر اتنا روپ چڑھا تھا کہ حمنیٰ اسے نظر بھر کر دیکھنے سے ہچکچا رہی تھی۔ اتنے دن سے اس فنکشن کی زور و شور سے تیاری جاری تھی، لیکن آج جب وہ موقع آیا تو اس کا دل اس ہنگامے میں شریک ہونے کو نہ چاہ رہا تھا۔ دل عجیب خالی پن کا شکار تھا۔ طوبیٰ اس وقت اسٹیج پر اپنے سسرالیوں کے نرغے میں تھی اور وہ دور سے اسے صرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے دن سے وہ طوبیٰ کے رونے دھونے پر اسے مسلسل ڈپٹتی آرہی تھی لیکن آج اسے اپنے ضبط کے بندھن ٹوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ حالانکہ اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا لیکن جیسے جیسے جدائی کا وقت قریب آرہا تھا جمع کی ہوئی ہمتیں دم توڑنے لگیں۔

پاپا پر نگاہ پڑی تو دل کٹ گیا۔ وہ بظاہر مہمانوں سے ہنستے مسکراتے مل رہے تھے لیکن ان کی نگاہیں بار بار بھٹک کر اسٹیج کا رخ کر رہی تھیں۔ وہ یقیناً "بہت ضبط سے کام لے رہے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح ان کی آنکھیں ان کے دلی جذبات کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اسی لمحے ان کی نگاہ اس پر پڑی تھی اور وہ جو اتنی دیر سے کھڑے کھڑے ان کا چہرہ پڑھنے میں مصروف تھی گڑبڑاتے ہوئے رخ پھیر لیا۔ اپنی اداس شکل دکھا کر وہ باپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے تیزی سے اپنی دوستوں کے گروپ کی طرف بڑھی جو ڈھولک پیٹ پیٹ کر بے حال ہوئے جا رہی تھیں۔ اتنے میں ہی سامنے سے آنے والا بندہ اس کے پاس سے گزرتے گزرتے ٹھٹک کر رکا تھا۔ وہ یقیناً "طوبیٰ کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تھا کہ وہاں کے سب لڑکے آج ایک ہی طرح کے کرتا شلوار پہنے ہوئے تھے۔

اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی شناسائی، حمنیٰ کے لیے اچنبھے کا باعث بنی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" حمنیٰ کے چہرے پر الجھن نمودار ہوئی۔ اس کی شکل اسے کچھ دیکھی بھالی تو لگ رہی تھی مگر کہاں دیکھا تھا یہ یاد نہ آیا۔

"آپ کی نانی کی طبیعت کیسی ہے؟" اسے حمنیٰ کی الجھن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے یاد دلانے والے انداز میں پوچھا۔ حمنیٰ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ ذرا سی کوشش کے بعد اسے یاد آگیا تھا کہ مخاطب کون ہے مگر اس نے اپنے چہرے کے تاثرات سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

"میں ایک دفعہ آپ کی نانی کا چیک اپ کرنے گیا تھا۔" مجتبیٰ نہ پہچانے جانے پر قدرے مایوس ہوا تھا۔

"او خدایا! کیا ضروری تھا کہ یہ بندہ طوبیٰ کے سسرالیوں میں شامل ہوتا۔" وہ دل ہی دل میں بری طرح گھبرا گئی تھی۔ ابھی وہ اس بات سے ناواقف تھا کہ وہ دلہن کی بہن ہے لیکن اس کا طوبیٰ سے رشتہ جاننے کے بعد وہ کیا کچھ قیاس آرائیاں کر سکتا تھا۔

وہ نانی کا چیک اپ کروانے کے لیے اسے اپنے ساتھ جس جگہ لے کر گئی تھی وہ کوئی نظر انداز کرنے والی بات نہ تھی۔ پتہ نہیں وہ اس بات کو اپنے رشتہ داروں میں کیسے انداز سے پہنچاتا۔

"اللہ جی! میری کسی حماقت کا اثر میری بہن کی زندگی پر نہ پڑے۔" اس نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعا مانگی تھی۔

"وہ بہت ضعیف تھیں اور بہت بیمار بھی۔ اب کیسی ہیں وہ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میری نانی کا انتقال تو میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔ جھوٹ بولنے میں تو خیر وہ ویسے ہی ماہر تھی لیکن یہ بات تو سو فیصد سچ تھی اس لیے انداز میں اتنی قطعیت تھی کہ مجتبیٰ ہکا بکا رہ گیا۔

"دنیا میں بہت سی شکلیں ملتی جلتی ہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی ڈاکٹر مجتبیٰ۔"

وہ رسمی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسے جھٹلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ وہ وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ حدید بھائی کا فرسٹ کزن اور بیسٹ فرینڈ تھا۔ اسے یہ بات اسی روز پتہ چل گئی تھی اور شادی کے باقی تمام فنکشنز میں وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ اپنے دراز قد کی وجہ سے دور سے ہی پہچانا جاتا تھا اور حمنیٰ اسے دیکھنے کے ساتھ ہی ادھر ادھر ہو جاتی۔

"آپ مجھ سے بلاوجہ پریشان ہو کر چھپتی پھر رہی ہیں حالانکہ میں بہت بے ضرر شخص ہوں مس حمنیٰ!" آخر شادی والے روز وہ موقع پا کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔" وہ اس کی بے تکلفی پر سٹپٹا گئی تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو پریشان ہونے کی قطعاً "کوئی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ حمنیٰ نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے کی کوشش کی لیکن اسے اس کی آنکھوں میں موجود شرارتی سی چمک اور ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ کے سوا کچھ اور نظر نہ آیا۔

"مجھے اس روز غلط فہمی ہوئی تھی۔ دنیا میں بہت سی شکلیں ملتی جلتی ہوتی ہیں بلکہ بعض اوقات ہم بیک وقت دو چہروں کو پہچاننے میں غلطی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔"

حمنیٰ نے اسے چونک کر دیکھا، پھر اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ کچھ فاصلے پر ملیحہ پھوپھو کے ساتھ مینا کھڑی تھی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ آپ ایک بے ضرر شخص ہیں۔" اس سے مزید برداشت نہ ہو سکا تب ہی تڑخ کر بولی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ کہ میری فیملی نے آپ کی فیملی سے مینا کا تعارف کیا کہ کر کروایا ہے۔ لیکن آپ چاہیں تو بصد شوق انہیں بتا دیں۔ مینا میرے مرحوم چچا کی بیٹی ہے۔ انہوں نے خاندان سے چھپ کر خفیہ شادی کی تھی لیکن ان کی ڈیتھ کے بعد مینا کی نانی نے....."

"پلیز حمنیٰ! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔" مجتبیٰ کی مسکراہٹ کو ایک دم بریک لگے تھے۔

"جو بات آپ مجھے بتا رہی ہیں مجھے ہرگز اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔ اس روز آپ نے جس مزے سے میری یادداشت کو کمزور قرار دیا تھا میں نے اسے واقعی انجوائے کیا۔ میں آپ کو اس واحد ملاقات کے بعد ایک دن کے لیے بھی نہیں بھولا تھا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ آپ انہیں بھلا ہی نہیں پاتے۔ میں نے اس کے بعد کتنے دن تک آپ کا انتظار بھی کیا۔ مجھے کہنے دیجیے کہ میں بہت کم لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں، لیکن آپ نے مجھے متاثر کیا تھا۔ کس وجہ سے یہ مجھے آج تک خود پتہ نہیں چل سکا۔"

"اٹس او کے پلیز۔ کوئی اور بات کریں۔" حمنیٰ نے سٹپٹا کر اسے روکا تھا۔ اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ گفتگو یہ رخ اختیار کرے گی۔ وہ ذرا دیر پہلے والی ناراضی بھول بھال کر ایک نئی پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ موصوف کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"نہیں۔ مجھے کہنے دیجیے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ مجھے غلط سمجھیں اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کی نگاہوں میں میرا امیج خراب ہو۔ وضاحت کرنا میرا حق ہے۔ میں اتنے دنوں سے آپ کو آبزرو کر رہا تھا اور پلیز یہ نہ سمجھیے گا کہ میرا کام ہی لڑکیوں کو تاڑنا ہے۔ ہاں آپ کی بات دوسری ہے میں آپ سے....."

"اف خدایا کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔" حمنیٰ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ یہ بندہ ضرورت سے زیادہ بھلی تھا اور جس سنجیدگی سے اپنی صفائیوں پر صفائیاں پیش کر رہا تھا، اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ یوں بیچ مجمع میں وہ اسے روک کر کھڑا تھا۔ اگر نانی جان کی نظریں پڑ جاتیں تو ایک منٹ میں فسانہ تیار ہو جاتا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ اتنے میں سامنے سے حارث آتا دکھائی دے گیا۔ اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"ان سے تو آپ ملے ہوں گے۔ مائی فیانسی حارث عثمان!" اس نے مسکرا کر تعارف کروایا۔

مجتبیٰ کا چہرہ یک لخت پھیکا پڑ گیا تھا۔ حارث نے حیرت سے حمنیٰ کو دیکھا۔ مجتبیٰ سے وہ پہلے ہی مل چکا تھا لیکن حمنیٰ کو اتنے تفصیلی حیثیت میں متعارف نہیں کروایا تھا۔

"جی جی ہم مل چکے ہیں۔ حدید نے ان کا تعارف کروایا تھا بھابھی کے بھائی کی حیثیت سے۔" اگلے ہی پل مجتبیٰ نے سنبھلتے ہوئے لہجے میں مصنوعی گرم جوشی پیدا کی تھی جو اب "حارث نے بھی مسکرا کر کچھ کہا۔ حمنیٰ ان دونوں کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج ولیمہ کا فنکشن تھا۔ طوبیٰ کا شرمایا لجایا، ہنستا مسکراتا روپ دیکھ کر اس کے دل میں ڈھیر سارا اطمینان در آیا تھا۔ اس کے سسرال والے واقعی بہت ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ طوبیٰ کی اکلوتی بہن ہونے کے ناتے سب ہی اسے بہت پیار سے ملے اور حدید بھائی تو اب اسے چھوٹی بہنوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے۔

"روپ تم پر چڑھا ہے تو کم حدید بھائی بھی نہیں لگ رہے۔ اتنے ڈیشنگ لگ رہے ہیں آج سب کہہ رہے ہیں چاند سورج کی جوڑی ہے۔"

وہ طوبیٰ کے کان میں گھس کر شرارتی انداز میں بولی۔ طوبیٰ اس وقت دولہن بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ حدید مہمانوں

www.pkdigest.com

کو ریسیو کر رہا تھا۔ طوبیٰ نے ذرا سی نظر اٹھا کر سامنے دیکھا پھر مسکرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

"تمہیں پتہ ہے حمنیٰ! میرا لائبریری کارڈ مل گیا۔" طوبیٰ نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔ اس موقع پر اتنی غیر متعلقہ بات کرنے کا کوئی تک تھا بھلا۔

"منہ دکھائی میں ملا ہے؟" حمنیٰ نے بدمزہ ہو کر پوچھا۔ جواباً" طوبیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس بار حمنیٰ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ذرا فاصلے پر کھڑے مجتبیٰ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پل پل روپ بدلنے والی لڑکی پر ڈالی پھر دوبارہ اپنے سامنے کھڑی غزالہ آپی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بس رات کے کھانے کے بعد تو معدے میں اتنی جلن ہونے لگتی ہے کہ حد نہیں کتنی بار عاصم کو اٹھا کر پانی مانگتی ہوں مگر حلق میں کانٹے پڑے رہتے ہیں۔ جتنا مرضی پانی ہی لوں پیاس بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ بتاؤ کیا کروں؟"

"جگ اپنی سائیڈ پر رکھا کریں نا۔ بلاوجہ اپنے ساتھ عاصم بھائی کی نیند بھی خراب کرتی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ جواباً" غزالہ آپی نے گھور کر دیکھا۔

"اچھا گھوریں مت۔" وہ ہنس پڑا۔

"میں نے پچھلی دفعہ بھی آپ کو گولیاں لکھ کر دی تھیں۔ دوا آپ باقاعدگی سے لیتی نہیں ہیں۔ تکلیف کیسے ٹھیک ہو گی۔ اب میں کیپسول لکھ کر دے رہا ہوں' خدا کے لیے یہ ایک مہینے تک باقاعدگی سے کھانے ہیں۔" وہ جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی پشت پر ہی نسخہ لکھنے لگا تھا۔

"جیسا آپ کھانا پکاتی ہیں اچھے بھلے بندے کی بھوک اُڑ جائے۔ اریبہ تو پھر بچی ہے۔" وہ نسخہ ان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے مسکرایا۔

"میں ذرا نزہت سے مل لوں۔ پھر پوچھتی ہوں تم سے۔"

وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتی آگے بڑھ گئی تھیں۔ مجتبیٰ دوبارہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسٹیج کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حالانکہ یہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت تھی' کل وہ لڑکی اسے اپنے منگیتر سے ملوا چکی تھی۔ پھر باقی کیا بچتا تھا۔

چند مہینے پہلے وہ لڑکی اس کے کلینک پر آئی تھی۔ صرف ایک ہی ملاقات اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ جس جگہ لے کر گئی تھی' وہ اس پر کچھ برہم ہوا تھا۔ لیکن لڑکی اس سے زیادہ خفا ہو گئی تھی۔ وہ اسے اس جگہ کی مکین سمجھا تھا لیکن اس چوبارے میں جا کر اسے اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ دو عورتیں جو اس گھر میں پہلے سے موجود تھیں' وہ خود اس جگہ کی مکینوں کی تعریف پر پورا نہ اترتی تھیں۔ مرد کی ایک نگاہ عورت کو پہچاننے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے غلط اندازے پر شرمندہ ہوا تھا۔ اس نے تفصیل سے بوڑھی خاتون کا چیک اپ کیا تھا اور واپسی پر وہ لڑکی ان لوگوں سے الوداعی کلمات کہتے ہوئے اس کے ساتھ ہی باہر نکلی تھی۔ اس نے فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا بوڑھی عورت سے رشتہ جاننا چاہا تھا' اور اس نے ایک لفظ پر مشتمل دو ٹوک جواب دیا تھا۔ حالانکہ وہ جان چکا تھا کہ اس جواب میں کوئی صداقت نہیں۔

اسے کلینک پر ڈراپ کر کے اس نے نہایت شائستہ انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر گاڑی آگے بھگا کر لے گئی۔ کتنے دنوں تک وہ اس کے حواسوں پر چھائی رہی وہ لاشعوری طور پر اس کی دوبارہ آمد کا منتظر تھا لیکن وہ دوبارہ نہ آئی۔ وہ اسے بھول تو نہ سکا لیکن وہ ایک پریکٹیکل بندہ تھا۔

محض ایک ملاقات کو منطقی انجام تک پہنچانا فلموں' ڈراموں میں تو ممکن تھا حقیقی زندگی میں نہیں' پھر کوئی حدید کی طرح خوش قسمت بھی نہیں ہوتا کہ ایک کتاب کو جھاڑا جائے تو وہ محبوبہ کا نام' پتہ اگل دے تعاون کرنے والے والدین کا ساتھ اور دوسری طرف سے بھی فوراً" سند قبولیت بخش دی جائے۔ نہ کوئی ظالم سماج' نہ آہنی دیوار' شاید اس کی محبت سچی تھی' جو اتنی آسانی سے طوبیٰ کو اپنے سنگ رخصت کروا کر لے آیا۔

مجتبیٰ کو کیا پتہ تھا کہ اس کا گوہر مقصود بھی حدید کے سسرال میں پایا جاتا ہے۔ وہ تو بہت آرام سے اس لڑکی کی یاد کو دل کے ایک کونے میں رکھ کر فارغ ہو گیا تھا۔

شادی کے فنکشنز تین چار دن جاری رہے اور تیسرے دن اسے اس سے تفصیلی بات کرنے کا موقع ملا۔ وہ اس کے شرارت بھرے سوال پر بدگمان ہو گئی تھی۔ مجتبیٰ نے ہر ممکن طریقے سے اپنی صفائی پیش کی بلکہ اس صفائی پیش کرنے کے عمل میں کچھ کچھ اپنے دلی جذبات سے بھی آگاہ کر گیا تھا اور وہ لڑکی بظاہر جتنی لاپروا اور لاابالی سی لگتی تھی اتنی جلدی بات کی تہہ تک پہنچتی تھی کہ اس

سے پہلے وہ مزید "سرپرائز" ہوتا۔ اس نے اسے اپنے منگیتر سے ملوا دیا اور اس شخص سے وہ پہلے ہی مل نہ چکا ہوتا تو دل ہی دل میں اس پر خوب بھڑاس نکال لیتا' جس نے اس کی محبت کی نوخیز کلی کھلنے ہی نہ دی۔ لیکن وہ بندہ اتنا نائس تھا کہ وہ دل میں بھی اسے ۔ باتیں نہ سنا سکا۔

کیا مختصر سی محبت کی کہانی تھی لیکن وہ بہت پریکٹیکل بندہ تھا امید تھی بہت جلد خود کو اپنے اوپر چھائی اس سوگوار سی کیفیت سے نکال لے گا اگرچہ فی الحال اس کی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ دل کو بے حد سمجھانے کے باوجود نگاہیں بار بار بھٹک کر اسٹیج کا رخ کر رہی تھیں' جہاں وہ بہن کے پہلو میں بیٹھی چہرے پر دنیا جہان کی حیرت اور اشتیاق سجائے کوئی بات سننے میں مصروف تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک طوبیٰ کے جانے سے گھر کتنا خالی خالی ہو گیا تھا اور جو مینا بھی نہ ہوتی تو کیا بنتا میرا۔" اس نے بیڈ پر اپنے ساتھ سوئی مینا کو دیکھ کر سوچا تھا۔ اب وہ اس گھر کی باضابطہ مکین تھی۔ دنیا کے سامنے اسے تیمور احمد کی بیٹی کی حیثیت سے ہی متعارف کروایا گیا تھا لیکن اس کی زندگی کی باقی داستان میں اپنی مرضی کی رنگت آمیزی ضرور کی گئی تھی۔

تیمور احمد نے اپنی کلاس فیلو سے لو میرج کی تھی اور تیمور احمد کی اچانک موت کے بعد مینا کی ماں نے اسے اس ڈر سے ددھیال والوں سے نہ ملایا کہ وہ بچی کو چھین نہ لیں لیکن کچھ عرصہ پہلے ہی کینسر کے موذی مرض سے زندگی کی بازی ہارتے ہوئے اس نے اپنی بیٹی اس کے اصل وارثوں کو سونپ دی۔ ذہن ملیحہ پھوپھو کا چلا تھا۔ مینا سے محبت اپنی جگہ لیکن اس کے متعلق دوسری تلخ حقیقتوں کو دنیا سے چھپانا ہی بہتر تھا۔ وہ حقیقت پسندی سے سوچتی تو ملیحہ پھوپھو کو حق بجانب ہی قرار دیتی' البتہ حارث کی رائے مختلف تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ ممی وغیرہ کے لیے سچ بولنا ہرگز آسان نہیں تھا لیکن جھوٹ کب تک چھپ سکتا ہے۔ مینا نے ایک نئی زندگی کی شروعات کی ہے لیکن ہم نے اس کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھ دی۔ اب اسے آخری دم تک یہ جھوٹ نبھانا پڑے گا۔ یہ بہت مشکل کام ہے حمنیٰ! ہر وقت اس خطرے کا شکار رہتا کہ کوئی آپ کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو جائے۔"

وہ دونوں جب بھی بات کرتے موضوع گفتگو مینا کی ذات ہوتی اور اکثر و بیشتر یہ موضوع حارث ہی چھیڑتا تھا۔ مینا کے لیے اس کی یہ حساسیت اب حمنیٰ کو محسوس ہونے لگی تھی۔ اگرچہ دل میں ایک لمحے کو بھی مینا کے لیے ایسا ویسا خیال نہیں آیا' وہ معصوم سی لڑکی اسے اب بھی اتنی ہی عزیز تھی۔

☼ ☼ ☼

"کتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے کیا خیال ہے کہیں باہر چلیں۔" آج حارث کا آف تھا۔ بہت دن بعد اس نے اس طرح کی آفر کی تھی۔

رات کو لمبی واک پر جانا یا کبھی موقع ملے تو لانگ ڈرائیو اور پھر ڈھیر ساری آئس کریم کھانا۔ دونوں کے شوق یکساں تھے لیکن حارث مصروف رہنے لگا تھا۔ آفس کی تقریباً" ساری ذمہ داری اسی نے اٹھا رکھی تھی۔ ماضی کی فراغت خواب و خیال بنتی جا رہی تھی۔

"اتنے دنوں بعد تمہیں خیال آیا ہے' جبکہ موسم لگاتار ایک ہفتے سے خوشگوار چلا آ رہا ہے۔" حمنیٰ نے اسے جتایا تھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"بس ایک منٹ رکو میں دادی جان کو بتا کر آتی ہوں۔" اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

"مینا کو بھی بلوا لینا۔ سارا دن گھر میں رہ کر بور ہی ہوتی ہے۔ اس کی بھی آؤٹنگ ہو جائے گی۔" حارث نے پیچھے سے پکارا تھا۔ اور دادی جان کے کمرے کی طرف جاتے اس کے قدم ایک لمحے کو تھمے تھے' پھر آگے بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک آئس کریم ایسی چیز ہے جس سے میرا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔ قسم سے مینا! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر دنیا میں آئس کریم نہ ہوتی تو میرا کیا بنتا۔"

وہ آئس کریم پارلر میں بیٹھی مینا سے محو گفتگو تھی۔ حارث نے آرڈر دے دیا تھا اور اب وہ مسکراتے ہوئے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ آج کل اپنی ڈھیروں مصروفیات میں سے خاص طور پر وقت نکالنے لگ گیا تھا۔

"بچپن میں میرا گلا بہت جلد خراب ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر سردیوں میں تو پاپا آئس کریم کی طرف دیکھنے بھی نہیں دیتے تھے اور مجھے خوابوں میں بھی آئس کریم کے پہاڑ نظر آتے تھے۔"

www.pkdigest.com

"اور مینا! یہ اتنی ندیدی تھی کہ ہمارے گھر آکر چپکے سے..."

ویٹر کے آنے پر حارث نے گفتگو کا سلسلہ روکا تھا۔ ویٹر سرو کر کے چلا گیا تھا۔

"یہ میرا فیورٹ فلیور ہے۔" مینا نے کپ اٹھا کر حمنیٰ کو مخاطب کیا۔

"پچھلی دفعہ تم نے بتایا تھا۔ مجھے یاد رہا۔ اسی لیے منگوایا ہے۔" حارث مسکرایا تھا۔ حمنیٰ نے خاموشی سے اپنے سامنے دھرے کپ کو دیکھا۔ اسے کیا پسند تھا حارث بھول گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایک تو مجھے ممی کی سمجھ نہیں آتی۔ کیا کرتی پھر رہی ہیں۔"

آج بہت دن بعد وہ رات کو واک پر اکیلے تھے۔ مینا دادی جان کے پاس گھسی بیٹھی تھی۔ اس نے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے حارث کو اچنبھے سے دیکھا۔

"مسز واسطی کا پتہ ہے نا تمہیں ممی کی این جی او کی سرگرم رکن۔" وہ استفسار کر رہا تھا۔

"ہاں وہ موٹی سی۔ خود اتنی خوبصورت نہیں ہیں جتنا خوبصورت ڈائمنڈ کا بریسلٹ پہنتی ہیں۔" حمنیٰ کو وہ اپنے بریسلٹ کی وجہ سے ہی یاد تھیں۔

"ممی نے مینا کو بطور خاص ان سے ملوایا ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔ پھوپھو بہت پیار کرتی ہیں مینا سے۔ اور پھر اتنی پیاری ہے مینا بالکل پھوپھو جیسی۔ اسی لیے پھوپھو فخریہ ہر کسی سے تعارف کرواتی ہیں۔"

"فخریہ تعارف کروانا اور بات ہے اور کسی خاص مقصد سے ملوانا اور بات۔" حارث کچھ جھنجلا کر بولا تھا۔

"خاص مقصد؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ مینا میں انٹرسٹ لے رہی ہیں۔"

"کیوں؟" اسے واقعی حارث کی بات سمجھ نہ آئی۔

"ان کا بیٹا میرا کلاس فیلو تھا۔ شاید تم نے کبھی نہیں دیکھا۔ فواد نام ہے اس کا۔"

"اوہ۔" حمنیٰ کو اب جا کر بات سمجھ میں آئی تھی۔

"شاید میں نے دیکھ رکھا ہے۔ اچھا لڑکا ہے۔ اسمارٹ سا۔ اپنی ماں کے بالکل برعکس خاصا خوبصورت ہے۔"

"زندگی خوبصورتی کے سہارے نہیں گزاری جاتی حمنیٰ!" وہ جانے کیوں اتنا جھنجلا رہا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔

"وہ لڑکا ٹھیک نہیں ہے کیا؟" کچھ توقف کے بعد اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بظاہر ان لوگوں میں کوئی کمی نہیں۔ اچھی کھاتی پیتی فیملی ہے۔ فواد اکلوتا بیٹا ہے۔ پڑھا لکھا ہے اسمارٹ ہے۔ ویسے کوئی قابل ذکر اخلاقی برائی بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی میرا دل نہیں مانتا۔" وہ بات کرتے کرتے رکا تھا۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو آگے کیا کہے۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو حارث! دادی جان اور پھوپھو آج کل مینا کے لیے کافی پریشان ہیں۔ ملیحہ پھوپھو تو بہت دن سے بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ طوبیٰ کی شادی میں بھی وہ مینا کو اپنے ساتھ لیتے پھرتی رہیں۔ ہر کسی سے بطور خاص ملوایا تھا۔ اگر مسز واسطی کی فیملی کا ارادہ بن رہا ہے تو کیا برائی ہے۔ پھوپھو انہیں جانتی ہوں گی۔ اتنے عرصے کا ساتھ ہے اور پھر تم خود کہہ رہے ہو کہ بظاہر ان لوگوں میں کوئی برائی نہیں۔" اس نے رسانیت سے کہا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں حمنیٰ! کہ بظاہر کوئی قابل گرفت بات نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے وہ لوگ مینا کے قابل نہیں لگ رہے۔ مینا اس کلاس کا حصہ کبھی نہیں بن پائے گی۔ وہ بہت حساس ہے۔ اتنا مصنوعی پن اس سے برداشت نہیں ہو پائے گا۔ دولت کی چکا چوند' نام نہاد اپنی کینس اور مینرز' فیشن کی دوڑ میں شریک ہوتی خواتین۔ مینا وہاں بالکل مس فٹ رہے گی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ وہ لوگ مینا جیسی خالص لڑکی کو ڈیزرو ہی نہیں کرتے۔ اسے کوئی اپنے جیسا ہی لائف پارٹنر چاہیے۔ سادہ مزاج اور پرخلوص۔ جو اس کی کیئر کر سکے۔ مسز واسطی جیسے گھرانے میں بھیج کر ہم اس پر ظلم کریں گے۔ جس طرح کوئی پودا اپنی جگہ سے اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ لگایا جائے تو وہ پنپ نہیں سکتا۔ ایسے ہی مینا بھی کبھی اس کلاس کا حصہ نہیں بن پائے گی۔"

حارث بولے جا رہا تھا اور حمنیٰ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کب تک اپنے دل میں آتے خیال کو وہم کہہ کر جھٹلاتی۔ اب ایسا کرنا اس کے لیے مزید ممکن نہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ملیحہ پھوپھو کے گھر مسز واسطی کی آمد و رفت بڑھتی جا رہی

تھی۔ ہر دفعہ ان کے آنے پر مینا کی وہاں طلبی ہوتی لیکن آج ملیحہ انہیں لے کر فاطمہ خاتون کے پاس آئی تھیں۔ باضابطہ پروپوزل انہیں فاطمہ خاتون کے سامنے ہی پیش کرنا تھا۔ ملیحہ پھوپھو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر فاطمہ خاتون کو لیے ان کے کمرے میں گئی تھیں۔

اس مختصر سے وقت میں انہیں زرینہ بیگم نے کمپنی دی تھی اور ویسے تو وہ طویل' بے مقصد اور لایعنی بات کرنے میں ماہر تھیں لیکن کسی خاص خاص موقع پر انہیں دریا کو کوزے میں بند کرنے کا فن بھی خوب آتا تھا۔

☼ ☼ ☼

دادی جان کا بی پی ایک دفعہ پھر شوٹ کر گیا تھا۔ مسز واسطی صرف انکار ہی نہیں کر کے گئی تھیں بلکہ اور بھی بہت کچھ سنا کر گئی تھیں۔ ملیحہ پھوپھو کے سامنے کوئی اس لہجے میں بات کرنا یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ لیکن وہ سب سے زیادہ ملیحہ پھوپھو کو ہی سنا کر گئی تھیں اور ملیحہ پھوپھو ان کی بات سننے پر مجبور تھیں۔

"واہ مسز عثمان! یہ خوب رہی۔ اپنے گھر کا گند ہمارے سر تھوپنا چاہ رہی ہیں۔ آپ تو کہتی تھیں کہ بچی کی ماں لیکچرار تھی۔ کینسر سے مری ہم تو بچی کی بھلی بھالی صورت پر مرتے' یہ کیوں نہیں بتایا کہ کس جگہ سے تعلق ہے اس لڑکی کا۔ زندگی کے بیس برس کہاں گزارے؟ مرحوم بھائی کی نشانی سے اتنی ہمدردی ہے تو اپنے گھر کی زینت بنا لیجیے۔ آپ کا بھی تو بیٹا ہے۔ توبہ توبہ ہم تو بے خبری میں لٹنے چلے تھے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں مسز عثمان۔ وہ تو اچھا ہوا بہت پہلے ہی بات کھل گئی بلکہ میں تو جا کر ہر کسی کو یہ بات بتاؤں گی ورنہ پھر بے چارہ کوئی انجانے میں پھنس جائے گا۔"

وہ تن فن کرتی چلی گئی تھیں اور گھر میں جیسے صف ماتم بچھ گئی تھی۔ مینا کی حالت تو ایسے تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔ اتنی مشکلوں سے تو اس کا اعتماد بحال ہوا تھا اور پھر دوبارہ اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے گئے۔"

حارث کا کرب اس کے لہجے سے ظاہر تھا۔ اور دل تو اس کا بھی اندر تک چیرتا چلا گیا تھا۔ مینا کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہتے تھے حارث! مینا کو کوئی بہت کیئرنگ سا شخص چاہیے۔" وہ جب بولی تو آواز کا کھوکھلا پن نمایاں تھا۔

☼ ☼ ☼

ہال کمرے میں آج پھر عدالت جمی تھی۔ لیکن آج وہ ملزم کی حیثیت سے نہیں بلکہ وکیل کی حیثیت سے پیش ہوئی تھی۔ اگرچہ مقدمہ کسی اور کا لڑ رہی تھی۔ پاپا' دادی جان — اور ملیحہ پھوپھو تینوں اس کی بات سن کر دنگ رہ گئے تھے۔

"میں اتنی غلط بات بھی نہیں کر رہی۔ آپ لوگ سوچیں تو سہی۔"

پہلا ردعمل وہی تھا جس کی اسے توقع تھی۔

"تم اتنی ہی غلط بات کر رہی ہو۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم اسے ہینڈل کر لیں گے' اپنے نادر آئیڈیاز اپنے پاس رکھو۔" ملیحہ پھوپھو نے اسے جھڑک دیا تھا۔

"آپ لوگ حقیقت پسندی سے کام لیں تو شاید ہی آخری اور واحد حل ہے' ہم مینا کا ماضی کس کس سے اور کیسے چھپائیں گے اور اگر چھپانے میں کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو مینا کی آئندہ زندگی کی عمارت ہی کمزور بنیاد پر کھڑی ہوگی جو صرف ایک سچ کے ظاہر ہونے پر لڑکھڑا جائے گی اور اگر کسی کو پہلے ہی سچ بتا دیا جائے تو کون اپنائے گا۔" وہ رسانیت سے کہتی ہوئی ایک ایک کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری سب باتیں ٹھیک سہی بیٹا! لیکن اس کی زندگی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہم تمہاری حق تلفی نہیں کر سکتے۔ جس طرح وہ ہمارا خون ہے اسی طرح تم بھی تو ہو اور پھر تمہاری اور حارث کی انڈراسٹینڈنگ ہے۔ بچپن سے تم دونوں میں گہری دوستی ہے۔ اسی دوستی اور انڈراسٹینڈنگ کو دیکھتے ہوئے ہم نے تم دونوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا۔ زندگی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں یہ فیصلے یوں آسانی سے بدلے نہیں جا سکتے۔"

ملیحہ پھوپھو کا لہجہ اب قدرے نرمی لیے ہوئے تھا۔ اپنی اور حارث کی انڈراسٹینڈنگ کا لفظ باپ کے سامنے سن کر وہ نظریں جھکا گئی تھی لیکن یہ شرمانے یا جھجکنے کا وقت نہیں تھا اسے پورے اعتماد سے مینا کا مقدمہ لڑنا تھا۔

"یہی میں بھی کہنا چاہ رہی ہوں پھوپھو! کہ حارث اور میری صرف دوستی ہے۔ گھر ہی گھر میں بات طے ہوئی تھی

www.paksociety.com

نہ باضابطہ منگنی ہوئی نہ آپ نے مجھے انگوٹھی پہنائی۔ گھروں میں تو ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوگا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکی تھی پھر فاطمہ خاتون کی جانب رخ کیا۔

"دادی جان! آپ سمجھائیں نا پھوپھو کو یہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے گھر میں ہی طے ہو جائے تو کتنا اچھا ہے۔ مینا بہت حساس اور معصوم لڑکی ہے۔ وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ ہمارے پاس اس کی محرومیوں کے ازالے کا موقع ہے۔ یہ فیصلہ اس کی زندگی میں خوشیاں بھر دے گا۔ اسے جو محبت اور اپنائیت اس گھر سے مل سکتی ہے اور کہیں سے بھی نہیں ملے گی۔ وہ پورے اعتماد سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرے گی۔ زندگی نے اب تک اس کے دامن میں کوئی خوشی نہیں ڈالی ہے۔ اور زمانے کا ظرف اتنا بڑا نہیں وہ جہاں بھی جائے گی اس کے ماضی کا حوالہ اس کا پیچھا کرے گا۔ صرف ہم ہیں جو اسے اس کی خوبیوں خامیوں سمیت دل کی خوشی سے اپنا سکتے ہیں۔"

"میری بچی! تیرا دل بہت بڑا ہے لیکن ایک ماں کبھی بھی ایک بچے کے سامنے سے کھانا اٹھا کر دوسرے کا پیٹ نہیں بھر سکتی۔" فاطمہ خاتون نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اگر ایک بچے کی جان پر بن رہی ہو تو اسے دوسروں کے حصے کا بھی کھلایا جا سکتا ہے۔ اور دادی جان یہاں تو مسئلہ یہ ہے ہی نہیں۔ آپ لوگ میری کوئی حق تلفی نہیں کر رہے ہم سب مل جل کر ایک مسئلے کا حل نکال رہے ہیں اور میری نظر میں یہ واحد حل ہے۔"

"کاش زرینہ امجد کے لیے مان جاتی۔" فاطمہ خاتون نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"وہ امجد کے لیے تو کیا مانیں گی اماں! وہ صرف اپنی زبان ہی بند رکھ لیں جانے کیوں مینا کے راستے میں کانٹے بچھا رہی ہیں مجھے یقین ہے مسز واسطی کے کان انہوں نے ہی بھرے تھے۔" ملیحہ تنفر سے بولی تھیں۔

"تائی جان اپنی زبان بند رکھ بھی لیں تو دنیا کی زبانیں کون بند کروائے گا اور پھوپھو آپ مینا کی حالت تو دیکھیں۔ اللہ اللہ کر کے تو وہ سنبھلی تھی۔ پھر مینٹلی ڈسٹرب ہو گئی۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا۔ جب بھی اس کا کوئی پرپوزل آئے گا' وہ پھر اسی ذہنی اذیت کا شکار ہو جائے گی اور اس دن مسز واسطی بھی تو کہہ گئی تھیں کہ مرحوم بھائی کی نشانی ہے تو اپنے گھر کی زینت بنا لیجیے۔

آخر ہم دنیا سے معذرت خواہانہ رویہ کیوں اپنائیں۔ مینا ہمارا خون ہے ہم کسی کو اتنا حق ہی کیوں دیں کہ وہ اس کی ذات پر کیچڑ اچھال سکے۔ ہم کس کس کو یقین دلائیں گے کہ وہ ایک پاک باز ماں کی پاک باز بیٹی ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہوگا اس سے اچھا یہ نہیں کہ ہم مینا کو ہمیشہ کے لیے اپنی محبتوں کے حصار میں لے لیں۔ حارث سے رشتہ جڑنے کے بعد اس کے نام کے ساتھ ایک معتبر نام لگ جائے گا پھر کوئی اس پر انگلی اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکے گا۔" وہ دلیل دے دے کر ہلکان ہو گئی تھی۔

"لیکن..." ملیحہ پھوپھو نے متذبذب ہو کر ہارون احمد کو دیکھا۔ وہ اب تک بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ حمنیٰ نے ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا' پھر باپ کے پاس جا کر ان کے ہاتھ تھامے تھے۔

"بابا! آپ تو متفق ہیں نا میری بات سے۔ آپ نے مینا کو اپنی بیٹی کہا تھا۔ پھوپھو کے گھر آپ کی کوئی سی بھی بیٹی جائے' ایک بیٹی تو پھر بھی آپ کی ذمہ داری رہے گی اور یقین کریں بابا! مینا کی ذمہ داری نمٹانا ہی اصل مسئلہ ہے۔ میرا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ طوبیٰ کی مثال لیں۔ منگنی ٹوٹنے کے باوجود کتنی اچھی جگہ شادی ہوئی۔ ہمارے ساتھ ماضی کا کوئی ایسا حوالہ نہیں لگا جو دنیا کو ہمارے اوپر انگلی اٹھانے کا موقع دے سکے۔ میری شادی کسی اور اچھی سی جگہ پر ہو جائے گی۔" جوش جذبات میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔

ہارون احمد نے حمنیٰ کو دیکھا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی انہوں نے مینا کو بیٹی کہا تھا تو بیٹی سمجھ کر اس کے محفوظ مستقبل کی فکر بھی ان ہی کی ذمہ داری تھی۔ ایک پل کو انہوں نے صرف حمنیٰ کا باپ بن کر سوچا تھا لیکن اگلے ہی پل انہوں نے یہ سوچ جھٹک دی۔ ان کی بیٹی خاندان کو کرائسس سے نکالنے کے لیے قربانی پیش کر رہی تھی۔ وہ کیسے اپنی بیٹی کے جذبات کی قدر نہ کرتے۔ اپنی اس لاابالی اور بظاہر مجبور بیٹی پر انہیں ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"حمنیٰ۔ ٹھیک کہہ رہی ہے اماں! اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔" وہ آہستہ سے بولے تھے۔ زندگی کے امتحان لینے کے عجیب ہی طریقے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ہرگز نہیں' بالکل بھی نہیں۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے

حمنیٰ! مینا پر بری طرح خفا ہو رہی تھی۔

"صرف میں نے نہیں سوچا بلکہ سب بڑوں نے یہ تجویز مان بھی لی ہے۔" اس نے اطمینان سے آگاہ کیا۔

"تم مجھے اتنا گھٹیا سمجھتی ہو۔" اسے رونا آگیا تھا۔ حمنیٰ کو اس کے اسی ردعمل کی توقع تھی اس لیے خاموشی سے اس کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم نے ایسے سوچا بھی کیسے حمنیٰ کہ میں تمہارے حق پر ڈاکہ ماروں گی۔ تم اور حارث...!"

"ہاں کیا میں اور حارث۔" حمنیٰ نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"ارے بابا! ہم صرف اچھے تھے۔ اچھے دوست ہیں اور اچھے دوست رہیں گے یہ تو صرف پھوپھو کو شوق چرایا تھا۔ انہوں نے دادی جان سے بات کی۔ دادی جان راضی ہو گئیں۔ بابا تک سے رائے نہیں مانگی گئی تھی۔ یقین کرو بس ایسے ہی بات تھی۔" اس نے لہجے کو سرسری بنایا تھا۔ مینا نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا' اس نے نگاہیں چرا لیں۔

"تم نے اب تو یہ ذکر کر دیا ہے حمنیٰ! پلیز آئندہ مت کرنا۔" وہ قطعیت سے بولی تھی۔

"آخر کیوں مینا! دادی جان راضی ہیں پھوپھو راضی بابا راضی' سب ہمارے سب بڑے راضی ہیں تو تم اپنی مرضی چلانے والے کون ہوتے ہیں۔" سب لوگ سوچ سمجھ کر ہی اس فیصلے پر متفق ہوئے ہیں۔

"لیکن میں راضی نہیں ہوں۔" وہ ناراضی سے بولی۔ حمنیٰ نے ٹھنڈی سانس بھری اسے منانا بہت مشکل کام تھا۔

"حارث بہت کیئرنگ شخص ہے۔ بہت احساس کرنے والا۔ محبت کرنے والا۔ یقین کرو اس کا ساتھ تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دے گا۔"

"میں ان کی اچھائیوں سے کب انکاری ہوں۔ میری ذات پر ان کے بہت احسانات ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو آج میں بھی یہاں نہ ہوتی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"تو پھر مانتی کیوں نہیں ہو۔ تمہارے ذہن میں صرف یہی بات ہے نا کہ حارث اور میری کمٹ منٹ تھی۔ میں تمہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں کہ ایسا کچھ خاص نہیں تھا ہمارے بیچ۔ تم اتنے عرصے سے رہ رہی ہو۔ اگر کچھ ہوتا تو تمہیں اب تک پتہ نہ چلتا۔ ہم صرف اچھے دوست ہیں۔" وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے زچ ہو گئی تھی۔

"تم جو مرضی وضاحت دے دو حمنیٰ! لیکن میرا دل نہیں مانتا۔" وہ بے بس ہو کر بولی تھی۔

"تم فضول کی بات لے کر اڑی ہوئی ہو۔ دادی جان کی حالت دیکھی ہے تم نے کتنی ٹینشن لے رہی ہو۔ اگر یہ سارا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جاتا ہے تو کیا حرج ہے۔" وہ دفاعی انداز چھوڑ کر جارحانہ حکمت عملی پر اتر آئی تھی۔

"خدانخواستہ انہیں کچھ ہو جاتا ہے تو ہم میں سے کون ذمہ دار ہوگا۔ اس دن مسز واسطی کی باتیں سن کر ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ ہم کتنی مسز واسطیوں کو روکیں گے مینا! یہ مان لو کہ وہ تمہارے مستقبل کے حوالے سے بہت پریشان ہیں۔ ان کی ساری زندگی ایک نامعلوم ڈیپریشن کی نذر ہوئی ہے اور اب تمہیں پانے کے بعد جب انہیں واقعی سکون نصیب ہوا ہے تو یہ نئی پریشانی ان کی جان کو چمٹ گئی ہے۔ برا مت ماننا مینا! ہو سکتا ہے تمہیں دادی جان سے وہ وابستگی نہ ہو لیکن میں انہیں مزید پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ وہ زندگی کے آخری حصے میں تو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد ہو کر صرف اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ سکیں۔ ہم ان کی فکر اور پریشانیاں دور کرنے کے لیے اپنی سی تو ہر ممکن کوشش کر سکتے ہیں نا!"

(اس کے پاس دلائل کی کمی نہ تھی پھر بھی مینا کو سمجھانے میں دانتوں پسینہ آگیا تھا۔)

بہت مشکلوں سے یہ مرحلہ سر ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ صرف ایک ہفتے کے لیے بزنس کے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا تھا اور واپس آیا تو زندگی کی بساط ہی الٹی پڑی تھی۔

"تمہیں کس نے حق دیا ہے کہ میری زندگی سے متعلق فیصلے تم صادر کرو۔" وہ شدید غصے کے عالم میں حمنیٰ سے جواب طلبی کرنے آیا تھا۔

"مینا بہت اچھی لڑکی ہے۔ تم اس کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرو گے۔" جس مشکل سے اس کی زبان نے یہ الفاظ ادا کیے یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

"مسئلہ مینا کی اچھائی برائی کا نہیں ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے تمہارا

www.pkdigest.com

نہیں۔" اس نے درشتی سے حمنیٰ کی بات کاٹی تھی۔

"تم اس کے متعلق سب کچھ جانتے ہو شاید اسی لیے اسے اپنانے سے ہچکچا رہے ہو۔ دنیا کا سامنا کرنے سے ڈر لگتا ہے نا؟" اس نے طنز کیا۔

"شٹ اپ حمنیٰ! میرے پاس تمہارے فضول سوالوں کا کوئی جواب نہیں اور نہ ہی میں تمہارا فیصلہ ماننے کا پابند ہوں۔"

"پلیز حارث! اتنی مشکل سے تو سب راضی ہوئے ہیں اور مینا کو منانا تو دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ اب تمہارے پاس اس بات کو ماننے کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں۔ کیا وہ ایک بار پھر ریجیکٹ ہونے کی اذیت سہے گی۔"

اس نے اپنی دانست میں حارث کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ حارث اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"ہماری فیملی جس کرائسس سے گزر رہی ہے۔ اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے حارث!" وہ نگاہیں چرا کر دھیمے لہجے میں بولی۔ دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

"فیملی کا سوچ لیا اور میرے اور اپنے متعلق کچھ نہیں سوچا۔" وہ زخمی لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔

"ہمارے درمیان کیا تھا حارث! صرف دوستی کا رشتہ تھا اور وہ قائم رہے گا۔" حمنیٰ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے لاپروا سا انداز اختیار کیا۔ حارث اسے چپ چاپ دیکھتا رہ گیا۔

"ہمارے درمیان کوئی اموشنل انیج منٹ نہیں تھی حارث! ہم محض اچھے دوست تھے۔ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو۔" حارث کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد مزید کچھ کہے بنا پلٹ گیا تھا۔ اس شام کو اس نے فاطمہ خاتون کو اپنی رضامندی دے دی تھی۔

"بس اتنی تھوڑی سی مزاحمت حارث! تم دکھاوے کو ہی سہی مجھ پر تھوڑا سا تو اور بگڑتے۔"

اس کے اتنی جلدی مان جانے پر حمنیٰ کا دل رو رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا ہے حمنیٰ۔" اس کی بکھری ہوئی حالت دیکھ کر طوبیٰ کا دل کٹ گیا تھا۔ بند کمرے میں بہن کے سامنے اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے شانے سے سر ٹکا کر وہ کتنی دیر روتی رہی۔

"جب اتنی بہادری سے اپنی محبت کسی کو سونپ رہی ہو تو پھر رونا کیا معنی رکھتا ہے۔" اسے چپ کرواتے کرواتے طوبیٰ خود بھی نڈھال ہو گئی تھی۔ حارث اس کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتا تھا۔ یہ صرف اس کی ہم دم و ہمراز بہن کو ہی پتہ تھا۔

"تم نے خاندان کی بھلائی کے لیے اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔ کس نے مانگی تھی تم سے یہ قربانی۔ اللہ کی کائنات بہت بڑی ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مینا کو بھی کوئی مل جاتا۔ تم ہمیں کوشش تو کرنے دیتیں۔ ہم سب ہی مینا کے لیے متفکر تھے۔ اللہ کوئی سبب بنا دیتا۔"

"خدا گواہ ہے طوبیٰ کہ میں مینا کی خوشیوں کے لیے اپنی بڑی سے بڑی خوشی قربان کر سکتی ہوں لیکن یہ فیصلہ میرے لیے ہرگز اتنا آسان نہ ہوتا اگر مجھے حارث کی مینا میں دلچسپی کا علم نہ ہو جاتا۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولی تھی۔

"حمنیٰ..." طوبیٰ اس کی بات سن کر ششدر رہ گئی تھی۔

"میں اپنی مرضی سے دستبردار ہوئی ہوں۔ مینا کا کوئی دوش نہیں۔" اس نے طوبیٰ کی نگاہوں کا سوال پڑھتے ہوئے دھیمے لہجے میں وضاحت دی تھی۔ طوبیٰ کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ بچا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ایک بار پھر ایک فنکشن کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئی تھیں۔ فاطمہ خاتون کی خواہش پر مینا اور حارث کی باقاعدگی منگنی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ ملیحہ پھوپھو اپنے دل کا ہر ارمان پورا کرنا چاہ رہی تھیں۔ ادھر جوش و خروش سے تیاریاں جاری تھیں تو جوش و خروش اس گھر میں بھی کم نہ تھا۔ حمنیٰ مینا کو روز گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جاتی۔ کبھی بازار، کبھی پارلر تو کبھی جیولر کے پاس۔ حمنیٰ نے خود کو اس بری طرح مصروف کر لیا تھا کہ خود سے ملاقات بھی ممکن نہ ہو پاتی۔ ہاں جب ایک دن عثمان انکل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تو اسے اپنے آنسو چھپانا مشکل ہو گئے۔

"تمہیں دنیا جہان کی خوشیاں ملیں بیٹا۔ اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔ لیکن ہم تو ہمیشہ تمہیں اپنے گھر کی رونق سمجھ سمجھ کر خوش ہوتے رہے۔ اب دل سمجھتے سمجھتے سمجھے گا۔" وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائے تھے۔

عثمان انکل اس سے بہت محبت کرتے تھے اور اب بھی

ان کی محبت اس کی آنکھوں کو نم کرنے کا باعث بنی تھی۔

"میں اب بھی تو آپ کی بیٹی ہوں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"اس سے کس کو انکار ہے۔" وہ بھی مسکرا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"لو یہ بھی خوب رہی۔ بھائی کی منگنی ہے اور تم ابھی تک سسرال بیٹھی ہو۔ کیا وقت کے وقت آؤ گی۔ یہاں سارا کام میں اکیلے کیسے سنبھالوں۔ بس میں شام کو حارث کو بھیج رہی ہوں۔ تم حدید سے پوچھ کر تیاری کر لینا۔"

ملیحہ پھوپھو نے اسے فون کر کے ڈپٹا تھا۔ ان کا شکوہ بجا تھا۔ حارث نے اس کی شادی میں بھائی کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ اب اسے اس منگنی پر ان کی طرف سے بھرپور انداز میں شرکت کرنی چاہیے تھی۔ اس نے پیکنگ مکمل کر لی۔ حارث شام کو اسے لینے آ گیا تھا۔ اس بات کے بعد وہ اس سے پہلی بار مل رہا تھا۔

"تم خوش تو ہو حارث!" جیسے ہی گاڑی نے رفتار پکڑی وہ خود کو پوچھنے سے باز نہ رکھ سکی۔

"جب سب خوش ہیں تو میری خوشی کیا معنی رکھتی ہے۔ ظاہر ہے سب کی خوشی میں میں بھی خوش ہوں۔ مجھ جیسے شریف شخص سے تمہیں اور کیا توقع ہے۔"

وہ بڑی مردگی سے ہنسا تھا۔ طوبیٰ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"تمہیں مینا پسند تو ہے نا حارث!" اس نے دل کی تسلی کے لیے تصدیق چاہی۔

"وہ اچھی لڑکی ہے۔ اسے کون ناپسند کر سکتا ہے؟" اس کے لہجے میں کوئی خاص جذبہ نہ تھا۔

"خدا کا شکر کرو کہ وہ اچھی لڑکی تمہارا نصیب بن رہی ہے۔ ایسی اداس شکل لے کر کیوں پھر رہے ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"میرے نصیب میں تو ایک اور اچھی لڑکی کا ساتھ تھا، لیکن اس لڑکی نے ایک بے رحم فیصلے سے اپنے ساتھ میرا نصیب بھی بدل ڈالا۔"

"حارث!" وہ ششدر رہ گئی تھی۔ حمنیٰ نے اسے کیا بتایا تھا اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"تمہاری بہن نے میرے ساتھ بہت برا کیا طوبیٰ! اس نے میری محبت کی توہین کی۔ میں اس کے لیے صرف ایک

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

ستمبر 2008 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

Emale: id@khawateendigest.com

☆ "ہمشکل زادہ" ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان جو ننھی سی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ پر تجسس سلسلہ،

☆ "اندھیری مسافتیں" معاشرتی برائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے ایک نوجوان کی حلاطم خیز داستان، ایم اے راحت کے قلم سے،

☆ "شیشے کے صنم" آخری صفحات پر ایم اے راحت کی معاشرتی تحریر،

☆ "شیطان کے گماشتے" اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق،

☆ ملکی و غیر ملکی ادب سے انتخاب،

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"،

اس کے علاوہ بہت سی دلچسپیاں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

اچھا دوست تھا اور اپنی ایک اچھی دوست کے لیے اسے ایک اچھے سے بندے کی تلاش تھی' سو نگاہ انتخاب مجھ پر ٹھہری۔ چلو مان لیا کہ یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے میں اس کے لیے صرف ایک دوست تھا لیکن طوبیٰ وہ میرے لیے صرف ایک دوست نہیں تھی۔ اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ....."

حارث پتہ نہیں کیا کچھ بول رہا تھا۔ اف خدایا! کتنی بڑی غلط فہمی تھی اور کتنی دیر ہوگئی تھی۔ لیکن کم از کم بہن کی صفائی پیش کرنے کا تو حق تھا اسے۔ اور حارث تو ساری بات سن کر دنگ رہ گیا تھا۔

"تم یہ سب مجھے اب بتا رہی ہو طوبیٰ!" اس سے دکھ کے مارے بولا ہی نہ گیا۔

"اب جبکہ میرے پاس اس کی غلط فہمی دور کرنے کا وقت بھی نہیں۔ میں اسے احمق سمجھتا تھا لیکن اس درجے کی حماقت او میرے خدا!" بے بسی کے احساس نے اس کی قوت گویائی سلب کرلی۔ طوبیٰ خود تاسف کے جذبات میں گھری ہوئی تھی۔

"اس نے مینا سے میری ہمدردی کو اتنے غلط معنی پہنائے۔ میری زندگی کا کوئی گوشہ اس سے چھپا تو نہیں۔ کیا وہ میری حساسیت سے آگاہ نہیں۔"

طوبیٰ چپ ہوگئی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اس کی زندگی کے واقعات اس کے ذہن میں پھرنے لگے' بچپن میں جب کالونی کے سب بچے گراؤنڈ میں کرکٹ کھیل رہے ہوتے تھے۔ حارث اپنے ایسے دوست کے ساتھ کیرم کی بازی لگا رہا ہوتا' جو دونوں ٹانگوں سے معذور تھا وہ بلی کے بچے کی ٹانگ ٹوٹنے پر بھی پہروں بے چین رہتا تھا۔ اپنا جیب خرچ بے دریغ فقیروں میں بانٹ دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ایسا تھا۔ بے حد حساس اور نرم دل مثالیں بہت سی تھیں جو ایک ایک کرکے طوبیٰ کے ذہن میں آئے چلی جارہی تھیں۔

"میں نے جب پہلی بار مینا کو دیکھا تو میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے تھے۔ وہ جس حال میں رہ رہی تھی تم تصور بھی نہیں کرسکتیں طوبیٰ! میں کتنے دن بے چین رہا۔ میں اس کی مدد کرنا چاہ رہا تھا لیکن مجھے کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ وہ اتنے عدم تحفظ کا شکار تھی۔ اس کے چہرے پر زمانے بھر کا ہراس چھایا ہوتا تھا۔ وہ ایک تنہا' بے سہارا اور مجبور لڑکی اور ہم یہاں اپنی زندگیوں میں مگن۔ مجھے خوف آتا تھا کہ ہم خدا کے عذاب کی پکڑ میں نہ آجائیں۔"

"اور یہی خوف تو حمنیٰ کو بھی ستاتا تھا۔" طوبیٰ نے سوچا تھا۔

"اور پھر وہ یہاں آگئی۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ یہاں آتے ہوئے کس خوف کا شکار تھی وہ میرے بھروسے پر' میری یقین دہانی پر آنے کے لیے تیار ہوئی تھی اور پھر اس دن جب وہ ممی کی جواب طلبی پر ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی تو مجھے سب کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر بھی شدید غصہ آیا تھا۔ میں اسے سب کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فارغ ہوگیا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت کسی شاک کو برداشت کرنے کے قابل نہیں تھی۔ میں یہ سوچ کر ہی لرز گیا تھا کہ اگر اسے کچھ ہوجاتا تو یہ سب میری وجہ سے ہوتا۔ میری شدید خواہش تھی کہ میں اسے ہنستا مسکراتا دیکھوں۔ اس نے بیس سال تک بہت صبر آزما زندگی گزاری تھی۔ اسے نارمل زندگی کی طرف لانے کے لیے میں نے بہت جتن کیے۔ وہ اتنی معصوم ہے کہ اسے خوش کرنے کے لیے یہ کہنا ہی کافی ہوتا تھا کہ میں نے تمہاری پسند کی آئس کریم منگوائی ہے۔ میں تو اپنی دانست میں حمنیٰ کے ساتھ مل کر اسے زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے روشناس کروا رہا تھا۔ میری خواہش صرف اتنی سی تھی کہ وہ ان رشتوں کا مان اور اپنائیت محسوس کرسکے' جن سے ساری زندگی محروم رہی ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا میرے یہ بے ضرر سے عمل مجھے میری محبت کی نگاہوں میں بے اعتبار کردیں گے۔"

وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ مجھ سے اتنی جلدی بدگمان ہوگئی مجھے صفائی کا موقع تو دیا ہوتا۔"

"پلیز حارث! اب اس کے سامنے کوئی صفائی پیش نہ کرنا۔ ابھی اس کے دل کے اطمینان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس نے تمہارے دل کی خوشی کا خیال رکھا۔ اس کی یہ غلط فہمی برقرار رہنے دو۔" طوبیٰ نے ملتجیانہ انداز اختیار کیا۔

"تو تم نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا۔ تم میری غلط فہمی بھی برقرار رہنے دیتیں۔ مجھے بھی وقت کے ساتھ صبر آجاتا۔" اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ طوبیٰ نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"کیا کر بیٹھی ـــ تم حمنیٰ۔" اپنی جذباتی' کم عقل اور بے وقوف بہن کا سوچ کر آنکھوں میں مرچیں بھر گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم مجھے اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو۔ میں اچھی نہیں لگ رہی کیا؟" حمنیٰ آج بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

"نہیں بہت پیاری لگ رہی ہو۔" طوبیٰ نے نگاہیں چرائی تھیں۔

"وہ تو میں ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے ذرا سا اترائی۔

"اچھا حدید کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ بس پہنچنے ہی والے ہیں۔" طوبیٰ کو اچانک یاد آیا تھا۔

"پھوپھو نے بھی تمہارے پورے سسرال کو انوائٹ کرلیا۔ تم کیا فنکشن انجوائے کروگی۔ بس ان ہی کے آگے پیچھے پھرتی رہوگی۔"

"مجھے ان کے آگے پیچھے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تم میری چچی ساس کو دھیان سے مل لینا۔" طوبیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری چچی ساس سے میری کیا رشتہ داری ہے بھئی۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"رشتہ داری بنتے دیر بھی نہیں لگتی۔" طوبیٰ مسکرائی۔ "مجتبیٰ نے مجھے خاص طور پر تاکید کی ہے کہ میں اس کی بیوی سے تمہارا تعارف کروادوں۔ شادی میں بھی وہ تم سے ملی تو تھیں مگر سرسری طور پر۔ اب انہیں تمہارا نام تو یاد ہوگا لیکن شکل مکمل طور پر بھول چکی ہیں۔ اب تفصیلی ملنا چاہ رہی ہیں۔"

"یعنی؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"مجتبیٰ اچھا لڑکا ہے حمنیٰ۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"پلیز طوبیٰ! مجھے ابھی کچھ وقت چاہیے۔" وہ فوراً سنجیدہ ہوگئی تھی۔

"ان معاملوں کو طے ہونے میں کچھ وقت تو لگتا ہے حمنیٰ ڈیئر۔" طوبیٰ نرمی سے اس کا گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گئی تھی اسے ماموں پھوپھو سے ملتے ہوئے اپنی ساس کی شکل دکھائی دے گئی تھی۔

"اور اسی کا نام زندگی ہے۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ مینا کی قسمت میں حارث کا ساتھ ہی لکھا تھا۔ قدرت کو یہی منظور تھا۔ مینا اسٹیج پر حارث کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ دل موہ لینے والی معصومیت اور شرمگیں مسکراہٹ لیے۔ طوبیٰ نے کھٹا کھٹ دونوں کی کتنی ہی تصویریں بنا ڈالیں۔ حارث کے چہرے پر بھی نرم سی مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ رشتے نبھانے والا شخص تھا اور کچھ فاصلے پر مجتبیٰ حمنیٰ کو روکے کھڑا تھا۔

"مبارک ہو آپ کو فیانسی کی منگنی ہو رہی ہے۔"

حمنیٰ نے اسے گھورنا چاہا۔ لگتا تھا پوری دنیا میں اس منگنی کی سب سے زیادہ خوشی مجتبیٰ کو ہی ہو رہی تھی۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر طوبیٰ نے ایک طمانیت بھری سانس لی۔

یہ مقدروں کے کھیل تھے۔ انسان قسمت کے آگے بے بس ہوتا ہے۔ محض چھوٹی سے غلط فہمی نے جہاں دو محبت کرنے والے دلوں میں جدائی ڈالی تھی وہاں مینا کو حارث کی صورت میں مضبوط سائبان مل گیا تھا ساتھ ساتھ مجتبیٰ کے من کی مراد بھی پوری ہوگئی تھی۔

زندگی کا سفر یونہی جاری رہتا ہے۔ کہیں خوشی کہیں کسک' کچھ پچھتاوا' تھوڑا غم' یہ سب زندگی کے رنگ ہیں۔ ہاں اگر دل میں خلوص ہو اور نیتیں صاف ہوں تو کچھ سمجھوتے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دل کی خوشی بن جاتے ہیں۔ طوبیٰ گہرا سانس لیتے ہوئے حمنیٰ اور مجتبیٰ کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھی تھی۔

"ہم لوگ پہلی نظر کی محبت پر یقین نہیں رکھتے مگر پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ ہمارا خاندانی المیہ ہے۔"

"توبہ کتنا بولتا تھا یہ شخص۔" حمنیٰ نے اپنے سامنے کھڑے اس دراز قد شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں میں شرارت اور لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔

شاید یہی شخص اس کا نصیب تھا وہ اس کی محبتوں سے کب تک منہ موڑے رکھتی۔ اتنے میں طوبیٰ دونوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"بھابھی!" امی آج اپنا چشمہ گھر بھول آئی ہیں اور اب انہیں حمنیٰ کو ڈھونڈنے میں بہت دقت پیش آرہی ہے۔ اس وقت وہ بالکل غلط لڑکی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی ہیں۔ آپ پلیز حمنیٰ کا ان سے تفصیلی تعارف کروادیں۔"

طوبیٰ ہنس پڑی تھی۔ حمنیٰ کو ان کے پاس لے جانا ضروری ہوگیا تھا۔ اب زندگی میں مزید کسی غلط فہمی کی گنجائش نہ تھی۔

☼

www.pkdigest.com

www.pkdigest.com

رُخسانہ نگار عدنان

محبت سوداگر

دائم مصطفیٰ لندن کی آزاد اور خود مختار فضا کا پروردہ ہے۔ تاہم مشرقی روایات اور کلچر سے محبت اس کے خون میں شامل ہے۔ ایم آئی ٹی کی تعلیم کے دوران لائبہ (سوئی) اسامہ سبحان اس کے ساتھی ہیں۔ لائبہ کا حد درجہ التفات بھی دائم کو متاثر کرتے۔ میں ناکام رہا۔ گھر میں بھی اس کی مرضی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ دائم کے والد ایک کامیاب بزنس مین جب کہ والدہ ڈاکٹر رخشندہ معروف گائنا کالوجسٹ ہیں۔ اتنی بے فکر زندگی کے باوجود اسے زندگی میں کسی کمی کا احساس ہر وقت رہتا ہے۔ اچانک اپنی والدہ سے پاکستان جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے جس پر وہ حیران رہ جاتی ہیں۔

میڈم یاقوت ڈی مارچین آف گروپس کی روح رواں کاروبار میں ہر طریقہ آزمانے پر یقین رکھتی ہیں۔ چاہے اس کے لیے انہیں بڑی سے بڑی قربانی کیوں نہ دینا پڑے اس کے لیے وہ اخلاقی قدروں اور رشتوں کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ ان کے یہاں جہانگیر ہمدانی کا ایک خاص مقام ہے جسے خوش کرنے کے لیے اپنی سیکریٹری عائشہ بخاری کو

استعمال کرتی ہیں۔

تنزیل مراد ایک بے روزگار نوجوان ہے۔ مہنگائی کے اس دور میں وہ تین بہنوں' والدین اور دادی کی امیدوں کا واحد مرکز ہے۔ تنزیل کے والد احسن مراد چار سال قبل ایک حادثے میں اپنی ٹانگیں کھو چکے ہیں۔ گزشتہ دو سال سے محض گریجویٹ ہونے کے باعث تنزیل کو کوئی قابل ذکر نوکری نہیں مل پا رہی جس پر اسے باپ کے طعنوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تنزیل' انٹرویو کے سلسلے میں میڈم یاقوت کے آفس آتا ہے۔ وہ اس کی شکل صورت پر قدرے ٹھٹک جاتی ہیں۔ تنزیل کے والد کا نام سن کر ان کے خدشے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

عزہ عالم کا شمار ایر کلاس کی ان لڑکیوں سے ہوتا ہے جس کے لیے "فیشن" ہی سب کچھ ہے۔ وہ تعلیم کے میدان میں ہی نہیں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے رہتی ہے۔ کالج کے سالانہ فنکشن میں وہ محض اس لیے ڈانس کا پیشن میں حصہ لیتی ہے کہ فنکشن میں بطور مہمان خصوصی میڈم یاقوت تشریف لا رہی ہیں۔ وہ ہر طریقے سے ان کی نظروں میں آنے کی خواہش مند ہے۔

جسٹس محمود عالم کی اکلوتی بیٹی عزہ عالم کے لیے اپنے ماں باپ کی ازدواجی زندگی ہمیشہ سوالیہ نشان رہی ہے۔ سارہ عالم جتنا محمود عالم کے عشق میں مبتلا ہیں۔ محمود عالم اتنے ہی ان سے الرجک کیوں ہیں؟ فنکشن میں اس کے ڈانس کی سب تعریف کرتے ہیں لیکن میڈم یاقوت کے نہ آنے سے اس کا دل بجھ سا جاتا ہے۔

دائم' ڈاکٹر رخشندہ کی تمام تر مخالفت کے باوجود پاکستان جانے پر بضد رہتا ہے۔ جس پر ڈاکٹر رخشندہ کو یکدم ماضی کی ایک شخصیت یاد آجاتی ہے جس کی انتقام بھری صدا ابھی تک ان کے کانوں میں گونجتی ہے۔ دائم کی ضد کے آگے ڈاکٹر رخشندہ اور ان کے شوہر کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑتے ہیں۔ دائم کی دیکھا دیکھی سونی اور اسامہ کا بھی پاکستان جانے کا پلان بن جاتا ہے۔

تانیہ (تنزیل کی بہن) انٹرویو دینے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو دو لفنگے اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ ایسے میں میڈم یاقوت اسے اپنی گاڑی میں لفٹ دیتی ہیں۔ عائشہ بخاری' میڈم یاقوت کی خواہش پر تانیہ کو جاب آفر کرتی ہے۔ تانیہ ان کا ورکنگ کارڈ اپنے پاس رکھ لیتی ہے۔ حالات سے مجبور ہو کر تنزیل اسکول کے بچوں کے پک اپ ڈراپ کی نوکری کر لیتا ہے۔ جس سے گھر کی گاڑی گھسیٹنے لگتی ہے۔

جہانگیر ہمدانی کے لیے صنف نازک کی اہمیت ایک نشو پیپر سے زیادہ نہیں۔ کتنی ہی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں اور چلی گئیں۔ جنیوا میں ایک عدد بیوی بھی رکھتے ہیں۔ وہ اپنی بزنس پارٹنر میڈم یاقوت کو بھی اپنی مردانہ وجاہت کے سحر میں جکڑے ہوئے ہے۔ میڈم یاقوت نے اپنی بیٹی لائبہ کو لندن کی پرفضا ماحول میں پروان چڑھایا ہے۔ جہانگیر ہمدانی' میڈم یاقوت سے لندن جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ سونی (لائبہ) کو تفریح کی غرض سے اسکاٹ لینڈ بھیج دیتی ہے۔

دوسری طرف لائبہ کی اچانک روانگی اسامہ اور دائم کو حیران کر دیتی ہے۔

لندن میں جہانگیر ہمدانی لائبہ کو نہ پا کر شدید جھنجلاہٹ کا شکار ہوتا ہے اسے اپنے والد کے دوست آغا فیاض مل جاتے ہیں جو اسے زبردستی اپنے گھر لے آتے ہیں۔ وہاں وہ قدرت کی صناعی کا شاہکار ایک پری وش کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

کالج سے واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عزہ کی گاڑی سے تنزیل کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس پر عزہ کے حواس جواب دے جاتے ہیں۔

حادثے میں تنزیل کو معمولی چوٹیں آتی ہیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ اپنی پھوپھی زاد عزہ عالم کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ تاہم اس کی پریشان صورت دیکھ کر اسے گھر تک چھوڑ دیتا ہے۔ ان ہی مشکل دنوں میں تنزیل کو نوکری مل جانے کی نوید ملتی ہے جو سارے گھر میں سرشاری کی لہر دوڑا دیتی ہے۔ وہ اسے نعمت خداوندی قرار دیتا ہے۔

کالج کے فیشن شو میں میڈم یاقوت کی توجہ حاصل کرنے میں عزہ خاصی حد تک کامیاب رہتی ہے۔ اسے بہترین کارکردگی پر فرسٹ پرائز ملتا ہے۔ واپسی میں میڈم یاقوت اسے اپنا کونٹیکٹ نمبر دیتی ہیں۔ وہ ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔

دائم ایک نئے عزم کے ساتھ ماں باپ کی دعائیں لیے پاکستان روانہ ہوتا ہے۔ اس کے جاتے ہی ڈاکٹر رخشندہ مستقل پاکستان سیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیتی ہے جس پر مصطفیٰ صاحب بھی حیران ہوتے ہیں۔

آغا فیاض کو لندن کی فضاؤں میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے اور بہت سے مسلمان گھرانوں کی طرح وہ اپنی اولاد سے متعلق خدشات کا شکار ہیں۔ بہو اور بیٹے کی وفات کے بعد آبگینے اور اسامہ ان کے جینے کا سہارا ہیں۔ خصوصاً آبگینے سے متعلق وہ خاصے فکرمند رہتے ہیں' جو اپنے کلاس فیلو میں پسندیدگی کا اظہار کر چکی ہے۔ وہ اس کی پڑھائی چھڑوا چکے ہیں اور دوستوں سے بھی اس کا رابطہ منقطع ہے۔ وہ سرسری معلومات کے بل بوتے پر جہانگیر ہمدانی سے آبگینے کے لیے بات کرتے ہیں۔ جہانگیر کی تو مراد بر آتی ہے اسامہ کو جہانگیر کی شخصیت ایک کھاک شکاری کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ لیکن آغا جان اس کے تمام خدشات رد کر دیتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی تقریب میں آبگینے کو جہانگیر کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ رخصتی کے بعد آبگینے کے سامنے جہانگیر ہمدانی کی اصل حقیقت آتی ہے۔ وہ آغا جان کو اپنی بربادی کا ذمہ دار سمجھتی ہے۔

تنزیل نوکری کے لیے سب کی دعائیں سمیٹ کر آفس پہنچا ہے وہاں اسے دوسری برانچ میں پہنچنے کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ آفس کا ڈرائیور اسے ایک ویران بلڈنگ کے احاطے میں چھوڑ جاتا ہے۔

جیسے ہی وہ بلڈنگ میں داخل ہوتا ہے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال اس کے حواس مختل کر دیتی ہے۔

عین موقع پر میڈم یاقوت تمام صورت حال سنبھال لیتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر تنزیل کے کھوئے حواس بحال ہوتے ہیں' تنزیل کو ری مانیٹرنگ گروپ کے فیشن میگزین میں بطور سب ایڈیٹر اپائنٹ کیا جاتا ہے تانیہ کو بھی سرسری انٹرویو کے بعد سلیکٹ کر لیا جاتا ہے۔ میڈم یاقوت' تانیہ کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ آفس میں تنزیل عائشہ بخاری کی خوبصورتی سے متاثر ہوتا ہے۔

پاکستان پہنچتے ہی دائم کو اس وقت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب ایئرپورٹ سے واپسی پر دو نوجوان اس کے پیسے اور تمام ڈاکیومنٹ چھین لیتے ہیں۔ آگے چل کر وہی نوجوان اسے سڑک پر زخمی حالت میں مل جاتے ہیں۔ ان دونوں کا عزہ کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے دائم اپنی رقم واپس لے کر عزہ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ عزہ جو میڈم یاقوت کی دعوت پر ان سے ملنے جا رہی تھی واپس گھر آجاتی ہے۔ محمود عالم کو اس کے ایکسیڈنٹ کا پتا چلتا ہے تو وہ نوکروں کے سامنے ہی اسے سخت سست سناتے ہیں۔ عزہ ان کے رویے پر روہانسی ہو جاتی ہے۔

جہانگیر ہمدانی آبگینے سے شادی کے بعد اچانک دبئی واپس جانے کا اعلان کر دیتا ہے۔ آبگینے کی رخصتی کا لمحہ اسامہ کو خدشات میں مبتلا کر دیتا ہے جہانگیر دبئی پہنچتے ہی آبگینے کو جہیز میں ملا فلیٹ بیچ دیتا ہے۔ فلیٹ کا نیا مالک آکر آغا فیاض کو اس حقیقت سے مطلع کرتا ہے' جس پر وہ صدمے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں جہانگیر سے بات کرتے ہیں تو اس کا بدلا ہوا لہجہ انہیں اور اسامہ کو پریشان کر دیتا ہے۔ ان دونوں کے بدترین خدشات کی تصدیق آبگینے کی خودکشی کی خبر سے ہو جاتی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی آغا جان کو زبردست ہارٹ اٹیک ہوتا ہے۔ اسامہ اس صورت حال پر بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔

آغا جان کی خراب حالت کے پیش نظر اسامہ' آبگینے کی آخری رسومات میں شریک نہیں ہو پاتا۔ اس نازک صورت حال میں لائبہ' اسامہ کو جذباتی سہارا دیتی ہے۔ وہ اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیتا ہے۔ آبگینے کی جہانگیر ہمدانی سے شادی کا سن کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ تاہم وہ تصدیق کے لیے آبگینے کی شادی کی تصویر دیکھنے کی ضد کرتی ہے۔ اس دوران آغا جان کی حالت قدرے سنبھل جاتی ہے۔ وہ آبگینے کی موت کا ذمہ دار خود کو سمجھتے ہیں۔ اسامہ انہیں سنبھالنے کی فکر میں ہلکان ہو جاتا ہے۔

عزہ کی اتری صورت جسٹس محمود عالم کو قدرے نرم کر دیتی ہے۔ عزہ ان کے جوتے کو دیکھتے ہوئے نانو کے گھر چلنے کی فرمائش کرتی ہے۔ جسٹس محمود اس کی خواہش پر اسے نانی سے ملوانے احسن مراد کے یہاں لے آتے ہیں۔ لیکن انہیں سارہ کی ناراضی کا خطرہ بدستور رہتا ہے۔ عزہ اور جسٹس محمود عالم گھر میں دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے کہ اچانک تیسرے فرد کی آمد سب کو چونکا دیتی ہے۔

www.pkdigest.com

سارہ عین موقع پر پہنچ کر ماحول کو تلخ بنا دیتی ہے۔ جسٹس محمود عالم کے لیے اپنا غصہ برداشت کرنا محال ہو جاتا ہے۔ محض ممانی جان (سارہ کی والدہ) کی شرافت انہیں کسی سخت اقدام سے روک دیتی ہے۔ عزہ کے لیے اپنے والدین کا سرد و تلخ رویہ ناقابل برداشت ہے۔ وہ نانو کے سامنے اپنے ذہنی خلفشار کا اظہار کرتی ہے جس پر وہ مزید پریشان ہو جاتی ہیں۔

تنزیل، جسٹس محمود کے سرد رویے پر گم صم ہو جاتا ہے۔ آفس میں پہلے روز عائشہ بخاری کا پُراسرار انداز تانیہ کو پریشان کر دیتا ہے۔

لائبہ کے منہ سے جہانگیر ہمدانی کی شادی کا سن کر میڈم یاقوت فوراً لندن پہنچ جاتی ہیں۔ جہاں دونوں کی شادی کی تصاویر دیکھ کر وہ غم و غصے سے بھر گئیں۔ لائبہ انہیں اسامہ سے ملواتی ہے۔ میڈم یاقوت کے ذہن میں لائبہ کے لیے جیسے شریک سفر کا تصور ہے اسامہ اس پر پورا اترتا ہے۔ لائبہ 'میڈم یاقوت کے سامنے دائم کے لیے دلچسپی کا اظہار کرتی ہے۔ یہ جان کر کہ دائم 'ڈاکٹر رخشندہ کا بیٹا ہے میڈم یاقوت لائبہ کو دائم سے قطع تعلق کا حکم دیتی ہیں۔ جس پر لائبہ صدمے سے ساکت رہ جاتی ہے۔

میڈم یاقوت 'جہانگیر ہمدانی سے آبگینے سے شادی کے بارے میں استفسار کرتی ہے تو وہ اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا لیتا ہے۔ جہانگیر ہمدانی کے لیے آبگینے جیسی لڑکی کی خوف ناک جرأت آج بھی معمہ ہے۔ ہوٹل کی لابی میں کسی نوجوان کو دیکھ کر میڈم یاقوت ٹھٹھک سی جاتی ہیں۔

اسامہ کے فون سے دائم اس پر گزرنے والے حادثے سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ اپنے والدین سے اسے مورل سپورٹ دینے کی گزارش کرتا ہے۔ اسامہ جو آغا جان کے عمرے پر جانے کے بعد فلیٹ چھوڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر رخشندہ اور مصطفیٰ صاحب کے خلوص کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ مصطفیٰ صاحب 'اسامہ کو اپنے گھر میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ اسے اپنے آفس میں جاب بھی آفر کرتے ہیں۔

اسامہ 'ڈاکٹر رخشندہ کو بتاتا ہے کہ آغا جان سے منہ بولے رشتے کے علاوہ اس کا کوئی خونی تعلق نہیں ہے۔ جس پر وہ ششدر رہ جاتی ہیں۔

جہانگیر ہمدانی 'تانیہ کو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ تانیہ جہانگیر ہمدانی کی نظروں کے تاثر سے خائف سی ہو جاتی ہے۔ تنزیل کے سامنے جہانگیر ہمدانی 'عائشہ بخاری سے التفات برتتا ہے جس پر تنزیل کو غصہ آجاتا ہے۔ دوسری طرف تانیہ کی غیر موجودگی اسے خائف کر دیتی ہے۔

میڈم یاقوت 'عزہ کو اپنی ایگزیبیشن میں ماڈلنگ کی آفر کرتی ہیں۔ جس پر وہ سوچنے کا وقت لیتی ہے۔

محض دائم کو قریب سے دیکھنے کے لیے میڈم یاقوت اپنے اصولوں کے برخلاف اس کے ساتھ پارٹنر شپ پر کاروبار کرتی ہیں۔ اس کی مردانہ وجاہت اور عزائم ان کے ذہن میں بننے والے پیکر کے عین مطابق ہیں۔ ڈاکٹر رخشندہ کی پرانی ملازمہ ماتی رحیمہ 'دائم سے ملنے آتی ہیں جس کا ذکر وہ ڈاکٹر رخشندہ سے بھی کرتا ہے۔ وہ ایسی کسی ملازمہ کو پہچاننے سے انکار کر دیتی ہیں جس پر دائم الجھ جاتا ہے۔

آغا جان پاکستان میں احسن مراد کے ہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔ وہ رشتے میں ان کے چچا ہیں جو عرصہ پہلے محض پیسے کے حصول کے لیے لندن آباد ہوئے تھے۔ عرصے بعد ان کی اس طرح آمد سب کو سرشار کرتی ہے لیکن ان پر گزری قیامت کا احوال سب کو آزردہ کر دیتا ہے۔ تنزیل 'تانیہ کو فوراً" جاب چھوڑنے کا کہتا ہے تو وہ حد درجہ بدتمیزی پر اتر آتی ہے۔ وہ جہانگیر ہمدانی کے سحر میں بری طرح مبتلا ہے اور تنزیل کے دوبدو جاب چھوڑنے سے صاف انکار کرتی ہے۔ غصے میں آکر اس کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ سب یہ منظر دیکھ کر حق دق رہ جاتے ہیں۔

تانیہ جو تنزیل کی رہائی کے عوض جہانگیر ہمدانی کے ساتھ ماڈلنگ کا معاہدہ کر چکی ہے۔ جہانگیر کو خود شادی کی آفر کرتی ہے۔ اس کی معصوم صورت اور منت سماجت سے جہانگیر اس آفر کو قبول کر لیتا ہے۔ تنزیل جو جہانگیر ہمدانی سے شدید نفرت کرتا ہے۔ یاسمین (ماں) کے مجبور کرنے پر دادی کے ساتھ شہر سے باہر جاتا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں جہانگیر ہمدانی شادی کے ریویزل کے ساتھ آتا ہے۔ جس پر یاسمین شدید برہمی کا اظہار کرتی ہیں لیکن حقیقت بتا چلنے پر کہ تانیہ ماڈلنگ

کا معاہدہ طے کر چکی ہے ان کے حواس سلب ہو جاتے۔ وہ کہہ سن کر احسن مراد کو بھی یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور کر دیتی ہیں اور محض چند لوگوں کی موجودگی میں نکاح پڑھوا کر اسے ہمیشہ کے لیے گھر سے رخصت کر دیتی ہیں۔ شادی کی اولین رات ہی تانیہ کی تمام خوش فہمیاں جہانگیر ہمدانی کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کی دبی روانگی اس کے بدترین خدشات کی تصدیق کر دیتی ہے۔ اس وقت وہ اللہ سے حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ مانگتی ہے۔

دائم اپنی پسندیدگی عزہ عالم پر واضح کر دیتا ہے تو وہ گم صم سی ہو جاتی ہے۔ وہ اس پسندیدگی کو اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتی ہے تاکہ جسٹس محمود عالم (والد) کو اس کے اور میڈم یاقوت کے کسی تعلق کا پتا نہ چلے۔ سارہ عالم محمود عالم کا رجحان دائم کی طرف دیکھ کر ضد میں اس سے بے اعتنائی سے پیش آتی ہیں۔

میڈم یاقوت 'دائم کو بتاتی ہیں کہ وہ ان کا بیٹا ہے 'جسے ڈاکٹر رخشندہ نے ان سے چھین لیا تھا۔ دائم اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ بار میڈم یاقوت کو ہیم دیوانہ کر دیتی ہے۔ دوسری جانب لائبہ کی گم شدگی ان کے لیے دھماکہ ثابت ہوتی ہے کہ اچانک کوئی بغیر دستک دیے ان کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رخشندہ 'میڈم یاقوت کی دھمکیوں سے اعصابی تناؤ کا شکار ہیں۔ وہ اس کیفیت سے نکلنے کے لیے سب کچھ اپنے شوہر مصطفیٰ احمد کو بتانے کا ارادہ کر لیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۹

انتیسویں قسط

جہاز اوپر ہی اوپر اڑا جا رہا تھا اور اس کی بلندی کی طرف بڑھتی ہوئی پرواز کے ساتھ ڈاکٹر رخشندہ کا دل بھی اڑانیں بھر رہا تھا۔

وہ دائم کے پاس جا رہی تھیں۔

دائم جو ان کی زیست کا حاصل ان کی ممتا کا جنون ان کا اس زمین پر کیے جانے والا کسی بھی انسان سے سب سے بڑا عشق تھا "مصطفیٰ" کے بعد۔

"مصطفیٰ" ان کے دل نے کسمسا کر کروٹ سی لی اور وہ مسکراتے ہوئے سوچنے لگیں "اف مجھے نہیں معلوم تھا کہ مصطفیٰ کا غصہ ان کی ناراضی اس نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر کسی بھی سفر پہ نکل سکتے ہیں۔ مجھ سے بات کیے بغیر۔ وہ شخص جس نے ساری زندگی شادی کے بعد جب بھی گھر میں موجود ہوئے میرا چہرہ دیکھے بغیر اپنی صبح کا آغاز کیا ہو مجھ سے ایسی بے اعتنائی کا اظہار کرے گا۔"

"اگر آپ مجھ سے ملنے نہیں آئیں گے تو میں بھی پاکستان نہیں جاؤں گی۔" انہوں نے بڑے استحقاق بھرے انداز میں فون کر کے ان سے کہا تھا۔

"نہ جاؤ۔" اتنا روکھا پھیکا سا کہنے والا لہجہ۔ لمحہ بھر کو تو انہیں اپنی سماعت پر شک ہوا۔

"مصطفیٰ!" وہ شاکڈ رہ گئیں۔

دوسری طرف چپ تھی ناراضی بھری چپ۔ ان کا دل پھر سے اس محبت کا سہارا لے کر توانا ہوا جو ان کے درمیان سب سے مضبوط بندھن تھی۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں آپ اس سفید لفافے میں مجھے ٹکٹ بھجوا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی نظروں سے دور چلی جاؤں۔ اتنی نفرت کرنے لگے ایک آدھی ادھوری سچائی جان کر آپ مجھ سے؟" وہ رقت بھرے لہجے میں بولیں۔ اپنی بے وقعتی وہ بھی محبوب شوہر کی نگاہوں میں اس کا خیال آتے ہی آنسو نکل پڑے۔

"ٹکٹ بھیجنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" وہ شاید ان کے آنسوؤں سے بے چین ہو کر لہجہ حتی الامکان نرم بناتے

www.pkdigest.com

ہوئے بولے تھے۔

"تو کیا مطلب ہے؟" وہ تیزی سے بولیں۔ "خود ناراض ہو کر اتنی دور جا بیٹھے ہیں تو میں کیسے چلی جاؤں وہ بھی آپ سے ملے بغیر۔"

ڈاکٹر رخشندہ کے صدمے کی اصل وجہ ہی یہ تھی کہ وہ ان سے ملے بغیر جانا نہیں چاہتی تھیں۔ صرف یہ خیال رکاوٹ بنا ہوا تھا ورنہ جیسے ہی ٹکٹ ان کے ہاتھ آیا تھا وہ تو اڑ کر دائم کے پاس جانا چاہتی تھیں جس نے اتنے دنوں سے ان سے بات تک نہیں کی تھی۔ معلوم نہیں وہ ایسا کیوں کر رہا تھا مگر ان کا دل کچھ اچھے سگنل نہیں دے رہا تھا۔ اوپر سے شوہر کی ناراضی۔۔۔ انہیں مزید بے بسی کے احساس میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اوہ میں بھی جلد آجاؤں گا اور ہم ملتے رہتے ہیں ہمیشہ۔ آئندہ بھی ملیں گے ان شاء اللہ' میرا ادھر آنا بہت ضروری تھا اور تمہارا دائم کے پاس جانا بھی بہت ضروری ہے' تمہیں معلوم ہے نا!" رخشندہ کو لگا وہ یک دم سے پھر پہلے جیسے مصطفیٰ بن گئے ہیں ان کا بے حد خیال رکھنے والے۔

"اور جو آپ مجھ سے خفا ہیں؟" وہ دل کی بات لبوں پر لے آئیں۔

"خفا نہیں ہونا چاہیے تم نے اتنی بڑی بات۔۔۔ اتنی بڑی بات کہ میں سوچتا ہوں تو میرا خون سا کھولنے لگتا ہے تمہاری اتنی گری ہوئی حرکت پر اور مجھے تم نے کس مقام پر رکھا اس خیال پر۔۔۔ رخشندہ بی بی کیا دو طرفہ محبت اپنی ہم آہنگی اسی کا نام ہے کہ آپ اس طرح کا اتنا بڑا جرم۔۔۔"

"پلیز مصطفیٰ! میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔" ان کی برداشت جواب دے گئی تھی یک دم سے پھٹ پڑیں۔

"کیا ابھی بھی تسلیم نہیں کرو گی؟ اپنے دل میں جھانکو ذرا۔" وہ ان کے یوں چلانے پر ملامت بھرے انداز میں بولے تو وہ چپ ہو گئیں۔

"تسلیم نہ کرنا ہوتا تو آپ کے سامنے اعتراف ہی کیوں کرتی۔ میرا اس سارے معاملے کو اتنے سالوں بعد آپ کے سامنے بیان کرنے کا مطلب ہی اعتراف جرم ہے۔" وہ شکستہ لہجے میں بولیں۔

"کیا محض اعتراف کر لینے سے مجھ سے یا کسی تیسرے فرد سے یہ سب کہہ دینے سے حق ادا ہو جاتا ہے؟ میں تو صرف یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ جب دائم کو اس کا علم ہو گا اور جتنا زیادہ وہ تمہیں آئیڈیلائز کرتا ہے' سوچو اس کا کیا حال ہو گا۔"

انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے مستقبل کی ایک خوفناک سی تصویر ان کے سامنے رکھی جسے وہ اتنے سالوں میں جاگتی کیا بند آنکھوں سے بھی دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں۔

"اسی لیے تو اتنے سال اس پھوڑے کو اپنے دل میں چھپا کر جھیلتی رہی۔ اب آپ سے کہا تو آپ بھی یوں غیر بن گئے جیسے۔۔۔ جیسے۔۔۔ میں واقعی بہت بڑی مجرم ہوں۔ پلیز مصطفیٰ! میرے ساتھ ایسا سلوک مت کیجیے کہ میں اپنی جان لینے کا سوچنے لگوں۔"

وہ سسکنے لگیں۔ مصطفیٰ کے طعنے اور اپنے ضمیر کے کچوکے انہیں اندر ہی اندر بے حال کرنے لگے تھے۔

"ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت یقیناً پہلی کا علاج نہیں ہوتی۔ اب اس قدر منفی انداز میں سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف اس متوقع صورتحال کا ذکر کر رہا ہوں جو آگے پیش آسکتی ہے تمہیں اور مجھے اس صورتحال کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھنا چاہیے۔"

وہ انہیں سمجھانے والے انداز میں بولے تو جیسے ان کی ڈھارس بندھی۔ بلکتے دل پر کسی نے نرمی سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

انہوں نے آنسو پونچھے "تو آپ میرے ساتھ ہیں نا؟" وہ یقین بھرے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

"میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا ابھی اتنے سالوں کی اتنی خوشگوار رفاقت کے بعد بھی تمہیں مجھ سے ایسی یقین دہانی کی ضرورت ہے؟" وہ گلہ آمیز لہجے میں بولے۔

"نہیں بالکل نہیں' آپ پر یقین' آپ پر بھروسہ اپنے اللہ کے بعد مجھے خود سے بھی بڑھ کر ہے۔ اچھا یہ بتائیں آپ کی واپسی کب تک ہے؟" انہیں لگا جیسے ان کی زندگی کی سب سے بڑی مشکل حل ہو گئی ہے۔

"اسی ویک اینڈ پر۔"

"مگر ٹکٹ تو پرسوں کی ہے۔" وہ مایوسی سے بولیں۔

"تو تم چلی جانا میں فون کر لوں گا۔" وہ سہولت سے بولے۔

"آپ سے ملے بغیر کیسے چلی جاؤں' ٹکٹ آگے کروا لیتی ہوں۔"

"اور وہ جو تمہاری جلدی جلدی کی رٹ تھی اور اگلے پندرہ روز میں شاید ہی تمہیں کوئی فلائٹ مل سکے۔" انہوں نے احساس دلایا۔

"ہوں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ میرا وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔ دائم کی آپ سے بات ہوئی؟"

انہیں یک دم وہ ضروری بات پوچھنا یاد آئی جو فون کرتے وقت سب سے پہلے پوچھنے کا سوچ رہی تھیں۔

"نہیں معلوم نہیں کیوں میں فون کرتا ہوں تو نمبر آف ہوتا ہے یا بزی۔ گھر فون کرو تو گھر پہ موجود نہیں۔ ملازموں کو تاکید کرتا ہوں کہ جیسے ہی وہ گھر آئے میری بات کروانا مگر پھر بھی اس کا کوئی فون نہیں آیا۔" انہوں نے بتایا تو ڈاکٹر رخشندہ کا دل جیسے نیچے ہی نیچے کسی پاتال میں گرنے لگا۔ "تمہاری بات ہوئی اس سے؟" انہوں نے آخر میں پوچھا۔

"نہیں بالکل آپ والی سچویشن ہے۔" وہ دوبتی آواز میں بولی۔

"پھر تو کوئی گڑبڑ ہے تمہیں فوراً اس کے پاس جانا چاہیے تم اپنی پیکنگ شروع کرو میں جلد آنے کی کوشش کروں بھی تو پرسوں رات سے پہلے نہیں پہنچ سکتا جبکہ تمہاری فلائٹ شام چار بجے کی ہے اس لیے تم میرے آنے کے بارے میں تردد نہ کرو بس جانے کی تیاری کرو۔" وہ کچھ تشویش بھرے انداز میں انہیں تاکید کرنے لگے۔

"ہوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولیں۔ "اچھا آپ واپس آئیں گے تو بیڈ روم کے لیفٹ سائیڈ والے بیڈ کی نچلی دراز میں آپ کو ایک ڈائری ملے گی۔ بلیک کلر کی' اسے ضرور پڑھ لیجیے گا۔ مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔ آپ کا رسپانس اور آپ کی ایڈوائز کے لیے۔ یاد رہے گا نا؟" وہ تاکیداً بولیں۔

"کیا نئے سرے سے اظہار محبت کے لیے شعر و عشقیہ جملے لکھنے کی ضرورت پیش آگئی ہے' جو ڈائری کو بیچ میں لایا جا رہا ہے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے تو ڈاکٹر رخشندہ نے طمانیت کا سانس لیا۔

"یہی سمجھ لیں۔ کبھی کبھی اتنی لمبی تھکا دینے والی رفاقت کے بعد تجدید محبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔" انہوں نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"لمبی تھکا دینے والی رفاقت' بیوی' تمہارا مطلب ہے۔۔۔"

"جی میرا یہی مطلب ہے۔ اچھا پڑھنا نہ بھولیے گا۔ میں آپ کو میسج بھی کروں گی۔ اپنا بہت زیادہ خیال رکھیے گا اور جیسے ہی دائم سے رابطہ ہو مجھے ضرور بتائیں۔ مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا کچھ تو اندازہ ہو۔ میرا خیال ہے اب میں پیکنگ شروع کر دوں۔ صرف کل کا دن تو بیچ میں ہے نیک کیئر۔ اللہ حافظ۔"

انہوں نے جلدی جلدی الوداعی کلمات کہے کہ اب ان کا دل دائم کی طرف لگ گیا تھا۔ شوہر کی طرف سے بے فکری جو ہو گئی تھی۔

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

"اللہ حافظ۔ اپنا اور دائم کا خیال رکھنا اور میری طرف سے مہربانی فرما کر بدگمان نہ ہونا۔ فی امان اللہ!" انہوں نے کہا تو ڈاکٹر خشندہ نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔

اور اسی رات انہوں نے بیٹھ کر اس سیاہ ڈائری کے قلب میں اپنے دل کی ساری دکھ بھری کہانی کہہ ڈالی تھی۔ اپنی تڑپ، اپنی غلطی اس غلطی کا اعتراف سارے Confessions جو ان کے خیال میں ان کے دل کو ہلکا پھلکا کر سکتے تھے اور مصطفیٰ کو مطمئن!

انہیں نہ جانے وہاں کتنے دن، کتنے مہینے رکنا پڑتا۔ سو اسی حساب سے انہوں نے اپنی پیکنگ کی تھی۔

انہیں بار بار خیال آ رہا تھا بلکہ اب تو یقین ہو چلا کہ میڈم یاقوت دائم کو ساری بات بتا چکی ہے۔ جس کی وجہ سے دائم ان سے بات کرنے سے کترا رہا ہے اور شاید اس بات کو سچ بھی مان چکا ہے۔ اتنا سوچتے ہی ان کے ہاتھوں پیروں سے جان سی نکل جاتی اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہیں بیٹھ جاتیں۔

"اگر وہ جادوگر عورت اپنا جادو چلا چکی ہے تو پھر میں اکیلی کیسے؟ دائم کو فیس کروں گی۔ ایک تو اسے ساری حقیقت بتانا اور پھر اس پر قائل کرنا۔ میڈم یاقوت کی سحر انگیز شخصیت اس قابل ہے کہ وہ اسے یقین دلا سکتی ہے پھر میں۔۔۔ میں کیا کروں گی؟ میرا اعتراف جرم دائم کو مجھ سے متنفر کرنے کے لیے کافی ہو گا۔ اوہ مائی گاڈ! یہ تو نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔ پلیز مصطفیٰ آپ آ جائیں میں خود کو بہت کمزور فیل کر رہی ہوں۔ کیسے یہ سب ہینڈل کروں گی میں تو آج بھی سوچتی ہوں تو اپنی بہادری پر یقین نہیں آتا کہ کیسے میں نے اس رات وہ بچہ اغوا کیا۔۔۔ بالکل اس حرکت کے لیے سب سے موزوں لفظ اغوا ہی ہے۔ ڈاکٹر خشندہ! ڈوب مرنے کا مقام ہے اغوا۔" وہ سوچتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو گئی تھیں۔

"آنٹی! تو آپ جا رہی ہیں۔" اسامہ اداس سا اس رات ان کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔

"ہوں بس۔" وہ جو اپنی ہی الجھن میں گرفتار تھیں بے وقت بولیں۔

وہ خاموش نیچی نظروں سے جانے کیا سوچ رہا تھا۔ انہیں متوجہ ہونا پڑا۔

"کیا سوچ رہے ہو اسامہ! کچھ پریشان ہو؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ جبراً مسکرایا۔

"نہیں کچھ تو ہے جب سے میرے جانے کا تم نے سنا ہے کچھ ایسے ہی حال میں دیکھ رہی ہوں تمہیں۔" انہیں کرید سی لگی۔

"آنٹی! آپ انکل سے کہیں کہ وہ جلدی پاکستان جانے کا پروگرام بنائیں۔ یا۔۔۔ یا مجھے جانے کی اجازت دیں۔" وہ کچھ مضطرب سا ہوا۔

"تو ایسی کیا بات ہے تم کہتے تو میرے ساتھ ہی چلتے۔ خیریت تو ہے نا پاکستان میں۔" وہ اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگیں۔

"بس آغا جان کی طرف دھیان لگا ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ آغا جان تمہارے سگے دادا نہیں تو پھر تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟" انہیں یکدم یاد آتا تھا۔

"تعلق تو کوئی نہیں، انسانیت کے ناتے کے سوا۔" وہ اسی طرح نظریں نیچی کیے بیٹھا تھا۔

"ریئلی تو کیا انہوں نے تمہیں اڈاپٹ کیا تھا؟" وہ بے تحاشا حیران ہوئیں۔

"یہی سمجھ لیں۔" وہ مبہم انداز میں بولا۔

"سمجھ لیں کیا؟ میں کچھ سمجھی نہیں اچھا پاکستان جانے کا خیال کیا محض آغا خان کے لیے ہے یا۔۔۔ یا کچھ اور بھی ہے؟" انہیں تجسس سا ہو رہا تھا۔

"اور۔۔۔ اور بھی ہے۔۔۔ یا شاید نہیں ہے۔۔۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب، ہے بھی اور نہیں بھی؟"

"مجھے خود کچھ معلوم نہیں۔ اتنے سال بھی تو بیت گئے ہیں۔ اب تو میں شاید کسی کو یاد بھی نہیں ہوں گا۔" وہ نم ہوتی پلکیں تیزی سے جھپکنے لگا۔

"تمہارے پیرنٹس ہیں اسامہ؟" وہ کچھ متحیر، کچھ ہراساں سی بولیں۔

"معلوم نہیں آنٹی! یہی تو معلوم کرنے جانا چاہتا ہوں۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مزید کیا سوال کریں۔

"ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ کچھ ہو تو مجھے دو۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا تو اس اداس لڑکے کی اداسی کو اپنے دل میں سمو لیں۔

"کچھ نہیں ہے آنٹی! اب کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے خود ہی جانا ہوگا اور انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ بہرحال آپ میرا دائم کو بہت سلام کہیے گا کہ میں جلد ہی اس کے پاس آرہا ہوں۔" وہ زبردستی لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے بولا۔

"لائبہ کے لیے اداس ہو؟" انہیں دوسرا خیال آیا۔

"جو ہر گھڑی دل میں رہتا ہو اس کے لیے کیا اداس ہونا۔" اس کی نظروں نے کہا اور ڈاکٹر رخشندہ پڑھ کر ہنس دیں۔

"میں سمجھ گئی چلو میں مصطفیٰ سے پہلی کال جو ملتی ہے اس بات کی تاکید کرتی ہوں کہ وہ تمہاری راہ میں مزید رکاوٹ نہ ڈالیں اور تمہیں جانے کی اجازت دیں میں اور دائم تمہارے منتظر رہیں گے اور۔۔۔ لائبہ بھی۔" وہ آخر میں اضافہ کرتے ہوئے بولیں تو وہ بے یقین سے انداز میں سر ہلانے لگا۔

"مایوسی گناہ ہے۔ خوش امیدی زندگی ہے۔ خوش رہا کرو اور اپنا بہت خیال رکھنا اور جب تک ادھر ہو اپنے انکل کا بھی۔ ویسے تو میرا اصرار ہوگا کہ آپ دونوں اکٹھے ہی آجائیں پھر بھی جو اللہ کو منظور ہوا۔" انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔

پھر وہی انہیں ایئرپورٹ سی آف کرنے آیا تھا۔ اتنے کڑے مراحل کے بعد گھر کو چھوڑتے ہوئے پھر مصطفیٰ کی غیر موجودگی کا شدت بھرا احساس انہیں اندر تک اداس کر رہا تھا۔

مگر جہاز میں بیٹھتے ہی وہ اداسی کہیں فضا میں گم ہو گئی تھی۔ دائم سے ملنے کا خیال بھی انہیں نہال کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ ایک بار پھر بے چینی سے گھڑی دیکھنے لگیں کہ کب جہاز لینڈ کرے اور وہ دائم سے ملیں۔ وہ اپنی بے چینی پر قابو پانے کے لئے کھڑکی سے باہر اڑتے بادلوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"تم یہ کیا کرنے جا رہی ہو؟" دائم نے اس کی بات سن کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔ اسے عزہ کی بات سن کر شاک لگا تھا۔

"اس میں اتنی پریشان صورت بنانے کی کیا بات ہے۔ آج کل ہر دوسرے لڑکے کا یہ ۔۔۔ پیشن ہے اور پھر یہ میرا شوق ہے۔" وہ دائم کی شکل دیکھ کر بڑے لاپروا انداز میں بولی تو دائم اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

"یہ اتنا بڑا فیصلہ اتنا بڑا قدم کسی سے پوچھے بغیر ہی اٹھا لیا؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔" ابھی تک بے یقین تھا۔

"کیوں آپ کو میں اتنی بہادر نظر نہیں آتی کیا؟" اس کا انداز سراسر چیلنج کرنے والا تھا۔

"نہیں، وہ تو خیر سے آپ اپنے ارادوں اور ثابت قدمی سے کسی بھی ٹارزن، ہلاکو خان یا ایسے کسی بھی نوع کے

بشر کو با آسانی مات دے سکتی ہیں اور اس کا ثبوت آپ کی پچھلی رائل فورٹ والی پرفارمنس سے جسے میں محض ایڈونچر یا یونہی خود کو آزمانے کے شوق میں اٹھایا گیا کوئی جذباتی قدم سمجھتا مگر عزہ! بی سیریس۔ یوں ایگری منٹ سائن کرنے ایز آ ماڈل پرفارم کرنا ایک بولڈ اسٹیپ ہی نہیں میں تو اسے غلط فیصلہ ہی کہوں گا۔"

"کیوں غلط فیصلہ کیوں بھلا؟" وہ کمان سے ابرو اچکا کر بولی۔

"تمہارے فائنل سمسٹر سر پر ہیں۔ اس وقت تمہیں صرف اور صرف اپنی اسٹڈیز کے بارے میں فکرمند ہونا چاہیے نہ کہ ان فضولیات میں اپنا وقت برباد کرنا چاہیے۔ اتنی سمجھ تو تمہیں بھی ہے۔ اس طرح کی کوئی بھی ایکٹویٹی تمہارے تعلیمی کیریئر کو متاثر کر سکتی ہے۔ چلو اگر تمہیں کریز ہے بھی تو مکمل ہونے کے بعد بھی۔۔۔"

"میں دوران تعلیم شروع ہی سے ہر طرح کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی عادی ہوں۔ میرا کوئی بھی اینول ایگزام اس طرح کی گیمز کے فائنلز کھیلے بغیر نہیں گزرا اور تھینک گاڈ! میں نے ہمیشہ سب سے بیسٹ رزلٹ شو کرتے ہوئے اپنی فرسٹ پوزیشن برقرار رکھی ہے۔" وہ تفاخر سے بولی۔

دائم نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کیفے کی کلاس ونڈو سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

دائم نے عزہ کو یہاں اپنا مسئلہ شیئر کرنے کے لئے بلایا تھا۔ ابتدائی دو چار رسمی باتوں کے بعد عزہ نے بڑے پرجوش انداز میں اسے ڈریسز کی ایگزیبیشن اور اس میں بطور ماڈل کام کرنے کے بارے میں بتایا تو وہ اپنی ساری پریشانی سارا مسئلہ بھول گیا۔

عزہ! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ، دس از ناٹ اے گیم۔" وہ کہتے کہتے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ "تمہیں معلوم ہے جسے تم محض ایک گیم ایک غیر نصابی سرگرمی سمجھ کر انوالو ہو رہی ہو اس میں صرف تمہاری باڈی انوالو نہیں ہوگی۔ تمہارا پورا انر سیلف (Inner Self) تمہارا Spirit تمہاری روح ۔۔۔ سب کے سب نہ چاہتے ہوئے بھی انوالو ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔۔۔ کہ۔۔۔ تم اپنی زندگی کے ساتھ کون سا کھیل کھیلنے جا رہی ہو۔"

دائم کا لہجہ خوف ناک حد تک سنجیدہ تھا کہ عزہ اس کی بات مکمل طور پر نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔

"کیا مطلب؟ میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"تم ایگزیبیشن کا مطلب سمجھتی ہو نا۔۔۔ اور ڈریسز ایگزیبیشن۔۔۔ کا مطلب لباس کی نمائش۔۔۔ اب یہ کروانے والے اور کرنے والے یہ ڈیپنڈ کرتا ہے کہ وہ اس نمائش میں کس حد تک آگے جا سکتا ہے کہ پھر وہاں سے واپسی بہت مشکل ہوتی ہے کاش میں تمہیں سمجھا سکتا کہ تم ایک پوزیٹو تھنکنگ سے کس طرح نیگیٹو وے کی طرف جا رہی ہو۔۔۔" وہ رکا میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس ملک میں گزارا ہے جہاں انسانی جسم بھی تجارت سمجھا جاتا ہے اور آرٹ، فن اور ایگزیبیشن کے نام پر وہ بے لگامی کہاں تک چلی جاتی ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جتنی زیادہ نمائش اتنا بڑا آرٹ، اتنا عظیم فن کا نام اسے دیا جاتا ہے اور اس آرٹ کو وہ کس جتن سے مشرق میں بام عروج پر لانے کی کوششوں میں جتے ہوئے ہیں ہم مشرق کے سادہ ذہن اس تک رسائی نہیں پا سکتے۔" عجیب دکھ بھرے انداز میں ٹھہر ٹھہر کر جیسے اپنے دل کا کوئی دکھ بیان کر رہا تھا۔

عزہ کے لیے دائم کا یہ روپ، یہ انداز بالکل اجنبی تھا۔

"سوری دائم! میرے سر کے اوپر سے آپ کی یہ ساری ثقیل گفتگو گزر گئی ہے مگر میں اتنا سمجھی ہوں کہ آپ اتنا عرصہ یورپ کے اس Civilized society میں رہنے کے بعد بھی عام پاکستانی مردوں کی طرح متعصب اور

www.pkdigest.com

تنگ نظر ہیں۔ عورت کو محض نمائش کی چیز سمجھتے ہیں۔" اس نے بھی بے دھڑک اپنے دل کی بات کہہ دی۔
"عورت کو نمائش کی چیز کون بناتا ہے؟ خود عورت ـــــ اور پھر اپنے لیے سیکیورٹی، تحفظ اور اسپیشل شیلٹر کے الفاظ اس نمائش کرنے والی عورت کے منہ سے کسی لطیفے سے کم نہیں لگتا۔ یہ تو وہی بات ہوئی نا کہ درندوں سے بھرے جنگل میں جگہ جگہ گوشت کی دکان سجا کر درندوں سے تہذیب کے جامے میں رہتے ہوئے اس کو منہ مارنے سے منع کر دیا جائے اٹس پاسبل ڈیئر؟" وہ طنزیہ بولا۔
"آپ کی مثال ضرورت سے زیادہ فضول اور بے ہودہ ہے۔"
وہ ناک چڑھا کر بولی تو دائم کی نظریں اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔
"اگر کسی کو فضول اور بے ہودہ کام سے روکنے کے لیے اس قسم کی کوئی مثال دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔" وہ بمشکل اپنی نظر میں اس کے چہرے سے ہٹا کر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔
"اچھا اب ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے جبکہ ـــــ میں ایگری منٹ سائن کر چکی ہوں۔ سو اس بحث کا کچھ حاصل بھی نہیں۔"
وہ اسی کے اسٹائل میں کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔
"مگر میں تمہیں ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دوں گا۔" وہ یکدم تپ کر بولا۔
"بائی دا وے آپ سے اجازت مانگ کون رہا ہے۔" اس کے یوں گھورنے پر عزہ تمسخرانہ انداز میں بولی تو اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔
"میں چاہوں تو تمہیں زبردستی بھی روک سکتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قطعی انداز میں بولا۔
"زبردستی کریں گے میرے ساتھ آپ ـــــ پوچھ سکتی ہوں کس حساب میں بھلا؟" اس کی آنکھیں شرارتی انداز میں ابھی بھی چمک رہی تھیں۔
"حساب کتاب تو شاید شروع ہو چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں محبت میں حساب کا قائل نہیں مگر ایسا موقع آگیا تو یقین جانو تم مجھ سے بڑھ کر حساب کتاب کرنے والا اور کسی کو نہیں پاؤ گی اور مجھے لگتا ہے کہ وہ موقع آگیا ہے۔" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"مطلب؟ کیسا حساب کتاب؟ کون سا موقع؟"
"تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟" وہ جیسے ہار کر بولا۔ "تمہیں معلوم ہے یہ سب کرنا اپنے ساتھ دشمنی کے برابر ہے، وہ بھی تم جیسی اچھی لڑکی کے ساتھ۔"
"مجھے پسند ہے سو کر رہی ہوں اور اپنے ساتھ دوستی دشمنی کیا ہوتی ہے اس کا علم آپ سے زیادہ خود مجھے ہونا چاہیے۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔
"اگر انکل آنٹی کو پتہ چل جائے؟" اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔
"تو چل جائے انہیں کیا پروا ہوگی یوں بھی انہیں آپس کی لڑائیوں سے فرصت ہوگی تو میرے بارے میں سوچیں گے اس لیے اگر آپ یونہی ہمدردی میں میرے لیے سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہے ہیں یا مجھے اس کام سے باز رکھنے کے لیے ترکیبیں سوچ کر اپنا دماغ پلپلا کر رہے ہیں تو پلیز مت کیجیے۔" وہ پاس آکر ایک دم سے دور چلی گئی تھی دائم کو تو اس کی بات سے ایسا ہی لگا تھا۔ اس نے دکھی انداز میں اسے دیکھا۔
"تو گویا تم یہ سب ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کر رہی ہو؟" وہ بہت دیر بعد بولا تھا۔ جب عزہ اپنی کہی بات بھول کر گرم ہوتی کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بدمزہ ہو کر لے رہی تھی۔ دائم کی بات پر اس کے ادھ کھلے ہونٹوں میں اسٹرا معلق رہ گیا۔

"وہ ہرگز نہیں، مجھے کیا ضرورت ہے ان کی توجہ حاصل کرنے کی۔"
وہ کچھ اس انداز میں ہکلا کر بولی تھی کہ لہجے کی ہکلاہٹ میں نمی بھی گھل گئی تھی۔
دائم کی سمجھ میں سارا معاملہ آگیا۔
"عزہ! مجھے کسی کی تلاش نہیں تھی نہ میں کسی ایسے دوست کے لیے متجسس تھا۔ لائف پارٹنر کے بارے میں بھی جب سوچا سر جھٹک دیا جو بھی اچھی لگے گی پسند آئے گی سیدھا سیدھا کسی بھی بحث وغیرہ کے چکر میں پڑے بغیر آرام سے اس کا ہاتھ تھام کر ہم سفر بنا لوں گا۔ بہت سادہ سی لاجک تھی میری اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں مگر ـــــ" وہ رکا۔ عزہ جو سر جھکائے اپنی ہتھیلی پر انگلی پھیر رہی تھی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔
"جب تمہیں پہلی بار دیکھا تو کچھ ایسا وہ حادثاتی سا لمحہ تھا کہ میں غور نہیں کر سکا مگر جب محمود انکل نے تمہیں ڈرائنگ روم میں بلا کر مجھ سے باقاعدہ متعارف کرایا اور اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے پر تمہارے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھا تو پہلی بار میرے دل نے چاہا کہ اس سادہ سی معصوم، پیاری سی ڈری سہمی لڑکی کو اٹھا کر اپنے دل میں محفوظ کر لوں اگرچہ ڈری سہمی والی اختراع میرے اپنے دل نے گھڑی تھی ورنہ تم تو ایک بار بھی اس طرح کی ٹیپکل لڑکی لگیں ہی نہیں خیر بس اس دن سے میرے دل نے کہا لو بھیا اگر تم ابن بطوطہ کی طرح کسی کی تلاش میں نکلنا بھی چاہتے تھے تو اپنا ارادہ ملتوی کر دو تمہارے جوتے گھسنے سے اور آنکھیں تارے گننے سے محفوظ رہ گئی ہیں۔ تمہاری تلاش تمام ہوئی ـــــ اس شام میں تمہارے گھر سے تو نکل آیا مگر اپنا دل تمہیں سونپ آیا ـــــ تو بھلا اب انہیں اتنے پاس کر کے میں خود سے دور جانے دوں گا؟ کبھی بھی نہیں۔"
وہ جس پیرائے جس انداز میں اپنے دل کی حالت بیان کر رہا تھا، عزہ کے دل کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے نگاہ اٹھا کر بات کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ خود کو ٹیپکل عام لڑکیوں جیسا نہ سمجھتے ہوئے بھی وہ اس وقت ان ہی کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ محبت کے کلیشے سے پٹی ہوئی لڑکیاں۔
"اب جواب میں کچھ بولو گی نہیں یا چہرے پر یہ قوس قزح کے رنگ سجا سجا کر مجھے پاگل کرتی رہو گی۔" وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔
"کہنا صرف مجھے یہ ہے ـــــ" اس نے اپنی کیفیت پر بروقت قابو پایا تھا "کہ اگلے ویک اینڈ پر اس ایگزیبیشن کا پہلا شو ہے، آپ آئیں گے نا؟"
دائم نے اس کی بات سنی تو اس کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
بس ملامتی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔
اس وقت ٹیبل پر رکھے اس کے سیل فون کی بیپ بج اٹھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سیل اٹھایا، ڈاکٹر رخشندہ کا نمبر آرہا تھا۔ ماما زکالنگ کے الفاظ بار بار چمک رہے تھے۔ اور وہ سپاٹ نظروں سے تکے جا رہا تھا۔
"کس کی کال ہے ریسیو کیوں نہیں کر لیتے؟" عزہ نے اسے ٹوکا۔
"بس ایسے ہی۔" اس نے آہستگی سے سیل ایک طرف رکھا جو اب خاموش ہو چکا تھا اس نے سیل اٹھا کر اسے Silent پر لگا دیا۔
"اوکے، چلیں پھر جب تم سب کچھ ڈن کر چکی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگا۔ اس کے انداز میں کچھ تھا کہ عزہ بے قرار سی ہو گئی۔
"اور وہ آپ کا مسئلہ جو آپ نے مجھ سے شیئر کرنا تھا۔"
اسے ناراض سے دائم کو تھوڑی دیر اور روکنے کا بھی بہانہ سوجھا۔
"اس کو اب جانے دو پھر سہی کبھی اور بات کریں گے۔" وہ کی چین اٹھاتے ہوئے آگے بڑھا تو مجبوراً عزہ کو بھی اٹھنا پڑا۔

www.pakdigest.com

سے ملنے اور ساری بات کر لینے کا دل میں تہیہ کر چکا ہے
تھا۔

☼

پر لیٹے زندہ سلامت سانس لے رہے ہو۔ تمہیں یہاں
پڑے گا مگر ایک بات یاد رکھو۔"
شخص میڈم یاقوت کے گارڈز میں سے ایک تھا جس نے
تھی۔ وہ کسی جنگلی جانور کی طرح دروازہ کھول کر اندر داخل
کرتے ہوئے دھمکانے لگا۔ آج کے بعد اگر تم نے میڈم
بھی کیا تو خدا کی قسم تیری لاش بھی تیرے گھر والوں کو نہیں
یہ آخری چانس تیرے لیے نہیں تیرے گھر والوں کے لیے
تھا اب وہ بھی بھگتیں گے۔ تیرا لنگڑا باپ بوڑھی ماں اور
۔ اب کے جو بھی کرنا ذرا سوچ سمجھ کر۔ آئی سمجھ میں۔ اب
وہ اسے دو تین جھٹکے دیتا گریبان سے پکڑ کر بیڈ پر گراتا جس
اس کے ساتھ دروازے پر کھڑا اس کا دوسرا ساتھی بھی۔
ایک دم سے گہری خاموشی سارے میں چھا گئی۔
تھا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ یہ سب خالی خولی دھمکی ہے نہ ان
ہے ہیں اور وہ کتنی طاقتور ہے کہ اسے اور اس کے گھر والوں کو
ہے۔ اور اس کے ہاتھوں پر لہو کا ایک دھبہ بھی ثابت نہیں
انجام کا بھی سب بنتا ہے۔" تیز جلتے شعلے کی لپک سی سوچ
کا دیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بے بسی سے رہ گیا کہ اب وہ کچھ بھی
کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
نڈا کر دیا تھا۔ وہ یقیناً "اب ان کے لیے اپنے "پسماندگان"

کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی اس نے آہستگی
دوسری جانب دیکھنے لگا۔
نے تمہیں یہاں ایڈمٹ کروایا ہے تو۔۔۔ میرا انجام۔۔۔" وہ

جان چھوڑ دو۔۔۔"
یک پڑ گیا۔ وہ خفت بھرے انداز میں لب کاٹنے لگی۔
یسی لڑکی سے کیسی نفرت، کیسی گھن کھاتے ہو پھر بھی۔۔۔
وجود تمہیں اور بھی کتنا غلیظ بلکہ فن زدہ محسوس ہو رہا ہے، مجھے
نا۔۔۔ رہ نہیں سکی۔۔۔ کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا سلوک
پیچھے آنے والا۔۔۔ خیر۔۔۔ اوکے میں چلتی ہوں ٹیک کیئر" اس نے

www.pkdigest.com

بے حد خوبصورتی سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو سیاہ لبادے کو نقاب کے طور پر چہرے پر لاتے ہوئے صاف کرلیا اور اٹھ کر جانے لگی۔

تنزیل اسی طرح رخ موڑ کر لیٹا رہا۔

"سنو!" عائشہ کو ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی مگر تنزیل نے اسے پکارا تھا۔ وہ پلٹی نہیں بس دروازے کے پاس ٹھہر گئی۔

"اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی انسانیت کے ناتے ہمدردی ہے تو میرا ایک کام کردو گی؟" اس کا لہجہ نہ تو نرم تھا نہ درخواست گزار بس لٹھ مار سا تھا پھر بھی وہ مڑ کر دو قدم آگے آگئی۔

"تانیہ کا پتا معلوم کرکے دے سکتی ہو مجھے؟ وہ ذرا سا اٹھتے ہوئے بولا۔ عائشہ افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس کا خیال اب دل سے نکال دو۔" وہ ذرا توقف سے بولی۔

"کیا؟ ہرگز نہیں۔" وہ حسب توقع بھڑکا تھا۔

"اس کا پتا لگا کر کیا کرو گے؟" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

اس کا گلا ان ہاتھوں سے گھونٹوں گا تو ہی مجھے قرار آئے گا۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

عائشہ آگے بڑھ کر پھر سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

تمہیں پتا ہے وہ جس جگہ پہنچ گئی ہے، وہاں اسے کسی بھی ہتھیار، کسی بھی آلے سے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا اپنا وجود اس کے لیے سب سے مہلک ہتھیار بن جائے اور وہ قطرہ قطرہ قتل ہوگی۔ ہر صبح ہر شام بلکہ ہو چکی ہوگی۔ تو ایک لاش کا گلا گھونٹ کر تم کیا کرو گے؟" وہ اتنی خوف ناک حقیقت کو اتنے آرام سے بیان کررہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے نا۔ وہ کہاں ہے؟" وہ بے تابی سے بولا۔

اس نے آہستگی سے چہرے سے نقاب سرکا دیا۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہے۔ اس ملک سے باہر ہے۔ تمہاری رینج سے بہت دور۔ تم یہاں ان لوگوں کے ساتھ لڑتے بھڑتے رہو گے۔ مار کھا کر خود کو لہولہان کراتے رہو گے یا اپنا اور اپنے باقی ماندہ گھر والوں کا کوئی ناقابل تلافی نقصان کر بیٹھو گے مگر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ سو بہتر نہیں تم ٹھنڈے دل سے اپنے آپ کو سمجھالو۔"

"کس بات پر سمجھالوں کہ وہ وہاں بے غیرتی کی زندگی گزارتے ہوئے میرے اور میرے ماں باپ کے لیے جیتے جی جہنم کا ایندھن تیار کررہی ہے اور میں اسے بھول کر اطمینان بھری زندگی گزاروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ اگر اس ملک میں نہیں تو جہاں کہیں بھی ہے، میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ اور ختم کرڈالوں گا۔ بس یہی ہے میرے چین کا رستہ۔" وہ اپنے مخصوص تپے ہوئے انداز میں کہتا چلا گیا۔

"پھر میرا یہاں بیٹھنا بے کار ہے۔ تم کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔" وہ مایوسی سے کہتے ہوئے اٹھنے لگی۔

"تم مجھے اس کا ایڈریس نہیں لاکر دے سکتیں؟" وہ اس کے اٹھنے پر خائف ہو کر بولا۔

"تمہیں اپنے غصے، جوش اور غیرت کے سامنے کسی ایڈریس یا رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ کسی بھی دیوار سے سر پھوڑ کر اپنا غصہ نکال لو تو شاید تمہیں کچھ سمجھ میں آنے لگے۔" وہ طنزیہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

تنزیل عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر اسے جانے کیا ہوا۔ وہ یک دم سے اپنے ہاتھوں پر سر گرا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

عائشہ کے قدموں میں اس کے آنسوؤں کی بھاری زنجیر پڑ گئی تھی۔ وہ تو اب یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ اب بے آواز آنسوؤں کے ساتھ رو رہا تھا۔

عائشہ نے اٹھ کر اپنے ساتھ لائے ہوئے جوس کے پیکٹ کو کھول کر گلاس میں ڈالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ پی لو۔ تمہارے بے چین دل کو کچھ قرار ملے گا۔" اس نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گلاس ہاتھ سے پرے ہٹا دیا۔

"تنزیل پلیز! تھوڑا سا تو خود کو سنبھالو۔ اس طرح تو بہت مشکل ہو جائے گی۔"

وہ بے اختیار اپنائیت بھرے انداز میں اس کا کندھا ہلا کر اس کا نام پہلی بار لیتے ہوئے بولی تو تنزیل کو یک دم اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ رگڑ ڈالا اور سر اٹھا کر نم آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا جو اس کی کچھ بھی نہیں لگتی تھی اور جو ان لمحوں میں جو اس کی زندگی کے کٹھن ترین لمحات تھے۔ اپنی زندگی داؤ پر لگائے محض اس کے لیے یہاں موجود تھی اور اس کی دلجوئی کی کوشش کررہی تھی۔

جو ہو چکا تھا اس کو تو کسی طور پر بھی بدلا نہیں جاسکتا تھا حتیٰ کہ تانیہ کو مار دینے کے بعد بھی نہیں کہ جس انداز میں وہ جہانگیر ہمدانی کے ساتھ نکاح کرکے گئی تھی اس سے تو اچھا تھا وہ رات کی سیاہی میں اس کے ساتھ بھاگ جاتی۔ بات ایک ہی تھی۔ اب اسے مار ڈالنے یا بھول جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ بات بھی ایک ہی تھی! اس کے دل نے اندھیرے میں چنگاری جلائی۔

اس نے آہستگی سے عائشہ کے ہاتھ سے گلاس لے کر لبوں سے لگالیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

عائشہ کرسی پر بیٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کلائی پر بندھی نازک رسٹ واچ کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔

"کیا تم بھی ان لوگوں کے ہتھے اسی طرح چڑھی تھیں؟" آدھا گلاس پی کر اس نے گلاس واپس کرتے ہوئے بے اختیار پوچھا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" گلاس پیچھے ریک پر رکھتے ہوئے چہرہ دوسری طرف کیے وہ پست آواز میں بولی تو اس نے مزید کچھ نہ پوچھا۔

کمرے میں بولتی خاموشی تھی، دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

"میں اب چلتی ہوں۔ یہ میرا سیل رکھ لو۔ اس میں میں نے نئی سم ڈال دی ہے۔ کسی کے ہاتھ بھی لگ گیا تو خیر ہے۔" اس نے پرس سے اپنا سیل نکالتے ہوئے اس کے سرہانے رکھ دیا۔ "میں کل آنے کی کوشش کروں گی۔ نہ ہو تو فون کردوں گی۔ میرا رابطہ نمبر یہ ہے۔ احتیاطاً لکھ کر دے رہی ہوں مگر تم کوشش کرنا کہ خود سے فون نہ کرو۔ میں کرلوں گی ویسے بھی میرے خیال میں کل رات یا پرسوں صبح تک یہ تمہیں ڈسچارج کردیں گے۔ اب مزید کچھ نہ سوچنا۔ میڈیسن نرس دے گئی ہے تمہیں؟" وہ کسی فکرمند اٹینڈینٹ کی طرح پوچھ رہی تھی۔ تنزیل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ابھی آجائے گی۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" وہ جانے کو تیار تھی۔

"میرے گھر۔ گھر میں کیا بتایا تم نے؟"

"تم جاب کے لیے شہر سے باہر گئے ہو۔" وہ بولی۔ "اور دیکھو تم ان کے بارے میں اس حال میں بھی اتنے پریشان ہو تو سوچو۔ خدانخواستہ انہیں کچھ ہو جائے اور جس طرح کی وہ میڈم کا پتہ تمہیں دھمکی دے کر گیا ہے اگر خدانخواستہ اس پر وہ لوگ عمل کرڈالیں تو تمہارا کیا حال ہوگا تو خود کو ایسی اذیت میں ڈالنے سے فائدہ؟" وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "تانیہ کے بارے میں تم انتقامی انداز میں سوچنے کے بجائے اس کے لیے مثبت انداز میں سوچتے ہوئے اس کے لیے دعا کرو۔ شاید اللہ اس کے لیے کوئی رستہ نکال ہی دے۔ اس کے ہاں کچھ بھی

www.pkdigest.com

ناممکن نہیں' جبکہ اس طرح ری ایکٹ کر کے تم اپنا ہی دوہرا نقصان کرلو گے۔ اس کو بھول جاؤ اور اپنے ماں باپ اور دونوں بہنوں کے بارے میں سوچو۔ انہیں ان مشکل گھڑیوں میں تمہاری کیسی ضرورت ہے' اور تم نے اس طرح منظر سے غائب ہو کر انہیں اور بھی پریشان کر دیا ہے' اور جو غصے میں کسی انتہائی عمل کو چھو لیتے تو اب حوالات میں ہوتے اور پھر وہاں سے نکلنا جیتے جی ناممکن سمجھو' تو سوچو۔ پیچھے ان چاروں کا کیا بنتا؟ ان ساری باتوں پر ٹھنڈے دل سے سوچو میں کل آنے کی کوشش کروں گی۔ اوکے۔ خدا حافظ۔"

وہ جاتے جاتے اس کی پیشانی کو ذرا سا چھو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مڑ گئی اور نقاب اچھی طرح چہرے پر جماتی باہر نکل گئی۔ تنزیل نڈھال سا بستر پر گر گیا۔

اس کی باتوں میں کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا بلکہ سب اس کی بہتری کے لیے تھا۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتا جو ثانیہ کے بارے میں سوچتا اور غصے کی آگ میں جلنے لگتا۔

"آخر یہ کیوں رسک لے کر میرے پیچھے آئی ہے۔ مجھے ہاسپٹل بھجوایا۔ میری خاطر یوں رات کے اندھیرے میں... ہے تو یہ بھی اس مکار عورت کی معتمد خاص یقیناً ان کی جاسوس ہے' اور کسی خاص مقصد کے لیے یوں میرے پیچھے لگی ہے۔ بالکل یہی بات ہے۔" وہ جوں جوں سوچتا جاتا اس کا دماغ اس کی تائید کرتا جاتا۔

"تو کیا تمہیں یہ کوئی جاسوس لگتی ہے' تمہاری خاطر جو جیل بھی ملنے کے لیے چلی آئی اور یہاں بھی۔ کیا تم اپنے طیش اور انتقام کی آگ میں اتنے بدگمان ہو چکے ہو کہ اپنے سائے پر بھی شک کرنے لگے ہو اور بھول گئے ہو۔ اپنی اس اولین کیفیت کو جو اس لڑکی کو دیکھ کر تمہارے دل نے محسوس کی تھی اور پھر اس کی "گڈ بز" جان کر کیسے بدک کر پیچھے ہٹے تھے۔ ثانیہ جیسی عفت مآب لڑکی جب صرف تمہاری خاطر اپنی پاکیزہ زندگی کو کسی جیسی گندگی میں گرانے کی جرات کر سکتی ہے' تو سوچو اس کی کیا مجبوری ہوگی جو یہ اس غلاظت میں پڑی ہے' اور پھر بھی... پھر بھی سروائیو کر رہی ہے۔ اور جو تمہارے پیچھے آ رہی ہے تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"وہ "وجہ" اس کا دل سمجھ رہا تھا مگر دماغ اس سے انکاری تھا اور ابھی ایک نئی جنگ میں خود کو جھونکنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس لیے اس نے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟ جہانگیر ہمدانی؟" آغا جان جو سینے پر ہاتھ رکھے اسے مسلتے ہوئے دبا رہے تھے۔ یاسمین کے پریشان ہونے پر ذرا سیدھے ہوئے اور نقاہت بھری آواز میں پھر سے پوچھنے لگے۔

"جی آغا جان! یہی نام بتایا ہے میں نے آپ کو۔" ان کے چہرے کی پیلی زرد پڑتی رنگت نے یاسمین کو بہت کچھ سمجھا دیا کہ کچھ بہت غلط ہو گیا ہے یا ہونے والا ہے۔

"یا اللہ خیر۔ آغا جان کو اس وقت تو کچھ نہ ہو' تنزیل بھی گھر پہ نہیں ہے۔" انہوں نے اپنا دھیان اس "غلط" کی طرف لگایا جو شاید آغا جان کے اٹیک کی صورت میں ہونے والا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یہ مردود جہانگیر ہمدانی کون ہے؟" وہ یاسمین کے متردد چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اسی طرح کمزور آواز میں بولے تو یاسمین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں نے بتایا تھا نا۔ میری پوتی۔ میری پوتی تھی آبگینے... آبگینے... جس کا نکاح میں نے اسی مردود کے ساتھ کیا تھا اور تھوڑے ہی دنوں میں میری پوتی... میری معصوم بچی نے بقول اس شیطان کے اس نے خودکشی کر لی تھی اپنے سینے میں خود چاقو اتار کر' جو خود کو سوئی نہیں چبھو سکتی تھی اس... اس نے یہی تھا وہ... میرے پاس تصویر ہے۔ میرے براؤن سوٹ کیس کا لاک 303 پر کھولو۔ اندر کی پاکٹ میں تصویر ہے۔ اس ملعون کی۔ دیکھو ذرا لاؤ۔"

وہ اب ہانپتے ہوئے کہہ رہے تھے اور یاسمین ان کی حالت کی پروا کیے بغیر اندر جا چکی تھیں جہاں آغا جان کا سامان پڑا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہ بیٹھے سا سفید پڑتا چہرہ لیے کانپتے ہاتھوں سے تصویر تھامے باہر آ گئیں۔

اور آغا جان جو اس دورانیے میں دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے کہ اس نام کا وہ کوئی اور شخص ہو۔ خدا نہ کرے ان کو وہ دکھ اور اذیت دیکھنی پڑے جس سے وہ گزر رہے ہیں مگر یاسمین کا پیلا پھٹک چہرہ دیکھ کر ہی وہ بیٹھ گئے۔ ہمیشہ کی طرح ان کی دعا غیر مقبول ہوئی۔ یاسمین سامنے پڑی کرسی پر دھپ سے گر گئیں۔

کسی سوال جواب کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے تصویر کو الٹائے کسی پتھرائے ہوئے وجود کی طرح بیٹھی تھیں۔

"کاش... کاش تم مجھے خبر کر دیتیں۔ ہلکا سا اشارہ کچھ بھی تو شاید یہ انہونی ہونے سے رک سکتی۔" بہت دیر بعد وہ مرے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

"پھر بھی کیا ہو جاتا آغا جان! وہ سیاہ بخت اپنی قسمت ڈبونے کو خود تیار بیٹھی تھی۔ میں اور آپ کیا کر لیتے۔" یاسمین کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آئی تھی۔

"بے شک کچھ نہ کرتیں مگر میں اس حرام خور اس نامراد کو ضرور پولیس کے حوالے کر سکتا تھا۔ میرے پاس یہ تصویریں تھیں اور کچھ نہیں تو جعلسازی کا کیس تو بن ہی جاتا۔ لڑکی کو ورغلانے اور پہلا نکاح چھپانے کا اور اس کے علاوہ جانے کتنی لڑکیوں کی زندگی برباد کر چکا ہوگا یہ زہریلا ناگ۔" وہ کہہ رہے تھے اور یاسمین کے ارد گرد پچھتاوے کے کالے ناگ پھن اٹھا اٹھا کر لہرا رہے تھے اور ان کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ فقط ایک لمحے کی بھول... ذرا سی کوتاہی... آغا جان کو اگر پتا چل جاتا تو شاید ثانیہ اس بھیانک گڑھے میں گرنے سے بچ جاتی شاید...

ان کا دل چاہ رہا تھا سینے پر دو ہتڑ مار کر اپنی کم عقلی' اپنی نادانی اور بیٹی کی ذلت آمیز رخصتی پر خوب ماتم کریں۔

اسی وقت آغا جان کی واسکٹ میں پڑا ان کا سیل فون بجنے لگا۔

"ہوں اسامہ! وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔" وہ بھیگی ہوئی آواز میں خود کو سنبھالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"بھلا چنگا ہوں۔ جیتا ہوں معلوم نہیں قدرت نے مجھے کیا کچھ دکھانے کے لیے زندہ رکھ چھوڑا ہے۔"

"کوئی نیا غم نہیں بیٹا! پرانے زخم ہی ادھڑ ادھڑ کر ہستی کو ملیا میٹ کر رہے ہیں۔" وہ بے دم سے ہو کر بولے۔

"تمہارے پاس ہوتے تو سب کہتا تم سے اب کیا کہوں۔"

"آنے کا ارادہ ہے تو بس آ چکو۔ اب ان بوڑھی آنکھوں میں اور دم نہیں انتظار کا۔ ہر دن نیا غم ہر پل نیا صدمہ' آخر یہ بوڑھی جان اور کتنا جھیلے گی۔ دیکھو اس مردود کو میری بوڑھی تجربہ کار کا' جہاں دیدہ آنکھیں نہ پرکھ سکیں۔ وہ تو بہت بڑا پروفیشنل شکاری نکلا۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ بمشکل بول رہے تھے۔

"اس جہانگیر ہمدانی کی بات کر رہا ہوں۔ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر میرے ہی گھر میں نقب لگا کر میرے بڑھے سینے پر ایک اور زخم لگا ہے۔ کیا کہوں کیسے کہوں ایک بار پھر..." وہ بے اختیار رونے لگے۔

"پھر اس ظالم نے شکار کے لیے میری معصوم پوتی کا انتخاب کیا۔ کاش میں غافل نہ ہوتا کاش میں یہاں سے نہ ہلا اور اسے موقع نہ ملتا یا..." وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ہانپنے لگے۔ یاسمین سیدھی ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"بس آ جاؤ تم جلدی سے۔ تو اس مردود کی کوئی تدبیر کریں ورنہ وہ نہ جانے کتنی معصوم زندگیوں کو زندہ درگور کرتا رہے گا۔ ہم تو جو صدمہ جھیل چکے' اللہ کسی اور کے نصیب میں یہ اذیت نہ لکھے۔ اللہ ثانیہ کو اپنی امان میں رکھے وہ بھی بہکاوے میں مجبوری میں اس کے ساتھ گئی ہے' میری بچی کو خدا اپنی امان میں رکھے۔ اس کے بچاؤ اس کی

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

حفاظت کا اپنی جناب سے بندوبست کرے تم بھی دعا کرنا اور بس اب اگلا فون مجھے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے ہی کرنا۔ اب اس نئے زخم کے بعد اور وقت نہیں گزارا جائے گا مجھ سے۔ اللہ حافظ اپنا خیال رکھنا۔"

انہوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے سیل آف کر دیا۔

"آغا جان! اب کیا ہوگا؟ بہت دیر بعد کمرے میں یاسمین کی آواز گونجی تھی۔ کہ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے احسن مراد کا ہاتھ بے اختیار تیزی سے دھڑکتے دل پر ٹھہرا تھا۔

"دعا کرو یاسمین! اس کے لیے بہت زیادہ اللہ کرے اسامہ جلدی آجائے اور تنزیل بھی دونوں اگر مل کر اسے ڈھونڈ نکالیں تو کچھ کیا جا سکتا ہے ورنہ تمہارے پاس ثانیہ کا کوئی نمبر کوئی ایڈریس۔"

"نہیں وہ اپنا موبائل بھی جاتے ہوئے ادھر ہی چھوڑ گئی تھی۔" وہ روتے ہوئے بولیں۔ تو آغا جان کے وجود پر بھی گمبھیر خاموشی چھا گئی۔ احسن مراد کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد آگے بڑھے۔

"یاسمین! وہ ہمارے لیے مر چکی ہے۔ تم نے خود اسے یہ کہہ کر رخصت کیا تھا۔ اب یہ دکھاوے کے آنسو کس لیے بہاتی ہو۔ اس کی سلامتی کا خوف لاحق ہے تو ان آنسوؤں کو پونچھ لو۔ جتنی بددعائیں ہمارے دکھی دلوں نے اس کو دی ہیں' اس کی سلامتی محال ہے۔ اور اس وقت اس کی سب سے بڑی نجات اسی میں ہے کہ وہ مر جائے۔ مر جائے وہ۔"

احسن مراد سفاک لہجے میں کہتے ہوئے لمحہ بھر کو رک کر یاسمین کو جھکے سر کے ساتھ آنسو بہاتے دیکھتے رہے' پھر جس طرح آئے تھے' اسی طرح اپنے اندھیرے کمرے میں لوٹ گئے۔

اور ان کے جانے کے بعد یاسمین نے ان کے لفظوں پر غور کیا تو انہیں احساس ہوا۔ وہ سچ کہتے ہیں۔ اس وقت ثانیہ کے لیے اس سے اچھی اور کوئی "دعا" ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر وہ ایک ماں ہو کر یہ "دعا" اس کے حق میں کیسے کر سکتی تھیں؟

انہیں سمجھ میں نہ آیا تو پھر سر جھکا کر بے آواز آنسوؤں سے رونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"ہوں استادوں سے استادیاں۔ جہانگیر! اب تمہیں یہ فن بھی آگیا ہے۔ مبارک باد دینے کے لیے فون کیا ہے۔ کس کمال مہارت سے تم اپنے شکار کو نکال لے گئے کہ اور تو اور ہم جیسے زیرک نظر کو بھی علم نہیں ہو سکا۔ ویسے سچ بتاؤ اس طرح اور کتنے خفیہ منصوبے تمہارے شیطانی دماغ میں محفوظ ہیں؟"

میڈم یاقوت نے گھر جانے سے پہلے جہانگیر ہمدانی کا نمبر ملایا تھا۔ گھر میں تو آج کل ان کے لیے "کرفیو" والی کیفیت تھی۔ لائبہ کی موجودگی میں وہ "اس طرح" کی کوئی بھی کال نہیں کر سکتی تھیں۔ سو خیال آتے ہی فوراً متجسس ہو کر نمبر ملایا دن بھر تو جہانگیر کا نمبر انہیں آف ملتا رہا تھا۔

"ہمارے ساتھ رہو گی تو بہت کچھ سیکھو گی۔ وہ رہ گیا نہ بتانے والا معاملہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کام کا بیڑا اٹھا لوں اسے کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ جلد یا بدیر تو مجھے کرنا ہی تھا۔ اگرچہ ہمارے حساب سے دیر ہو ہی گئی تھی مگر کامیابی نے اس دیر کے ملال کو دھو ڈالا ہے اور تمہیں تو معلوم ہے کامیابی حاصل کرنے سے پہلے اس کے ڈنکے بجانا میری سرشت میں نہیں۔"

جہانگیر ہمدانی کا مطمئن کامران سا لہجہ میڈم یاقوت کو اندر ہی اندر ان دیکھے حسد میں مبتلا کر گیا۔

وہ ہمیشہ اس طرح کے کام بنا بتائے چھپ چھپا کر کرنے کا عادی تھا مگر ہر بار انہیں دھچکا سا ضرور لگتا تھا کہ جہانگیر مجھے بتائے بغیر یہ کیسے کر سکتا ہے؟ ان کے اندر کی عورت بری طرح سے ہرٹ ہوتی تھی۔

"خیر اپنی سرشت کی بات تو تم نہ کرو۔ یہ تو ہم سے پوچھو تمہاری ظالم سرشت میں کیا کیا کچھ ہے؟" وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔ اصل بات وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنے منہ سے خود اگلے۔ "اور تم جو اس چڑیا کو بھگا کر لے آئے ہو۔ اس کے غیرت سند جیالے بھائی نے جو ہنگامہ ادھر برپا کر رکھا ہے۔ ذرا یہاں ہوتے تو تمہیں معلوم پڑتا کس طرح تمہاری "کرتیوں" کو میں نے بھگتا ہے۔" وہ احسان جتانے والے انداز میں بولیں۔

"ففٹی پرسینٹ کی پارٹنر ہو۔ اتنا تو بھگتنا تمہارا فرض ہے' اور رہ گئی بات اس جیالے کی تو سمجھو۔ اس گیسی غبارے کی گیس نکالنا تو الٹے ہاتھ کا کام ہے میرا اور یوں بھی میں ناجائز طریقے سے شکار کو اڑا کر نہیں لایا بلکہ۔۔۔"

اور میڈم یاقوت کا دل اتنی زور سے دھڑکا جیسے سینے کا حصار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"کتنوں شرعی نکاح ہے یہ تمہارا؟" وہ اپنے ہی دل پر پاؤں رکھتے ہوئے سنگ دلی سے بولیں۔

"جانے دو' اتنا بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے' جو خود اپنے گلے میں طوق ڈالتا پھروں۔ کہاں کا نکاح کیسا نکاح؟" اس نے معنی خیز انداز میں ذرا پرے بیٹھی ثانیہ کو تمسخر بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"اچھا۔ اب کیا اپنے منہ سے نکلے لفظوں سے بھی مکرو گے۔" وہ بولیں۔

"کون سے لفظ؟" وہ صاف مکر گیا "میں نے کون سا نکاح کیا ہے اس سے' اور بھگا کر بھی نہیں لایا بلکہ بڑے جائز طریقے سے عزت و احترام کے ساتھ اس کے ماں باپ اور محلے کے سرپرستوں کی موجودگی و بخوشی اجازت سے لے کر آیا ہوں۔ پوچھ لو' وہاں جا کر کسی سے بھی۔ اتنا اناڑی کھلاڑی سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے۔"

وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا تو ثانیہ کا جی چاہا' سامنے پڑا شیشے کا بھاری مینٹل پیس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"ماشاء اللہ' کیا بات ہے۔ نہ تم اناڑی ہو نہ وہ بے وقوف تو جو بغیر کسی شرعی کام کے اپنی پلی پلائی خوبرو لڑکی کا ہاتھ عزت و احترام سے تمہیں تھما دیں۔ سچ کہو معاملہ کیا ہے؟"

"تمہاری جان کی قسم' بالکل یہی معاملہ ہے۔ آؤ گی تو خود پوچھ لینا ہماری بیوی کو کین سے۔" وہ ثانیہ کو آنکھ مار کر جلانے والے انداز میں بولا۔

"کسی اور کو چلانا' میرا نام بھی میڈم یاقوت ہے' اب ایک مرحلہ تو طے ہو گیا۔ آگے جس مقصد کے لیے اسے لے کر گئے ہو' اس کو شروع کرنے کا ارادہ کب تک ہے؟" وہ جہانگیر ہمدانی کی شیخیوں سے بیزار سی ہو کر بولیں۔

"آج ہی سے شروع سمجھو۔"

"وہ راضی ہو جائے گی؟" انہیں کچھ حیرت ہوئی۔

"راضی ہے تو میری جان! میرے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔" وہ عامیانہ انداز میں ٹھٹھا مار کر ہنسا۔

ثانیہ غصے میں پیر پٹختی وہاں سے ساتھ والے روم میں چلی گئی تو جہانگیر ہمدانی کا قہقہہ کچھ اور بھی طویل ہو گیا۔

"مذاق نہیں کرو۔ وہ اور طرح کے ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ یوں یک دم اس فیلڈ میں کیسے آ سکتی ہے جبکہ اسے نہ شوق ہے نہ تجربہ۔ تمہارے ساتھ تو بھولپن میں آ گئی۔ یہ مٹکنا ٹھمکنا مرضی سے سیکھنے میں تو عمریں گل جاتی ہیں۔" وہ جتا کر بولیں۔

"کتنی بھی پارسا ہو' نیکی کے جھولے میں جھول جھول کر پروان چڑھی ہو دیکھنا کیسے اس ہیرے کو تراشتے ہیں ہم۔ جس مقصد کے لیے اسے لائے ہیں۔ ان شاء اللہ مقررہ تاریخوں پر ہی ہو گا سب کچھ۔ ہم تو اڑیل سے اڑیل ٹٹو کو سدھارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ تو پھر معصوم بے ضرر سی لڑکی ہے۔ ٹھمکنا مٹکنا تو عورت کی سرشت میں ہے ہی بس اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے' اور اس کی گرومنگ کے لیے آج ہی سے مستند انسٹرکٹر آ رہی

ہے۔ دیکھنا ذرا آ کر اس ہیرے کی نقش پھر چند ہی دنوں میں۔" وہ بڑے با اعتماد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ارے میں تو بھئی دعا ہی کر سکتی ہوں ورنہ تم سمجھ نہیں رہے' اونٹ کو پہاڑ کے نیچے لانا آسان کام نہیں' پھر بات کریں گے اور تمہاری پروگریس کے بارے میں پتا کروں گی۔ ابھی مجھے ذرا جلدی ہے' بائے اور سنو۔" انہیں اچانک کچھ یاد آیا۔

"کوئی اسپیشل پری کاشن نہ بتانا۔ یوں بھی آج کل ہمارے "ظرف" کا بڑا کڑا امتحان چل رہا ہے۔" وہ اس کمرے کی طرف آتے ہوئے ذو معنی انداز میں بولا' جدھر ثانیہ گئی تھی۔

"تمہیں کسی ہدایت کی کب کوئی ضرورت رہی ہے۔ مجھے کال کرنی ہو تو دن میں آفس ٹائم میں کر لیا کرنا۔ رات کو میں آج کل فیکٹری کا پیپر ورک مکمل کروا رہی ہوں۔ اس لیے ڈسٹربنس ہو گی۔"

"اوہو! اتنی محنتی تم کب سے ہو گئیں۔ تمہاری راتیں کون سے پیپر ورک میں گزرتی ہیں۔ کیا اب یہ بھی میں بتاؤں گی۔ چلو عیش کرو اور ہمارے لیے دعا کرو' بائے۔"

اس نے گھٹیا پن سے کہتے ہوئے ہنس کر فون بند کر دیا تو میڈم یاقوت دانت پیس کر رہ گئیں۔

"مکار ہم سے داؤ کھیلتا ہے جیسے میں اس کے بارے میں جانتی نہیں۔ سارا کچا چٹھا معلوم کروا لوں گی۔ کون سا داؤ آزما کر لڑکی لے اڑا ہے۔ یہ سمجھتا ہے یاقوت ابھی بھی بھولی نادان بیوقوف سی لڑکی ہے' جو اس کی بنائی ہوئی خوب صورت کہانی پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی تھی' جیسے محبت کے ڈائیلاگ بول کر تم پچاس پرسینٹ کے شیئرز کو ستر میں تبدیل کروا کے بڑے آرام سے مجھ سے سائن کروا لیا کرتے تھے اور میں بے وقوف بن جایا کرتی تھی جیسے اب۔۔۔ اب بن گئی اور وہ معمولی سی لڑکی تمہارے پہلو۔۔۔" ان کے اندر کچھ دھڑا دھڑ جلنے لگا تھا۔

انہوں نے گاڑی کے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔

اسی وقت ان کے سیل کی مدھر ٹون بجنے لگی۔

"ماما! آپ کب آئیں گی؟ میں گھر میں اس مسلسل انتظار اور اکیلے پن سے فیڈ اپ ہو گئی ہوں۔ اگر مجھے اسی طرح رہنا تھا تو یو۔کے کیا برا تھا۔ آپ کے پاس مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ ان کے کال ریسیو کرتے ہی پھٹ پڑی۔

"میری جان! سوئیٹی دیکھو۔ یہ بھی تمہاری اپنی چوائس ہے اور اسی لیے تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی کہ میں تمہیں مناسب وقت نہیں دے پاؤں گی۔ تم اسی لون لی نیس کا شکار ہو کر فرسٹریٹڈ ہو جاؤ گی' بہرحال میں راستے میں ہوں۔ آ رہی ہوں۔ ڈنر کی کیا صورتحال ہے؟" ان کی کچھ دیر پہلے والی جلن کہیں گم ہو چکی تھی۔

"ایک دم ریڈی۔ ہر چیز' اور اب تو میری بھوک بھی خوب چمک اٹھی ہے آپ بس جلدی سے آ جائیں تو دیگ کا ڈھکن اٹھنے کی کوئی صورت بنے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اور بھول گئیں۔ آج کے اسپیشل گیسٹ کو' بھئی اس کی آمد تک تو کوئی دیگ کے ڈھکن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔" انہوں نے بھی مذاقاً اسی کے انداز میں کہا۔

"اوکے۔ جیسے آپ کا حکم' مگر دیکھیے اب آپ کا وہ اسپیشل گیسٹ قیامت کا انتظار نہ کروا ڈالے۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے۔"

"اوکے ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میں معلوم کرتی ہوں اور میں بھی بس پہنچنے والی ہوں اوکے مسی یو۔" کہتے ہوئے انہوں نے سیل بند کر کے رکھ دیا۔

ذرا دیر بعد وہ دائم کا نمبر ملا رہی تھیں۔ نیٹ ورک بزی تھا شاید' انہوں نے سیل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

www.pkdigest.com

"ہائے ماما!" سویٹی ہمیشہ کی طرح تیار انہیں پہلے سے بھی زیادہ کیوٹ اور تازہ دم لگی تھی۔ ان کے اندرونی دروازہ کھولتے ہی وہ ان کے گلے لگ گئی۔

وہ اسے پیار کرتے اپنے ساتھ لگائے اندر چلی آئیں۔

"اف تھک گئی، مگر اپنی جان کو دیکھ کر ساری تھکن اتر گئی۔ کیسا دن گزرا؟" وہ جھک کر پیروں کو نازک سلور سینڈل سے آزاد کرواتے ہوئے بولیں۔

"بور۔ بلکہ بور ترین۔ ماما! میں نے سوچا ہے بلکہ فیصلہ کرلیا ہے کہ کل سے میں بھی آپ کے ساتھ ہی آپ کے آفس جایا کروں گی۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ جوتے اتار کر سیدھی ہو رہی تھیں۔ لمحہ بھر کو جھکی رہ گئیں۔

"یہ تو مجھے پتا چل گیا ہے تم کتنی بڑی ہو گئی ہو کہ اپنے سارے فیصلے خود کرنے لگی ہو۔ مجھے شامل کرنے کی بھی زحمت نہیں کرتیں مگر میری جان! ابھی کچھ دن مزے سے ریسٹ کرو پھر اس پر بات ہوگی۔ میں ذرا فریش ہو آؤں۔ تم کھانا لگواؤ۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

"ماما! کھانا لگ گیا ہے اور آپ کا وہ خاص مہمان ابھی نہیں آیا اس لیے میں تو اور صبر نہیں کرسکتی، شروع کرنے لگی ہوں۔" وہ ان کو دیکھتے ہی دور سے اعلان کرنے والے انداز میں بولی۔

"اگر میں صرف اتنا بتادوں کہ وہ خاص مہمان کون ہے تو شاید تم صبح تک کیا اس سے بھی آگے تک بغیر شور مچائے بڑے صبر و سکون سے بیٹھ سکتی ہو۔" وہ اس کے سامنے کرسی سنبھالتے ہوئے بیٹھ گئیں۔

رات کی مناسبت سے انہوں نے ڈارک میرون اور بلیک کمبینیشن کا لائٹ سا سوٹ پہنا تھا جس میں ان کی دودھیا رنگت اور بھی نمایاں ہو رہی تھی انہوں نے بڑی نزاکت سے پانی کا گھونٹ بھرا۔

"رئیلی! ایسا کون سا مہمان ہے؟ پھر تو آپ ضرور بتائیں۔" وہ مشتاق لہجے میں بولی۔

"جس کا سن کر ہی تم اتنی دور سے بے صبرے پن سے بھاگی آئی ہو۔" انہوں نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"کون؟ کس کے لیے؟" لائبہ کو قطعاً "یاد نہیں آیا۔

"سویٹی! بھول گئیں میں نے تم سے ایک اہم بات شیئر کی تھی کہ تمہارا بھائی بھی ہے۔ ٹوئن ہو تم دونوں۔ بھول گئیں۔" ان کے کہنے پر وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"رئیلی ماما! آپ نے بھائی کو بلایا ہے۔ واقعی!" وہ جوش سے تمتماتے چہرے کے ساتھ بولی۔

"ہاں بھئی، واقعی تمہارے بھائی کو بلایا ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"تو بھائی کو معلوم ہے۔ وہ مجھ سے، اپنی بہن سے ملنے آرہے ہیں۔"

"اوں ہاں!" وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

"تو پھر انہوں نے آنے میں دیر کیوں لگادی۔ مجھے تو سنتے ہی اف کتنی بے چینی ہونے لگی ہے۔ اف فون کریں نا انہیں۔" وہ بے چین سی کھڑی ہو گئی۔

"نام! بھائی کا نام کیا ہے؟ وہ دیکھنے میں کیسے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ یہاں کیوں نہیں رہتے؟ کیا Mysterious (پراسرار) لائف گزار رہے ہیں ہم۔" وہ اب ادھر سے ادھر چکرا رہی تھی۔ اسی وقت باہر بیرونی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

"لو، میرے خیال میں وہ آگیا تم یہیں رکو۔ میں خود اسے جا کر لے آتی ہوں۔ تم ابھی سامنے نہیں آنا۔ اوکے۔" وہ بھی پرجوش سی اٹھ کر باہر کی طرف بڑھیں۔ لائبہ مشتاق سی دو قدم ان کے پیچھے چل کر پھر سے پیچھے ہو گئی۔

"بھئی۔ آج میں نے تمہیں ادھر ایک خاص ہستی سے ملوانے کے لیے بلوایا ہے۔ ملو گے تو حیران بھی ہو گے اور۔ اور خوش بھی جس طرح کی بے چینی تمہیں یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ اپنی جڑواں بہن سے ملنے کے لیے سوچو ذرا، وہ کتنی بے چین ہوگی۔ آؤ، آجاؤ۔" وہ تیز تیز بولتے اسے ساتھ لیے چلی آرہی تھیں۔

دائم بھی بنا جھینپا سا کچھ ان کے عقب سے آگے ہوا تھا۔

لاؤنج میں جلتی قرمزی دودھیا لائٹوں اور فینسی فانوس کی چمکتی روشنیوں کے عین نیچے تھوڑی گھبرائی اور پرجوش سی لائبہ کو دیکھ کر دائم اپنی جگہ کسی پتھر کی طرح جامد ہو گیا۔

کچھ ایسا ہی حال لائبہ کا بھی تھا۔ وہ الجھن اور حیرت میں ماں سے سوال کرنا بھی بھول گئی۔

میڈم یاقوت نے ایک نظر دونوں کے ساکت چہروں پر ڈالی اور پھر دونوں کے بیچ آکر کھڑی ہو گئیں۔

"ارے دائم! آؤ نا بیٹا! میری جان! رک کیوں گئے۔ یہ لائبہ ہے میری بیٹی۔ تمہاری جڑواں بہن۔ آؤ۔" وہ کھنکھناتی آواز میں بڑے شوخ سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

اور لائبہ کو ایک زور کا چکر آیا۔ ادھر ادھر اس کے سہارے کے لیے دیکھا اور پھر لاچار سی ہو کر ڈولتے سر کو تھام کر گرتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

جہاز لینڈ کرنے سے لے کر ارائیول لاؤنج میں آنے تک ڈاکٹر رخشندہ کی انگلیاں دائم کا نمبر ملا ملا کر گھس گئیں۔ موبائل آن تھا مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

دوبارہ فون دوران انہوں نے گھر فون کیا تو ملازم یہی کہہ رہے تھے کہ وہ ابھی گھر نہیں آیا۔

آخری بار بات کرتے تو وہ چیخ پڑیں۔

"میں تم سب جھوٹے نمک حراموں کو گھر آکر دیکھ لوں گی۔ تم جو مذاق میرے ساتھ کر رہے ہو بتاؤ کدھر ہے دائم؟"

وہ اس طرح چیخیں کہ ارد گرد کھڑے لوگ کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ انہیں اپنی اس جذباتی حرکت پر شرمندگی سی ہوئی اور دائم سے ملنے والی خوشی پر شدید غصہ حاوی ہو گیا۔

اس کے بعد انہوں نے اس کو فون نہیں کیا۔

سامان ملتے ہی خود ہی ٹیکسی کر کے گھر کی طرف چل پڑیں۔

وہ وقتاً "فوقتاً" پاکستان آتی رہتی تھیں چار پانچ سالوں بعد۔ اس بار وہ چھ سال بعد آئی تھیں ارد گرد بہت کچھ تبدیل ہو چکا تھا مگر انہیں نوٹس کرنے کی فرصت نہیں تھی۔

رنج، غصہ، ناراضی سب مل کر ان کا دماغ ماؤف کر رہے تھے۔ گھر کے گیٹ کے آگے ٹیکسی رکوا کر انہوں نے ڈور بیل پر جو ہاتھ رکھا تو تین چار منٹ تک اٹھایا ہی نہیں مگر کوئی گیٹ کھولنے بھی نہیں آیا۔ وہ پریشان سی کھڑی رہ گئیں۔

باقی آئندہ شمارے میں

www.pkdigest.com

صبا نور

محبت سلامت رہے

کبھی کبھی مجھ پر عجب خود فراموشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ یونہی جب دل کبھی کار دنیا سے اکتا جاتا تو زیست کے تمام بکھیڑوں سے منہ چھپا کر بس چند لمحے اپنی ذات کو دان کر دینے کو ہمکتا ہے ناں' کبھی کبھی خود سے فرار پا کے اپنے ہی وجود کے نہاں خانوں میں منہ چھپا لینے کو من کرتا ہے۔ اور ایسا تب ہوتا ہے جب آپ کا اپنا آپ' آپ ہی سے بغاوت پر اتر آئے مجھے بھی طویل طویل لمحوں کے لیے منظر سے ہٹ جانا بھاتا ہے۔ بلا کی تھکن جو روم روم میں اتر گئی ہے۔ رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ اب کبھی کبھی یہ تھکن نڈھال کر جاتی تو وہ تمام حوالے جو زندہ رہنے پر آمادہ رکھتے' میرے اردگرد رقصاں ہو جاتے۔ میرے اندر کو روشن تر کر جاتے۔ میں نئے سرے سے جی اٹھتی۔ کبھی کبھی ایسا خود بخود ہوتا اور کبھی کوئی معمولی سی بات محرک بن جاتی۔ جیسے اب میں نے جانے کس چیز کی تلاش میں الماری میں سر گھسیڑا تھا۔ اور ہاتھ لگ گئی پرانی سرخ رنگ کی ڈائری۔ اور مجھے اس کے ورق الٹنے سے کون روک سکتا تھا۔ پھر چہار سو ننھے ننھے دیے ٹمٹمانے لگے۔ روشنی ہی روشنی بکھر گئی۔ وہی خود فراموشی سی عود کر آئی جو مجھ سے میرا آپ چرا لیا کرتی تھی۔

اظہر کہتے ہیں میں کامل عورت ہوں۔ چھوٹے سے کام میں بھی گھنٹوں برباد کیا کرتی ہوں۔ میں نے ان سے کبھی اختلاف ہی نہ کیا۔ ہم اپنے لیے بہت سے دروازے از خود بھی تو بند کر لیا کرتے ہیں۔ آئے دن اظہر کی "اچھل کود" کی میں اب عادی ہو گئی ہوں (اب بھی نہ ہوتی؟) میں نے فتح کو کبھی ٹارگٹ نہ بنایا' سو میدان ہمیشہ انہی کے ہاتھ رہا۔ اور مجھے تو بلا مقابلہ ہار بھی منظور تھی۔ مگر جب اپنا آپ ہمکتا تو دامن بچانا اتنا سہل بھی نہ رہتا۔ زندگی نے مانو مجھے نچوڑ ڈالا ہے۔ مگر حیات کے ٹھہراؤ کو بے کل کرنے کی میں قائل نہیں۔ مزے کی بات یہ کہ ٹھہراؤ میری فطرت کا خاصا کبھی نہ رہا تھا۔

میں یکے بعد دیگرے ڈائری کے کئی ورق الٹتی چلی گئی۔ اور کئی لمحات زندہ ہو کر میرے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ اک مانوس سی خوشبو میرے اطراف میں چکرانے لگی۔ پھر وہی روشنی ہی روشنی۔

"امت الحبیب!" میرے لبوں کی بے آواز جنبش میں محبت کا گہرا رچاؤ تھا۔ بے ساختہ میری انگلیاں جلی حروف میں درج اس نام پر سرسرانے لگیں' خوشبو دوچند ہو گئی۔ ننھے ننھے دیے ٹمٹمانے لگے۔ میرے اندر اجالا سا بکھرنے لگا۔ آگے چل کر محبت سے بھرے اپنائیت کا احساس دیتے چھوٹے چھوٹے میسجز درج تھے۔ جیسے ایک بار اس نے لکھا۔

Our Silence Dosn't mean
Weforget You Our dispearence dosn't
mean We dont care about You Our
distence dosn't mean We are far

www.pkdigest.com

because You are always in my heart.

میرے دل میں جیسے کسی نے خنجر اتارا تھا۔ اس کی محبت اتنی ہی زور آور تھی جو مجھے اب بھی یقین بخشتی میں بے ساختہ ورق الٹ گئی۔ جہاں اک اور میسج جگمگا رہا تھا۔

Messages are not for Timepass
they silently say that Iam thinking
of You rihgt now and also making
You to think of me for a moment

جانے کن لمحوں میں یہ اس نے لکھا تھا مگر اسے کون بتاتا' وہ میری زیست میں کن کن حوالوں سے زندہ ہے۔ ربط یوں ٹوٹا کہ ـــــ مجھے کار دنیا نے الجھایا اور اس کی دامن گیر مصلحتیں رہیں۔ چپکے چپکے یاد کے کتنے ہی در وا ہو گئے۔

وہ اپنے جذبوں میں یونہی شدت پسند تھی۔ ہماری دوستی' بے ریا شفاف مگر کتابوں میں بسی خوشبو کی مانند عرصہ سے ان چھوئی۔

ان دنوں میری زندگی کا محور و مرکز بس اس کی شدتیں۔ بھلا کسے برا لگتا ہے شدت سے چاہے جانا۔ سراہے جانا' محبتوں سے منہ موڑنا ممکن ہی نہیں ہے۔ خواہ ہم کتنے ہی سیر ہوں۔ سو وہ بھی پل پل میرے ساتھ رہتی۔ صبح سے لے کر شام تک ہزار ہا ایس ایم ایس۔ لیٹ آور زمیں آن گنت باتیں۔ اک دوسرے کی فکر اک دوسرے کا خیال یہی ہماری دوستی کا چلن تھا جو خوب نبھایا بھی گیا۔ بس اک رانگ نمبر تھا جو درست جگہ پر جا کر لگ گیا۔ پھر سب کچھ خود بخود ہوتا چلا گیا۔

وہ میرے لیے کل بنتی چلی گئی جب کوئی جز ہمارے لیے کل سمجھا جاتا ہے تو سب کچھ ثانوی رہ جاتا ہے۔ ہم دونوں میں کوئی بھی تو قدر مشترک نہ تھی۔

مختلف مزاج، مختلف مشاغل، مختلف طرز زندگی، عمروں کا تفاوت۔ وہ گھریلو ذمہ داریوں میں گھری ہاؤس وائف۔ میں زندگی کی گاڑی کا ایندھن بنی اک نوعمر لڑکی۔ جانے کیسے ہم دونوں اک دوسرے کی عادی بنتی چلی گئیں۔ یہ ربط اس حد تک بڑھا کہ اس کی شیلف میری پسندیدہ کتابوں سے بھر گئی اور میری الماری اس کے پسندیدہ ترین شیڈز سے بھر گئی۔

شاید محبت اسی ربط کے ساتھ محوِ سفر رہتی ہے۔ اسی ربط نے فاصلے سمیٹے تھے۔ میرا موبائل میرا اٹوٹ انگ بن گیا۔ آفس تک کا رستہ بھی مجھے کھلتا اگر درمیان میں یہ میسجز کا سلسلہ نہ ہوتا۔ میں بس کی سیٹ پر سنبھلتے ہی رستوں کی طوالت کا خوف کھو دیتی اس کے بے شمار میسجز IN Box بھر جاتا۔ میں بار بار ہر میسج سے لذت کشید کرتی۔ جواب کے لیے لفظوں کی انتہا تک ہی پہنچ کے دم لیتی۔ سیری ہی نہ ہو پاتی۔ بس اس کے نام پر آکر بٹن پش کرنے کی پوریں عادی ہو چکی تھیں۔ بھولے بھٹکے کہیں اور میسج کرنا پڑ جاتا تب بھی اس کے نام پر آکر میری انگلیاں خود بخود بہک جاتیں۔ نتیجتاً" بھانت بھانت کے میسج اس کے کھاتے میں جا پڑتے، وہ جواباً" ہنسی اڑاتی تو میں بھی اسے چڑاتی۔

"شکر کرو میرا کوئی چکر وکر نہیں چل رہا ورنہ رومینٹک میسج وصول کرتیں تم؟"

"بھلا کوئی مجھ سے بڑھ کے تمہیں چاہ سکتا ہے؟" وہ تڑپ اٹھتی۔

اور مجھے اعتراف میں کب عار تھا۔ خانۂ دل میں بڑا مخصوص گوشہ سنبھال لیا تھا اس کی چاہت نے۔ یہ دل کو برماتے جملے بھی چاہتا بار بار سنوں۔ میری آدھی تنخواہ موبائل کے اخراجات نگل لیا کرتے۔ اگر آئے روز ایس ایم ایس پر پیکج نہ لیتی۔ مگر وہ میری ضرورت بنتی جا رہی تھی۔ معمولات متاثر ہونے لگے۔ رات گئے میسج بیپ گنگناتی۔ میں الرٹ ہو جاتی۔ لیٹ آورز میں پلکیں بوجھل ہونے لگتیں۔ گفتگو شبطان کی آنت بن جاتی۔ تھکن سے چور وجود آرام مانگنے لگتا تو مجھے کہنا پڑتا۔

"امتل! بس کرو اب جاؤ سو جاؤ۔"

"تمہیں نہ دیکھوں تو کیسے سوؤں؟" اس کے لہجے میں نروٹھا پن در آتا۔ "جاؤ تم سو جاؤ۔" اس روز مجھے نیند تو آگئی مگر قرار اجڑ گیا۔ وہ خفا ہوتی تو میری جان پر بن آتی۔ اور میں اداس ہوتی تو اس کی نیند اڑ جاتی۔ ضدی، الہڑ، معصوم بچکانہ سی محبت۔

پھر یوں ہوا کہ مجھے اپنا اتنی جلدی سونا کھلنے لگا۔ میں اپنی ہی نیند کی دشمن بن گئی او ہزار ہا لولے لنگڑے جواز بھی گھڑ لیے۔

"اگلا گھر جانے کیسا ہو؟ کیا ماحول ملے؟ اتنی جلدی سونا بھی اچھی عادت نہیں۔"

"ادھر سونے بھی کون دے گا؟" اس نے بات مذاق میں اڑائی۔

مگر اس کے بنا گزرے چند لمحات بھی ناقابلِ تلافی تھے۔ حیات، جو کسی نرم چھاؤں میں سستانے کی متقاضی تھی، اب ٹھہراؤ پانے لگی۔ تھکن جو روم روم میں اتری جاتی، اس کے دیے حوصلے پا کر ٹوٹنے لگتی۔ یہ زیادہ پرانی بات نہ تھی۔ میرے سر سے سایہ تو کیا آکاش ہی اٹھ گیا تھا ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ زمانے کی گرم دھوپ میں جھلسنے نکل کھڑی ہوتی۔ جب کبھی اک یاد پکارتی میں آٹھ آٹھ آنسو روتی۔

"جب مشکل پڑے تو اللہ سے صبر مانگا کرو قانتہ! جب ہم اس سے صبر مانگتے ہیں تو وہ ہمیں صبر عطا کرتا ہے ورنہ اس سے بھی بڑی آفت میں مبتلا کر سکتا ہے۔"

میں دہل جاتی مگر اس کا ٹھنڈا ٹھار لہجہ میرے اندر طمانیت سی اتار دیا کرتا۔ میرے اندر کی بے سکونی پر ٹھہراؤ غالب آنے لگا۔

وہی دن تھے جب میں نے دن رات اللہ سے صبر مانگا تھا ورنہ اب تک تو بس شکوے ہی کیے تھے۔ (معاذ اللہ) ایسے ہی وقتوں میں وہ مجھے خود سے کئی

گنا بلند ہزار درجہ معتبر لگا کرتی۔ یونہی تو دکھ کا ساتھی، ساتھ بیٹھ کے آنسو بہانے والا فراموش نہیں کیا جاتا۔ سو وہ اب تک یاد کے نہاں خانوں میں آباد ہے۔ جس کی محبت مجھے تب سمیٹ کر یکجا کرتی جب میں بکھرنے لگی۔

میرے لیے رابطے اب حالات سے مشروط ہیں مگر وہ تمام حوالے تو زندہ ہیں جو اکثر خود بخود مجھے زندگی کی نوید دیتے ہیں۔ سو یہ رابطہ نہیں ٹوٹتا۔ ٹوٹ ہی نہیں سکتا۔ اس کی آواز کے سائے میرے تعاقب میں رہتے ہیں، میں مڑ کے دیکھے بغیر ہی پتھر کی ہو جاتی ہوں۔ شاید آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں پتھر ہو گئی تھی۔ مجھ پر یہ خود فراموشی کئی حوالوں سے طاری ہوتی جب کبھی اپنے اردگرد بکھرے آزار میں سے کوئی ایک آدھ ہمکنے لگتا۔ جب اندر پلتے پنپتے چھالوں میں سے کوئی ایک آدھ پھوٹ بہتا۔ میں اس کا شانہ تلاشتی جو سمیٹ لینے کا ہنر رکھتی تھی۔ وہ ٹوٹ کر محبت کرنے والوں میں سے تھی۔

مگر اپنا ہر آزار مقفل رکھتی۔ اس کی زندگی کے آزار مجھ پر بہت بعد میں جا کر کھلے۔ جنہیں سمیٹنے کی دسترس رکھتے ہوئے بھی میں نہ سمیٹ پائی کہ میرا تو سارا ہی وجود مقفل تھا۔ میں اگر اسے سمیٹنے بیٹھ بھی جاتی تو کہاں تک سمیٹتی؟ وہ تو بہت دور تک بکھری ہوئی تھی۔ یہ اور بات کہ کبھی کسی کو اپنے اندر کی جھلک بھی نہ دکھاتی۔ بس ڈھے جاتی تو اس کالی پلی دغا دے جاتا۔ کبھی آپ بھی ڈاؤن۔ زندگی کے نشیب و فراز کی طرح بس جب تک بے خبر تھی، جی بھر کے مذاق اڑاتی۔

"آپریشن کلپارہ بلندی پر سفر کر رہا ہے کہ پستی پر؟"

"اڑا لو مذاق۔ تمہیں اللہ نے موقع دیا ہے۔" وہ کبھی کبھی برا مان کے روٹھ جاتی۔ اور میں جلے پیر کی بلی کی مانند ادھر ادھر چکراتی پھرتی تا آنکہ اسے منا لیتی۔

"میں تم سے خفا ہو تو سکتی ہوں، خفا رہ نہیں سکتی۔" وہ جب مان جاتی تو کہتی۔ آج ان لمحات سے کئی موسم دور کھڑی ہوں تب بھی ان کی لذت محسوس کر سکتی ہوں، وہ لمحات جنہوں نے من و تو کا فرق مٹا ڈالا تھا۔ معصوم مگر بے ضرر سی محبت کے یہ ننھے ننھے دیے جو میرے اندر کو روشن رکھتے تھے۔ رکھتے ہیں مگر وہ قربتیں وہ رابطوں کا تسلسل اب خواب ہوا۔ جب زندگی جدوجہد کی چکی میں پس رہی تھی مگر ربط قائم تھے۔ اب تو فرصتوں کے سامنے بھی شرمسار نظر آتے ہیں۔ زندگی نہ تب آسان تھی نہ اب ہے مگر میں نے زندگی کے ہر آزار کو گھول کر پی جانے کا ہنر اسی سے سیکھا تھا جو رفتہ رفتہ میرے اندر اترتی تھی اور اب بھی جانے کتنے روپ دھار کر میرے اندر بستی تھی۔ مگر اس کی اپنی ہتھیلیوں میں بھی چھید تھے۔ جن سے میں کسی ناقبول ہونے والی دعا کی صورت چھن گئی۔

شاید تسلسل کبھی نہ ٹوٹتا اگر کچھ مصلحتیں تعلقات کے مابین نہ آن کھڑی ہوتیں۔ بس یونہی اک روز وہ نسوے بہانے بیٹھ گئی۔

"ارے۔" میں حیران ہی تو رہ گئی "یہ کیا بچپنا ہے؟"

"تم سے دور جانا بہت کٹھن ہے قانتہ!"

"میں بھلا کہاں جا رہی ہوں؟" مجھے غصہ آگیا۔

"کبھی نہ کبھی تو جانا ہو گا ناں!" وہ اڑی رہی۔

"ہاں۔" میرے اندر کوئی تمسخر سے ہنسا۔ "اتنا ہی آسان ہوتا تو سو بار سدھار چکی ہوتی۔" میں اکتانے لگی۔ بلاوجہ بے وقت کی راگنی۔ جیسے میری زیست کا یہ آزار اس سے چھپا ہو۔ اسی کی راتوں کی نیندیں اڑی رہتیں۔ بس نہ چلتا گھڑی کی چوتھائی میں میرے ہاتھ پیلے کر کے نکال باہر کریں۔ ادھر امتل اگر سنتی کہ کوئی امید بندھی ہے تو بے چین ہو اٹھتی۔ "کون ہے؟ کیسا ہے؟ کیا کرتا ہے؟" جو کچی پکی تفصیل مجھے معلوم ہوتی، سادگی سے بتا دیتی۔

پھر بعد میں بھی اس کا بار بار پوچھنا "کیا ہوا؟ کیا رہا؟"

"لڑکے کی عمر مناسب نہیں تھی۔ تعلیم کم ہے۔ قومیت میل نہیں کھاتی۔"

www.pkdigest.com

یہ وہ امور تھے جو شادی کی راہ میں روڑے اٹکاتے۔ ہزار جھمیلے تھے۔ قومیت' ذات' مسلک سب ہی کچھ برابری کی سطح پر درکار ہوتا۔ میں ان لمحات سے ڈرتی جب جو ہے اور جیسا ہے کے تحت سمجھوتے کی بنیاد رکھنی پڑے۔ زندگی عجب چک پھیریوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ مانو گھن چکر ہی بن کر رہ گئی۔ اور امتل کے غم غلط ہو کے نہ دیتے۔

"تم بن جینا دشوار ہے۔ سوچتی ہوں تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنا لوں۔"

میں لفظوں کی نیت' لہجے کی التجا پر دسترس ہی نہ رکھ پائی۔ بات اڑا دی۔ اس نے پھر کہا۔

"میں چاہتی ہوں تم سدا میرے ساتھ رہو۔"

اب میں چونکی۔ جانتی تھی کہ سسرال بھر کی ذمہ داریوں میں اس کے ذمہ دیور نندوں کے رشتے ڈھونڈنا بھی تو ہیں۔ میں طرح دے گئی مگر پھر وہ کھل گئی۔ سارنگ اس کا نو عمر دیور۔ وہ میرے حصول کے لیے امی کے سامنے دامن پھیلانے پر آمادہ تھی۔ مجھ پر اس کے جذبوں کی تمام تر شدتیں واضح تھیں جو راست سہی مگر میری اپنی مجبوریاں تھیں۔ جو ان شدتوں کا بوجھ سہار جاتیں تو بخت جگمگا اٹھتے۔ مگر زمین و آسمان کا فاصلہ تھا۔

اول اول میں نے بڑی تاویلیں گھڑیں۔

"میں تو بہت عام سی لڑکی ہوں۔ اتنی عام کہ اگر ایک ڈھونڈنے نکلوگی تو ہزار ملیں گی۔"

مگر وہ مجھ سے بڑھ کے میری قدر دان تھی۔ "ہاں مگر ان میں قانتہ سلیمان تو بس ایک ہی ہوگی۔"

میں نے سوچا بات آئی گئی ہوگئی۔ مگر اس کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ دامن بچانا دشوار ہوگیا۔ دامن بچانا اتنا آسان بھی کب ہوتا ہے جب مقابل عزیز تر ہستی ہو۔ میں اسے آگے بڑھنے سے قبل روک دینا چاہتی تھی۔ وہ میرے گریز کے عقب میں چھپے اسرار جاننے پر تل گئی۔ بدگمانی کا شکار ہونے لگی۔ مجھے اس کو یقین دلانا دشوار ہوگیا کہ محبت کے جذبے نے مجھے کبھی چھوا تک نہیں۔ میں پریکٹیکل لائف گزار رہی تھی۔ خواب دیکھتی ضرور تھی۔ مگر خوابوں کے پیچھے دوڑتی نہ تھی۔ اسے کیونکر بتاتی کہ میں بے سائبانی کی کڑی دھوپ تلے جھلس رہی ہوں۔ امی بھلا اتنی زور آور کہاں کہ خاندان بھر سے لڑ سکیں۔ خاندان سے ہٹ کے شادیوں کا خیال عبث تھا۔ اور غیر قوم میں رشتہ؟ الامان... توبہ کا مقام تھا۔ وگرنہ خود میرے لیے کیا کم ہوتا زندگی اس کے وجود کی چھاؤں میں بسر کرنا جو حاصل زیست محسوس ہوتی۔ بمشکل اسے سمجھاپاتی۔ وہ تب بھی روٹھ گئی۔ اور مجھے اس کے گھر جانا پڑا۔ پہلی بار ہی میں' میں اس کے ہر آزار کی جھلک پاگئی۔ جن کی اس نے کبھی ہوا تک نہ لگنے دی تھی۔ لمبی چوڑی سسرال۔ ذمہ داریوں کی طویل فہرست پھر ہزار کڑے رویے۔ کوئی ایک آزار تھا؟ میں شرمندگی سے زمین گز گز گئی۔

اتنے جھمیلوں میں الجھی لڑکی میرے لیے اتنا وقت نکال لیتی ہے؟ بڑی بات تھی۔

یہ بات میں کہے بنا بھی نہ رہ سکی اور وہ بات اڑا گئی۔

"پلیز مجھے لڑکی تو نہ کہو۔"

"تم ڈیزرو کرتی ہو۔" میری نظروں میں ستائش لہر آئی۔ وہ سچ مچ ڈیزرو کرتی تھی۔ بڑی بڑی مسحور کردینے والی آنکھیں' دمکتی گندمی رنگت' گچھوں سے گھنگھریالے بال' بلا کی دراز قامت اس پر اسمارٹ نیس' اس جیسی لڑکی عام حالات میں میرے قریب سے گزر جاتی تو مجھے یہ گمان چھو کر بھی نہ گزرتا کہ وہ ایک سولہ سالہ بیٹے کی ماں ہے۔ میرے لاکھ نہ نہ کرنے پر بھی اس نے ڈائننگ ٹیبل میری من پسند اشیاء کے علاوہ اپنی روایتی ڈشز سے بھر دی۔ میں مقدور بھر اس کا ہاتھ بٹاتی رہی تھی اور مانو اس کی سسرال بھر میں میری دھوم مچ گئی۔

بعد میں وہ اکثر مجھ سے کہتی "سب مجھ سے پوچھتے ہیں تمہاری وہ من موہنی کامنی سی دوست اب کب آئے گی؟"

اس کے لہجے میں میرے لیے تفاخر ہوتا اور میں جانتی تھی اس نے میری ساری تعریفیں تمغوں کی طرح وصولی ہوں گی۔ اسی روز میں نے سارنگ کو دیکھا۔ اتنا من موہنا کہ دل کھنچنے لگا پھر بقول امتل کے "ہیرا صفت" وہ ہمیشہ ہی اس کا ذکر بڑی محبت سے کیا کرتی تھی۔ میں نے اپنی عینک اتار کر پرس میں رکھ لی (فرار) اک کانٹا ساحل میں چبھ کر رہ گیا۔ بلاشبہ سوائے چند ایک کے اس رشتے میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو امی کو درکار تھیں یا جو نادر و نایاب کہلاتی ہیں۔ مگر ہک ہاہ... یہیں آکر نام نہاد انسانیت کے کھوکھلے بھرم کھلتے ہیں۔ مساوات کے درس منہ چڑاتے ہیں۔ انسان کا مصلحتوں کی زنجیر میں جکڑا وجود۔ ہم نے بمشکل فرصت کے چند لمحات چرا کر امتل کے کمرے میں پناہ لی تھی۔ اور میں نے اس کی ڈائننگ ٹیبل سے اس کی ڈائری اٹھا کر اپنی رائٹنگ میں یہ نظم تحریر کی تھی۔

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب منا جاتیں
مگر اک ان کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
عجب اک سرخوشی سی ہے
یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے منظر
یا ہلکے سکھ کی برساتیں
کبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی

میرے لفظوں میں جانے کتنے درد کوکے تھے۔ اور اس نے بھی تو اپنی آزار سے پر زندگی سے پردہ اٹھایا تھا۔ ان کڑے رویوں کے اسرار کھول کر رکھ

ماہنامہ کرن

ستمبر 2008 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ مشہور شخصیات سے شاہین رشید کی ملاقات،
☆ ایف ایم کے ہر دل عزیز "فیصل علی خان" "دو کے پہاڑے" کے ساتھ،
☆ "پیا کا گھر پیارا لگے" میں "شب آغا شیراز" سے گھر کی باتیں،
☆ "ماں جی" لبنیٰ رانا کے قلم سے،
☆ "رستے میں برسات ملی" ساون کے موقع پر قارئین سے خصوصی سروے کا آخری حصہ،
☆ "بساط دل" آمنہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
☆ "خواب، خواہش اور زندگی" راجہ رزاق کا سلسلے وار ناول،
☆ نبیلہ عزیز اور نجیبہ ناز کے مکمل ناول،
☆ "اترا ہے وہ ساحل پر" لبنیٰ جبران کا دلچسپ مکمل ناول،
☆ "دھند کے پار" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
☆ "کیسی لاگی یاری" سائرہ عارف کا ناولٹ دلچسپ موڑ پر،
☆ "میری یاد شاخ گلاب" مدیحہ تبسم کا خوبصورت ناولٹ،
☆ لبنیٰ طاہر، رابعہ افتخار، نزہت جبیں ضیاء اور غزالہ عزیز کے افسانے اور مستقل دلچسپ سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

"رمضان المبارک کیسے گزاریں"

کرن کے ہر شمارے کے ساتھ ملیے، سے پیش خدمت ہے، استفادہ کیجیے۔

دیے پھر کہا۔

"میں نے کبھی فتح کو اپنا ٹارگٹ نہیں بنایا۔ رشتہ کوئی بھی ہو جب سنگ رہنا ٹھہرا تو اختلاف بے معنی ہے۔ سچ قانتہ! زندگی بڑی سہل ہو جاتی ہے اگر زندگی کو زندگی ہی کی شرائط پر جھیل لیا جائے۔"

دھیما مدھم مگر تھکا ہوا لہجہ۔ اور یہ تھکن کیوں نہ در آتی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے روٹیوں کا ڈھیر پکا کر پھر اک اک کو کھلانے کا اصرار کرتے پایا تھا۔ جیون ساتھی کو دیکھا تو ایک بوجھ سا دل پہ آپڑا۔ کبھی کبھی ہمیں وہ مل جاتا ہے جو ہمارا ہوتا ہے مگر ہمارے لیے نہیں ہوتا۔" اس کے لہجے میں ایک اور درد ابھرا تھا۔ میں اس سے اختلاف نہ کر سکی۔ کر ہی نہ سکتی تھی کیسے کہہ جاتی کہ زندگی واقعی سہل ہو جاتی ہے اگر زندگی کو زندگی کی شرائط پر جھیل لیا جائے۔ مگر اس عمل میں وجود فنا ہو جاتا ہے۔ اپنا آپ مٹ جاتا ہے سو میں بھی رفتہ رفتہ مٹ رہی ہوں ورنہ اتنی توکل کرنے والی کب تھی۔ اس نے اپنے موبائل میں میری کئی تصویریں مقید کی تھیں۔ جو بعد ازاں اس کی الماری کے اندرونی خانوں میں جابجا چپکی نظر آئیں۔ اور بقول دیگرے صبح و شام بلاناغہ جن کی آرتی اتاری جاتی۔ میرے ہاتھ کی پشت پر اب بھی اس کا لمس دھڑکتا ہے۔ وہ سارنگ کے ساتھ مجھے مطلوبہ روٹ کی بس میں بٹھانے آئی تھی اور گرمجوشی سے تادیر میرا ہاتھ دبوچے رکھا۔ وہ لمس کیا کہہ رہا تھا میں جانتی تھی۔ مانو اس کا دل کشکول بن گیا تھا اور میری جیب میں مصلحتوں کے سکے کھنکتے رہے تھے۔ یہیں آکر میں اس سے کم تر پڑ گئی۔ ہیرے تو بس جوہری کا ہی نصیب ہوتے ہیں۔ حالات کی کسمپرسی کم نہیں ہوتی مجھے بارہا یہ کسمپرسی کھلی۔

امتل نے پہلی بار مجھ سے کچھ طلب کیا تھا۔ مگر میری زندگی میری اپنی نہ تھی جانے ایسی کتنی خواہشات کو اپنے ہاتھوں تھپک تھپک کر سلایا تھا۔ سو یہ ایک خسارہ اور سہی۔

اکثر اوقات وہ آزردہ ہو جاتی "کوئی تو میرا اپنا ہو۔" میں بمشکل اسے سمجھا پائی کہ جانتی تھی امتل جیسی کمپرومائزنگ عورتوں کو دل مارتے رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ میری مجبوریوں کے گوشوارے اس کے سامنے کھلے تو اس نے چپ سادھ لی۔ سمجھی نہ سمجھی مگر دل کو مار لیا۔ بڑا عرصہ ٹھنڈی سانسیں بھریں۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر شکوے سمو کر مجھے دیکھا مگر میری مجبوریاں راست تھیں۔ اس معاملے پر دھول ڈال دی۔ وہ زندگی کو زندگی کی شرائط پر ہی جھیل جانے کی عادی تھی۔ جھیل جانے کا مطلب مجھ سے بڑھ کر کسی پر کیا آشکار ہو گا گویا اپنے آپ پر خود پاؤں رکھ کر کھڑے رہنا۔ میرا اپنا آپ بھی گویا میرے ہی قدموں تلے کچلا گیا تھا۔ میں شرمساری کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گری تھی۔ اپنا آپ خود اپنی ہی نظروں میں کتنا ارزاں ہو جاتا ہے نا' جب ہم مقابل کو نوازنے کی دسترس رکھتے ہوئے بھی تہی داماں رکھیں۔ مقابل بھی کون؟ وہ جو رگ جاں سے بھی نزدیک تر محسوس ہوتی۔ جو دستک دیتی تو دل کہتا کہ سب دروازے کھول دوں۔ دیدہ و دل فرش راہ کر دوں مگر جیتے اس کی ہتھیلیوں میں چھید تھے۔ میرے پاؤں میں اتنی ہی بیڑیاں تھیں۔ میں اتنی بخت آور کہاں تھی؟

یہ ربط جانے کتنا سفر مزید طے کرتا۔ شاید سدا قائم رہتا۔ مگر امت الحبیب کے شوہر نے اپنا سارا بزنس وائنڈ اپ کر کے دوبئی منتقل کر لیا۔ اور یہ کوئی ایسا نازک یا کچا ربط نہ تھا جو فاصلے نہ سمیٹ سکتا۔ مگر میری اپنی زندگی کا دھارا پلٹ کر رہ گیا۔

کبھی کبھی ایک جذبہ کل بن جاتا ہے تو سب کچھ ثانوی رہ جاتا ہے۔ میرے لیے خود میرا وجود ہی دوسرے درجے پر آکر ٹھہر گیا ہے۔ آس پاس جو کچھ بھی ہے فقط زندگی کے تقاضے۔ زندگی کو زندگی ہی کی شرائط پر جھیل جانے کا کڑا سفر جو میں نے اس کے طفیل سیکھا جو اک جز تھی مگر کل نہ بن پائی مگر اب بھی

میرے اندر سانس لیتی ہے۔

پھوپھی نے امی کے سامنے ان دقتوں میں دامن پھیلایا تھا جب میری شادی اک کڑا مسئلہ بنی امی کے سامنے تھی۔ گو کہ انہیں پھوپھو سے بڑی شکایتیں تھیں۔ پھوپھو نے اس سے امی سے منہ موڑا تھا جب سر سے سایہ اٹھنے کے بعد زندگی کڑی دھوپ تلے سرک رہی تھی۔ پہلی بار اظہر کا گھر بسانے کی سوجھی تو چاند کا ٹکڑا بڑے گھر کی بہو لانے کا ارمان بھائی کے گھر سے رخ موڑنے کا سبب بن گیا۔ ٹھوکر کھائی تو نزدیک کی بصارت ٹھیک ہو گئی۔ مگر انتقام لینا ضروری تو نہیں ہوتا نا! امی انتقام کی ٹھان لیتیں تو میرا بوجھ کیسے سرکتا۔ برابری کی سطح پر رشتہ ڈھونڈنے میں دانتوں تلے پسینہ تو آ ہی چکا تھا۔ پھر کیوں نہ اپنے کو اپنا سمجھ کے ڈھانپ لیا جائے۔ مانا کہ پھوپھو کے زیر نظر اب بھی کچھ مجبوریاں تھیں۔ زندگی کی گاڑی کو کھینچنے کے لیے کماؤ بہو ان کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی تھی۔ مگر میرے حوصلے' میرا صبر و تشکر ہمیشہ ان کو ان کے صاحب زادے سمیت سنگ تھماتا رہا تھا۔ مگر میں نے زندگی کو زندگی کی کڑی شرائط سمیت جھیل جانے کی ٹھان رکھی ہے۔ پھوپھو بسوؤں کے لیے ترک دنیا کی قائل ہیں اور ان کا ولی عہد! الامان۔ اظہر کے نزدیک میری دنیا اس سے شروع ہو کر اس پر ختم ہو جانی لازم ہے۔ سو دھیرے دھیرے سب کچھ ختم ہوتا چلا گیا۔

امتل کہتی تھی "وقت ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ یہی وقت کا کمال ہے۔" مجھے بھی وقت کے بدلنے کا انتظار ہے۔ اظہر کی میری زندگی میں شمولیت اتنی سہل نہ تھی۔ دور دور تک کشیدگی کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ہزار خاندانی جھگڑے تھے۔ جھمیلے' بکھیڑے تھے۔ مگر سب کچھ سہل ہوتا چلا گیا۔ امتل کہتی تھی اور سچ کہتی تھی کہ جب سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہی مشیت ایزدی ہے۔ وہ اپنے لکھے کو آسان بنانا چاہتا ہے۔

جانے کتنے دن گزرے ہیں۔ شاید بے شمار۔ مگر ان تمام دنوں کی گنتی میں رفتہ رفتہ خود کو گم کر بیٹھی ہوں۔ حتیٰ کہ اب خود کو بھی دستیاب نہ ہو پاتی۔ اب یاد کے ان ٹمٹماتے دیوں کو گننے کے لیے فرصت مشروط ہے جو نایاب ہے۔ بجز اس خود فراموشی کے۔ مگر یہی خود فراموشی جب کبھی ان گنت دریچے چپکے چپکے کھول جاتی ہے تو میرے آس پاس یہی مخصوص خوشبو بکھر اٹھتی ہے۔ امت الحبیب اور میں!

ہم دونوں ہی نے اپنے ربط کو رشتوں کے خول میں مقید کیا نہ محبت کو بندھن سے الجھایا۔ اس نارسائی پر نہ اسے قلق رہا نہ میں نے آزار بنایا۔ ربط قائم نہیں رہا مگر وہ میرے اندر سانس لیتی ہے۔ میری زندگی میں شامل ہے۔ جس کے سبب میں نے زندگی کی کٹھنائیوں کو جھیل جانا سیکھا ہے۔ کڑے رویوں کا زہر پی کر بھی زندہ ہوں۔

کبھی کبھی ان لمحات کی یاد پکارتی ہے جو زندگی کا حاصل تھے۔ خوشگواریت کا اک باب تھے۔ تو میرے اندر کوئی لبیک کہتا جاگ پڑتا ہے۔

وہ جو میرے لیے گل ہے میں اس سے غافل نہیں۔ اس کا حوالہ میرے اندر کو روشن رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کی محبت مجھے زندہ رکھتی ہے۔ جس کی چھوٹی چھوٹی سی باتیں اب زندگی کو سہل تر رکھنے کا موجب و محرک ہیں۔

اک شفاف محبت۔۔۔ جو ربط کی محتاج نہیں ازل سے تا ابد قائم رہنے والی محبت! جس نے مجھے سکھایا کہ زندگی کو ہم اپنی مرضی و منشا کے تحت بسر نہیں کر سکتے۔ زندگی کو زندگی ہی کی شرائط پر جھیلنا پڑتا ہے۔

www.ukdigest.com

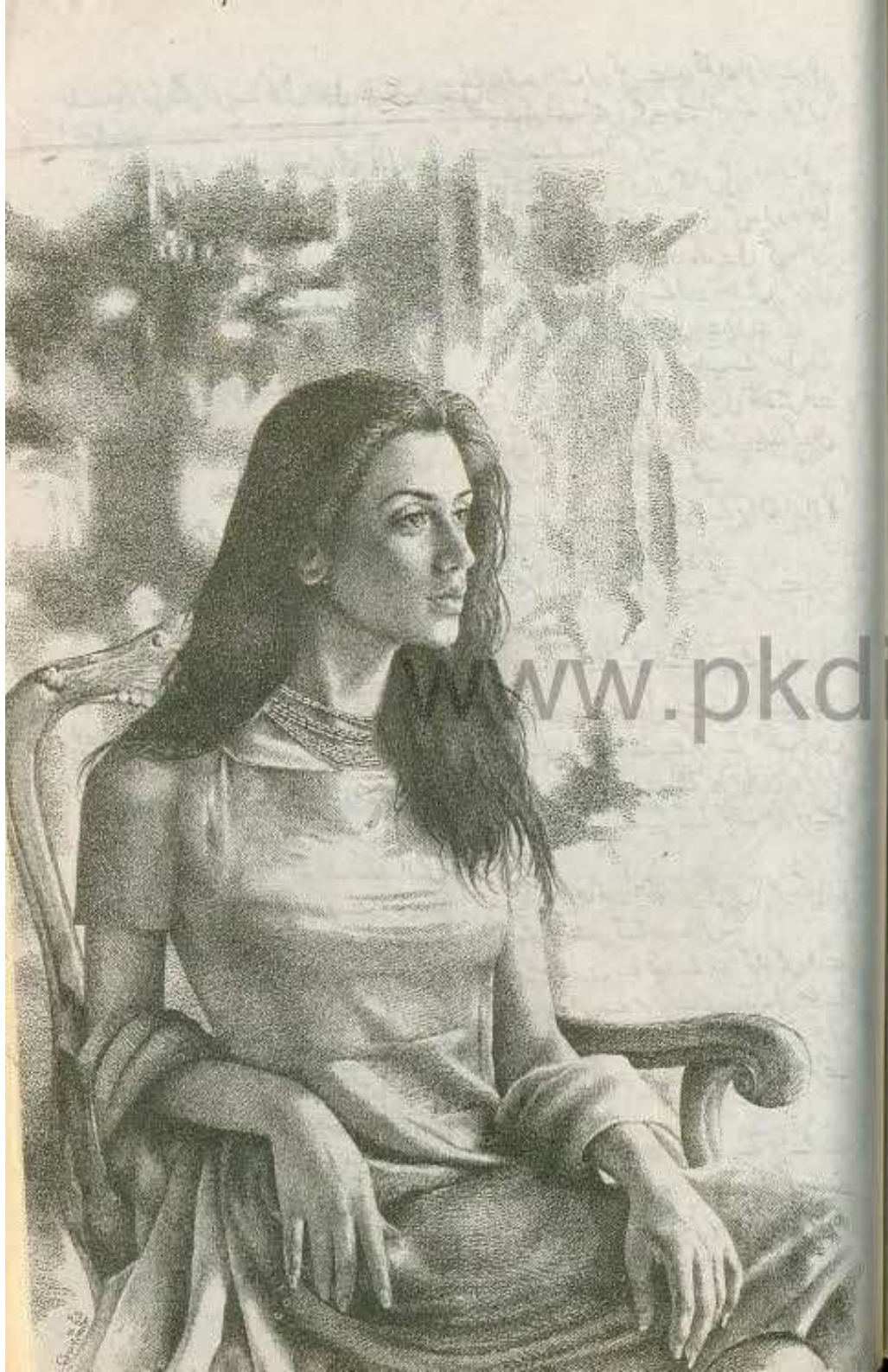

فرحت اشتیاق

سلسلہ اعلیٰ ہے تو

"فاروق ایسوسی ایٹس پلانرز اینڈ کنسلٹنگ انجینئرز۔"

اس نے نظریں اٹھا کر ان حروف کو پڑھا۔ شاہراہِ فیصل سے نزدیک پی ای سی ایچ ایس بلاک 6 میں دو ہزار گز کے اس ڈبل اسٹوری بنگلہ میں فاروق ایسوسی ایٹس کا شاندار آفس تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو فرم کا جیسا تصور اس کے ذہن میں تھا' اسے سب کچھ ویسا ہی دیکھنے کو ملا۔ گیٹ پر باوردی مسلح سیکورٹی گارڈ کے سامنے سے گزرتی وہ اندر داخل ہوئی تو بائیں جانب گیٹ سے لے کر بنگلے کے مرکزی حصے تک ہر طرف سرسبز و شاداب درخت اور خوشنما پھول پودے اپنی بہار دکھلاتے نظر آئے۔ اور دائیں جانب پارکنگ ایریا جہاں فرم کے ملازمین کی گاڑیاں پارک ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پھولوں اور پودوں کی تراش خراش اور قطع برید کے انداز میں جاپانی رنگ چھلک رہا تھا۔ وہ اسے سراہتی مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔ ریسپشن پر دو خوش پوش لڑکیاں ٹیلی فون اور کمپیوٹر کے ساتھ مصروف نظر آرہی تھیں۔

"السلام علیکم۔ یس میم!" وہ ان میں سے جس کے

www.pkdigest.com

مکمل ناول

سامنے جاکر رکی تھی اس نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا۔

"میں ہنیا سجاد ہوں۔ میں نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ میں آپ کے ہاں اپنی CV دینے آئی ہوں۔" اس نے سفید لفافے میں بند اپنی CV اس کے سامنے رکھی۔

اس فرم نے جاب کے لیے اخبار میں کوئی ایڈ نہیں دیا تھا، مگر اچھے اداروں میں تو لوگ بغیر اشتہار کے بھی اپنی CVs دینے آیا ہی کرتے ہیں اور وہ یقیناً" اس طرح کی CVs بکثرت وصول کرتے رہنے کی عادی تھی، سو اسی مسکراہٹ کے ساتھ پروفیشنل انداز میں بولی۔

"آپ کی CV ہم اپنے پاس ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں۔ جب ہمارے پاس کوئی ویکینسی — نکلی ہم یقیناً" آپ کو کال کریں گے۔"

"کیا میری عذیر فاروق صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟ میں جانتی ہوں وہ یقیناً" بہت مصروف ہوں گے اور بغیر اپائنٹمنٹ کے ان کا مجھ سے ملنا مشکل ہوگا۔ لیکن اگر وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں؟"

وہ پُراعتماد تو ہمیشہ سے تھی اور اس کا پُراعتماد انداز اس وقت بھی بے حد نمایاں تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے لے کر اس کے گفتگو تک کے انداز میں کہیں وہ مخصوص گھبراہٹ جو ملازمت کے حصول کے لیے آئے افراد میں اکثر پائی جاتی ہے نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے گھٹنوں سے کچھ اونچی سبز رنگ کی قمیص، دوپٹہ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ قمیص اور دوپٹہ ہلکے سبز رنگ کا تھا اور ان پر ہلکی ہلکی سی ہم رنگ دھاگے سے کڑھائی کی ہوئی تھی جبکہ ٹراؤزر گہرے سبز رنگ کا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی بہت چھوٹی سی ہیل کی سینڈل پہن رکھی تھی مگر بغیر اونچی ایڑی کی سینڈل کے بھی وہ سرو قامت تھی۔ اس کے بال شانوں سے کچھ نیچے آتے تھے، اوپر سے بالکل سیدھے اور نیچے آکر قدرتی طور پر کرلی سے ہوتے بال، ایسے جیسے اس نے رولر سیٹنگ کر رکھی ہے۔ وہ نظر انداز کرنے والی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ ریسپشنسٹ جو اس سے معذرت کرنے والی تھی۔

اچانک ہی اس کی اچٹتی سی نگاہ اس کی CV میں اس کی اکیڈمک کوالی فیکیشن پر پڑی تھی۔ اور کولمبیا یونیورسٹی کے الفاظ پڑھتے ہی وہ کچھ چونکی تھی۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی اس کے اردو تلفظ میں انگریزی لہجہ چھلکتا تھا، مگر یہ کوئی چونکنے والی بات یوں نہ تھی کہ یہاں جاب کرنے والی اور جاب کے حصول کے لیے آنے والی ماڈرن لڑکیاں اسی انگریزی تلفظ میں اردو بولا کرتی تھیں۔ گویا کسی بدیسی زبان میں بات کر رہی ہوں۔ بہرحال اب معاملہ مختلف تھا۔

اسے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے پُراعتماد انداز کا سبب بھی یک دم ہی سمجھ میں آگیا تھا۔

"میم! آپ تشریف رکھیے۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے سامنے کچھ فاصلے پر رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلاتی سامنے ایک صوفے پر جاکر بیٹھ گئی۔ اور اپنے سامنے سے گزرتے، مختلف کمروں میں داخل ہوتے، وہاں سے نکلتے، سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے اور سیڑھوں سے نیچے آتے مختلف افراد کو دیکھنے لگی تھی۔

"آپ آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتی ہیں؟ سر کے پاس ابھی کچھ کلائنٹس آئے ہوئے ہیں۔"

ریسپشنسٹ نے قدرے بلند آواز میں اسے مخاطب کیا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اور صوفے کے سامنے رکھی میز پر موجود مختلف پروفیشنل جرنلز اور میگزینز دیکھنے لگی جو سب کے سب سول انجینئرنگ سے متعلق تھے۔

وہ Soil investigation کے حوالے سے ایک نئی تحقیقاتی رپورٹ پڑھ رہی تھی جب ریسپشنسٹ نے اسے اپنی فرم کے بانی و CEO عزیر فاروق صاحب سے ملنے کی اجازت دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس ایئر کنڈیشنڈ آفس کے خاموش اور پُرسکون ماحول میں عزیر فاروق اسے اپنی میز پر بیٹھے نظر آئے۔ انہوں نے ریڈنگ گلاسز لگا رکھے تھے، ان کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ رکھی تھی جس کا وہ بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گلاسز آنکھوں پر سے اتارتے انہوں نے اسے اندر آنے اور کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ وہ ان کی میز کے سامنے رکھی خوبصورت وو بیز کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے اپنے سامنے رکھی ڈرائنگ ہٹا کر اس کی CV اپنے سامنے رکھ لی۔

"اچھا تو..." انہوں نے اس کی CV پر نظریں دوڑائیں۔ CV کے سب سے اوپر ہی اس نے اپنا مکمل نام، پتہ اور ای میل ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ سو انہیں نام تلاش کرنے میں نہ دقت ہوئی نہ وقت لگا۔

"تو مس ہنیا سجاد! کچھ اپنے بارے میں مجھے بتایئے۔" ان کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان تھی۔

انہوں نے گرے پینٹ، وائٹ بلیو شرٹ اور ڈارک بلیو ٹائی پہن رکھی تھی جبکہ ان کا کوٹ پیچھے رکھے اسٹینڈ میں ہینگ ہوا نظر آرہا تھا۔ انہوں نے اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کیا تھا اس لیے سیاہ بالوں کے ساتھ سفید بالوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان کی شخصیت کے لیے کیا لفظ موزوں تھا۔ بارعب، باوقار، کرشماتی، مقناطیسی، کوئی ایک لفظ نہیں بلکہ ان سب کا مجموعہ۔ وہ انتہائی شاندار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ہالی ووڈ کے کسی ہیرو کی طرح روایتی ہینڈسم نہیں مگر اپنی شخصیت کے گریس اور ایلیگنس کے سبب اپنے مقابل پر چھا جانے والی شخصیت کے مالک۔ اور ان کا آفس بھی انہی کی طرح تھا۔

ان کی میز کی دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بک شیلف تھا جس میں سول انجینئرنگ سے متعلق بے شمار قیمتی کتابیں موجود تھیں۔ کئی طرح کے بلڈنگ کوڈز بھی وہاں رکھے نظر آرہے تھے۔ اس کے دوسری جانب خوبصورت صوفے اور میز رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی چاروں طرف کی دیواروں پر ان مشہور بلڈنگ اور برج وغیرہ کی تصاویر اور نقشے آویزاں تھے جو ان کی فرم نے بنائے تھے۔ ان کا نئے ماڈل کا سلم اور اسٹائلش کمپیوٹر، کئی طرح کے جدید ٹیلی فون سیٹس کے علاوہ کمرے کے ایک طرف رکھے اسٹینڈ میں بہت ساری ڈرائنگز بھی رول ہوئی رکھی نظر آرہی تھیں۔ وہ پاکستان کی چوٹی کی چند مشہور ترین فرمز، جنہوں نے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی اپنا نام بنایا تھا، ان میں سے ایک فرم کے CEO کے سامنے بیٹھی ہے، یہ سوچ نہ اسے نروس کر رہی تھی نہ کنفیوژ۔ وہ بالکل ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی۔ اس نے سکون سے ان کا سوال سنا، ان کی خود کو جانچتی مکمل پروفیشنل نظروں کی جانب ہلکا سا مسکرا کر دیکھا اور پُرسکون لہجے میں بولی۔

"سر! آپ میری CV میں دیکھ چکے ہوں گے کہ میں نے کولمبیا یونیورسٹی SEAS سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ اور..."

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
اماوس کا چاند
بشریٰ سعید
قیمت ---/150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

"میں نے آپ کی CV نہیں دیکھی مس ہنیا! میں لوگوں کو ان کی CVs (سی ویز) سے نہیں ان کی حقیقی قابلیت سے پرکھنے میں یقین رکھتا ہوں۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میں ہر روز بے شمار CVs "(سی ویز) دیکھتا ہوں اور ان CVs میں لوگوں نے اپنی جو جو خصوصیات اور خوبیاں لکھی ہوتی ہیں انہیں پڑھ کر بے اختیار ذہن میں آتا ہے کہ اتنا قابل' لائق اور باصلاحیت بندے کو ہائر نہ کرکے تو ہم اس کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے ساتھ زیادتی کریں گے۔ مگر جب ان سے ملو تو۔۔۔ میں کسی بھی ورک شاپ' سیمینار یا کانفرنس میں لیکچر دینے جاتا ہوں تو تمام ینگ گریجویٹس سے یہی کہتا ہوں کہ CV میں وہ لکھیں جو آپ ہیں' جو آپ بن چکے ہیں' وہ نہیں جو آپ بننا چاہتے ہیں۔ ویسے یہ بات یونہی برسبیل تذکرہ تھی۔ آپ اپنے بارے میں مجھے بتا رہی تھیں۔"

اپنی بات مکمل کرکے وہ پروفیشنل انداز میں مسکرائے

"سر! لیکن مجھے اگر آپ نے اپنے پاس جاب نہ دی تو واقعی اپنے ساتھ بہت بڑی زیادتی کریں گے۔"

انہوں نے اس کی اس درجہ صاف گوئی اور اعتماد پر چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ کس طرح؟" وہ مبہم سا مسکرائے تھے گویا اس کے پُراعتماد انداز کو پسند کر رہے تھے۔

"وہ اس طرح سر! کہ میری CV میرے بارے میں وہ سب مکمل طور پر بتا نہیں پا رہی جو میں ہوں۔ آپ نے اسٹرکچرل انجینئر کی جاب کے لیے کوئی ایڈ نہیں دیا' مگر ماشاءاللہ آپ کی فرم کا اتنا نام ہے۔ پھر میں نے انٹرنیٹ پر آپ کا کمپنی پروفائل بھی پوری توجہ سے دیکھ رکھا ہے۔ کتنے سارے مشہور' بڑے اور internationally recognized (بین الاقوامی تسلیم شدہ) پروجیکٹس آپ کی فرم کے کریڈٹ پر ہیں۔ اور ایسی کسی reputed فرم کا حصہ بننا یقیناً" میرے لیے ایک آنر کی بات ہوگی لیکن اگر آپ نے مجھے اپنے پاس جاب نہ دی تو ظاہر ہے پھر میں کسی دوسری فرم میں جو آپ کی competitor بھی ہوگی' وہاں چلی جاؤں گی۔ اور definitely ہائر (hire) بھی کرلی جاؤں گی تو اپنے پاس خود چل کر آئے ایک ایسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کو handover کردینا' سر! آپ مجھے ایسے لگے تو نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اتنے جوہر شناس تو ہیں ہی کہ ٹیلنٹ اور قابلیت کو ایک نظر میں پرکھ سکیں۔"

وہ سنجیدگی و متانت سے یوں بولی گویا کسی universal truth (آفاقی سچائی) سے انہیں آگاہ کر رہی ہو۔ انہوں نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا' ان کے لبوں پر محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے پتہ ہے سر! میرا یہ کہنا آپ کو immodesty لگ رہا ہوگا۔ لیکن میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ آدمی کو اپنی خوبیاں اور خامیاں سب پتہ بھی ہونی چاہئیں اور ان کا واضح اظہار بھی کرنا چاہیے۔

میں competent ہوں' talented ہوں' ambitious ہوں۔ سول انجینئرنگ کی صرف ڈگری ہی نہیں لی میں نے بلکہ سول انجینئرنگ میرا passion ہے۔

I want to build buildings, bridges, houses

جب میری عمر کی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں' تب میں بچوں سے کھیلنے والے بلاکس سے (بلڈنگز) بنایا کرتی تھی' نئے نئے ڈیزائنز کی' اسکول میں آرٹ کی ٹیچر سینری بنانے کو کہتیں تو دوسرے بچوں کے برخلاف میری سینری میں آسمان' پہاڑ' پرندوں اور جھیل سے زیادہ فوکس مکان اور جھیل پر سے گزرتے پل پر ہوتا تھا۔ مکان اور پل کی چھوٹی چھوٹی ڈیٹیلز پر بھی میں نے پوری توجہ دی ہوتی تھی۔"

"competent' talented اور ambitious میں میری طرف سے "confident" کا اضافہ بھی کرلیں۔" وہ ریلیکس سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"ویل مس سجاد! آپ کا خود پر اعتماد مجھے پسند آیا ہے۔"

وہ اس بار ذرا کھل کر مسکرائے تھے اور انہوں نے کھل کر ہی اسے سراہا بھی تھا۔

"اچھا تو مس ہنیا سجاد! مجھ پر ذرا یہ ثابت کرکے دکھا دیجیے کہ آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کردینے سے میرا کتنا بڑا نقصان ہوجائے گا۔"

وہ بولتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھے' پیچھے اسٹینڈ میں سے چند ڈرائنگز نکالیں' واپس مڑے' اپنی میز پر آئے' ان ڈرائنگز کو اس کے سامنے رکھا اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یہ ایک رہائشی بلڈنگ ہے جو کراچی میں بنے گی' اس کی ڈرائنگز ہیں' ذرا ان پر اپنے کمنٹس دیجیے۔"

وہ ایک کثیر المنزلہ رہائشی بلڈنگ کی اسٹرکچرل ڈرائنگز تھیں۔ اس نے انہیں مکمل توجہ اور سنجیدگی سے دیکھنا شروع کیا۔

"یہ کس نے ڈیزائن کی ہے؟"

چند منٹوں بعد اس نے سر اٹھائے بغیر جیسے خود سے کہا تھا۔ اس نے احمق کا لفظ غالباً" سنسر کردیا تھا ورنہ اس کے بولنے کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ پوچھنا یہ چاہتی تھی کہ "یہ بلڈنگ کس احمق نے ڈیزائن کی ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر عزیر فاروق کو دیکھا۔

"آئم سوری ٹو سے سر! لیکن اس ڈیزائن میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ سب سے پہلے تو اس میں Seismic factor کو مدنظر رکھا ہی نہیں گیا ہے۔ میں نے پاکستان کا (سیزمک) رسک زون میپ دیکھ رکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کراچی seismic زون میں آتا ہے۔ یہاں زلزلے کے خطرات موجود ہیں۔ ارتھ کوئک زون میں جو شہر آتا ہو وہاں اس طرح کے اسٹرکچر ڈیزائن کرنا اور وہ بھی ایک ہائی رائز ریذیڈینشل بلڈنگ؟ جہاں کئی سو افراد رہیں گے۔ ہم کئی سو افراد کی زندگیوں کو صرف اس لیے داؤ پر نہیں لگا سکتے کہ اس طرح ہماری لاگت کم آئے گی۔ لوگوں کی زندگیاں زیادہ اہم ہیں یا ہماری cost؟ اس کے علاوہ بھی ڈیزائن میں ٹیکنیکلی کئی خامیاں ہیں سر! میری صاف گوئی کا برا مت مانیے گا سر! مگر یہ کسی انتہائی ڈفر آدمی نے ڈیزائن کی ہے۔"

وہ جواباً" یوں مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی تائید یا تردید کے بغیر وہ ڈرائنگز اس کے سامنے سے ہٹا کر میز پر قدرے دور کھسکا دیں۔ وہ اب انٹرکام پر اپنے پی اے یا سیکریٹری سے مخاطب تھے۔

"شوکت! دو کپ چائے۔" بولتے بولتے انہیں جیسے دھیان آیا تو ریسیور کان سے لگائے لگائے اس سے پوچھا۔

"آپ کیا لیں گی مس ہنیا؟ چائے' کافی یا کولڈ ڈرنک؟"

"کولڈ ڈرنک۔" اس نے بلا تکلف انہیں اپنی پسند بتائی۔ وہ اس کی بلا تکلف گفتگو کو انجوائے کر رہے ہیں۔ یہ ان کے چہرے پر پھیلی مدھم سی مسکراہٹ بتا رہی تھی۔

"ایک وائٹ کوک اور ایک کپ چائے۔" انٹرکام سے فارغ ہوکر وہ پھر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تو مس ہنیا سجاد! آپ مجھے اپنے بارے میں بتا رہی تھیں۔ آپ نے کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری لی ہے۔ آپ نے گریجویشن کب کی؟ اس سے پہلے کہیں اور جاب کی؟ امریکہ پڑھنے کے لیے گئی تھیں یا۔۔۔"

اس نے ان کی بات کاٹ کر خود اپنے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"سر! میں امریکہ ہی میں پیدا ہوئی تھی اور ہمیشہ وہیں رہی ہوں۔ میری پوری فیملی بھی وہیں سیٹلڈ ہے۔ میرے پاپا تو پیدا بھی وہیں ہوئے تھے۔ ان کی فیملی

www.pkdigest.com

pKDigest

کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

Late 40s میں امریکہ مائیگریٹ کر گئی تھی جبکہ ممی کی فیملی کا معاملہ مختلف تھا۔ میرے نانا ڈپلومیٹ تھے، ممی ان کے ساتھ ملکوں ملکوں گھومتی تھیں۔ ویسے وہ پیدا پاکستان میں ہوئی تھیں۔ وہ شادی کے بعد امریکہ آئی تھیں۔ میرے پاپا (لائر) تھے۔ نیو یارک کی ایک Law firm شاید آپ نے نام سن رکھا ہو۔ J T & R وہ وہاں "Partner" تھے۔ ممی بھی ایک کیریر وومن تھیں۔ وہ ایک اکانومسٹ تھیں اور ایک مالیاتی ادارے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ میرے پیرنٹس کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ میرے تین بھائی بہن ہیں۔ دو بڑے بھائی اور ایک بڑی بہن۔ میرے ایک بھائی ہارورڈ یونیورسٹی میں ہسٹری کے پروفیسر ہیں، ایک بھائی سائیکاٹرسٹ ہیں اور بہن میری ہی طرح سول انجینئر۔"

"گویا آپ کی پوری فیملی اعلا تعلیم یافتہ ہے۔"

اس وقت ٹرے ہاتھ میں لیے پیون اندر داخل ہوا تھا۔

"جی سر! ہمارے گھر کا ماحول بھی اس طرح کا تھا پھر ہم سب بھائی بہن پڑھائی کے شوقین بھی تھے۔"

پیون ان کے ڈرنکس ان کے سامنے رکھ کر جا چکا تھا۔

"جب آپ کی ساری فیملی وہیں ہے پھر آپ پاکستان کیوں آ گئیں؟" انہوں نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"سر! جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ بھائی بہن میرے سارے dedicated پروفیشنلز ہیں۔ اپنی اپنی جابز کی وجہ سے وہ لوگ ممی، پاپا کی زندگی ہی میں الگ الگ شہروں میں رہ رہے تھے۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ اپنی پروفیشنل اور گھریلو لائف دیکھنے کے بعد ان تینوں ہی کے پاس بالکل وقت نہیں بچتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ روز روز مجھ سے ملنے نیو یارک آ سکیں۔ تو اب ممی، پاپا کے بعد میں نیو یارک میں بالکل تنہا تھی۔ میں نیو یارک میں جاب کر رہی تھی پھر میں نے سوچا اس طرح تنہا رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اس ملک چلا جائے جہاں میری جڑیں ہیں۔ میں لاکھ پیدائشی امریکن سہی پر اپنے پیرنٹس کے حوالے سے پاکستان سے میرا تعلق ہے تو سہی۔ پھر یہاں کراچی میں میرے سگے ماموں رہتے ہیں۔ میں نے سوچا نیو یارک میں تنہا رہنے اور مشینی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ کراچی ماموں، ممانی کے پاس چلی جاؤں وہ دونوں ہمیشہ مجھے یہاں بلاتے بھی بہت تھے۔ ممی، پاپا کے بعد تو اکثر وہ دونوں مجھ سے کہتے تھے۔ پھر ہائی اسکول کے دنوں میں، میں ایک بار اپنے ماموں زاد بھائی کی شادی میں کراچی آ بھی چکی تھی۔ تب مجھے پاکستان اچھا لگا تھا۔ میں نے سوچا پاکستان جانے میں کیا حرج ہے۔ اگر یہاں نہ سیٹ ہو سکی تو واپس لوٹ جانے کا آپشن بہر حال میرے پاس ہمیشہ موجود رہے گا ہی۔"

اس نے کوک کا سپ لیتے ہوئے انہیں تفصیلاً بتایا۔

"خوش ہیں اپنے فیصلے سے؟ پاکستان اور امریکہ میں بہت فرق ہے۔ وہاں رہنے والوں کے لیے یہاں سیٹ ہونا کافی مشکل ہوتا ہے۔"

"سر! ابھی تو ابتدائی مرحلہ ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں کچھ وقت گزرنے کے بعد پتہ چلے گا۔ ویسے جب میں یہاں آ رہی تھی تو میرے بھائی بہن، دوست اور کولیگز سب یہی کہہ رہے تھے کہ میں بہت بڑی غلطی کر رہی ہوں بلکہ نیو یارک میں میری فرم سی ای او نے یہاں تک پیشن گوئی کر دی تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ 5 یا 6 مہینوں بعد نیو یارک واپس آ جاؤں گی کیونکہ وہ میرا ریزائن بھی قبول نہیں کر رہے۔ انہوں نے بڑے کھلے دل سے مجھے آفر دی تھی کہ چند مہینوں بعد جب میں پاکستان سے مایوس ہو کر واپس نیو یارک پہنچوں گی تو ان کی فرم کے دروازے تب بھی مجھ پر کھلے ہوں گے۔"

عزیر فاروق اس کی بات پر ہنسے تھے۔ پھر چائے کا

سب لیتے کسی قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
"آپ وہاں کب سے جاب کر رہی تھیں؟"
"زیادہ عرصہ نہیں ہوا سر! ان فیکٹ مجھے گریجویشن کیے ہوئے ہی ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے۔"
"آپ کی اردو ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔" چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے میں رکھیے انہوں نے تعریف کی۔
"شکریہ سر! اصل میں ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا تھا۔ ہمارے پیرنٹس اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ ہم بھائی بہن گھر میں ایک دوسرے سے انگلش میں بات کریں۔ ہمارے پیرنٹس ہم سے ہمیشہ اردو میں بات کرتے تھے۔ ہمارے یہاں مشرقی روایات اور ویلیوز کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔"
وہ بھی اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ ساری گفتگو ہو چکی تھی، رسمی بھی، پیشہ ورانہ بھی، تعارفی بھی، فیملی بیک گراؤنڈ پر بھی، اب مزید بات کرنے کے لیے کوئی موضوع بچا نہیں تھا، سوائے یہ جاننے کے کہ آیا وہ فاروق ایسوسی ایٹس میں ملازمت کی حق دار قرار پائی ہے یا نہیں۔ وہ بھی اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو سمجھ چکے تھے لہٰذا سنجیدگی سے انہوں نے بات شروع کی۔
"ویل مس ہنیا سجاد! ہمارے پاس اس وقت کوئی ویکنسی نہیں۔" انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو مسکرا کر دیکھا، پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔
"ہمارے پاس اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں مگر ہم آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کرنے کو بھی تیار نہیں۔"
"یعنی؟" اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"یعنی یہ کہ آپ کے لیے جگہ تو ہمیں نکالنی ہی پڑے گی اور یعنی یہ کہ آپ کو میں اپائنٹ کر رہا ہوں اور یعنی یہ کہ آپ کو فاروق ایسوسی ایٹس میں جاب مل گئی ہے۔"
انہوں نے مسکرا کر اس سے کہا۔ وہ بھی طمانیت بھرے خوشگوار انداز میں مسکرائی تھی۔
"مجھے نہیں پتہ آپ نیویارک میں کیا سیلری پیکج ڈرا کر رہی تھیں اور یہاں ہم سے کیا expect کر رہی ہیں، بہرحال ہم آپ کو جو پیکج آفر کر رہے ہیں وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اپنے پروفیشنل انداز پر لوٹ گئے تھے اور اسے اس کی ممکنہ تنخواہ اور دیگر مراعات کے متعلق بتانے لگے تھے۔ اس نے اس پیکج پر فوراً" آمادگی ظاہر کر دی تھی۔
"آپ کب سے جوائن کرنا چاہتی ہیں؟"
"کل سے۔" وہ اس جواب پر تبسم سا مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید رکھتے تھے پھر انٹر کام پر اپنے سیکریٹری سے اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرنے کو کہا۔ جتنی دیر میں اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر تیار ہوا۔ اتنی دیر وہ اس سے اس کے سول انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران پڑھائی کا حصہ بننے والے پروجیکٹس، اور پھر نیویارک میں جاب کے دوران وہ کن کن پروجیکٹس میں شامل رہی، سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ابھی اس نے اپنا اپائنٹمنٹ لیٹر وصول کیا ہی تھا کہ ان کے آفس میں انہی کی عمر کے ایک صاحب داخل ہوئے۔
"آیئے بلگرامی صاحب! ان سے ملیے۔ مس ہنیا سجاد، کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کر کے آئی ہیں، انہیں میں نے ہمارے ہاں اپائنٹ کر لیا ہے۔ مجھے امید ہے یہ ہمارے ہاں موجود انجینئرز میں ایک بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی اور مس ہنیا! آپ جاوید بلگرامی صاحب ہیں۔ ہمارے سب سے سینئر اور تجربہ کار اسٹرکچرل انجینئر۔ ہمارے 90 فیصد پروجیکٹس کو بلگرامی صاحب ہی ہینڈل کرتے ہیں۔ آپ ان ہی کے انڈر کام کریں گی۔"
عزیر فاروق نے دونوں کا تعارف کروایا۔ بلگرامی صاحب لباس اور چال ڈھال میں عزیر فاروق جیسے ہی تھے مگر ان کے چہرے پر سختی نمایاں تھی۔ انہوں نے

رسمی سے انداز میں سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔
"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس ہنیا۔"
وہ اسے ایک روایتی باس کے تصور پر پورے اترتے دکھائی دے رہے تھے۔ اب باس چاہے جتنا بھی ٹیڑھا ہوتا، وہ باس کے بھی باس کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی لہٰذا فکر کس بات کی تھی۔
ایک کامیاب انٹرویو اور جاب کے حصول میں کامیابی کے بعد مطمئن اور آسودہ سی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ آج اپنے ماموں فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ چونکہ ابھی اسے کراچی کے راستے وغیرہ اچھی طرح ازبر نہ ہوئے تھے اس لیے فی الحال ہر جگہ ڈرائیور کے ساتھ آنا جانا مجبوری تھی۔ ورنہ وہ اپنے تمام کام خود کرنے کی عادی تھی۔ جس ملک کی باسی تھی، جہاں سے آئی تھی وہاں اپنے ذاتی کاموں کے لیے دوسروں پر depend کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ ابھی اسے نیویارک سے کراچی آئے محض 20 دن ہی تو ہوئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہاں کے راستوں اور ٹریفک کے طور طریقوں سے جلد از جلد واقفیت حاصل کر کے اپنی ذاتی گاڑی خرید لے گی تاکہ ہر جگہ خود آ جا سکے اور اپنے تمام کام خود انجام دے سکے۔
وہ گھر پہنچی تو اس کی ممانی شمسہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔
"السلام علیکم ممانی! ماموں کہاں ہیں؟"
"وعلیکم السلام بیٹا! ابھی نکلے ہیں یاور صاحب کی طرف۔ گھر میں اکیلا بیٹھا بندہ عاجز تھی تو آ جاتا ہے۔"
اس کے ماموں، ممانی نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔ پوری زندگی اپنے بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور تنہا گزار دی تھی۔ ماموں سعودی ایرلائن میں جاب کر کے جدہ میں اور ممانی بچوں کی تعلیم کی وجہ سے یہاں تھیں۔ بچے پڑھ کر لکھ کر کسی قابل ہوئے تو کوئی جہان تسخیر کرنے امریکہ روانہ ہو گیا تو کوئی کینیڈا اور رہ گئے تنہا بوڑھے ماں باپ ماموں ریٹائر ہونے کے بعد کراچی واپس لوٹ آئے تھے اور اب پوری جوانی بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور گزارنے والے وہ میاں، بیوی دوبارہ ساتھ ہوئے تھے تو بڑھاپے میں، جب روپے پیسے کی ریل پیل تھی مگر نہ صحت باقی بچی تھی نہ دل اور شوق۔
بہت بڑا سا گھر تھا ان کا اور اس گھر میں ان دو افراد کی تنہائی ہنیا کو اپنے کزنز پر اکثر بڑا شدید غصہ آتا تھا۔ آخر امریکہ، کینیڈا اور انگلینڈ میں ایسا کیا مل رہا تھا جو والدین کے پاس رہنے سے زیادہ قیمتی تھا۔ ہنیا کے اپنے پاس آ جانے سے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ اس کے آنے سے کم از کم ان کے گھر کی تنہائی اور خاموشی کچھ تو کم ہوئی تھی۔
اس نے خوشی خوشی شمسہ کو اپنے جاب کے حصول میں کامیابی کی خبر سنائی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز اس کا آفس میں پہلا اور تعارفی دن تھا۔ وہ بلگرامی صاحب سے جا کر ملی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے ہاں کا working environment مختصراً" بتایا، اسے اس کے چند کولیگز سے متعارف کروایا۔ اس کے بعد اس کے کیبن میں بھجوا دیا تھا۔ وہاں لڑکیاں اور خواتین کم اور مرد حضرات زیادہ تعداد میں تھے۔ اس کی طرح کی انجینئر لڑکیاں جو ابھی ینگ اور فریش گریجویٹس کے زمرے میں آتی تھیں صرف دو تھیں، شیریں منہاج اور جویریہ ابصار، جبکہ سینئر اسٹرکچرل انجینئرز میں ایک خاتون شامل تھیں۔ بنیادی طور پر یہ کنسلٹنگ فرم سول انجینئرنگ سے متعلق تھی مگر یہاں آرکیٹکٹس اور پلانرز بھی کافی تھے۔ نیچے عزیر فاروق کے ساتھ دیگر سینئر انجینئرز و architects کے دفاتر، اکاؤنٹس کا شعبے وغیرہ تھے جبکہ اوپر ڈرائنگ سیکشن اور جونیئر انجینئرز، آرکیٹکٹس کے کیبنز موجود تھے۔ لائبریری بھی اوپر ہی تھی۔ میٹنگ روم

www.paksociety.com

بھی اوپر ہی تھا۔ ڈرائنگ سیکشن اوپر ہونے کی وجہ سے تمام ڈرافٹس مین بھی تمام وقت اوپر ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ ڈرائنگ سیکشن دو بڑے بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک ہال میں یہاں سے وہاں تک ہر طرف کمپیوٹر ہی کمپیوٹر تھے اور ان پر ڈرافٹس مین پوری مہارت سے ڈرائنگز بنانے میں مصروف و مگن جبکہ دوسرے ہال میں ڈرائنگ بورڈز لگے ہوئے تھے۔ وہاں بھی ڈرافٹس مین' انجینئرز آرکیٹکٹ مصروف ہی نظر آئے تھے۔ یہاں ڈرائنگ کا بیشتر کام کمپیوٹر کے ذریعے کیے جانے کے باوجود ابھی manual ڈرائنگ کی اہمیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ بیسمنٹ میں ریکارڈ روم وغیرہ تھے۔

پہلے دن دوستی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ اس پورے دن آفس کے ماحول کو سمجھنے اور تمام کولیگز کے ناموں کو یاد رکھنے میں مصروف رہی۔

"آپ نے PEC میں رجسٹریشن کروالی؟"

بلگرامی صاحب نے اپنے آفس میں بلا کر چند ڈرائنگز مطالعے کے لیے اس کے سپرد کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔ بلگرامی صاحب کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے اس چیز کا دھیان تھا' ظاہر ہے پاکستان میں بطور سول انجینئر کام کرنے کے لیے اسے پاکستان انجینئرنگ کونسل میں خود کو رجسٹر کروانا تھا' وہاں سے رجسٹریشن مل جاتی تب ہی وہ پاکستان میں ایک پروفیشنل انجینئر کے طور پر کوئی کام اور کوئی پروجیکٹ کرنے کی قانونی طور پر مجاز ہوتی۔ وہ اس اہم معاملے میں پوری طرح مستعد تھی' اس نے کل یہاں سے ملازمت کے حصول میں کامیابی کے بعد رات ہی PEC سے رجسٹریشن کے لیے وہاں کا فارم انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کرلیا تھا۔ وہ اسے فل بھی کرچکی تھی' اس کا ارادہ تھا کہ تمام درکار دستاویزات منسلک کرنے کے بعد وہ اسے کل ہی PEC میں جمع کروا دے گی۔

بلگرامی صاحب کے بارے میں اس کا ابتدائی اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی ایک ٹیپکل باس تھے۔ کم کم مسکرانے والے۔ ڈسپلن قائم رکھنے اور ماتحتوں پر رعب برقرار رکھنے کے لیے وہ مختصر اور ٹو دا پوائنٹ بات کرنے والے ایک سخت مزاج باس تھے۔ شیریں اور جویریہ نے اس کی معلومات میں اضافے کے لیے اسے بتایا تھا کہ ان کا یہ رویہ صرف اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ سینئرز کے ساتھ وہ باآواز بلند قہقہے لگاتے اکثر و بیشتر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس سے تعارف حاصل کرنے والے اس کے تمام کولیگز اس بات پر حیران تھے کہ وہ نیویارک میں ایک اتنی اچھی جاب چھوڑ کر پاکستان کیوں چلی آئی۔ land of opportunities امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلے آنے میں ایسا کیا چارم تھا؟ یہاں تو ہر دوسرا پاکستانی چاہے وہ پاکستان میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سٹیل ہو' معاشی اعتبار سے کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو' خواب امریکہ جانے ہی کے دیکھا کرتا ہے۔ اور وہ نیویارک جیسے بڑے شہر میں اپنی اتنی اچھی جاب کو ٹھوکر مار کر پاکستان چلی آئی تھی؟

وہ ان لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ ایک پیدائشی امریکن ہونے' اور وہیں پلنے بڑھنے کے باوجود شاید وہ اندر سے اس خود غرض مادہ پرست اور مشینی ماحول کی عادی نہیں ہوسکی تھی جہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی' جہاں کوئی کسی کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا' جہاں سب اپنی اپنی زندگی اپنے اپنے من چاہے انداز میں اپنی ذمہ داری پر گزارتے ہیں۔ جہاں زندگی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے سب اندھا دھند دوڑ رہے ہیں' سب بے پناہ مصروف ہیں' لوگوں کے پاس اپنے خونی رشتوں کو دینے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ اسے تو یہ پاکستانی ماحول پرکشش لگتا تھا جہاں فیملی کے افراد ایک دوسرے سے اتنے زیادہ اٹیچڈ ہو کر رہتے ہیں۔ ماں' باپ' بھائی' بہن۔ اس کی توجیح سب کی سمجھ میں آگئی تھی' سب اسے مان بھی رہے تھے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثریت کی نظریں اسے یہ کہتی نظر آرہی تھیں کہ مشرقی و پاکستانی ماحول کی تلاش میں' اپنا پن و

چاہتیں پانے کے خواب لیے یہاں آئی وہ لڑکی بہت جلد یہاں سے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائے گی۔

وہ وہاں واحد فارن کوالیفائیڈ انجینئر نہیں تھی۔ جتنی بڑی وہ فرم تھی اتنے ہی قابل دماغ اس کے ساتھ منسلک تھے۔ عزیر فاروق نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن اور ماسٹرز امریکہ سے کر رکھا تھا۔

جاوید بلگرامی بھی امریکہ ہی سے ایم ایس کر کے آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے سینئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں سے کئی ایک فارن کوالیفائیڈ تھے۔ گریجویشن پاکستان سے کی بھی تھی تو آگے اپنے پروفائل کو سجانے سنوارنے کے لیے بیرون ملک سے ڈگریز' سرٹیفکیٹس اور ڈپلومے لے کر آئے ہوئے تھے۔ اپنے قابل اور لائق انجینئرز و آرکیٹکٹ کو فرم خود بھی آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتی تھی۔ ان کی مزید اعلا تعلیم کے اخراجات اٹھاتی تھی۔ ان دنوں فرم ہی کی طرف سے یہاں کے ایک انجینئر ایم ایس کرنے کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ ہنیا کو جو چیز آغاز میں ہی سب سے نمایاں کررہی تھی' وہ یہ تھی کہ جونیئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں وہ واحد تھی' جو فارن کوالیفائیڈ تھی اور وہ بھی ایک اتنے نامور تعلیمی ادارے کی۔ ابھی وہ اپنی کارکردگی سے کسی پر بھی کچھ ثابت کر کے دکھا نہیں سکی تھی مگر کولمبیا یونیورسٹی کا نام سننے کے بعد اسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر!" وہ ہاتھوں میں ایک ڈرائنگ لیے سیڑھیوں کی طرف جارہی تھی تو جب اس کی عزیر فاروق سے ملاقات ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"

جوائن کرنے کے بعد پہلے دن اس کی ان سے ملاقات ہوئی تھی' انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا کر اپنی فرم کا ماحول اور یہاں کام کا طریقہ کار مختصراً سمجھایا تھا۔ اس مختصر ملاقات کے بعد پچھلے تین دنوں میں اس کی ان سے سرے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ وہ بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔

"ٹھیک ہوں سر!"

"کام سمجھ میں آنا شروع ہوا؟"

وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اپنے آفس کی طرف جارہے تھے۔

"جی سر! سمجھ میں آرہا ہے۔ لوکل بلڈنگ کوڈز اور یہاں کام کرنے کا طریقہ کار آہستہ آہستہ سمجھ رہی ہوں۔"

"آپ کو امریکہ سے یہاں پر سب کچھ بالکل ڈفرنٹ ملے گا۔ ویسے میں کسی فارنر سے اپنے ملک کی برائیاں کرنا کبھی پسند نہیں کرتا مگر آپ چونکہ امریکن کم اور پاکستانی زیادہ لگتی ہیں اس لیے کہہ رہا ہوں' ہمارے ہاں آپ کو بہت سی وہ برائیاں ملیں گی جو بحیثیت مسلمان ہم میں ہونی نہیں چاہئیں۔ جھوٹ' دھوکا' بے ایمانی اور وقت کی بے قدری' اس مادہ پرست معاشرے میں جتنی بھی برائیاں ہوں مگر یہ برائیاں نہیں۔ یہی ان کی ترقی کا سبب ہے اور ہمارے ہاں ہر شخص جھوٹ اور بے ایمانی کے بل پر جلد سے جلد اوپر چڑھنا چاہتا ہے' آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی شخص نے آپ سے ملاقات کے لیے پانچ بجے کا وقت طے کیا ہے تو آپ اسے پانچ سے چھ تو از خود ہی کرلیجیے کہ وہ پانچ بجے تو وہاں ہرگز موجود نہ ہوگا۔"

افسوس بھرے لہجے میں بولتے وہ اپنے آفس تک پہنچ گئے تھے۔

"آیئے!" انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے بلیک پینٹ اور کریم کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی' کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے ٹائی کی ناٹ کچھ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا لیں گی آپ؟" ان کے ساتھ تکلف تو اس نے پہلی مرتبہ نہیں برتا تھا پھر آج کیوں برتتی؟

"کولڈ ڈرنک۔"

"آپ چائے اور کافی بالکل نہیں پیتیں یا کم پیتی ہیں؟" انٹرکام پر چائے اور سوفٹ ڈرنک کا کہنے کے

www.pkdigest.com

بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔

"پیتی ہوں مگر بہت کم۔"

چائے اور سوفٹ ڈرنک آگئی تب وہ اس سے اس کی پی ای سی میں رجسٹریشن کے متعلق پوچھنے لگے۔

"جی سر! میں نے فارم فل کرلیا ہے۔ میرا آج ہی وہاں جانے کا ارادہ ہے۔"

"ارے تو آپ میرے ساتھ چلیے۔ مجھے بھی پی ای سی ایک کام سے جانا ہے۔"

انہوں نے اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کردیا تھا۔ اس نے جو یہ سے پی ای سی کے کراچی میں واقع برانچ آفس کا پتا اچھی طرح سمجھ کر اس کا باقاعدہ نقشہ تک بنوالیا تھا مگر چونکہ اس کے ماموں کے ڈرائیور نے پی ای سی برانچ آفس کبھی دیکھا ہوا نہیں تھا' اس لیے اسے لگ رہا تھا کہ آفس ڈھونڈنے میں تھوڑی وقت ہوگی۔ اس نے جتنی دیر میں اپنا گلاس خالی کیا' انہوں نے انٹر کام پر اپنے سیکریٹری شوکت سلطان کو کچھ ہدایات دیں' پھر کرسی پر سے کھڑے ہوگئے۔

وہ ان کے ساتھ کہکشاں کلفٹن پر واقع پی ای سی کے برانچ آفس آگئی تھی۔ اگر وہ ایک عام انجینئرنگ گریجویٹ کی حیثیت سے یہاں آتی تو پہلے اس ای طویل مرحلے سے گزرنا پڑتا۔ مگر وہ یہاں عزیر فاروق کے ساتھ آئی تھی۔ مختلف لوگوں سے ان کے نام لے کر سلام دعا کرتے اور خیریت دریافت کرتے انہوں نے ڈپٹی رجسٹرار کے متعلق دریافت کیا تھا۔

"درانی صاحب اندر ہیں نا؟ مصروف تو نہیں؟"

اپنے سوال کا جواب لیتے وہ اسے ساتھ لیے سیدھے ڈپٹی رجسٹرار کے آفس میں آگئے تھے۔ وہاں ان کا بڑا گرم جوش استقبال ہوا تھا۔ پھر چائے پیتے ہوئے ان دونوں کے درمیان پی ای سی ہیڈ آفس اسلام آباد میں پی ای سی کے عن قریب ہونے والے الیکشنز پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ چائے کے بعد درانی صاحب نے اس کی اسناد دیکھیں اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے ہی دیگر تمام فارمیلٹیز بھی ہوگئیں۔ پی ای سی کے ساتھ اس کی رجسٹریشن کے لیے فیس متعلقہ بینک میں اس کے جائے بغیر ہی بھروادی گئی۔ اس کے ہاتھ میں فیس جمع کرانے کی تصدیق کے لیے بینک واؤچر کا ایک حصہ آگیا تو درانی صاحب نے اسے بتایا کہ اندازاً ایک مہینے کے اندر اندر اسے رجسٹریشن کارڈ و سرٹیفکیٹ مل جائیں گے۔ عزیر فاروق اپنے جس کام سے پی ای سی آئے تھے وہ بھی ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مزید کچھ دیر اور درانی صاحب کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی' جس میں وہ بھی شامل ہوگئی تھی۔ وہ اب واپس جاتی بھی تو آفس پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد چھٹی کا ٹائم ہوجانا تھا چنانچہ عزیر فاروق نے اسے اس کے گھر ڈراپ کردیا تھا۔ اس نے انہیں اندر آنے کے لیے بہت کہا مگر وہ پھر کبھی آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

بلکہ ای صاحب کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے ایک ینگ' فریش اور تجربہ کار انجینئر سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس نے نیویارک میں اپنی فرم میں جو چند ماہ جاب کی تھی وہاں بھی اسے فریش اور ناتجربہ کار سمجھ کر دفتر کے اندر بیٹھ کر کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ڈرائنگز بنائے ڈرافٹس مین کی نگرانی کرے یا کبھی کوئی چھوٹی موٹی چیز اسے ڈیزائن کرنے کو دے دی جائے تو سائٹ پر جائے بغیر اسے دفتر کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی کیلکولیٹر اور پین ہاتھ میں لے کر' یونیورسٹی میں آر سی سی اور اسٹیل اسٹرکچر میں پڑھے مختلف فارمولے لگا لگا کر اسے ڈیزائن کردے۔ کاغذ اور قلم کے ذریعے یہ حساب کتاب نکالتے کہ کولمز میں اتنا سریا ڈلے گا اور بیم میں اتنا' اسے لگتا جیسے وہ سول انجینئر نہیں بلکہ ریاضی داں ہے۔ اور ریاضی کا کوئی سوال حل کررہی ہے۔

وہ اندر سے ایک مکمل انجینئر تھی اور ایک مکمل انجینئر سائٹ پر جائے بغیر' دھول مٹی کھائے بغیر سریے کو کاغذ پر نہیں اصل میں لگتا دیکھے بغیر' کالمز کو اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتا دیکھے بغیر بنیادوں کو کھدتا دیکھے بغیر خود کو مکمل انجینئر تصور نہیں کرسکتا۔ ایسا ہی

www.pkdigest.com

سب کچھ اس کے ساتھ یہاں ہو رہا تھا۔ بلگرامی صاحب سخت گیر باس تھے' وہ ان سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔

نیویارک میں اس چیز کو اس نے برداشت کیا تھا مگر یہاں الجھن سی ہو رہی تھی۔ نیویارک میں وہ کسی کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہاں وہ عزیر فاروق کو اپنے کام' اپنی ذہانت اور اپنی پیشہ ورانہ قابلیت سے متاثر کرنا چاہتی تھی۔

اس روز وہ ڈرائنگ سیکشن میں کمپیوٹر کے پاس کھڑی ڈرافٹس مین کو حسین آرکیڈ کی بیسمنٹ کی ڈرائنگز میں کچھ سمجھا رہی تھی جب عزیر فاروق' بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین جو یہاں سینئر موسٹ آرکیٹکٹ تھیں' ایک ساتھ ڈرائنگ سیشن میں داخل ہوئے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ جس دن ان کے ساتھ پی ای سی گئی تھی اس کے بعد تو بس آتے جاتے یونہی سامنا ہو جانے پر سلام دعا اور مختصر خیر و عافیت ہی دریافت ہو پاتی تھی۔

"کیسی ہیں مس ہنیا؟" انہوں نے اس کے پاس رک کر اس کی خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہوں سر" ان سے ملاقات ہمیشہ اسی انداز میں ہوئی تھی جب وہ اپنے دل کی بات اتنے سارے لوگوں کے بیچ ان سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی سو "ٹھیک ہوں سر؟" کے علاوہ اور کیا جواب دیتی۔

اسے یہاں جاب کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ پی ای سی میں بطور پروفیشنل انجینئر رجسٹرڈ ہو چکی تھی' اس کے پاس رجسٹریشن کارڈ آ چکا تھا۔ کراچی کے بے ہنگم ٹریفک اور راستوں سے کچھ مانوس ہو جانے کے بعد اس نے اپنی ذاتی گاڑی خرید لی تھی اور اب گزشتہ ایک ہفتے سے وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے آفس آ رہی تھی۔ ان دو کاموں کے علاوہ اس کے پاس تیسرا ایسا کوئی قابل فخر کام اور کارنامہ نہیں تھا جسے وہ بتا سکتی کہ اس نے ایک مہینے کے دوران اسے انجام دیا ہے۔

عزیر فاروق اس سے خیر خیریت پوچھتے فوراً" ہی بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین کے ساتھ آگے طالب کی طرف بڑھ گئے تھے۔ طالب زیدی' عزیر فاروق اور بلگرامی صاحب سے کئی سال جونیئر مگر ہنیا سے کافی سینئر اسٹرکچرل انجینئر تھا۔ کافی Competent اور Dedicated طالب ان تینوں کو کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ دکھا رہا تھا۔ کسی High Rise بلڈنگ کے کولمز کی سیکشن ڈرائنگ دیکھتے وہ چاروں کولمز کی لمبائی اور چوڑائی پر آپس میں بحث کرنے میں مصروف تھے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ ڈرافٹس مین کو ڈرائنگ میں پیش آنے والے مسئلے کے متعلق سمجھانے لگی۔ اس کے سامنے ہی وہ تینوں وہاں سے نکل کر چلے بھی گئے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد ڈرائنگ سیکشن سے نکل کر اپنے کیبن میں آ کر بیٹھی تھی اور ابھی اس نے ان ڈرائنگز کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا جو بلگرامی صاحب نے اسے چیک کرنے کے لیے کہا تھا کہ اسے انٹرکام پر اطلاع ملی عزیر فاروق صاحب اسے یاد کر رہے تھے۔

"جی سر؟" وہ دروازہ کھول کر ان کے آفس میں داخل ہوئی۔

"آیئے مس ہنیا!" وہ کمپیوٹر پر کچھ کر رہے تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"میں نے سنا ہے آپ اپنی جاب سے خوش نہیں۔" انہوں نے چھوٹتے ہی کہا۔

"سر! آپ نے کس سے سنا؟" اس نے ہکا بکا انہیں دیکھا۔

آخر یہ مخبر کون پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس کے دل کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا۔ اس نے اس طرح کی بات تو کسی کولیگ سے نہیں کہی تھی' جاب سے مطمئن نہ ہونے کی بات تو اس کے اپنے دل کی بات تھی' کسی سے اس کا اظہار تو اس نے ہرگز نہ کیا تھا۔

"کسی نے بھی کہا' بات سچ ہے کہ نہیں؟" وہ اسے الجھن میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"سر! بات اس حد تک سچ ضرور ہے کہ یہاں جو کام

فی الحال میں کر رہی ہوں وہ تو ایک ڈرافٹس مین بھی کر سکتا ہے۔ میں ایک کوالیفائیڈ انجینئر ہوں۔ میں سائٹس پر جانا چاہتی ہوں۔ میں کسی پروجیکٹ کا مکمل طور پر حصہ بننا چاہتی ہوں۔ ایر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر تھوڑی بہت ڈیزائننگ کر لینا' ڈرائنگز بنا لینا' ڈرائنگز چیک کر لینا

its not my idea of civil engineering میں سائٹس پر جانا چاہتی ہوں' میں کسی پروجیکٹ کی ڈیزائننگ کے ابتدائی مرحلے سے لے کر اس کی Constructions کے آخری مرحلے تک اس میں شامل رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے ڈیزائنز کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتا دیکھنا چاہتی ہوں' میں آرکیٹکٹ' بلڈر' Contractor سب کے ساتھ Interact کرنا چاہتی ہوں۔"

انہیں اس کے اندر کی بات کیسے پتا چلی اس پر مزید اصرار یا ان کی بات کی تردید کیے بغیر اس نے اسی صاف گوئی اور اعتماد سے انہیں جواب دیا۔

"آپ نے یہ بات مجھ سے آ کر کہی کیوں نہیں؟"

"سر! مجھے لگا کہ کہیں بلگرامی صاحب میری بات کا برا نہ مان جائیں۔ آفٹر آل وہ میرے باس ہیں۔"

"بغیر لگی لپٹی رکھے صاف صاف بات کرنے والی' اتنی پر اعتماد لڑکی سے مجھے اس بزدلی کی توقع نہیں تھی۔ میں نے یہ سوچ کر کبھی کچھ زیادہ پوچھا بھی نہیں کہ یقیناً آپ اپنی جاب سے مطمئن ہیں ورنہ سیدھی میرے پاس آ گئی ہوتیں۔"

"سر! آپ نے میرے بارے میں زیادہ برا امپریشن لے لیا ہے۔ میں اتنی منہ پھٹ بھی نہیں ہوں۔"

اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تو وہ بے اختیار کھل کر ہنسے۔ وہ مسکراتے ہوئے محظوظ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! آپ کو کیا ٹیلی پیتھی آتی ہے؟" ظاہر ہے انہوں نے ابھی ڈرائنگ سیکشن میں اس کے کسی انداز سے اس کی کوفت و بے زاری کو نوٹس کیا تھا۔

وہ مسکراتے رہے' بولے کچھ نہیں۔

"تو بات کچھ یوں ہے مس ہنیا سجاد! کہ وہ ٹیلنٹڈ اور Competent انجینئر جسے میں اپنے کسی Competitor کے حوالے کر دیتا تو نقصان میرا تھا' وہ اگر میرے پاس اپنی جاب سے مطمئن نہیں تو بھی تو نقصان میرا ہی ہے۔ اگر میرے پاس سے غیر مطمئن ہوتی وہ میرے کسی Competitor کے پاس چلی گئی پھر۔۔۔؟"

"سر!" اس نے جز بز ہوتے احتجاجی انداز میں کہا تھا۔ وہ اسے اس کی پہلے دن کی اپنے منہ میاں مٹھو والی باتیں یاد دلانا بھولتے نہیں تھے۔

"مجھے کورنگی ایک فیکٹری کی سائٹ پر جانا ہے' آپ میرے ساتھ وہاں چل رہی ہیں۔ اپنا جو کچھ بھی سامان آپ نے لینا ہے' وہ لے کر پانچ منٹ میں باہر پہنچیں' میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا اور پھر فوراً" ہی اپنے بجتے ہوئے ٹیلی فون کی سمت متوجہ ہو گئے۔ وہ اپنی خوشی بمشکل چھپاتی جلدی سے وہاں سے اٹھی۔ اپنے کیبن میں آ کر اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر آف کیا' اپنی درازیں لاک کیں' ہینڈ بیگ' موبائل اٹھایا اور تیز قدموں سے فوراً" باہر نکل آئی۔ وہ پانچ کیا چار منٹوں میں باہر آ گئی تھی۔ وہ ان کے برابر گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے اس فیکٹری کی ورکنگ ڈرائنگز اس کے حوالے کیں جس کی سائٹ پر اس وقت وہ لوگ جا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ راستے میں اس پروجیکٹ سے آگاہی حاصل کر لے۔ وہ خود ڈرائیونگ کے دوران اسے فیکٹری کے اسٹرکچرل ڈیزائن کے متعلق کافی کچھ بتاتے رہے تھے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں وہ فیکٹری کافی بڑے رقبہ پر بنائی جا رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو فیکٹری کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ سائٹ انجینئر' عزیر فاروق کی گاڑی کو دیکھتے ہی مستعد سا فوراً" ان کی طرف آیا تھا۔

"السلام علیکم سر!" سے شروع کرتے ہوئے اس نے جلدی جلدی انہیں کام کی رفتار و معیار سے متعلق زبانی رپورٹ دینا شروع کر دی تھی۔

www.pdfdigest.com

سائٹ انجینئر کے ساتھ چلتے وہ دونوں اندر آگئے تھے۔ وہاں ہر طرف دھول تھی، مٹی تھی، سیمنٹ، بجری، کرش، لکڑی، سریا ہر جگہ یہی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ مزدور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جبکہ عزیر فاروق کو دیکھ کر ٹھیکے دار بھی وہیں آگیا تھا۔ ان لوگوں کو ہنیا سے متعارف کرواتے عزیر فاروق آگے بڑھے۔ فرسٹ فلور پر سریا پوری طرح بچھ چکا تھا۔ فرسٹ فلور تک جانے کے لیے ابھی سیڑھی نہیں بنی تھی۔ ان لوگوں نے لکڑی کا ایک مضبوط سا تختہ ٹیڑھا کر کے زمین سے لے کر فرسٹ فلور تک لگایا ہوا تھا اور اس کے ذریعے باتیں کرتے کرتے وہ سب بڑے اطمینان سے اوپر چڑھنے لگے تھے۔ ورکنگ ڈرائنگز ہاتھوں میں سنبھالے وہ بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھ آئی تھی۔

"Beams کا اسٹیل چیک کیجیے۔"

عزیر فاروق نے اس سے کہا اور پھر دوبارہ سائٹ انجینئر اور ٹھیکیدار کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگئے۔ وہاں پوری طرح ہر طرف سریا بچھا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتی ورکنگ ڈرائنگز ہاتھ میں لیے ڈرائنگ میں موجود Beams کے سریے کا اصل Beams کے سریے کے ساتھ موازنہ کر رہی تھی، یوں آہستہ آہستہ احتیاط سے چلنا، خود کو کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے بچانا، کہیں سریا یا کوئی اور چیز چبھ نہ جائے اس بات کا دھیان رکھنا اور ساتھ ساتھ ڈرائنگ ہاتھ میں لیے کام کے معیار کا جائزہ لینا، یہ سب کچھ بہت نیا اور بہت مختلف تجربہ تھا۔

اسے اس کا کام سونپ کر عزیر فاروق سائٹ انجینئر کے ساتھ مصروف تھے۔ جو انہیں کنسٹرکشن کے دوران پیش آنے والی مختلف مشکلات اور پریشانیوں سے آگاہ کر رہا تھا اور وہ اسے حل بھی کرتے جا رہے تھے۔ اس شعبہ میں خواتین چونکہ ابھی بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہیں اس لیے اپنے اپنے کاموں میں مصروف مختلف مزدور گاہے گاہے نظریں اٹھا کر اسے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس نے قریب جا کر ان میں سے ایک دو سے بات کی تو اسے ان کی معلومات اور علم پر خوشگوار حیرت ہوئی۔

وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، ان میں سے چند تو گنتی تک نہیں جانتے تھے مگر کس (کولم) میں کتنا سریا ڈالنا چاہیے اور کس طرح کی عمارتوں کے لیے کس طرح کے (کولمز) اور beams موزوں رہتے ہیں فرفر بتا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ان سب کا رویہ بہت احترام والا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو اسے وہاں اتنا سنبھل سنبھل کر چلتے دیکھ کر ایسی جگہوں پر کس طرح چلا جاتا ہے، اس کی ٹیکنک تک بتائی تھی۔

"چلیے مس ہنیا!" اسے کہتے ہوئے عزیر فاروق تیز قدموں سے اس سیڑھی نما لکڑی کے تختے پر سے بڑے آرام اور اطمینان سے نیچے اتر گئے تھے۔ وہ کونے تک تو آکر کھڑی ہوگئی تھی مگر اس تختے پر سے اترتے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ چوٹ لگنے کا خوف نہیں تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کے سامنے اگر وہ گر پڑی تو کس قدر شرمندگی ہوگی۔ عزیر فاروق آج یوں اسے اچانک اپنے ساتھ سائٹ پر لے آئیں گے۔ ایسی کوئی بات اس کے ذہن میں دور دور تک نہ تھی ورنہ وہ سلیپر سینڈلز کے بجائے جوگرز پہن کر آتی۔

لکڑی کے تختے پر سے اترتے اونچی ہیل والے سینڈلز میں مقید اس کے پیر ذرا بھی اِدھر سے اُدھر ہوتے اور وہ سیدھی نیچے۔ اس تختے اور اس ڈھلان کو دیکھ کر اسے خوف آرہا تھا عزیر فاروق نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے ہچکچاہٹ کا شکار دیکھا تو جیسے از خود ہی اس کا مسئلہ سمجھ گئے۔ وہ جس تیزی سے نیچے اترے تھے، اسی سے واپس اوپر چڑھے اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بغیر ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے اس نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو فوراً تھام لیا۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"آپ گاڑی میں جا کر بیٹھیے میں آرہا ہوں۔"

اپنی گاڑی کی چابی اسے دیتے انہوں نے کہا اور خود دوبارہ سائٹ انجینئر سے کوئی بات کرنے چلے گئے۔

وہ چند ہی منٹوں بعد گاڑی میں آکر بیٹھے تو اس کا

خیال تھا اب وہ اس کی کچھ دیر پہلے کی بزدلی کا ضرور مذاق اڑائیں گے۔ سائٹ پر جانا ہے اور عملی انجینئر بننا ہے کا اتنا واویلا کرنے کے بعد عملی طور پر اتنی کم ہمتی۔ مگر اس کی امید کے برخلاف انہوں نے اس بات کا تو سرے سے کوئی ذکر کیا ہی نہیں بلکہ وہ اسے اس کنسٹرکشن سے متعلق دیگر باتیں بتانے لگے۔ اب وہ ایڈمنسٹریٹیو ایریا سے نکل آئے تھے۔

"مجھے اب بلڈنگ کنٹرول ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیے۔" وہ جیسے آج اس کی تمام شکایتیں دور کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی تو لنچ کر رہی ہوتی۔

"لنچ ٹائم ہو رہا ہے آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔" ڈرائیو کرتے کرتے انہوں نے اس کی سمت دیکھا۔

"نہیں سر! کچھ خاص نہیں۔" اس نے انہیں اطمینان دلایا، مگر کچھ ہی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد انہوں نے گاڑی میک ڈونلڈز کے سامنے روک دی۔

"آپ کون سا برگر لیں گی؟"

"سر! آپ پلیز۔ تکلف۔"

اس نے کہنا چاہا اور انہوں نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔ "یہ ہنیا سجاد نے اتنے پُرتکلف جملے بولنے کب سے شروع کر دیے ہیں؟ ایک مہینہ پہلے میں جس ہنیا سجاد سے ملا تھا، وہ بلا تکلف اور بے جھجک بات کرتی تھی۔ آپ کی جس کوالٹی کی وجہ سے میں نے آپ کو اپائنٹ کیا تھا خدا کے لیے اپنی اس بے ساختگی کو مت چھوڑیے۔ آپ بے جھجک اور بے تکلف بات کرتی ہی اچھی لگتی ہیں۔"

اب تو اسے اپنی پسند بتانا ہی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر چلے گئے تھے۔ کچھ ہی منٹوں بعد وہ واپس گاڑی میں آکر بیٹھے اور اس کا پارسل اس کے حوالے کر دیا۔

"اور سر آپ؟" وہ اپنے لیے کچھ بھی نہیں لائے تھے۔

"میری عمر نہیں ہے فاسٹ فوڈز کھانے کی۔ یوں بھی میں باہر کا کھانا بہت ہی کم کھاتا ہوں۔ دل کا مریض ہوں، میرے لیے گھر سے کھانا آتا ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔ جب تک وہ تمام چیزیں کھا پی کر فارغ ہوئی، تب تک وہ سوک سینٹر، بلڈنگ کنٹرول کے آفس پہنچ گئے۔ راستے میں بھی وہ اسے یہ بتاتے ہوئے آئے تھے کہ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے چند (ہائی آفیشلز) کے ساتھ ان کی اور ان کے ایک بلڈرز جن کے لیے انہوں نے ایک کئی منزلہ رہائشی عمارت ڈیزائن کی تھی یہ میٹنگ اس NOC کے بارے میں تھی، جو بلڈنگ کنٹرول والے جاری کریں تو ان کے فلیٹوں کی بکنگ کا کام شروع ہو۔

وہ بلڈرز جن کے لیے انہوں نے وہ بلڈنگ ڈیزائن کی تھی وہاں پہلے سے موجود تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا نام عامر اعوان تھا۔ عمر میں کم و بیش عزیر فاروق جیسے ہی تھے۔ ان کی قیمتی گاڑی اور شاندار لباس ان کی امارات کا واضح اظہار تھے۔

ابتدائی تعارف کے دوران ہی اسے وہ صاحب پسند نہیں آئے تھے۔ اسے ان کی نظریں اچھی نہیں لگی تھیں۔ بظاہر بڑے کلچرڈ، بڑے مہذب مگر نظریں ایسی جیسے آپ کو آر پار دیکھ رہے ہوں۔ مردوں کی یہ قسم صرف یہاں نہیں، اس نے امریکہ میں بھی بہت دیکھ رکھی تھی بلکہ شاید رنگ، نسل اور قومیت کے جھگڑے سے آزاد یہ قسم ہر ملک اور ہر معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جن کے لیے اس کی دوست کیتھی کہا کرتی تھی کہ ان کی نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جیسے اپنے سامنے آنے والی ہر عورت اور ہر لڑکی کو گویا نظروں سے پوسٹ مارٹم کر رہے ہوں۔

میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ واپس آفس پہنچے تو چار بج رہے تھے۔

"سر! آپ لنچ کر لیجیے۔" وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ کر ڈرائنگ سیکشن میں جانے لگے تب وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"لنچ؟" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے کوئی بھولی ہوئی بات اس نے یاد دلا دی تھی۔

"ہاں لنچ ابھی کر لیتے ہیں۔ پہلے ذرا مجھے طالب سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔ کل بلڈنگ چائلڈ

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

کیئر اسپتال کی سیشن ڈرائنگ جانی ہیں۔" وہ اسے جواب دیتے ڈرائنگ سیکشن میں چلے گئے۔

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب عزیر فاروق کے سیکریٹری شوکت سلطان نے اسے انٹرکام پر اطلاع دی کہ "سر! آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ ان کے آفس میں آئی تو حسب معمول پہلے شوکت سلطان ہی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کمپیوٹر پر کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔

"سر! اندر ہیں۔ آپ چلی جائیے۔"

اسے اپنے پاس رکتا دیکھ کر شوکت سلطان بولے۔

"سر نے لنچ کر لیا؟" وہ یہی پوچھنے رکی تھی' سو فوراً ہی پوچھ لیا۔

شوکت سلطان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔"

"ابھی تک نہیں کیا۔"

اس نے اپنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھتے حیرت سے کہا۔

"آپ کس قسم کے سیکریٹری ہیں؟ آپ کے باس نے شام ساڑھے پانچ بجے تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں' انہیں شاید اپنی میڈیسنز بھی لینی ہوں گی۔ اور اگر کوئی میڈیسن نہ بھی لینی ہو تب بھی ہارٹ پیشنٹ کے لیے بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل کام کرنا کیا مناسب ہے؟"

شوکت سلطان کی حیران نظروں کو نظرانداز کر کے اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتی وہ عزیر فاروق کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"آیئے میں ہنیا!" وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہاں عزیر فاروق کے ساتھ بلگرامی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی رکھی تھی اور وہ اس کی آمد سے قبل شاید اسی پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔

"بیٹھیے۔" وہ بلگرامی صاحب کی برابر والی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

"بھئی بلگرامی صاحب! آپ کی ٹیم کی اس ممبر کو میں لیاقت علی میڈیکل کالج کے پروجیکٹ میں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ میں طالب کے ساتھ مس ہنیا مجھے اسسٹ کریں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔"

وہ اس طرح بولے جیسے وہ بلگرامی صاحب کے لیے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ تھی۔ جبکہ انہوں نے تو ابھی تک اسے ایک فارن کوالیفائیڈ فریش انجینئرنگ گریجویٹ سے بڑھ کر کچھ تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے جس طرح لاتعلقی سے سر ہلا کر اسے اپنے انڈر قبول کیا تھا اسی طرح اس نئی تجویز کو بھی قبول کر لیا۔

وہ اب ان کے ساتھ کام کرے گی اسے یہ سوچ کر ہی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

بلگرامی صاحب اور ان کی گفتگو کے بیچ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس میڈیکل کالج کی report soil پر بات کر رہے تھے۔ مزید چند منٹ گفتگو کر کے بلگرامی صاحب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

اسے بھی جس بات کے لیے بلایا گیا تھا وہ ہو چکی تھی لہٰذا اسے بھی اب اٹھ جانا چاہیے تھا مگر وہ بلگرامی صاحب کے جانے کے باوجود وہیں بیٹھی رہی۔

"جی مس ہنیا! کہیے آپ کا آج کا دن کیسا رہا؟ سائٹ پر اور میٹنگ میں کچھ نیا سیکھنے کو ملا؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"سر! آج کا دن بہت اچھا رہا۔ میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور تھینکس سر! مجھے اس نئے پروجیکٹ میں شامل کرنے کے لیے۔ میں آپ کے ساتھ کام کر سکوں گی میں ابھی سے ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔"

"زیادہ ایکسائیٹڈ مت ہوں۔ میں کام کے معاملے میں بلگرامی صاحب سے زیادہ سخت گیر باس ہوں۔ طالب سے پوچھیں (اسٹرکچرل ڈیزائننگ اور سیشن کے دوران اس بے چارے نے مجھ سے کتنی ڈانٹیں کھائی ہیں۔" انہوں نے جیسے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"سر! آپ اگر کسی کو ڈانٹتے ہوں گے تو بغیر وجہ کے

نہیں ڈانٹتے ہوں گے اگر کبھی مجھے ڈانٹ پڑی تو یقیناً" میں نے بھی کوئی unforgivable blunder کیا ہوگا۔" وہ بے اختیار مسکرائے۔

"میرے متعلق اتنی اچھی اچھی آرا قائم کرلی گئی ہیں یعنی یہ کہ اگر کبھی ہنیا سجاد نے پاکستان سے مایوس ہوکر واپس امریکہ چلے جانے کا فیصلہ کرلیا تو اس مایوسی کا سبب کم از کم میں تو ہرگز نہیں ہوں گا۔"

"سر! آپ بہت اچھے ہیں۔ اپنے سب ایمپلائز کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنی جابز سے خوش اور مطمئن رہیں اس چیز کا دھیان رکھتے ہیں، جیسا کہ آپ نے میرے معاملے میں کیا۔ لیکن سر! آپ کو صرف اپنے ایمپلائز اور فرم کا نہیں اپنا بھی تو دھیان رکھنا چاہیے۔"

وہ اپنے مخصوص صاف گو انداز میں بولی۔ انہوں نے نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر! ساڑھے پانچ بج چکے ہیں۔ آفس ٹائم ختم ہونے والا ہے اور آپ نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔"

انہوں نے بے اختیار سر پر یوں ہاتھ مارا جیسے کوئی بہت بھولی بسری بات اچانک کسی نے یاد دلا دی ہو۔ وہ ان کی اور پلگرامی صاحب کی گفتگو کے دوران یہ بات سن چکی تھی کہ سات بجے ان کی یہیں کسی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی یعنی وہ ابھی مزید کافی دیر آفس ہی میں تھے۔

"سر! ابھی آپ کے کلائنٹ کے آنے میں ٹائم ہے آپ اتنی دیر میں کھانا کھا لیجیے۔" ان کے چہرے پر ایک حیرت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آپ اپنے تمام باسز کی اتنی ہی فکر کرتی ہیں یا میں کچھ اسپیشل ہوں؟"

"ہر وہ شخص جو مجھے اچھا لگے۔ میرے لیے بہت اسپیشل ہوتا ہے، چاہے وہ میرا باس ہو یا نہیں۔" وہ بے دھڑک بولی۔

"آپ ایک اتنی پیاری سی لڑکی جو میری اتنی تعریفیں بھی کررہی ہے مجھ سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہے تو میرے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں بس شرط یہ ہے کہ اسے کھانے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

اس سے بولتے ہوئے انہوں نے ریسیور اٹھایا انٹر کام پر شوکت سلطان سے اپنے لیے کھانا بھجوانے کو کہا۔

"تو آپ کو پاکستان کیسا لگ رہا ہے، دو مہینے سے اوپر ہوگئے ناں آپ کو یہاں آئے۔"

"پاکستان اچھا ہے سر! ابھی تو کافی کچھ نیا اور نامانوس لگتا ہے۔"

وہ اسی موضوع پر بات کررہی تھی جب پیون کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے کھانا صوفے کے سامنے رکھی میز پر لگا دیا تھا۔

"آیئے مس ہنیا!" ہاتھ دھونے کے لیے واش روم کی طرف جاتے انہوں نے اسے میز پر آنے کی دعوت دی۔ میز پر چکن پلاؤ مکسڈ سبزیاں، چپاتیاں اور سلاد موجود تھی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ وہ دوپہر کو لنچ کرچکی تھی مگر ان کے ساتھ دینے کے خیال سے وہ اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی مکس سبزیاں اور چاول ڈال رہی تھی۔ وہ اپنی پلیٹ میں سلاد ڈال رہے تھے۔ اس کے چاول ڈالنے کے انداز پر وہ ہاتھ روک کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ چکن کی بوٹیاں ہٹا ہٹا کر صرف چاول اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

"ویجی ٹیرین ہیں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ انہوں نے صرف سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالی تھی اور وہ ابھی صرف سلاد کھا رہے تھے۔

"میں کھانے میں سلاد زیادہ کھاتا ہوں اور باقی چیزیں کم۔"

"مجھے پتہ ہے سر!" بے خیالی میں بغیر سوچے سمجھے اس کے منہ سے نکلا۔ بولتے کے ساتھ ہی اسے اپنی

غلطی کا احساس ہوا۔ چمچہ منہ کی طرف لے جاتا ان کا ہاتھ اس بات پر اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ انہوں نے بے تحاشا حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے سر! آپ باہر کا کھانا نہیں کھاتے، پرہیز کرتے ہیں، احتیاط کرتے ہیں تو یقیناً" کمپلیٹ اور healthy ڈائٹ لینے کے لیے سلاد اور فروٹس زیادہ لیتے ہوں گے اور کھانا کم کھاتے ہوں گے۔" اس نے جلدی سے اپنی بات کی وضاحت دی تھی۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا کر گویا اس کی بات کی تائید کردی تھی۔

"سر! کھانا بہت مزے کا ہے۔ آپ کی مسز نے بنایا ہے؟" اس نے اپنی پلیٹ میں مزید سبزیاں ڈالتے ہوئے موضوع بدلا۔

"نہیں۔ پہلے میری مسز ہی میرے لیے کھانا بنا کر بھیجا کرتی تھیں مگر اب ان کی صحت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تو ان کی زیر نگرانی اور زیر ہدایات ہمارا کک کھانا تیار کرکے بھیجتا ہے۔"

"میں آپ کو اپنے ساتھ چائے یا کافی پینے کے لیے رکنے کو کہتا لیکن آفس ٹائم کافی دیر ہوئی ختم ہوچکا، آپ کو گھر جانا ہوگا آپ کے گھر والے انتظار کررہے ہوں گے۔"

کھانے کے بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔ ابھی وہ دونوں صوفوں ہی پر بیٹھے تھے کہ اسی وقت ان کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی وہ غالباً" ان کے کسی کلائنٹ کی کال تھی۔

انہیں خدا حافظ کہہ کر وہ وہاں سے باہر نکلی تو شوکت سلطان نے سر کے لنچ کے لیے بلکان ہوتی اس جمعہ جمعہ آٹھ دن کی لپائنٹ ہوئی نئی انجینئر کو بے حد تعجب اور حیرت سے دیکھا۔ اس نے صرف فکر کا اظہار ہی نہیں کیا تھا، بلکہ خود اندر جاکر انہیں کھانے کا یاد دلا کر ان کے لیے کھانا منگوا بھی لیا تھا اور غالباً" کھانا ان کے ساتھ کھا بھی لیا تھا۔ بغیر کسی ایڈ اور vacancy کے لپائنٹ ہوئی یہ نئی انجینئر جو سر کے بہت زیادہ آگے پیچھے پھرتی نظر آرہی تھی۔ وہ اپنے باس کو برسہا برس سے جانتا تھا، وہ اس طرح کے آدمی نہیں تھے، مگر یہ امریکہ پلٹ نئی انجینئر اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے۔

"میڈم! آپ غلط جگہ ٹرائی کررہی ہیں۔ سر اپنی مسز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ میں ان کا سیکریٹری گواہ ہوں کہ روزانہ آفس سے وہ کتنی کتنی مرتبہ اپنی مسز کو فون کرتے اور ان کی فون کالز ریسیو کرتے ہیں۔"

آج کل کی ذرا زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں میں یہ نیا ٹرینڈ چل پڑا تھا انہیں اپنے سے دگنی عمر کے مردوں میں بے پناہ کشش محسوس ہوتی ہے۔

"خیر مجھے کیا ہے۔" شوکت سلطان نے سر جھٹک کر اپنے آج کے کاموں کو جلدی جلدی وائنڈ اپ کرنا شروع کردیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے آج ہماری بیٹی بہت خوش لگ رہی ہے؟"

فیاض صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ تینوں اس وقت رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

"جی ماموں! آج میرا آفس میں دن بہت اچھا گزرا۔ میں کل سے اپنے باس کے ساتھ ایک پروجیکٹ میں بھرپور انداز میں شریک بھی ہونے والی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"اللہ تمہیں یونہی ہنستا اور خوش رکھے ہنیا! زندگی میں بہت سی خوشیاں دے۔"

شمسہ بیگم نے بھرپور خلوص اور محبت کے ساتھ اسے دعائیں دیں۔ جب تک امریکہ میں تھی ان کا اس سے سرسری سا ہی رابطہ اور تعلق تھا مگر اب یہاں ان کے پاس آئی تو اپنی پیاری عادات کے سبب بہت جلد ان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی۔ لگتی ہی نہیں تھی کہیں سے اس بے باک مادر پدر آزاد معاشرے کی پروردہ۔ اس میں وہی رکھ رکھاؤ، وہی تہذیب اور ادب و آداب تھے جو مشرقی لڑکیوں کا خاصا ہوا کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کے ساتھ لان میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنے بچوں

www.pkdigest.com

کے بغیر ان کا بڑا سا گھر جو ہر وقت ویران اور خاموش سا رہتا تھا اس کے آجانے سے وہاں کچھ رونق پیدا ہو گئی تھی۔ دن اس کا آفس میں گزر جاتا تھا مگر رات کا یہ وقت وہ اپنے ماموں ممانی کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کر کے گزارا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ باتیں کر کے، وقت گزار کے وہ دونوں بہت اچھا محسوس کرتے تھے، خوش ہوتے تھے مگر فیاض کبھی کبھی اس بات پر دل میں حیران ضرور ہوتے تھے کہ اپنے ان بوڑھے ماموں، ممانی کی کمپنی میں وہ اتنی خوش اور مطمئن کیسے بیٹھی رہتی تھی۔

وہ اس کی عمر کے مطابق، اس کی دلچسپی کے موضوعات پر باتیں نہیں کر سکتے تھے، ان کے گفتگو کے موضوعات کچھ اور ہوتے تھے جو یقیناً" آج کل کے کسی لڑکے یا لڑکی کی دلچسپی کے حامل نہیں ہو سکتے تھے مگر وہ روز رات کو کافی دیر تک ان دونوں کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ان کی تنہائی اور اکیلے پن کا مداوا کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ رات گیارہ بجے تک ان کی یہ محفل جما کرتی تھی۔ گیارہ بجے ہنیا سونے کے لیے اٹھ جاتی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو بھی جلدی سونے کی عادت تھی لہٰذا جیسے ہی گیارہ بجتے وہ انہیں شب بخیر کہتی ان کے پاس سے اٹھ جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز وہ عزیر فاروق اور طالب کے ساتھ میڈیکل کالج کی سائٹ پر پہنچ گئی تھی۔ جہاں آج سے باقاعدہ کنسٹرکشن کا آغاز ہونا تھا۔ خاصا بڑا پروجیکٹ تھا۔ میڈیکل کالج کے ساتھ الگ الگ بوائز اور گرلز ہوسٹلز بھی تعمیر ہونا تھے۔

عزیر فاروق تو وہاں آدھ پون گھنٹہ رک کر چلے گئے تھے جبکہ وہ اور طالب وہاں کاموں کی نگرانی کے لیے کافی دیر تک موجود رہے تھے۔ آج اس کے پاؤں میں جوگرز بھی تھے اور سر پر کیپ بھی۔ وہ ایک سول انجینئر کے پرفیکٹ حلیے میں تھی۔ خوب دھول مٹی کھا کر اور تیز دھوپ میں رنگ جھلسا کر وہ دونوں وہاں سے سہ پہر کے وقت آفس لوٹے تھے۔ آنے کے بعد وہ طالب کے ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں تھی۔ میڈیکل کالج کی ورکنگ ڈرائنگز میں کچھ پوائنٹس وہ دونوں ڈسکس کر رہے تھے۔ سامنے تینوں ڈرائنگ بورڈز پر میڈیکل کالج ہی کی ڈرائنگز لگی ہوئی تھیں۔ شیریں اور جویریہ اپنے اپنے الگ کاموں میں وہاں مصروف تھیں۔ تب ہی ذیشان باہر سے کچھ بولتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا بھائی؟ یہ منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑایا جا رہا ہے؟"

طالب نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے اسی سال NED سے پاس آؤٹ کیا تھا۔ اسے یہاں جاب کرتے ابھی سات آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ خاصا شوخ و شریر اور چلبلا سا لڑکا تھا۔ اس کی ہنگامہ پروری دیکھ کر لگتا نہ تھا کہ وہ این ای ڈی سے گولڈ میڈلسٹ ہے۔

"کچھ نہیں، بس یونہی کچھ لوگوں کی کنجوسی بلکہ مہا کنجوسی پر افسوس کر رہا ہوں۔ ابھی چھ مہینے پہلے کی بات ہے ہمیں پہلی سیلری ملی تھی ہم نے سارے کولیگز کو باہر لے جا کر کھانا کھلایا تھا اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پہلی کیا دوسری سیلری وصول کرنے والے ہیں اور کولیگز کو کھانا کھلانا تو دور ایک ایک گلاب جامن تک نہ کھلا سکے۔"

اشارہ چونکہ اس کی جانب تھا اس لیے اس نے فوراً" مڑ کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ افسوس بھرے انداز میں سر کو دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"مس ہنیا! کیا امریکہ میں دوستوں کی دعوت کرنے کا رواج بالکل نہیں ہے؟ ویسے سنا یہی ہے امریکی خاصے روکھے پھیکے لوگ ہوتے ہیں بلکہ بعض تو اس حد تک روکھے اور کنجوس ہوتے ہیں کہ اپنی گرلز فرینڈ کے ساتھ کہیں باہر کھانا کھانے جائیں تو دونوں اپنا اپنا بل خود پے کرتے ہیں۔" وہ چہرے پر ڈھیر ساری معصومیت لیے بولتا ہوا اس کے پاس آگیا۔

"ایسے کنجوس بوائے فرینڈ سے میرا واسطہ نہیں

پڑا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ شیریں اور جویریہ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

"کہاں کھانا کھانے کا موڈ ہے، آج ہی چلیں؟" اس نے کھلے دل سے آفر دی۔

"جہاں آپ کھلا دیں گی ہم کھا لیں گے، شریف لوگ ہیں۔"

اسی وقت چھٹی کے بعد پزاہٹ جانے کا پروگرام طے ہو گیا تھا۔

شام سات بجے وہ سب پزاہٹ پہنچے تھے۔ ابھی چونکہ ڈنر ٹائم نہیں ہوا تھا اس لیے رش نہیں تھا۔ اپنے اپنے من پسند پزا اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر کرنے کے بعد اب وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ فراز کا کل آفس سے گھر واپس جاتے کسی نے موبائل چھین لیا تھا اور وہ تاحال اپنے قیمتی موبائل کے چھن جانے پر دکھی تھا۔

"بھائی میرے، اتنا افسوس مت کرو۔ جس کی امانت تھی اس نے آ کر لے لی۔" ذیشان نے اس کے مسلسل لٹکے منہ کو دیکھ کر اسے تسلی دی۔

"امانت؟" اس نے ذیشان کی جانب دیکھا۔

"جی امانت۔ کراچی میں آپ موبائل لے کے کر گھوم رہے ہیں اس کا مطلب یہ کہ ڈاکوؤں کی امانت لیے گھوم رہے ہیں۔ وہ جب چاہیں آ کر آپ سے اپنی امانت لے جا سکتے ہیں۔"

وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا، سب اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔

"یہ تو شکر ہے اس کے پاس اچھا سیٹ تھا، اگر ایسا ویسا سیٹ ہوتا تو دو، چار ہاتھ تو وہ اسے ضرور جما دیتے۔ تاکہ گھٹیا موبائل لے کر پھرتے ہو شرم نہیں آتی؟"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ذیشان! میری آنٹی نے اپنا سارا زیور لاکر میں رکھوا کر آرٹیفشل جیولری پہننی شروع کر دی۔ ایک دن وہ انکل کے ساتھ کہیں جا رہی تھیں ان کی گاڑی کو بائیک پر آتے دو لڑکوں نے روکا۔ انہوں نے چوڑیاں اتروا تے انہیں جیسے ہی یہ اندازہ ہوا کہ یہ اصلی سونا نہیں انہوں نے انکل کو اس قدر ذلیل کیا کہ بس۔"

پھر وہ سب اپنے اپنے ساتھ پیش آئے مختلف واقعات ڈسکس کر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر حیرت بھی تھی اور تاسف بھی۔ اس شہر میں رہنے والے، پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر میں رہنے والے کس قدر غیر محفوظ تھے۔ لگتا تھا کسی کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی حکومت نہیں، کوئی پولیس، کوئی قانون نہیں۔

"ہنیا کے سامنے یہ باتیں مت کرو۔ وہ ڈر کر امریکہ واپس چلی جائے گی۔" طالب نے اس کی شکل دیکھ کر ان لوگوں کو ٹوکا۔

"وہ ویسے بھی واپس چلی جائے گی۔ امریکہ سے آیا کوئی بندہ یہاں رہ سکتا ہے؟ بجلی نہیں، پانی نہیں، لاقانونیت، بدامنی، ایسی جگہ کون شریف آدمی رہ سکتا ہے۔" فراز نے تلخی سے کہا۔

"ہاں اسی لیے تو میں نے ٹرسٹ لینے میں جلدی کی۔ میں نے سوچا اچانک کسی دن ہم سنیں گے کہ ہنیا واپس نیویارک جا رہی ہیں۔ وہ بھی ہمیں ٹرسٹ دیے بغیر۔"

"بے فکر رہیے ذیشان علی! ہنیا سجاد کراچی سے واپس نیویارک نہیں جانے والی۔ یہاں لاء اینڈ آرڈر کی پچویشن ٹھیک نہیں، لاقانونیت ہے، بدنظمی ہے، لوڈشیڈنگ ہے، پولیوشن ہے، گرمی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں نیویارک واپس نہیں جا رہی۔ کیونکہ یہاں رشتے ہیں، یہاں محبت ہے۔"

اس نے چھری اور کانٹے سے پزا کا ایک پیس کاٹ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ ہے آپ کا۔ مجھے تو آج امریکہ کا ویزا ملے میں مڑ کر کبھی یہاں دیکھوں گا بھی نہیں۔" فراز جواباً" بولا تھا۔ اس کا انتہائی شوق سے خریدا بہت قیمتی موبائل تازہ تازہ چھنا تھا اس لیے وہ زیادہ تلخ ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد سب لڑکیاں آئس کریم کھانا چاہ رہی تھیں۔

www.pklibrary.com

pKDigest

کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

"آپ لوگ آئس کریم کھائیے ہم لڑکے کافی پئیں گے۔" ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے طالب ان لوگوں سے بولا۔

"ہم لڑکے؟" ذیشان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ طالب بے چارہ ان لوگوں سے سات آٹھ سال بڑا تھا اور وہ جب بھی خود کو لڑکوں میں شمار کرنے کی کوشش کرتا ذیشان یونہی اس کی ٹانگ کھینچا کرتا تھا۔

"لڑکیوں کے لیے آئس کریم اور ہم لڑکوں اور ہمارے انکل کے لیے کافی۔"

اس کی بات پر قہقہہ پڑا تھا اور طالب اور ذیشان کے درمیان نوک جھوک بھی شروع ہو گئی تھی۔

اپنے کولیگز کو ٹریٹ دے کر وہ گھر لوٹی تو دس بجنے والے تھے وہ آکر شمسہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگی تھیں۔ فیاض صاحب اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بج چکے تھے وہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی۔ جبکہ شمسہ ابھی مزید باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں۔ وہ مروتاً بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی یہ بے چین سی کیفیت شمسہ بیگم کی نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہی تھی۔

سو اسے سونے کے لیے کہتے ہوئے خود بھی اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ طالب کے ساتھ مل کر پوری تندہی سے میڈیکل کالج والے پروجیکٹ میں عزیر فاروق کی معاونت کر رہی تھی۔ چھوٹے موٹے مسئلے مسائل یہ دونوں مل کر خود ہی حل کر لیتے' ہاں کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تو عزیر فاروق سے رجوع کرتے۔ اس روز بھی سائٹ سے سائٹ انجینئر کا فون آیا تھا۔ وہ فاؤنڈیشن ہی کے حوالے سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا۔ اس نے اپنی معلومات اور انتہائی مختصر سے تجربے کی روشنی میں اسے کچھ مشورے دے دیے تھے مگر وہ عزیر فاروق سے بھی اس بابت پوچھ لینا چاہتی تھی۔

"سر اندر ہیں؟" اس نے شوکت سلطان سے پوچھا۔ جب سے وہ اس پروجیکٹ کے ساتھ منسلک ہوئی تھی اس کے دن میں کئی چکر لگتے تھے ان کے آفس میں۔

"جی ہیں۔ ان کی مسز آئی ہوئی ہیں۔"

"میں چلی جاؤں؟" شوکت سلطان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ لڑکی آج کل سر کی اتنی منظورِ نظر بنی ہوئی تھی' وہ اسے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ اندر نہ جائے۔

"سر! میں آجاؤں؟" اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر ان سے پوچھا۔

"مس ہنیا؟ آئیے آئیے۔ بالکل آئیے۔"

خوشگوار سے انداز میں مسکراتے انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ اندر آئی تو ان کے سامنے والی کرسی پر ایک انتہائی خوبصورت سی خاتون بیٹھی نظر آئیں۔ انہوں نے آسمانی رنگ کا کاٹن کا کڑھا ہوا سوٹ پہن رکھا تھا' بال جو یقیناً" بہت لمبے اور سلکی تھے۔ ان کا ڈھیلا سا جوڑا بنا ہوا تھا۔ انہوں نے کسی بھی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا' ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک تک نہ تھی' سوائے ہاتھوں میں سونے کے ہلکے کنگن اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹاپس کے انہوں نے کسی بھی طرح کا مزید کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ مگر بغیر میک اپ اور کسی بھی خاص طرح کی تیاری کے وہ بے پناہ حسین تھیں۔ اپنے میاں کے ساتھ انہوں نے بھی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاجرہ! یہ مس ہنیا سجاد ہیں۔ امریکہ سے آئی ہیں۔ ماشاءاللہ بہت لائق اور قابل انجینئر ہیں۔ اور مس ہنیا! یہ میری مسز ہاجرہ عزیر۔"

وہ کس کام سے آئی تھی' یکسر بھول گئی تھی۔ وہ یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتی ان کے قریب آگئی۔ اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اخلاقاً" اٹھ کھڑی ہوئیں اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ ہاتھ نہیں تھامنا چاہتی تھی' وہ محبت سے ان کے گلے لگ جانا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہ سکی تو انتہائی گرم جوشی سے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

"السلام علیکم۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا' وہ انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرے۔

"وعلیکم السلام۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہنیا!"

انہوں نے مس کا اضافہ کیے بغیر اسے صرف ہنیا کہا تھا۔ وہ ابھی بھی ان کے چہرے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اسے ان کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی گھری نظر آرہی تھی۔

"بیٹھیے ہنیا!" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس سے بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"سر! آپ بہت لکی ہیں۔ آپ کی مسز بہت خوبصورت ہیں۔"

"اور میں لکی نہیں ہوں؟ میرے میاں اتنے ہینڈسم ہیں۔" اس کے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتی ہاجرہ عزیر مسکرائیں۔ مسکراتے ہوئے ان کے بائیں گال پر ڈمپل پڑا تھا۔ بہت گہرا بہت خوبصورت ڈمپل۔ اس نے بغور اس ڈمپل کو دیکھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' آپ دونوں لکی ہیں۔ اتنا شاندار' اتنا پرفیکٹ کپل تو بہت ہی کم اور کبھی کبھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ جنہیں دیکھتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔"

عزیر فاروق اس کے جوابی تبصرے سے محظوظ ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"اس لڑکی کی یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالتی ہے۔" وہ اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔

اس نے اپنے برابر بیٹھی ہاجرہ عزیر کے چہرے کو پھر بغور دیکھا۔ اس کا ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"اور مما... میں کیا بتاؤں' میری مما کتنی خوبصورت ہیں۔" اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

"آپ کسی کام سے آئی تھیں مس ہنیا؟" اس نے ذرا چونک کر عزیر فاروق کی طرف دیکھا۔

"نہیں سر! زیادہ امپورٹنٹ کام نہیں ہے۔ ابھی آپ مصروف ہیں میں پھر آجاؤں گی۔"

وہ ایک دم ہی کھڑی ہوگئی۔ اسے خود سے ڈر لگا تھا' کہیں جذباتی ہو کر وہ کوئی احمقانہ حرکت نہ کر گزرے۔ ان سے پہلی بار مل رہی تھی اور انہیں دور دور سے اجنبی بن کر ملنا اور دیکھنا اس کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ ہاجرہ عزیر کو خدا حافظ کہہ کر وہ فوراً" ہی عزیر فاروق کے آفس سے نکل آئی تھی۔

"بہت پیاری لڑکی ہے۔ یہ وہی ہے ناں جس کے بارے میں آپ بتا رہے تھے کہ نیویارک سے آئی ہے؟" اس کے چلے جانے کے بعد ہاجرہ عزیر فاروق سے پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں وہی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ یقیناً" کسی بہت اچھی فیملی سے ہے۔ اس کے مینرز اور رکھ رکھاؤ اس کے کسی بہت اچھی فیملی سے ہونے کا پتا دے رہے ہیں۔ یہ مجھے انٹرویو دینے جس یقین سے آئی تھی کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی واپس جائے گی۔ مجھے اس کا خود پر وہ یقین اور بھروسہ بہت پیارا لگا تھا۔"

"مجھے دیکھ کتنے پیار سے رہی تھی۔ ایک پل کے لیے تو ایسا لگا جیسے میری اپنی بیٹی مجھے دیکھ رہی ہو۔" ہاجرہ نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں شوہر سے کہا۔

"آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کو دنیا کی ہر لڑکی اپنی بیٹی نظر آتی ہے۔" انہوں نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو اس کی محبت بھری نگاہوں کے حصار ہی میں محسوس کر رہی تھیں۔ اس لڑکی کی طرف ان کا دل اس طرح کھنچ کیوں رہا تھا۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گلابی رنگ اس پر کتنا جچ رہا تھا۔

وہ بے تحاشا حسین نہیں تھی۔ مگر خوش شکل تھی۔ لمبا قد' مناسب سراپا اور اسٹائلش لکس' اس نے بالوں کی نیچے کر کے پونی بنائی ہوئی تھی۔ اس پونی میں اس کے اوپر سے سیدھے اور نیچے سے کرلی بال بہت

اسٹائلش لگ رہے تھے۔ میک اپ اور زیورات سے وہ مکمل طور پر بے نیاز تھی سوائے دائیں ہاتھ میں ایک بریسلٹ کے اس نے کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ اپنی گفتگو اور نشست و برخاست سے عزیر فاروق کی طرح ہاجرہ کو بھی وہ کسی بہت اچھی فیملی کی فرد معلوم ہوئی تھی۔ انہیں ابھی بھی اس کی وہ نظریں یاد آرہی تھیں جب وہ دروازے کے پاس سے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھی تھی۔ ایک پل کو تو انہیں ایسا لگا تھا جیسے وہ ان کے گلے لگ جانا چاہتی ہے۔

"امریکہ میں پلی بڑھی لگتی نہیں ہے۔ پوری آستینوں کے ساتھ اتنے مکمل کپڑے تو اب پاکستان میں بھی لڑکیاں کم کم پہنتی ہیں۔"

اپنے خیالوں سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے شوہر کو مخاطب کیا۔ وہ جواباً" صرف مسکرائے تھے۔ ان کی بیگم کو ہنیا سجاد بے حد پسند آگئی تھی اور وہ جانتے تھے اب ہاجرہ' ہنیا سجاد میں دنیا جہان کی وہ' وہ خوبیاں ڈھونڈ نکالیں گی جو شاید اس بے چاری میں ہوں گی بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ڈرائنگ سیکشن میں بلگرامی صاحب کے پاس آئے تھے جو طالب کے ساتھ کھڑے ڈرائنگ بورڈ پر لگی ایک ڈرائنگ پر کچھ تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ہنیا وہاں ایک اور ڈرائنگ بورڈ پر موجود تھی۔ وہ اسٹول پر بیٹھی اپنے قریب کھڑے ڈرافٹس مین کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً" ہی احتراماً" کھڑی ہوگئی۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"

اس کے سلام کا جواب دیتے وہ دل ہی دل میں ہمیشہ کی طرح اس کے اس احترام لیے انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے آفس میں اس طرح کا کوئی ماحول نہیں تھا کہ سینئرز یا باس کو دیکھ کر کھڑا ہوا جائے مگر وہ ان کی عزت پر ہر بار اسی طرح ہر کام چھوڑ کر فوراً" اٹھ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

وہ ان کے ساتھ کہیں بھی جاتی' کبھی ان کے بیٹھنے سے پہلے خود نہیں بیٹھتی تھی' ان کے ساتھ کہیں داخل ہو رہی ہوتی یا وہاں سے باہر نکل رہی ہوتی' ہر بار اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے لیے دروازہ وہ کھولے۔ "کچھ چیزیں' تعلیم بھی آپ کو نہیں سکھا سکتی' وہ تو آپ اپنے ماحول اور اپنی تربیت ہی سے سیکھتے ہیں۔ اس کے والدین یقیناً" بہت اچھے اور خاندانی لوگ تھے' انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت اچھی تربیت دی تھی۔ وہ جس گھر بھی جائے گی' یقیناً" وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے۔" اس کے مینرز' اینی کمٹس' اس کی تہذیب اور اس کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر بارہا ان کے دل میں یہی خیال آتا تھا۔

ہنیا اس وقت ان کے برابر والے ڈرائنگ بورڈ پر تھی اور اپنے کام کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو بھی پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ میں پوائنٹر کی مدد سے بلگرامی صاحب اور طالب کو کچھ بتا رہے تھے۔ یک دم ہی پوائنٹر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پر گر پڑا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ جھک کر پوائنٹر خود اٹھاتے' ہنیا جلدی سے اسٹول پر سے اٹھی اور فوراً" ہی نیچے گرا پوائنٹر اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ کسی اور نے اس بات کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر انہوں نے تو اس بات کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

"کاش ایسی ایک لڑکی' کاش ہنیا سجاد جیسی لڑکی ان کی بہو بنتی۔"

دکھ بھری ایک سرد آہ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

کام کا لوڈ زیادہ ہوتا یا سبمشن ڈرائنگز جانا ہوتیں تو آفس میں چھٹی کے ٹائم کے بعد دیر تک رکنے کا رواج کم تھا۔ مگر کسی پروجیکٹ میں اگر ڈیڈ لائن میٹ کرنا مشکل ہو رہا ہو یا ٹو سن ڈے کو بھی سب دفتر آجایا کرتے

www.pkdigest.com

تھے۔

وہ فلائی اوور کے جس پروجیکٹ میں عزیر فاروق کے ماتحت کام کررہی تھی' اس کی ڈیزائننگ کا کام دیگر دوسرے پروجیکٹس کے پریشر کے سبب کنٹرول میں نہیں آرہا تھا لہٰذا اس نے اور انہوں نے سن ڈے کو آفس آنا طے کیا تھا۔ چھٹی کے دن کچھ دیر تک سو سکیں' اس لیے انہوں نے دس بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ دس بجے آفس پہنچی تو اس کے آگے پیچھے ہی آفس کے کچھ دیگر افراد بھی' جنہیں اپنی ڈیڈ لائن میٹ کرنی تھیں' آفس پہنچنے لگے۔

چھٹی کا دن تھا' یہ کوئی ریگولر ورکنگ ڈے تو تھا نہیں' نہ ہی کسی کلائنٹ نے آج یہاں آنا تھا لہٰذا سب casual لباس میں تھے۔ روزانہ کے برخلاف آج یہاں ڈیزائنر ٹو پیس' تھری پیس سوٹ اور سلک ٹائیوں کے برخلاف جینز اور ٹی شرٹس میں نظر آرہے تھے۔ وہ خواتین جو مغربی لباس پہننا پسند کرتی تھیں وہ بھی لیڈیز ٹو پیس سوٹ کے برخلاف جینز اور شرٹ میں نظر آرہی تھیں۔

ڈرافٹس مین بھی چند ہی آئے ہوئے تھے اور انہوں نے ڈرائنگ سیکشن میں کاموں کے ساتھ ہلکی آواز میں میوزک بھی لگا رکھا تھا۔ بلگرامی صاحب اور طالب بھی اپنے کسی دوسرے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج آئے ہوئے تھے' اسی طرح نجمہ یاسمین اور ارسلان جو آرکیٹکٹ تھا آئے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے آفسز میں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ جس کا جب کام ختم ہوجاتا اسے چلے جانا تھا تاکہ چھٹی کا بچا ہوا باقی دن اپنی فیملی کے ساتھ انجوائے کرسکے۔

عزیر فاروق بھی آج روزانہ سے مختلف لباس میں تھے۔ انہوں نے خاکی رنگ کا کاٹن کارگو فری ٹراؤزر اور کاٹن کی ہاف سلیوز والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ روزانہ سے آج وہ بہت مختلف اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ان سے پہلے ان کے آفس میں آگئی تھی اور انہیں دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ ان کی تعریف کی تھی۔

"سر! آپ آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" وہ جواباً "قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

"اب اخلاقاً" جواب میں مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن مجھے تو آپ روزانہ جیسی ہی لگ رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزانہ آپ اچھی نہیں لگتیں' مگر آج کچھ چینج لگ نہیں رہا۔ وہی سمپل مگر اسٹائلش ہنیا سجاد!" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"آپ کے لیے یہ کمنٹس میری بیگم نے دیے تھے۔ سمپل مگر اسٹائلش۔ ویسے لگتا ہے آپ کو دوسری لڑکیوں کی طرح سجنے سنورنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔"

انہوں نے اسے کبھی بھی میک اپ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی وہ کسی طرح کے زیورات کبھی پہنتی تھی۔ لباس بھی اس کا قیمتی بے شک ہوتا مگر ہوتا ہلکے رنگوں پر مشتمل اور سادہ ہی ہوتا تھا۔ وہ اپنی عمر کی دوسری لڑکیوں سے واقعی بہت مختلف تھی۔

اس گفتگو کے بعد وہ کام کی بات پر آگئے تھے۔ انہیں کام کرتے کرتے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ جب میز پر رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اس وقت بک شیلف کے پاس کھڑے پری اسٹریسڈ کونکریٹ پر ایک کتاب کھولے' اس میں کچھ تلاش کررہے تھے۔ جس طرح وکلاء کا کتابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح انجینئرز کا بھی کتابوں سے کنسلٹ کیے بغیر ڈیزائننگ کا کام ہو نہیں سکتا۔

"فون دیکھیے گا مس ہنیا!" وہ چونکہ اس وقت ان کی میز کے پاس ہی کھڑی تھی لہٰذا انہوں نے اس سے کہا۔ اس نے کال ریسیور کی تو دوسری جانب ہاجرہ عزیر تھیں۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی انہیں پہچان گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ آنٹی کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔ باس کی مسز کو آنٹی کہنا کچھ مناسب تو نہ تھا۔

"وعلیکم السلام۔ ہنیا بول رہی ہو نا؟" انہوں نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

"جی۔ آپ کیسی ہیں؟"

"الحمدللہ۔ تم سناؤ۔ تمہارے باس بہت برے آدمی ہیں تم لوگوں کو سنڈے کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے۔"

ان کے پرمزاح سے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ اس سے بے تکلفی سے بات کررہی تھیں' اسے تم کہہ کر مخاطب کررہی تھیں' اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی کئی کولیگز سے مسز ہاجرہ عزیر کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں۔ وہ سب ان کے متعلق یہی کہتی تھیں کہ وہ ان سے جب بھی ملتی ہیں بڑی ملنساری اور خوش اخلاقی سے ملتی ہیں۔ ایک لمحے کو بھی یہ احساس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ ان کے باس کی بیگم ہیں یعنی یہ خوش اخلاقی بطور خاص اس کے لیے نہ تھی' شاید یہ ان کی شخصیت کا حصہ تھی مگر وہ پھر بھی بہت خوش تھی۔

"سر کو بلاؤں؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"ہاں بس' وہ میں نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا کہ عزیر لنچ تک گھر آجائیں گے یا میں کھانا آفس بھجوادوں۔ ابھی تم لوگوں کو کیا مزید دیر لگے گی؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"جی ہم بھی تو کافی کام رہتا ہے لیکن آپ لنچ مت بھجوائیں اصل میں لنچ میں بنا کر لائی ہوں۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے انہیں بتایا' ساتھ ہی کن انکھیوں سے عزیر فاروق کی سمت دیکھا۔ ان کی اس کی طرف پشت تھی اور وہ کتاب کے صفحے پلٹتے' اپنا مطلوبہ صفحہ ڈھونڈنے میں بری طرح مصروف تھے۔ ان کا پیچھے فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہیں تھا۔

"اچھا؟ کیا بنا کر لے آئیں؟" ہاجرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پاستا اور مشروم سلاد ہے' سر کھالیں گے نا؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"بالکل کھالیں گے۔ پاستا تو انہیں بہت پسند ہے۔"

اس نے کل شام ہی سے جب آج آنا طے ہوگیا تھا تب ہی سے سوچنا شروع کردیا تھا کہ اسے ان کے اور اپنے لنچ کے لیے گھر سے کچھ بنا کر لے جانا چاہیے۔ کیا بنانا چاہیے' اس نے رات ہی کو فیصلہ کرلیا تھا اور صبح صبح اٹھ کر اس نے دونوں چیزیں بنا بھی ڈالیں تھیں۔

"تم لوگ بزی ہو! زیادہ لمبی بات نہیں کرنی چاہیے۔ جاؤ تم کام کرو۔ اللہ حافظ۔"

انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

"سر! آپ کی مسز کا فون تھا۔" کتاب ہاتھ میں لیے انہوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"وہ لنچ بھجوانے کے لیے پوچھ رہی تھیں۔"

اس نے تھوڑا ہچکچاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس کے گھبرائے اور جھجکے انداز کو تعجب سے دیکھا وہ ان سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ وہ ہاتھوں کو اضطراری انداز میں کھول اور بند کررہی تھی۔ وہ بولے کچھ نہیں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"سر! آج لنچ میں گھر سے بنا کر لائی ہوں۔ آپ کھائیں گے؟" وہ بے ساختہ ہنسے تھے۔

"اتنی خوف زدہ شکل کے ساتھ یہ بات کرنا تھی۔ میں سمجھا پتہ نہیں کیا ہوگیا۔"

"سر! آپ اپنے گھر سے آیا پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ میں اس وجہ سے پوچھ رہی تھی۔ لیکن سر! میں نے بھی بدپرہیزی والی کوئی چیز نہیں بنائی ہے۔" بری طرح جھینپتے اس نے جھٹ وضاحتی انداز میں کہا۔

"کیا بنا کر لے آئیں؟"

ان کے مسکرا کر پوچھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوامخواہ نروس ہورہی تھی' نہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ وہ ان سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کررہی ہے جبکہ انہوں نے اس بات کو کتنا نارمل لیا تھا۔ دو بجے سے پہلے تو انہیں کھانا کھانے کا نہ وقت ملا تھا نہ ہی دھیان آیا تھا۔

سوا دو بجے جب ان کی اپنی رسٹ واچ پر نظر پڑی

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ د
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کر
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

انہوں نے خود ہی اس سے کھانے کے لیے کہا۔

"کیسی میزبان ہیں آپ؟ سوا دو بجے تک اپنے مہمان کو بھی بھوکا بٹھایا ہوا ہے اور خود بھی بھوکی بیٹھی ہیں۔ کہاں ہے وہ پاستا اور مشروم سلاد؟"

آج چونکہ آفس میں پیون کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لیے کچن میں جا کر پاستا گرم کر کے اور پلیٹس، فورک وغیرہ لے کر کھانا وہ ٹرے میں لگا کر ان کے آفس میں لے آئی۔

انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے سلاد کھانا شروع کی تھی اور پہلا چمچ منہ میں لے جاتے ہی انہوں نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

"واہ مزا آگیا۔ یہ گھر کی بنی ہوئی سلاد تو لگ ہی نہیں رہی۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھانے جیسا مزا آ رہا ہے۔"

وہ شاید اس کا دل خوش کرنے کے لیے زیادہ تعریف کر رہے تھے مگر وہ ان کے تعریف کرنے پر واقعی بہت خوش ہو رہی تھی۔

"انجینئر صاحب کے یہ گن تو آج پتا چلے ہیں۔ لکھوا لیں آپ مجھ سے۔ آپ کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے ہو گی۔" کھانا کھا لینے کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی تو اس کا پہلا گھونٹ لیتے ہی انہوں نے بے ساختہ کہا۔

"سر! آپ کو کیسے پتا؟"

"اتنی اچھی لڑکی کو کون ناپسند کر سکتا ہے۔ ویسے تو بی فرینک کوئی لڑکا وڑکا اپنے لیے پسند کیا ہے یا یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

"انکار میں سر کس بات پر ہلایا ہے۔ لڑکا پسند نہیں کیا یا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں؟"

"ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی۔" اس کے خود اعتمادی سے بھرپور اس جواب پر وہ محظوظ ہوتے کافی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ عزیر فاروق کے آفس کی طرف جانے لگی تو پیچھے اپنی میز پر کام کرتے شوکت سلطان اس سے بولے۔

"سر آج لیٹ آئیں گے۔" دروازے کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"کیوں؟ خیریت؟"

"ان کی مسز کی طبیعت خراب ہے، سر کو شاید انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔"

وہ واپس اپنے کیبن میں آگئی۔ اسے تشویش ہو رہی تھی عزیر فاروق لنچ ٹائم کے بعد آفس آئے تھے اور جیسے ہی اسے یہ پتا چلا کہ وہ آفس آگئے ہیں وہ خود کو ان کے پاس جانے سے روک نہ پائی۔

"آیئے مس ہنیا!" انہوں نے حسب عادت مسکرا کر اسے اپنے آفس میں خوش آمدید کہا۔ "سائٹ پہ ہو آئیں آپ؟"

"جی سر!" اس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے، کچھ ٹینشن بھی ان کے چہرے پر تھی مگر وہ بظاہر مسکراتے ہوئے معمول کے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

"سر! آپ کی مسز کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سب ٹیسٹ کی رپورٹس ٹھیک آئی ہیں مگر۔ اب میں سوچ رہا ہوں انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرا دوں۔"

اپنی فکر اور پریشانی اپنے اندر ہی چھپائے وہ اسے نارمل سے انداز میں بتا رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں سے چھلکتی فکر مندی دیکھ کر وہ بتا سکتی تھی کہ وہ کس قدر ڈسٹرب ہیں۔

"اچھا وہ کوٹیشن کا کیا ہوا؟ آپ نے فیکس کر دی تھی؟" وہ واپس آفیشل معاملات کی طرف آگئے تھے۔

"جی سر! صبح آتے ہی میں نے فیکس کر دی تھی۔ وہاں سے فون بھی آگیا۔ HRK کے ایم ڈی آپ سے میٹنگ کے لیے دن اور ٹائم طے کرنا چاہ رہے تھے۔"

اس نے سنجیدگی سے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

اس روز اس نے ہر نماز میں بڑی شدت سے ہاجر

عزیر کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ ان کی صحت اور تندرستی کے لیے، وہ ان کے لیے بہت پریشان تھی۔ رات گئے تک اس کا یہی دل چاہتا رہا کہ وہ عزیر فاروق کے موبائل پر کال کر کے ہاجرہ کی خیریت معلوم کرے۔ وہ دفتری معاملات کے لیے آفس ٹائمنگز کے دوران اور آفس ٹائمنگز کے بعد بھی انہیں ان کے موبائل پر کتنی بار کال کر لیا کرتی تھی مگر دفتری کام کے علاوہ اس طرح کال کرتے اسے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

لیکن اگلے روز جب وہ آفس آئی اور اسے یہ پتا چلا کہ آج سر آفس نہیں آئیں گے کیونکہ ان کی بیگم ہاسپٹلائزڈ ہیں تب وہ خود کو بالکل بھی روک نہ سکی۔ وہ آفس سے کچھ جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس کی کولیگز کل کا روگرام طے کر رہی تھیں سر کی مسز کی عیادت کا مگر وہ کل تک رک نہیں سکتی تھی۔ وہ اسپتال آگئی تھی۔ ریسپشن سے ان کا روم نمبر معلوم کرتی وہ ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ بیڈ پر لیٹی نظر آئیں۔

وہ کمرے میں اکیلی تھیں۔ اس نے دستک دیتے ہوئے دروازہ ذرا سا کھولا، وہ دروازے ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"ارے ہنیا تم؟ آؤ۔" انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"آپ اٹھیں مت لیٹی رہیے۔" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے سے روکا، انہوں نے دوبارہ تکیے پر سر رکھ لیا۔ ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آرہے تھے، وہ بہت بیمار اور بہت کمزور نظر آ رہی تھیں۔

"کیسی ہو؟" وہ ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیوں بیمار پڑ گئیں؟" اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو تشویش سے دیکھا۔

"بس بیٹا! اس عمر میں تو یہ سب چلتا رہتا ہے۔ بڑھاپا ہے اب ہمارا۔"

"آپ کہاں سے بوڑھی ہو گئیں، ابھی اتنی ینگ ہیں آپ۔"

ہاجرہ بجھے بجھے سے انداز میں ہنسیں۔

"سر بہت پریشان ہیں آپ کے لیے۔ پلیز ان کے لیے ہی جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ وہ جلدی سے رخ موڑ کر اس گلدستے کو بیڈ کے پاس رکھی میز پر رکھنے لگی جو وہ ان کے لیے لے کر آئی تھی۔

"ہنیا!" انہوں نے اسے پھر پکارا۔ اس نے جلدی سے آنسو صاف کر کے ان کی طرف دیکھا۔

"آئم سوری، مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عیادت کا کوئی طریقہ نہیں۔"

بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ جتنا اپنے آنسوؤں کو روکنا چاہ رہی تھی، وہ اتنی ہی شدت سے بہے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے، وہ شاید کچھ کہنا بھی چاہ رہی تھیں کہ یک دم ہی اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود ان کے دونوں ہاتھوں کو والہانہ چوما۔

"آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ کو دیکھ کر، آپ سے مل کر مجھے میری ممی یاد آتی ہیں۔ وہ بالکل آپ کی طرح تھیں۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے اپنی ماں کو دیکھ رہی ہوں۔"

"مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو ہنیا! تم سے پہلی بار مل کر ہی ایسا لگا تھا جیسے میری بیٹی میرے سامنے کھڑی ہے۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو شاید تمہارے جیسی ہی ہوتی۔"

ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رونے کا سبب نہیں پوچھ رہی تھیں۔ بس آنسو تھے جو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھے۔

"سر کہاں ہیں؟" چند سیکنڈز بعد خود پر قابو پاتے اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر سے کچھ بات کرنے گئے ہیں۔ آنے والے ہوں گے ابھی۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے آہستگی سے جواب دیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں بالکل اسی طرح جیسے وہ والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم روئیں کیوں ہنیا؟ مجھے بیمار دیکھ کر تم کیوں روئیں؟ اس طرح تو کسی بہت اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر آنکھیں بھر آیا کرتی ہیں۔ جو دل کے بہت قریب ہو، جو بہت اپنا ہو اسے تکلیف میں دیکھ کر رویا جاتا ہے۔ تم سے میرے دل کا کیا ناتا ہے؟ کیا تعلق ہے؟ تم اتنی اپنی اپنی کیوں لگتی ہو ہنیا؟"

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھیں مگر پوچھ نہیں پائی تھیں۔ عزیر فاروق کمرے میں آئے تو ہنیا کو بیٹھا دیکھ کر خاصے حیران ہوئے۔ وہ ان کے آنے کے بعد وہاں زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ پندرہ منٹ ہاجرہ عزیر کے پاس ان کی عیادت کے لیے بیٹھی تھی۔ مگر ان پندرہ منٹوں میں ہاجرہ کے ساتھ اس کے دل کا ایک انوکھا رشتہ جڑ گیا تھا۔

ہاجرہ کو وہ پہلی ملاقات میں اتنی اچھی لگی تھی۔ بہت اپنی اپنی سی، جس کی طرف خود بخود ہی دل کھنچنے لگے ایسی لگی تھی اور آج کی ملاقات کے بعد تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ ان کا دل کا بہت گہرا ناتا جڑ گیا ہے۔ انہیں ہنیا کا اپنے لیے جذباتی ہونا سمجھ میں آرہا تھا۔ وجہ اس نے خود ہی بتا دی تھی، وہ اپنی زندگی میں ماں کی کمی بہت محسوس کرتی تھی اور ان میں شاید اسے اپنی ماں کی کچھ جھلک نظر آئی تھی تب ہی ان کی بیماری کا سن کر وہ یوں کھنچی کھنچی انہیں دیکھنے چلی آئی تھی۔ مگر وہ اسے دیکھ کر اتنی بے اختیار کیوں ہو جاتی تھیں۔ وہ وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ دل کی دنیا کی تو یوں بھی اپنی ہی منطقیں ہوتی ہیں۔ جو دل کو اچھا لگ جائے اس کے اچھا لگنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل سے منطق، دلیل اور وجہ نہیں مانگ سکتی تھیں وہ بس یہ جانتی تھیں کہ ان کے دل کو ہنیا سجاد بہت اچھی لگتی ہے۔

☼ ☼ ☼

پانچ دن ہسپتال میں رہ کر ہاجرہ گھر واپس آگئی تھیں۔ اس دوران وہ روزانہ صبح، شام پابندی سے ان کی فون پر خیریت دریافت کیا کرتی تھی۔ اب اسے عزیر فاروق سے ان کی خیریت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس ہاجرہ کا موبائل نمبر تھا، جو انہوں نے اسے خود دیا تھا، وہ اس پر کال کر کے جب جی چاہتا ان کی خیریت معلوم کر لیا کرتی۔

وہ جب پہلے دن ان کی عیادت کر کے گئی تھی اس کے اگلے دن صبح میں ہاجرہ ہی نے اس کے موبائل پر اسے کال کی تھی۔ وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی اکیلی بہت بور ہو رہی تھیں، سو انہوں نے اسے فون کر لیا تھا۔ وہ ابھی اس کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتی تھیں، اس روز اس نے انہیں امریکہ میں اپنی لائف، اپنے والدین، بھائی بہنوں کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔ وہ پہلی گفتگو جیسے اس کی ہاجرہ کے ساتھ ٹیلی فونک دوستی کا آغاز تھی۔

"میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟" اس روز اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے اسے فوراً اجازت دے دی تھی۔ ہاسپٹل میں قیام کے دوران تو دن میں دو، دو بار بات ہوتی ہی تھی مگر جب طبیعت بہتر ہونے پر وہ اپنے گھر واپس آگئیں، انہوں نے تب بھی اس کے ساتھ ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا۔

انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اس کا عزیر فاروق کے ساتھ ملازم اور باس کا رشتہ ہو گا مگر ان کے ساتھ، اپنے رشتے میں وہ اس تعلق کو ذہن میں نہ رکھے۔ وہ اپنے گھر میں سارا دن تنہا ہوتی تھیں۔ ابھی بیماری سے اٹھی تھیں اس لیے گھر سے باہر زیادہ نکل نہیں رہی تھیں ورنہ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ کہیں تفسیر کی کلاس لیتی ہیں۔

وہ کہتی تھیں قرآن کو سمجھنے کی اس کوشش کے دوران وہ اللہ سے زیادہ نزدیک ہو گئی ہیں۔ ان کا اللہ کے ساتھ تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ چاہے 5، 6 منٹ کی مختصر سی گفتگو ہی ہوتی مگر وہ ہنیا کو فون کرتی ضرور تھیں۔ اگر ان کا فون نہ آتا تو وہ انہیں خود فون کر لیتی۔

www.pkdigest.com

انہیں ہسپتال سے گھر آئے ایک ہفتہ ہوا تھا جب اس رات ان کا اس کے پاس فون آیا۔

"کیسی ہیں آنٹی؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت بالکل ٹھیک ہے تب ہی تو تمہارے سر کے ساتھ سیریس کرتی پھر رہی ہوں۔"

ان کے لہجے کی خوشگواریت نے اس پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ ورنہ انہیں بجھا بجھا اور نڈھال دیکھ کر وہ اندر سے ٹوٹنے لگتی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کہاں نکلے ہوئے ہیں آپ لوگ؟"

"وہ سر کی موجودگی میں فون کرتی تو نہیں تھیں' فون تو وہ جس وقت اکیلی بور ہو رہی ہوتیں اس وقت کیا کرتی تھیں پھر اس وقت سر کی موجودگی میں کیوں؟" وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔

"ہم لوگ شاپنگ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ میں نے تمہارے لیے ایک سوٹ خریدا ہے۔ میں وہ تمہیں دینے کے لیے تمہارے گھر پر آ رہی ہوں۔ تمہارے سر کہنے لگے کہ آپ کیا بغیر انفارم کیے ایسے ہی منہ اٹھا کر چلی جائیں گی' لہٰذا ان کے کہنے پر تمہیں انفارم کر رہی ہوں' ورنہ میرا ارادہ تو اچانک پہنچ کر تمہیں سر پرائز دینے کا تھا۔ ہم لوگ تمہارے گھر سے بس کچھ ہی دور ہیں۔ بس پانچ منٹ میں تمہارے گھر پر ہوں گے۔"

ان کی اس اطلاع پر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اگلے ۵ منٹ میں اس کے گھر پہنچ رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے گھر آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اس کا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ مگر اس تیز رفتاری کے باوجود بھی وہ کوئی مشورہ' کوئی حل بتانے میں ناکام تھا۔ صرف پانچ منٹ میں وہ کر کیا سکتی تھی۔ پانچ منٹ میں تو وہ ساری بات اپنے ماموں' ممانی کو سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ دونوں پہلی بار اس کے گھر آ رہے تھے' اسے ان کی اچھی طرح تواضع کرنی تھی' انہیں اپنے ماموں اور ممانی سے ملوانا تھا۔ فیاض صاحب تو خیر گم صم تھے مگر اسے خطرہ شمسہ سے تھا۔ اگر انہوں نے کوئی بات بول دی۔ اس کی امریکہ میں جیسی زندگی وہ سمجھتے ہیں اس کے برعکس کوئی اور بات بتا دی۔ شمسہ کچھ بھی بول سکتی تھیں۔ کسی بری نیت یا برے ارادے سے نہیں' اس کی محبت اور چاہت ہی میں۔ مگر ان کی وہ محبت اور چاہت اس کے بنے بنائے ہر کام کو بگاڑ سکتی تھی۔ اتنے عرصے میں جو اس نے محنت کی' اس سب پر پانی پھر سکتا تھا۔ اس کی پانچ مہینوں کی محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کو یہ تک نہیں بتا سکی تھی کہ اس کے باس اور ان کی بیگم ان کے گھر آ رہے ہیں۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو اسے اپنی اس حماقت کا احساس ہوا۔ انہیں ان کی آمد کی اطلاع دیتی وہ گیٹ کھولنے بھاگی۔

"یا اللہ! وہ لوگ بہت جلدی میں ہوں۔ میرے بہت بلانے پر بھی اندر نہ آئیں۔" گیٹ کھولتے تک اس نے یہی دعا مانگی تھی۔

"السلام علیکم۔" گیٹ کھولتے ہوئے اس نے ان دونوں کو سلام کیا۔ گیٹ پر ہاجرہ کھڑی تھیں اور عزیر فاروق ان سے ایک قدم پیچھے ہاجرہ نے ایک fancy شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم برائٹ کلرز پہنتی نہیں ہو یقیناً" تمہیں پسند نہیں ہوں گے اس لیے۔ مگر مجھے تو تمہارے لیے یہی کلر اچھا لگ رہا تھا۔ اب تمہارے سر تم لوگوں کو ہمارے گھر ڈنر پر انوائیٹ کرنے والے ہیں۔ ہر سال ہوتا ہے یہ ڈنر' فرم کے سب لوگوں کے لیے۔ تم اس میں یہی سوٹ پہن کر آنا' مجھے بہت خوشی ہوگی۔" وہ اتنے ٹینشن میں تھی کہ

"آپ نے ناحق زحمت کی" یا "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" جیسے رسمی باتیں بولے بغیر فوراً ہی شکریہ کہہ کر شاپنگ بیگ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ اندر تو آیئے آنٹی! سر! پلیز اندر آئیں۔"

(کاش وہ اندر نہ آئیں' کاش وہ جلدی میں ہوں' کاش)

"ویسے تو ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے لیکن تمہارے ماموں' ممانی سے ملے بغیر چلے گئے تو بہت بری بات ہوگی۔ چلو کھڑے کھڑے ان سے مل لیتے ہیں۔"

ان کے اس جملے نے اس کی جان نکال دی تھی۔ فیاض اور شمسہ نے بھانجی کے باس اور ان کی بیگم کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت خوشگوار ماحول میں وہ فیاض اور شمسہ کا عزیر فاروق اور ہاجرہ سے تعارف کروا رہی تھی۔ تعارف کی رسمی کارروائی کے بعد فیاض' عزیر فاروق سے مردوں کے من پسند موضوع ملکی سیاست اور ملک میں جاری معاشی بحران پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

جبکہ شمسہ نے ہاجرہ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تو موسم اور گرمی کے ذکر کے ساتھ تھا مگر بہت جلد موضوع ثنیا کی ذات بن گیا تھا۔ اس کے آجانے سے ان کے گھر کی ویرانی کس طرح دور ہو گئی ہے' اسے امریکہ سے آئے ابھی چند مہینے ہوئے ہیں اور اس نے اتنی جلدی خود کو پاکستانی ماحول میں ڈھال لیا ہے۔

وہ اوپر سے مسکرا رہی تھی' اندر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی اتنے مہینوں کی ساری محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ شمسہ کو چند منٹوں بعد ہی مہمان نوازی کی فکر ہوئی تھی جبکہ وہ اس وقت وہاں سے ایک پل کے لیے بھی ہلنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر شکر تھا کہ عزیر فاروق اس کے کچھ لانے کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ایسے کیسے؟ اس طرح تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" فیاض صاحب بولے۔

"تکلف کوئی نہیں ہے' ہم پھر کسی اور دن آپ کے ساتھ کھانا کھانے آجائیں گے۔ ابھی ہمیں ایک اور جگہ جانا ہے۔ لیٹ ہو رہے ہیں' وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

فیاض اور شمسہ کو مہمانوں کے اور مہمان بھی وہ جو بھانجی کے باس تھے یونہی چلے جانے کا قلق ہو رہا تھا جبکہ اسے ذرا افسوس نہ تھا۔ وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ جیسے ہی اسے خدا حافظ کہہ کر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے' ان کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی' اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ اللہ نے اسے بال بال بچا لیا تھا۔ اس کی ساری محنت اکارت جاتے جاتے رہ گئی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کرتے اور سکون کا سانس لیتے اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسی کوئی سچویشن آئندہ بھی پیش آسکتی ہے۔ اب اسے فیاض اور شمسہ کو ساری بات بتانی ہی ہوگی۔

"ماموں! یہ عزیر فاروق صاحب اور ہاجرہ آنٹی آپ کو کیسے لگے؟" وہ اندر ان دونوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

"بہت اچھے لگے بیٹا!" فیاض احمد نے جواب دیتے اسے کچھ حیرت سے بغور دیکھا۔ جو ان سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ شمسہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماموں! یہ لوگ عالی کے پیرنٹس ہیں۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔

"کیا؟" حیرت کی زیادتی سے شمسہ کے منہ سے چیخ نما انداز میں نکلا تھا' جبکہ فیاض احمد حیرت' بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ عباد کے پاپا کی فرم میں جاب کر رہی تھی' اسے پتا تھی یہ بات؟ کب سے؟ کیا شروع وقت سے؟ کیا اس کی کراچی آنے کی وجہ نیویارک میں اپنے گھر کی تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور تھی۔

فیاض متحیر سے بھانجی کو یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ شمسہ ان سے بھی زیادہ حیرت کا شکار تھیں۔ وہ جو لگتا تھا عباد کا ذکر اس کی زندگی سے نکل گیا' درحقیقت ایسا نہ تھا۔ درحقیقت ایسا بالکل بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر گرا ہم بارسلے کا Seismic Design Analysis of long span bridges کے موضوع پر خصوصی لیکچر تھا' جو خاص طور پر تھا تو اسٹرکچرل

www.pkdigest.com

انجینئرنگ اور ارتھ کوئیک انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے والے اسٹوڈنٹس کے لیے مگر اس میں شرکت کے لیے انہوں نے ان لوگوں کو بھی بہت زیادہ تاکید کی تھی۔ وہ اس سمسٹر میں انہیں structural Design پڑھا رہے تھے اور پتا نہیں وہ ان ہی کی کلاس میں ہمیشہ لیٹ کیوں پہنچا کرتی تھی۔ جان بوجھ کر نہیں' بس کسی نہ کسی وجہ سے صرف ان ہی کی کلاس میں ایسا ہوتا کہ وہ ان کے کلاس میں داخل ہونے کے بعد بھاگم بھاگ اور تاخیر سے کلاس میں پہنچتی۔ جب وہ اپنے اس خصوصی لیکچر میں ان لوگوں سے شریک ہونے کے لیے کہہ رہے تھے تب اسے دیکھتے انہوں نے بطور خاص کہا تھا۔

"لیکچر ٹھیک دس بجے شروع ہوگا بنیا!" اپنے ایک پروفیسر پر اپنا برا امپریشن قائم ہو جانے پر وہ خود سے سخت ناخوش تھی۔ ان کی کلاسز میں وہ اتفاقاً "لیٹ ہوتی تھی مگر انہوں نے شاید اسے اس کی عادت سمجھ لیا تھا۔

اس صبح اس کی جلدی تو کوئی کلاس تھی نہیں لہٰذا رات دیر تک اپنے structural Design ہی کے پروجیکٹ میں مصروف رہنے کے بعد وہ صبح ساڑھے آٹھ بجے کا الارم سیٹ کر کے آرام سے سو گئی۔

دس بجے لیکچر تھا اور اتنا وقت نہانے' تیار ہونے' ناشتہ کرنے اور کیمپس پہنچنے کے لیے بہت تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے الارم بے چارہ یقیناً" بہت دھوم دھڑکے سے بجا ہوگا مگر اس کی آنکھ کھلتی تب ناں۔ وہ تو بھلا ہو جو ماما جانی نے اسے سوا نو بجے آکر جگاتے یہ پوچھ لیا کہ "کیا آج اسے یونیورسٹی نہیں جانا۔" وہ کمبل پھینک' بستر چھوڑ بوکھلا کر بیڈ سے کودی تھی۔ پھر جو بھاگ دوڑ مچی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بھاگم بھاگ اس نے تیاری کی تھی' ناشتے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جتنی جلدی اس سے ممکن ہو سکتا تھا اتنی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہ کیمپس پہنچی مگر اس تمام بھاگ دوڑ اور تیز رفتاری کے باوجود بھی جس وقت وہ اپنی گاڑی کیمپس میں پارک کر رہی تھی دس بجے چکے تھے۔ ڈاکٹر گراہم جتنے پنکچوئل تھے' اسے امید تھی ادھر گھڑی کے کانٹے دس اور بارہ کے ہندسوں پر پہنچے ہوں گے ادھر انہوں نے لیکچر ہال میں قدم رکھا ہوگا۔ وہ باقاعدہ بھاگتی' لوگوں سے ٹکراتی اپنے ڈپارٹمنٹ پہنچی' سیڑھیاں بھی اس نے ایک وقت میں دو' دو پھلانگی تھیں۔

مگر اس ساری بھاگ دوڑ کے باوجود بھی وہ دس منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔ لیکچر ہال کے دو دروازے تھے۔ ڈاکٹر گراہم کی نگاہوں میں آنے سے بچنے کے لیے اس نے آگے والے دروازے کی جگہ پیچھے والے دروازے سے اندر داخل ہونا مناسب سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت ان کا رخ پروجیکٹر کی طرف ہو۔ اسٹوڈنٹس کی طرف نہ ہو اور وہ اسے اندر داخل ہوتا نہ دیکھ سکیں۔

دل ہی دل میں دعائیں مانگتے وہ پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر گراہم کا رخ Projector یا رائٹنگ بورڈ کی طرف تو ہرگز نہ تھا مگر وہ سب سے اگلی قطار میں بیٹھے کسی لڑکے سے کچھ بات کر رہے تھے۔ غالباً" اس کے کسی سوال کا جواب دے رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ان کی نظر اس پر پڑے وہ جلدی سے کسی بھی خالی کرسی پر بیٹھ جانا چاہتی تھی۔ اسے سیکنڈ لاسٹ رو میں جو پہلی کرسی خالی نظر آئی وہ تیزی سے اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے اس طرح اچھل کر بیٹھنے سے اس کرسی پر رکھا کلکیولیٹر جو غالباً" برابر والی کرسی پر بیٹھے لڑکے کا تھا' نیچے گر پڑا۔ بوکھلاہٹ میں جھک کر اس نے وہ کلکیولیٹر اٹھایا اور اسے اس لڑکے کی طرف بڑھایا۔

"آئم سوری۔" گھر سے بھاگتے دوڑتے تیار ہو کر آئی تھی' اس لیے بال باندھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ اس کے شانوں تک آتے بال جنہیں وہ پونی کی صورت باندھ کر رکھا کرتی تھی' اس وقت بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔

"اٹس اوکے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنا بیگ اور فائل اس نے ابھی تک گود میں رکھا ہوا تھا' اب ذرا سانس بحال کرتے اس نے کرسی پر صحیح سے ہو کر بیٹھنے اور بیگ گود میں ہٹانے کی کوشش کی تو اس بار اس کی گود سے فائل نیچے گر پڑی۔ آس پاس کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔

ڈاکٹر گراہم کی نگاہ بھی آخر کار اس پر پڑ چکی تھی۔ اس کے برابر بیٹھے لڑکے نے جھک کر اس کی فائل اٹھائی اور اسے اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ سامنے ڈاکٹر گراہم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خود اعتمادی سے مسکرا کر انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے لیکچر کے شروع سے یہاں پر موجود تھی اور ان بے چارے ہی کی نگاہ اب تک اس پر نہ پڑی تھی۔ وہ لیکچر دیتے Multi media Projector کے سامنے سے ہٹے' اپنا لیکچر جاری رکھتے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پچھلی نشستوں کی طرف آنے لگے۔

اس کی پریشانی اس لمحہ دیدنی تھی' اس نے کچھ گھبرا کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا وہ لڑکا غالباً" اس کا مسئلہ سمجھ چکا تھا' اس نے بڑی آہستگی سے اس طرح کے کسی اور کو پتا نہ چل سکے اپنی ڈیسک سے اس کی ڈیسک پر اپنی فائل خاموشی سے منتقل کر دی۔ جبکہ بنیا کی فائل جو چند لمحے پہلے نیچے گری تھی وہ تو اب تک بھی اس کے ہاتھ میں۔

اس نے بنیا کی فائل کھول کر اپنی ڈیسک پر رکھ لی۔ ٹہلنے والے انداز میں لیکچر دیتے ڈاکٹر گراہم آخر کار سیکنڈ لاسٹ رو تک پہنچ چکے تھے۔ اس کی چونکہ بالکل کارنر کی کرسی تھی لہٰذا ان کے لیے اس کی فائل کی طرف دیکھنا ہرگز دشوار نہ تھا۔

وہ اس کی کرسی تک آگئے تھے' وہ عین اس کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ خود اعتمادی سے انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اسے نہیں اس کے سامنے کھلے صفحے کو دیکھ رہے تھے جو پورا کا پورا ان کے اب تک دیے لیکچر کے مختلف پوائنٹس اور ڈائی گرام سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے لیکچر کے پوائنٹس اس کے سامنے لکھے دیکھے تو

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے۔ موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر مہاسے کیل، چھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔ خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

Wahid's SAUHAR-E-HAZIM

واحد کا جوہر ہاضم

موٹاپا، پیٹ کا بڑھ جانا، معدے گرانی و تیزابیت۔ کیل مہاسے، چھیپ، چھائیاں دور کرے

قیمت =/60 روپے

کراچی: 021-5212207، 021-2620065
لاہور: 042-7555454، 6388480، 042-6581895
ملتان: 061-4576350
فیصل آباد: 041-2615265
سرگودھا: 0483-724378
حیدرآباد: 022-2726198، 022-3824604
گوجرانوالہ: 055-4215525
بہاولپور: 062-2877770
راولپنڈی: 051-5732488، 051-7110899
پشاور: 091-5265225، 091-5270513، 091-5277599
ڈیرہ غازی خان: 064-2460080

Wahid Herbs Lab Karachi-Pakistan

انہیں اس کے متعلق دل سے شک کو دور کرتے یقین کرنا ہی پڑا کہ عادت کے برخلاف آج حیرت انگیز طور پر ہنیا سجاد کلاس میں صحیح وقت پر پہنچی تھی شاید انہوں نے ہی اسے اب دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لیکچر پوسٹ گریجویشن اور انڈر گریجویٹس دونوں کے لیے تھا اس لیے لیکچر ہال پورا کا پورا بھرا ہوا تھا۔

شاید اتنے اسٹوڈنٹس میں وہ اسے پچھلی نشست پر بیٹھا دیکھ نہیں پائے تھے۔ وہ اس کے پاس سے مڑ کر واپس آگے کی طرف جانے لگے تب اس نے سکون کا سانس لیا۔

"تھینکس۔" اس نے دلی زبان میں اپنے برابر بیٹھے بندے کا شکریہ ادا کیا اور جس خاموشی سے اس کی فائل اس کی میز پر آئی تھی اسے اسی خاموشی سے اس کی ڈیسک پر رکھ دیا۔ وہ اب سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا چاہ رہی تھی، مگر گھڑی گھڑی اس کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں آنکھوں اور ماتھے پر بکھر کر اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے بالوں کی تازہ تازہ ہی کٹنگ کرائی تھی اور اس کی ہیر اسٹائلسٹ نے آگے کے بال زیادہ ہی چھوٹے کر دیے تھے، اب ہیر بینڈ لگائے یا پونی بنائے بغیر اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی عادت تھی، بکھرے بالوں کو جب تک سمیٹ نہ لیتی سکون سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتی تھی گھر سے بھاگتے دوڑتے نکلتے اس نے اپنا ہیر بینڈ بیگ میں ٹھونسا تھا۔ بیگ کھول کر اس نے اس میں سے ہیر بینڈ نکالنا چاہا تو ڈھیر سارے کوڑے کرکٹ میں اسے دنیا زمانے کی ہر چیز ملنے لگی۔ ماسوا اپنے چھوٹے سے بینڈ کی۔

بڑی مشکلوں سے نیچے دبا وہ بینڈ باہر نکالا اور وہ جلدی سے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹ کر ان میں بینڈ لگانے لگی تو اس کی نظر اپنے برابر بیٹھے بندے پر پڑی۔ وہ اپنا پین فائل پر بند کر کے رکھے بڑی محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی احمقانہ حرکتوں اور بوکھلاہٹوں پر کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

پتا نہیں وہ کون تھا۔ اس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا شروع کر دیا مگر یہ اندازہ اسے مسلسل ہو رہا تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ اب لیکچر نوٹ کر ہی نہیں رہا تھا۔ اس کا پین لیکچر کے باقی تمام وقت کیپ لگا اس کی فائل پر پڑا رہا تھا۔ ایک بندہ جس نے مسلسل آپ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیا ہوا ہو، اس سے کیا خاک لیکچر نوٹ ہوتا۔ وہ اب اس کرسی پر بیٹھ کر پچھتا رہی تھی۔ یہ موصوف تو اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہیں رہے تھے۔

جیسے ہی لیکچر ختم ہوا، وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اگلی قطار میں بیٹھی اپنی دوست کیتھی کے باہر نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ ڈاکٹر گراہم کے بعد لیکچر ہال سے باہر نکلنے والی وہ پہلی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر سیڑھیوں تک ہی پہنچی تھی جب اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہائے۔" اس نے مڑ کر دیکھا، اس سے ایک قدم پیچھے وہ ہی تھا۔

"ہائے۔" جواباً ہائے کہتی وہ رکی نہیں بلکہ چلتی رہی۔

"ڈاکٹر گراہم کا لیکچر کافی اچھا تھا، کیا خیال ہے آپ کا؟" اس کے ساتھ چلتا، وہ اس سے انگریزی میں مخاطب تھا۔

"ہاں۔" مختصر اثباتی جواب دیتے اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ خاصا خوش شکل تھا۔ بلیو جینز، براؤن شرٹ، بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کیتھی کی زبان میں خاصا cool لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"آپ سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں ہیں؟ آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بائی دا وے میں عباد عزیر ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر عباد!" اس نے سنجیدہ اور روکھے پھیکے لہجے میں جواب دیا۔ اس نے اس کے تعارف کے جواب میں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"آپ پاکستانی ہیں یا انڈین؟" اسے اپنے کونفیڈینٹ اور بولڈ ہونے پر ناز تھا، مگر یہ بندہ تو کونفیڈینس کے معاملے میں اس سے کئی قدم آگے تھا۔ اس کے روکھے پھیکے انداز اور نولفٹ والے چہرے کو دیکھ کر بھی مسلسل اس سے سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔ مسلسل اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ بندہ پُراعتماد تھا، جرأت مند تھا اور کچھ تھا یا نہیں وہ کم از کم اس کی جرأت سے متاثر ہوئی۔

"امریکن۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ سیڑھیاں اتر چکی تھی۔ اب اس کا رخ S.W.Mudd بلڈنگ کی طرف تھا، جہاں اسے strength of Materials کی لیب میں جانا تھا۔

"اور آپ کے پیرنٹس؟" وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم کرنا چاہ رہا ہے یہ جاننے کے باوجود وہ بے نیاز سے انداز میں بولی۔

"امریکن۔" اسے اپنے مختصر اور مخاطب کو زچ کرتے جوابوں پر اندر ہی اندر خوشی ہو رہی تھی۔ وہ جیسے سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے زچ کرنا چاہتی ہے لہٰذا بغیر ہار مانے بولا۔

"گرینڈ پیرنٹس؟"

"میرے دادا، دادی امریکن ہیں۔" اس بار اس نے اسے اردو میں جواب دیا۔ وہ اس کے منہ سے اردو سن کر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"اور نانا، نانی پاکستانی؟ مجھے لگ ہی رہی تھیں آپ پاکستانی۔ میرا مطلب ہے آپ کا تو نہیں مگر آپ کے forefathers کا پاکستان ہی سے تعلق ہوگا، ایسا ہی لگ رہا تھا۔" وہ اتنے بے تکلفانہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا جیسے نجانے کتنی بار اس سے مل چکا ہے۔ وہ بھی اب اردو ہی میں بات کر رہا تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ بلڈنگ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم ہو جانے پر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی ہنیا؟" ہنیا نے اس سے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اور وہ اسے اس کا نام لے کر مخاطب کر رہا تھا۔

اس نے یقیناً "ہنیا کی فائل کے اوپر اس کا نام دیکھا تھا۔ اسے اس بندے کے کونفیڈینس پر رشک آیا، اس کا بے نیاز، قدرے مغرورانہ انداز اس کے اعتماد کو ذرا بھی تو نہیں ڈگمگا رہا تھا۔ اسے شاید خود پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بھروسہ تھا۔

"سوری مسٹر عباد! ابھی تو میری کلاس ہے۔"

وہ لیب کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔ اور پھر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی وہ لیب میں داخل ہو گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر ہنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
میں سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھرنا جانیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب دریچے	سعدیہ امل کاشف	150/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

ناولٹ

۳

تیسری قسط

میمونہ خورشید علی

کسی آستیں کا سہارا ہوں میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی، جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزو مند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنا دیا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دلشاد بیگم کا پھوہڑپن مشہور کر دیا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے بھی جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی دل آویز شادی کے کچھ عرصے بعد ہی میکے آ بیٹھی ماں باپ کی ناچاقی نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند نہیں کرتی تھی' طارق نسبتاً "صلح جو ہے۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حور العین سے طے ہے، جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باک اور پر اعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس کا واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بیوی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حور العین سے کر دیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حور العین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید' حور العین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باکی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے دبتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند گھنٹوں میں ہی ہو جاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حور العین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیتی ہے۔

حور العین کو پہلے دن سے ہی سسرال میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل شاد بیگم ہی نہیں دل آویز اور دل نشیں بھی اس سے جلن محسوس کرتی ہیں۔ صرف ولید اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اپنی اچھی فطرت سے مجبور ہو کر وہ اپڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ طارق اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دل نشیں اپنے کلاس فیلو راحیل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات طارق اور ابراہیم صاحب کے علم میں آجاتی ہے۔ دل نشیں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انہیں شدید تشویش ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

www.pkdigest.com

"چلو ایسا ہی سمجھ لو۔ سب سے پہلا کام اپنا لباس فاخرہ جو تم نے نجانے کتنے دن سے زیب تن کیا ہوا ہے۔ فوراً" چینج کرلو اور اچھا سا لباس پہن کر خوشبوؤں سے آراستہ پیراستہ ہو کر میرے انتظار میں بیٹھ جاؤ۔"

طارق کے لہجے میں بہت سے اسرار پنہاں تھے۔ حور کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"اس کے بعد میری من پسند خوشبو "ہیوگو" سے خود کو معطر کرلو۔ تاکہ لہسن پیاز اور مسالوں کی مہک جو تمہاری آمد کی پیشگی اطلاع کردیتی ہے کم از کم وہ زائل ہو جائے اور ہاں۔ پلیز بالوں کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہارے کھلے ہوئے بال ہی اچھے لگتے ہیں۔ شادی کے بعد مجال ہے جو تم نے ایک دن بھی بال کھلے چھوڑے ہوں۔ شادی سے پہلے تو ہر فنکشن میں تمہارے بال کھلے رہتے تھے اور خاص طور پہ عادل چاچو کی شادی میں۔ یاد ہے تم سے سیاہ رنگ تم پہ بے پناہ جچتا ہے لیکن آج میں تمہیں سیاہ لباس پہننے کے لیے اس لیے نہیں کہوں گا کہ آج ہم یوم سیاہ نہیں یوم محبت منانے جا رہے ہیں۔"

حور کو اس کے پوشیدہ احساسات جان کر غشی آنے لگی تھی اور وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت میں گنگ رہ گئی تھی۔

"اے۔۔۔ ہیلو کیا پھر سے سو گئیں۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ مسز طارق! سن رہی ہیں آپ؟"

حور کو لگ رہا تھا وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

"جی۔۔۔ میں۔۔۔ سن رہی ہوں۔۔۔" وہ بمشکل بولی۔

"کم آن یار۔۔۔! صرف سنو تو نہیں کچھ کہو بھی۔"

"کیا کہوں۔۔۔؟" وہ جیسے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

طارق ہنس پڑا۔ "اب یہ مجھے حور العین کو بتانا پڑے گا۔ جو بولنا شروع ہوتی ہے تو کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ یہی کہتی تھیں ناں دادو تمہارے بارے میں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ جو نانو کہا کرتی تھیں تم سب سنتے تھے لیکن جان کر انجان بنے رہتے تھے، صرف مجھے اذیت پہنچانے کے لیے۔ صرف یہی نہیں بہت سی اذیتیں ہیں جن کا جواب تمہیں دینا ہے۔"

"ہیلو۔۔۔ کم آن یار۔۔۔! تم نے تو سچ مچ بور ہی کردیا۔ مجھے کیا پتا تھا میری بیوی اتنی ڈل ہوگی۔ میں اس سے پہلی بار اپنے لگژری آفس میں بیٹھ کر خصوصی اپائنٹمنٹ چھوڑ کر عشق لڑاؤں گا۔ اور وہ مراقبے میں جا بیٹھے گی۔ کچھ تو بولو، پہلے تو تم بہت بولتی تھیں۔ بے تکان اور بے محل لیکن اب یوں لگ رہا ہے جیسے تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔۔۔" وہ خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہو رہا تھا اور چشم تصور سے حور کا شرماتا جھینپتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"وہ سب باتیں پرانی تھیں۔ اب نہ نانو ہیں اور نہ ہی حور العین کی وہ شرارتیں۔ سب کچھ یاد ماضی بن گیا ہے۔" اس کے لہجے میں انجانا سا درد تھا۔

جسے طارق نے صاف محسوس کیا تھا۔ وہ اس بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے بے ساختہ بول پڑا۔

"دادو کی بہت سی باتیں تمہارے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس بات کا اعتراف بابا ہی نہیں میں بھی کرتا ہوں۔" وہ اب بالکل سنجیدہ تھا۔

حور کو پھر حیرانی نے آن دبوچا۔ آخر آج وہ کس کس چیز کا اعتراف کرنے والا تھا۔

"مجھے دادو کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا ورنہ میں بھی ان سے بہت کچھ حاصل کرلیتا۔ میری بہت سی مصلحتوں نے مجھے ان کے قریب نہ ہونے دیا۔ آج مجھے اس چیز کا بہت افسوس ہوتا ہے۔ خیر۔۔۔! تمہارا ساتھ میرے لیے یقینی تھا۔ شاید اسی لیے مجھے دادو کا پیار بلاواسطہ نہیں بالواسطہ مل رہا ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" حور تقریباً" چیخ پڑی۔

طارق کا قہقہہ جاندار تھا۔ "ارے یار۔۔۔ تم تو واقعی ہوش میں آگئیں۔ مجھے تو لگ رہا تھا جیسے میں تمہیں لوریاں سنا رہا ہوں اور تم سو رہی ہو۔ ویسے بھی لگتا ہے تمہیں سونے کا بہت شوق ہے۔"

"بائی دادے آپ کی یہ انفارمیشن غلط ہے۔ میں

صرف رات کو ہی سوتی ہوں۔ اگر آپ کو اس چیز پہ اعتراض ہے تو آپ خود ایک کام کریں۔ دن میں نہ سویا کریں۔ تاکہ آپ کو رات کو بے محل جاگنا نہ پڑے اور دوسروں پہ اعتراض کا موقع بھی نہ ملے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"کمال کرتی ہو۔ دن بھر یہاں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی اور تم کہہ رہی ہو کہ میں یہاں سوتا ہوں۔ محترمہ میں یہاں کام کرنے آتا ہوں۔ مکھیاں مارنے نہیں کہ جب موقع ملا ستا لیے۔ یہاں تو ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔"

"جی ہاں" آپ کی مصروفیت کا تو مجھے پچھلے بیس منٹ سے خوب اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ دن بھر کس قدر مصروف رہتے ہوں گے۔"

"ارے یار! وہ تو میں تم سے۔۔۔ ایسے ہی باتیں کرنے کو جی کر رہا تھا اور ہاں دیکھو، جس کام کے لیے تمہیں فون کیا تھا وہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"شکر ہے۔ آپ کو کوئی کام کی بات بھی یاد آئی۔ ویسے بھی آج تک بنا کام تو آپ نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔"

"اے۔۔۔ اے۔۔۔ لڑکی باز آجاؤ۔ بہت ہوگئی۔ تمہاری سوئی کام، کام اور کام پہ اٹک گئی ہے۔ کام بتانے پہ آگیا تو تمہارے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

"میرے ہوش۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، میں کام چور ہوں۔۔۔؟"

"دیکھ لو۔۔۔ کچھ ایسے کام بھی ہیں۔۔۔ جو تم سے ابھی تک لیے نہیں گئے ہیں۔" طارق کا لہجہ یک دم دھیما اور شرارتی ہوا تھا۔

حور نے بات فوراً" بدل دی۔ "میری نماز قضا ہو رہی ہے جو کچھ کہنا ہے، جلدی کہہ دیجیے۔"

طارق اس کی گھبراہٹ پہ ہنسنے لگا۔ "دل کر رہا ہے ابھی گھر آجاؤں۔"

"اس میں میرے لیے کون سا کام ہے۔" وہ انجان بنی۔

"وہ میں آکر بتاؤں گا۔ فی الحال مجھے کہیں جانا ہے۔ بزنس کے سلسلے میں رات میں دیر سے آؤں گا۔ اس لیے آج کا پروگرام کینسل ہے۔"

"کون سا پروگرام؟" پھر وہ انجان بنی تھی۔

"صبح میں نے کہا نہیں تھا کہ تمہیں ساتھ لے کر جانا ہے۔ تمہارا کچھ قرض ہے وہ اتارنے کے لیے۔ فی الحال، آج وہ نہیں ہو سکتا۔ کل پرسوں پہ رکھ لیتے ہیں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے کل یا پرسوں پرمیشن تو آپ کو ملنی نہیں۔ اس لیے میرے سامنے بار بار شرمندہ ہونے سے بہتر ہے کہ اس پروگرام کو مستقل کینسل کردیں۔"

یہ کہہ کر حور نے فون بند کردیا۔ ہنسی ضبط کرنے کی وجہ سے حور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ تیر ہی اس نے ایسا مارا تھا کہ طارق کا سارا موڈ ہی غارت ہو کر رہ گیا۔ وہ شدید غصے میں بند فون کو گھور رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حور کو ابھی اسی وقت کیسے اس بات کا جواب لوٹائے۔ چونکہ کام بھی ضروری تھا۔ سو اسے حور کا "تحفہ" برداشت کرنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اور آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی کرلیا۔ کسی نے مجھے بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

دل نشیں بری طرح تلملا رہی تھی۔

دل شاد کو بیٹی کا یوں اتاؤلا ہو کر چیخنا چلانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"دل نشیں ہوش سے کام لو۔ آزادی دینے کا مطلب یہ نہیں کہ تم ماں باپ کی حیثیت کو ہی بھول جاؤ۔ ہم ماں باپ ہیں تمہارے۔ تمہارا اچھا برا خوب جانتے ہیں۔"

"میرا اچھا برا۔۔۔ آہ۔۔۔ میرا اچھا برا آپ کیا جانیں گی، آپ کے پاس تو ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہے۔"

www.pkdigest.com

"دل نشیں... تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" دل شاد سخت غصے میں آگئیں۔

"آپ اس لڑکی کی لن ترانیاں سن رہے ہیں۔ دل آویز بھی تو ہماری بیٹی تھی۔ ذرا بھی چوں چرا کی تھی اس نے۔" دل شاد کا رخ ابراہیم صاحب کی طرف ہوگیا۔

"اپنی اسی خاموشی کو تو بھگت رہی ہے۔ اگر پہلے بول لی ہوتی تو آج اس حال میں نہ ہوتی۔" دل نشیں نے استہزائیہ کہا۔

"تو تم سمجھتی ہو تم ہم سے زیادہ بہتر سوچ سکتی ہو۔" ابراہیم صاحب نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی تھی۔ دل نشیں لاجواب ہو کر رہ گئی۔

"ہماری بات کا جواب دو دل نشیں!" ابراہیم صاحب کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ دل نشیں کے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ باپ سے ڈائریکٹ اپنی پسند کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے فی الحال تھوڑا سا وقت چاہیے تھا جس سے وہ کوئی راستہ نکال سکے لیکن ماں باپ اسی راستے کو بند کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم اب یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔ گھر داری میں دلچسپی لو۔ تاکہ مستقبل میں تمہیں دشواریاں پیش نہ آئیں۔"

"واٹ ڈو یو مین بابا...!" وہ بری طرح چیخ گئی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کیا کر ڈالے۔

"تو گویا آپ نے اپنے بیٹے کی بات کو درست جان کر یہ سب کچھ کیا ہے یوں کہیے۔ مجھ پہ اپنی بیٹی پہ یقین نہیں رہا آپ کو۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے دل نشیں! میں اس موضوع پہ تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر میں کرنا چاہتی ہوں۔ میرے بھائی اپنی من پسند زندگی گزار رہے ہیں۔ میں ان پہ کبھی اعتراض نہیں کرتی تو وہ کون ہوتے ہیں مجھ پہ اعتراضات کرنے والے۔"

"تمہارے رشتے سے ان کا کیا تعلق ہے؟ یہ سراسر ہمارا فیصلہ ہے۔" دلشاد کو بیٹی کا بڑھ بڑھ کر بولنا سخت ناگوار لگ رہا تھا۔

"میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں ماما! جو اس کھیل کو نہ سمجھ سکوں۔ پہلے طارق بھائی نے مجھ پہ شک کیا۔ اس کے بعد اچانک ہی میرا رشتہ کہیں سے آن ٹپکا اور آپ لوگوں نے فیصلہ بھی کر لیا کہ میں آگے نہیں پڑھوں گی۔ ان سب باتوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے ناں کہ مجھ پہ، میرے کردار پہ شک کرتے ہوئے آپ میرے لیے شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھ سے پوچھ ہی لیا جائے اس سب کو میں کیا سمجھوں۔"

دل نشیں رونے لگی تھی۔ بیٹی کے احتجاج اور رونے پہ ابراہیم صاحب کے دل پہ بوجھ سا آپڑا۔ البتہ دل شاد بیگم کا دل نرم نہیں ہوا تھا۔ وہ ناگواری سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ ابراہیم صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"فی الحال تم جاؤ اور آرام کرو۔ ہمیں بھی ابھی فنکشن میں جانا ہے۔ پھر بات کریں گے۔ ابھی ہماری طرف سے کچھ بھی حتمی نہیں ہے۔ لیکن تم اپنی طرف سے خوب سوچ سمجھ لو۔ جو پرپوزل ہم نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اس پر سوچ کر پھر ہمیں جواب دینا۔"

دل نشیں کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے چپ چاپ والدین کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اچانک ہی تمام مسائل کو پس پشت ڈال کر ماں باپ کا اس پر متوجہ ہو جانا۔ غیر معمولی نہیں تھا۔ وہ اپنے بستر پہ لیٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

خود پہ سے توجہ ہٹانے کے لیے اسے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا تھا۔

کس کے خلاف...؟ اور پہلا دھیان اس کا حورالعین اور طارق کی طرف ہی گیا۔ رگ و پے میں نفرت امنڈ آئی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان ہی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

اس کے ماما اور بابا نے سوچ کیسے لیا کہ وہ عباد احمد کی

شریک سفر خوشی خوشی بن جائے گی۔

راحیل کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اسے چھوڑنا تو میرے لیے موت سے کم نہیں ہوگا۔

اسی وقت اس نے فون اٹھایا اور راحیل کا نمبر ملانے لگی۔ مسلسل گھنٹیاں جا رہی تھیں لیکن فون اٹینڈ نہیں ہو رہا تھا۔

دل نشیں نے غصے میں آکر، فون ایک طرف پھینک دیا۔

☼ ☼ ☼

جب وہ کچن میں آئی تو وہاں حورالعین پہلے سے ہی موجود تھی۔

"تم نے کیا کچن میں مستقل قیام کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟" وہ سخت چڑچڑے انداز میں بولی تو حورالعین نے چونک کر اسے دیکھا۔

دل نشیں سخت غصے میں تھی۔

"نجانے کھول کر ماما اور بابا کو بلا دیا ہے کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ حور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ گھر ہمارا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوگا۔ ہماری پسند سے آئندہ ہمارے لیے کچھ پکانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ سمجھیں تم۔"

یہ کہہ کر اس نے ملازموں کو چلا چلا کر میں اکٹھا کر لیا۔

"اگر اس گھر میں خانساماں تبدیل ہو گیا ہے تو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے علی میاں کو کھڑے کھڑے شرمندہ کر دیا۔ "صرف باتیں بگھارنے آؤ یہاں یا لان میں بیٹھ کر دھوپ سیکیں۔"

علی میاں؟ گھر کا پرانا خانساماں تھا۔ دل نشیں کے بے عزت کرنے پہ سخت خائف نظر آ رہا تھا۔

"ہمیں تو چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ کھانا وہ بنایا کریں گی۔ یہاں سارا دن دل آویز بی بی بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔"

"اس لیے کہ اسے گھر یا گھر سے متعلق کسی بھی الا بلا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور یہ چھوٹی بیگم صاحبہ تم کسے کہہ رہے ہو۔ اس کا جو نام ہے ناں۔ اسے اس کے نام سے ہی پکارا کرو۔ زیادہ بیگم صاحبہ کا دم چھلا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ تو حورالعین کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"میں اس گھر کے بڑے بیٹے کی بیوی ہوں۔ جتنی عزت و قدر طارق کی ہے اتنی ہی میری بھی ہے۔ میں اس کے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی۔ باقاعدہ چار لوگوں کے بیچ عزت بنا کر لائی گئی ہوں۔ اب تم لوگ یہاں سے جا سکتے ہو۔"

سارے ملازم کچن سے نکل گئے۔

حورالعین کے جواب پہ دل نشیں بے پناہ ہو گئی۔

"باقاعدہ اور با عزت۔" وہ تنفر سے پھنکاری تھی۔ "باقاعدہ ضرور آئی ہو۔ مگر با عزت نہیں۔ ماما دل آویز اور میں نے کبھی اس رشتے کو قبول ہی نہیں کیا۔"

حورالعین ہنس پڑی۔

"مجھے جس نے قبول کرنا تھا کر لیا ہے۔ باقیوں سے مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" دل نشیں مشتعل ہو گئی۔ "ماما گھر پر ہوتیں تو میں تمہارا حشر کروا دیتی۔"

"شکر کرو... کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ ورنہ یہاں بہت کچھ ہو جاتا۔" حورالعین کچن سے نکلنے لگی۔ دل نشیں نے دل آویز کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

مگر دل آویز گھر پر ہوتی تو سنتی ناں۔ وہ تو بیوٹی سیلون گئی ہوئی تھی اور یہ بات حورالعین اچھی طرح جانتی تھی لیکن دل نشیں کو نہ بتائی۔ وہ کیوں بتاتی؟ وہ تو صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ دل آویز ہی نہیں دل نشیں بھی ذہنی مریضہ بن چکی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں دل آویز... گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں دل نشیں غصے میں بھری بیٹھی تھی۔

"دیکھو... دل شاد...! میں نے کیسا ہیئر اسٹائل بنوایا ہے۔ لگ رہی ہوں ناں اپنی عمر سے دس سال

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

چھوٹی۔۔۔" وہ پرس سے آئینہ نکال کر بالوں میں برش چلانے لگی تھی۔

اس کا دھان پان سا وجود اور سوکھا لمبوترا چہرہ اور ہر وقت جلتی کلستی آنکھیں۔۔۔ اور سوکھے ہونٹ آج کتنے مختلف لگ رہے تھے۔ چہرے پہ زندگی چمک رہی تھی۔ تن پہ کپڑے بھی خوش رنگ دکھائی دے رہے تھے اور آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ دل نشیں حیرت سے اس کی تبدیلی کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے۔ کیا میں کوئی عجوبہ لگ رہی ہوں تمہیں؟" دل آویز متذبذب نظر آ رہی تھی۔ دل نشیں نے گہرا سانس خارج کیا۔ گویا اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ہر شخص اپنی اپنی میں پڑا ہوا ہے کسی کو کچھ احساس ہی نہیں ہے۔" غصہ تھا کہ ایک طوفان جو امڈنے کو بے تاب تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہنا چاہتی ہو تم۔۔۔؟" دل آویز اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے دل نشیں جو تم۔۔۔" پھر دل آویز چپ سی ہو گئی۔ اس کی عادت ہی نہیں تھی کسی کے معاملے میں مداخلت کرنے کی۔ آج وہ کیسے دل نشیں کو ٹٹولنے جا رہی تھی؟

دل نشیں نے گہری نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"میں اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"کون سی تبدیلی کی؟" دل آویز حیرانی سے بولی۔

"آئینے میں خود کو جا کر دیکھو۔ لگتا ہی نہیں یہ وہی دل آویز ہے جو صرف ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

دل آویز اس کی بات پہ ہنس پڑی۔

"اچھا لگنا کون نہیں چاہتا۔۔۔؟" وہ ایک ادا سے بولی تھی۔

"اس سے پہلے تو تمہیں اس بات کا خیال نہیں آیا۔" دل نشیں کا لہجہ کٹیلا تھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن اب آ گیا۔ آخر۔۔۔ وہی۔۔۔ وہ ہی۔۔۔ کیوں اس گھر میں۔۔۔ کیا صرف وہی۔۔۔ خوبصورت لگ سکتی ہے۔" دل آویز کے لہجے میں جلن تھی۔ "آخر وہ ہے کیا۔۔۔ ہمارے سامنے۔۔۔" پھر دل آویز سرگوشی سے بولی۔ "تمہیں پتا ہے اس گھر کے ملازمین بھی اس کی خوب صورتی اور فٹنس کی تعریف کرتے ہیں۔ کیا واقعی۔۔۔ وہ تمہیں بھی اتنی ہی خوب صورت لگتی ہے؟"

دل نشیں کے آگ ہی تو لگ گئی۔

"کیا ہو گیا ہے سب کو۔۔۔ جسے دیکھو وہی اس سے متاثر نظر آ رہا ہے۔"

"مم۔۔۔ میں کوئی متاثر نہیں ہو رہی۔ میں نے تو تمہیں ایک بات بتائی ہے۔"

"آج ہمارے اوپر اتنا برا وقت آ گیا کہ ہم اسی کو موضوع بنائیں گے۔ جبکہ۔۔۔ جبکہ اس نے ابھی ابھی میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی اور اب میں سمجھ گئی ہوں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ وہ ہم سب کو باری باری اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اور خود حکمرانی کرنا چاہتی ہے اس گھر پہ۔۔۔"

"تم کھل کر بات کرو۔ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اور تم کیوں منہ لگیں اس کے جو اس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی۔"

"میں اسے اس گھر میں قطعی برداشت نہیں کر سکتی۔" یہی کہتی تھیں ناں ماما بھی پھر کیا ہوا۔ بھول گئیں سب کچھ۔ گویا ہوش ہی نہیں ہے اور جب ہوش آئے گا وہ اپنا تسلط جما چکی ہو گی اور یہ سب کچھ طارق کرا رہا ہے۔ اسے پتا تھا میں۔۔۔ ماما۔۔۔ اور تم اسے قبول نہیں کرو گے۔ اسی لیے وہ تمہیں تمہارے گھر۔ اور مجھے میرے گھر بھجوانے پہ تل گیا ہے۔ مگر یہ سیاست کوئی نہیں سمجھ رہا۔"

دل آویز گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"وہ میرا گھر کیسے بسا سکتا ہے۔ رمیض مرد ہی نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔" دل آویز کی

بات پہ دل نشیں سکتے میں آگئی۔
حورالعین کو سخت جھٹکا لگا تھا۔ وہ ان کی گفتگو چھپ کر سن رہی تھی۔
"یہ سچ نہیں ہو سکتا یہ دل آویز نے نئی چال سوچی ہے۔ رمیض سے پیچھا چھڑانے کے لیے۔ اسے بچپن سے وہم کی بیماری ہے۔ ناپاکی کا وہم یہ نارمل لوگوں کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے یہ صرف ایک عادت ہوتی ہے۔ جسے جتنا دہرایا جائے وہ اتنی ہی پختہ ہوتی جاتی ہے اور اس کا دہرانا شعوری بھی ہو سکتا ہے اور لاشعوری بھی۔ رمیض مکمل انسان ہے لیکن وہ سنکی مزاج کا مرد ہے۔ وہ ان تکلفات میں کیوں پڑے گا۔ اسے کیا کنفیوژن ہے۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے۔ اس نے شادی کی ہے اپنی ازدواجی خوشیوں کے لیے۔ جب وہ حاصل نہیں ہوں گی تو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے یا خوش رکھ سکتا ہے۔ یہ بات تو اس فریق کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس الجھن میں اپنے ساتھی کو مبتلا کر رہا ہے۔ کیا وہ اس راستے سے فرار چاہتا ہے۔ یا اذیت دینا چاہتا ہے اپنے ساتھی کو..... وہ سوچ رہی تھی۔"
"اگر اذیت دینا چاہتا ہے تو کیوں؟ اس کا مطلب ہے وہ بالکل نارمل ہے اور اگر فرار چاہتا ہے۔ تو اس کیس میں گڑبڑ ہے کیونکہ وہ اپنی عادتوں کو اتنا پختہ کر چکا ہے کہ ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔
اگر اس سے کہا جائے کہ وہ یہ کیوں کرتا ہے تو اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اگر اسے اس کے فعل سے روکا جائے گا تو وہ اپنے اندر ایک تناؤ کی کیفیت محسوس کرنے لگے گا۔ جو ضد اور چڑچڑے پن کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی صورت حال میں اسے اس کے حال پہ چھوڑ دینا یا اس کا الگ تھلگ زندگی گزارنے پہ آمادہ ہو جانا۔ اس کے لیے بہتری نہیں ہے۔ بہتری تب ہی آئے گی۔ جب چلتی پھرتی زندگی اس کے سامنے ہوگی۔
ایسا انسان بعض دفعہ اپنے آپ کو مظلوم بھی سمجھتا ہے اور اندر سے احساس کمتری کا شکار بھی ہوتا ہے۔
جب وہ لوگوں کو خوش اور مگن دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اور بھی کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔
وہ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے لوگوں سے تقابلی جائزے پہ مصر ہو جاتا ہے اور اس سبجیکٹ کا یہی ایک کمزور پوائنٹ ہے۔ کہ اس کی جلن اور حسد کی کیفیت کو اجاگر کیا جائے۔ جلن اور حسد بھی احساس کی ایک شکل ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ منفی احساسات کو اجاگر کرتے ہیں۔
جب یہ احساسات باہر آئیں گے۔ تو دو صورتیں درپیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح جھگڑا فساد پیدا ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے یہ کہ سبجیکٹ اپنی خامیاں چپکے چپکے دور کرنا شروع کر دے اور خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگر سبجیکٹ اس طرح کرتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس طرح اس کی ذات کے دروازے کھلتے ہیں اور اس سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔"
ڈاکٹر عبداللہ کی گفتگو اور رائے صحیح نہج پہ جا رہی تھی۔
اور اس میں صرف اس کی کوشش نہیں تھی۔ ابراہیم صاحب کا اسے مکمل تعاون حاصل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ گھر میں کوئی بھی اس عمل سے باخبر نہیں تھا۔
حورالعین وہاں سے ہٹ گئی تھی کیونکہ ان کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ لیکن ان کا ابھی موضوع بند نہیں ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

رمیض کے بارے میں اس نے دل آویز کے منہ سے یہ بات دوسری بار سنی تھی کہ رمیض میڈیکلی فٹ نہیں ہے۔
اس سے پہلے وہ یہ بات گھر کی ملازمہ کے سامنے اسے بتا چکی تھی کہ رمیض فٹ نہیں۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ دل آویز اس کو اپنی انتہائی ذاتی زندگی کی کوئی بات بتاتی شاید وہ یہ بات سب میں اچھی طرح

پھیلا دینا چاہتی تھی تاکہ مزید اس سے کوئی سوال ہی نہ کر سکے۔
حالانکہ اس نے تو کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اتنی مجال ہی کہاں تھی کہ اس کے نجی معاملے میں مداخلت کرنے کی جرأت کرتی۔ وہ اس گھر میں رچ بس جانا چاہتی تھی۔ برباد ہونا نہیں..... وہ دل آویز کی دل جوئی اور خوشامد تو کر سکتی تھی..... سوال و جواب نہیں۔
باقی گھر والوں کی غیر موجودگی میں غیر محسوس طریقے سے وہ یہی کر رہی تھی کہ ایک دن دل آویز خود ہی پھٹ پڑی اور کہنے لگی۔
"مجھ سے اپنے ماں باپ کا غم نہیں دیکھا جاتا۔ وہ میری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ پریشانی خود مول لی ہے۔ اب کوئی بھی مجھے ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ جن حالات سے میں گزری ہوں۔ کوئی بھی لڑکی انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔" ملازمہ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔
"اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد سے نواز دیتا۔ تو یہ رشتہ کوئی بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔"
"اولاد!" دل آویز نے اس لفظ پہ بڑے اچنبھے کا اظہار کیا تو ملازمہ ہی نہیں حورالعین بھی حیران ہو گئی۔
"ہاں جی 'اولاد' رب سوہنے نے آپ کو چار سال میں بھی اولاد نہ دی۔"
"چار سال میں 'وہ رہی ہی کتنا تھی وہاں۔"
حورالعین دل ہی دل میں حساب کتاب لگا رہی تھی۔
"اولاد کیسے ہوتی۔ وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔"
حورالعین اچھل پڑی تھی اور ملازمہ ساکت رہ گئی تھی۔
یہ بات کہتے ہوئے دل آویز کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور لہجہ بھی اجنبی سا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں نہیں رکی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔
ملازمہ سے نگاہوں کا تصادم ہوا تو حورالعین نے نگاہیں چرا لیں لیکن سکینہ بوا تو ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ زمانے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھیں۔
جھاڑو پونچھا چھوڑ کر حورالعین کے نزدیک آگئیں اور رازداری سے بولیں۔
"ہمیں یہاں کام کرتے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا لیکن آج آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ نے دل آویز بی بی کے شوہر کو دیکھا ہے کیا آپ کو دل آویز بی بی کی بات پر یقین آیا۔"
"سکینہ بوا! آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ آپ جا کر ان ہی سے پوچھیں، جنہوں نے یہ کہا ہے۔"
"توبہ توبہ۔ مجھے کیا نوکری سے نکلنا ہے۔ میں تو خود حیران ہوں۔ یہ تو جی بہت بڑی بات ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چار سال کیوں دل آویز بی بی وہاں رہیں۔ اس بات کا فیصلہ تو چار دن میں ہی ہو جاتا۔"
ایک ان پڑھ جاہل ملازمہ عورت چار سیکنڈ میں اس نتیجے پہ پہنچ گئی تھی تو دل آویز اور اس کے والدین کیا سوچ رہے ہوں گے؟"

☼ ☼ ☼

محمود نے آکر بتایا کہ اس کا فون آیا ہے۔ محمود تیرہ چودہ سالہ لڑکا تھا جو سکینہ بی بی کا ہی بیٹا تھا۔
"کیا دل آویز اور دل نشین لاؤنج میں ہی بیٹھی ہیں؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں جی 'وہ تو شاید کہیں چلی گئی ہیں۔"
"چلی گئیں؟ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔"
وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے نیچے آئی۔ فون اس کی چھوٹی بہن کا تھا۔
"آپی! میں زینو بول رہی ہوں ابو کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو یاد کر رہے تھے۔"
"کب سے خراب ہے ابو کی طبیعت اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ پریشان ہو گئی۔
"ابو نے خود ہی منع کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہو جائیں۔ ویسے بھی آپ شادی کے بعد ایک دو بار ہی آئی ہیں۔ آپ تو خود فون بھی نہیں کرتیں۔ اس لیے آپ کے گھر فون کرتے ہوئے ہمیں بھی گھبراہٹ

www.pkdigest.com

ہوتی ہے۔"

"اچھا فضول باتیں نہ کرو میں ابھی آرہی ہوں۔"

وہ جھینپ مٹاتے ہوئے بولی اور فون بند کردیا۔

گھر میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ کس سے پوچھ کر جاتی اور کس کے ساتھ جاتی۔ وہ تذبذب میں مبتلا ہوگئی۔

ابراہیم صاحب بھی گھر پر نہ تھے وہ دل شاد بیگم کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ ان کا نمبر ملایا تو ان کا فون بند تھا۔ طارق سے بھی کانٹیکٹ نہ ہوسکا۔ وہ باپ کی بیماری کا سن کر سخت بے چین تھی۔

بالآخر وہ تنگ آگئی اور اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا طارق کا فون ضرور آئے گا اور تب وہ اسے بتادے گی۔

☼ ☼ ☼

ڈرائیور کے ساتھ جب وہ گھر پہنچی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ زنیو، زوہیب اور نوشین اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی کا اظہار اتنا بے ساختہ اور دل موہ لینے والا تھا کہ وہ ساری ٹینشن بھول گئی۔

"آپی آپ تو جا کر ہمیں بھول ہی گئی ہیں۔" ان سب کی زبان پہ ایک ہی شکوہ تھا۔ حور العین کو شرمندگی سی ہوئی۔ اس کے چاروں چھوٹے بہن بھائی جو کہ بے شک سوتیلے تھے۔ مگر وہ تھے تو ایک ہی باپ کی اولاد اور کتنا اسے چاہتے۔ کیوں وہ ایک ہی مخصوص دائرے میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ جہاں صرف لمبی تنہائی، نفرت اور حقارت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"اچھا میں ابو سے مل لوں۔"

"ابو تو گھر پر نہیں ہیں۔ ذیشان ابو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہوا ہے۔"

"اور امی کہاں ہیں؟" اس نے زنیو سے پوچھا۔

"ظاہر ہے امی بھی ہمراہ ہی گئی ہیں۔ آپ سکون سے بیٹھیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں وہ لوگ ابھی ابھی نکلے ہیں دیر تو لگے گی آنے میں۔"

اور پھر پل بھر میں ہی زنیو اور نوشین نے انواع واقسام کے کھانوں کی اشیاء اس کے سامنے سجادیں۔

"زنیو! نوشی! یہ سب اتنا تکلف تم نے صرف میرے لیے کیا ہے؟ کیا ضرورت تھی اتنا سب کچھ کرنے کی۔"

"آپ ہمارے غریب خانے پہ اب نجانے کب تشریف لائیں گی۔ لہٰذا شرف بخش دیجیے۔" زوہیب نے کورنش بجالاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کے رویے سے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ابو کی طبیعت بہت زیادہ خراب نہیں ہے۔" حور اب ذہنی طور پہ بالکل ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

زنیو سنجیدہ سی ہوگئی۔ پھر اس کے سامنے سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے بولی۔

"ابو کو شوگر ہوگئی ہے۔"

"ابو کی فیملی میں سب ہی شوگر کے مریض ہیں۔ فقط ابو ہی رہتے تھے۔ وہ بھی....." وہ پریشانی سے زیر لب بولی۔

"پھر ابو کی ڈائٹ وغیرہ تو بالکل تبدیل ہوگئی ہوگی۔" وہ سالن نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"سب کچھ ہی چینج ہوگیا ہے۔ ابو بہت احتیاط کر رہے ہیں۔" روزانہ صبح واک پہ جاتے ہیں۔ نہار منہ کالی چنوں کا پانی پیتے ہیں۔ بیسن کی روٹی ناشتہ میں لینے لگے ہیں۔"

"پھر شوگر کنٹرول ہوئی ابو کی؟"

"کہاں.....؟ بہت ہی کمزور ہوگئے ہیں اور شوگر ایک منٹ میں آسمان پہ اور ایک منٹ میں زمین پہ آجاتی ہے۔ یہی سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔" زنیو فکر مندی سے بتا رہی تھی۔ پھر نوشین کہنے لگی۔

"ابو کی وجہ سے امی بھی بہت ویک ہوگئی ہیں۔ ہر وقت امی کو کبھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔" وہ اداس ہوگئی تو حور نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"کچھ نہیں ہوگا امی ابو کو۔ کیوں فکر مند ہو رہی ہو۔ اچھا اور بہتر علاج، خوراک اور ذہنی سکون انسان کو ان بیماریوں کے خطرناک نتائج سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ اور لوگ سالہا سال جیتے ہیں۔"

وہ نوشین کو تسلی دے رہی تھی۔ زنیو کے چہرے پہ بھی فکر مندی دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ زوہیب بالکل چپ چاپ بیٹھا تھا۔

نوشین اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"آپ بہت بہادر ہیں آپی! ہم تو امی ابو کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔" حور کو کتنا رنج ہوا تھا۔

"ہم کتنے ہی بڑے ہوجائیں اور کتنے ہی بہادر لیکن اپنے ماں باپ کو کوئی نہیں بھولتا۔ آج میری امی ہوتیں تو..... شاید میں بھی تم لوگوں کی طرح ہوتی۔ پرجوش اور توانا۔" یہ کہتے کہتے وہ رنجیدہ سی ہوگئی تھی۔

"حور آپی! ہماری امی بھی تو آپ کی ہی امی ہیں۔" نوشین نے گویا اپنی طرف سے حور کو دلاسا دینے کی کوشش کی تھی۔ حور کو اس کی معصومیت پہ ہنسی آگئی۔

"ہاں، کیوں نہیں، تمہاری امی بھی میری ہی امی ہیں

"پہلے تو آپ ایسا نہیں کہتی تھیں۔ آپ تو کہتی تھیں۔ منزہ تمہاری ہی امی ہیں۔ میری نہیں۔" نوشین نے بے ساختہ کہا تو حور یکدم ہوگئی۔

"نوشین! تمہاری یہی بے وقوفیاں ہیں الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔"

"نہیں زنیو! اسے کہنے دو۔ مجھے اس کا بولنا بالکل برا نہیں لگا ہے۔" پھر وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔

"ہاں میں پہلے یہی کہتی تھی۔ منزہ میری ماں نہیں ہے۔ نہ میں ان کی عزت کرتی تھی اور نہ ان سے محبت بدلے میں انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ سوائے نفرت اور بیزاری کے نہ وہ اپنا دل بڑا کرسکیں اور نہ ہی میں لیکن اب احساس ہوا ہے۔ زندگی میں سمجھوتا ہی سب کچھ ہے اب میں کیا کر رہی ہوں؟ اگر میں یہی کچھ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بھی کرتی۔ تو شاید ان کے دل میں جگہ بنا لیتی۔ تب مجھے احساس نہیں تھا اور اب مجھے مکمل احساس ہے۔ اس بات کا کہ اپنائیت اور محبت کس چیز کا نام ہے۔" وہ سوچ رہی تھی۔

"کہاں کھو گئیں آپ کچھ بھی نہیں کھایا اور اٹھ کر کہاں جا رہی ہیں۔"

"میں ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔ شاید ابو آگئے ہیں باہر رکشہ رکنے کی آواز آئی ہے۔"

☼ ☼ ☼

وہ ارباب رحیم کے پاس بیٹھی تھی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے آنے سے میری تکلیف ختم ہوگئی ہے۔" وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"طارق کو بھی آنا جانا چاہیے۔ مگر تم ہی نہیں آتیں تو وہ کیونکر آئے گا۔"

"آپ مجھے بے حد شرمندہ کر رہے ہیں ابو! میں سمجھتی تھی، امی میرا یہاں آنا پسند نہیں کرتیں۔ اب سوچتی ہوں۔ یہ میری غلط سوچ تھی۔ امی اتنی بری نہیں ہیں۔ جتنا میں انہیں سمجھتی تھی۔"

ارباب صاحب نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ جو سر جھکائے بیٹھی تھی اور چادر کی جھالر سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

"تم وہاں خوش تو ہو حور.....؟" حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں نے سنا تھا دل شاد سخت مزاج عورت ہے اور اس کی بچیاں بھی مگر تمہاری نانو کے فیصلے کے سامنے" ارباب کو اندیشوں نے آگھیرا۔

"میں بہت خوش ہوں ابو..... یہ فیصلہ نانو کا تھا اور انہوں نے ہمیشہ میرے لیے اچھا ہی سوچا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

اس کے چہرے کے سکون نے ارباب صاحب کو سکون کا احساس دلایا تھا تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے نمبر دیکھا فون طارق کا تھا۔ وہ فون اٹینڈ کرنے کی غرض سے باہر آگئی۔

"کیا بات تھی۔ تم نے مجھے فون بھی کیا تھا؟" طارق شاید جلدی میں تھا۔

"ہاں وہ میں نے بابا کو بھی فون کیا تھا اور ماما کو بھی مگر فون نہیں مل رہا تھا۔"

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

خالص صندل ابٹن
Nina Powder
A Product of
SAEED GHANI
SAEED GHANI سعید غنی
اپنے قریبی اسٹور سے طلب فرمائیں

"کیوں خیریت تو تھی؟"

"ہاں وہ ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں اپنے ابو کی طرف آئی ہوئی ہوں بس یہی بتانے کے لیے فون کر رہی تھی۔ مگر۔۔۔"

"اب کیسی طبیعت ہے انکل کی کیا ہوا ہے انہیں؟" طارق کے لہجے میں پریشانی تھی۔

حورالعین اسے تفصیل بتانے لگی۔

"ٹھیک ہے تم ایسا کرو۔ فی الحال وہیں رکو مجھے آج رات کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی جانا پڑ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دو روز لگ جائیں۔" اسے طارق کے رکنے کی اجازت دینے پر خوشی ہوئی۔

"اچھا سنو انکل کا خیال رکھنا اور اپنا بھی۔۔۔"

حورالعین کو ہنسی آگئی۔

"اے ہیلو سنو یہ کیا مسئلہ ہے۔ جب میں بولتا ہوں۔ تمہاری بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے؟"

اب حورالعین کو جواب دینا ہی پڑا۔

"آپ کی اوٹ پٹانگ باتوں کا بھلا میں کیا جواب دے سکتی ہوں؟"

"آ۔۔۔پ۔۔۔اللہ رے۔ انداز تخاطب۔"

"میں کیا آپ کی عزت نہیں کرتی؟" وہ شکوہ گر رہی تھی۔

"نہیں!" وہ سچائی سے بولا "اور عزت تو تم میری جب بھی نہیں کرتی تھیں جب میں تمہارا استاد تھا۔ البتہ محبت۔۔۔ محبت تم مجھ سے شروع سے کرتی ہو۔"

حورالعین کو اس کا اترانا سخت زہر لگا تھا۔

"میں آپ کی عزت کرتی ہوں نہ آپ سے محبت۔"

"اب تو مجھے نباہ کرنا ہی پڑے گا مجھ غریب کو۔ دادو سر منڈھ کر جو گئی ہیں۔" طارق کے طنز پر حور کو غصہ آگیا۔

"اس بات کا جواب تو میں تب ہی دے سکتی تھی جب آپ کے روبرو ہوتی۔" وہ گویا دانت کچکچا کر بولی تھی۔ طارق نے بے حد لطف لیا تھا۔

"کوئی بات نہیں مسز طارق! ایسے مواقع بار بار آئیں گے۔ جب ہم آپ کے اور آپ ہمارے روبرو ہوں گی۔ تب آپ کی جرأتیں بھی دیکھ لیں گے۔" طارق کا لہجہ کچھ معنی خیز تھا۔

حور یک دم نروس ہو گئی۔ اسے گم صم پا کر طارق دل کھول کر ہنسا تھا۔

☼ ☼ ☼

"انسان کو اتنا بھی بزدل نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکے۔ کس چیز کا دباؤ ہے آخر تمہارے اوپر جو تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں کر سکتے۔" دلنشیں راحیل کے رویے پہ بری طرح جھلس چکی تھی۔

"تم یہ چاہتی ہو کہ جس طرح تم سوچتی ہو، سب اسی طرح سے کریں۔ آخر میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔" راحیل بری طرح بے بس دکھائی دے رہا تھا۔

"تم جو میرے سامنے اس قدر بے بسی کا اظہار کر رہے ہو مجھے یہ بتاؤ کیا میں تم سے نکاح کا مطالبہ کر رہی ہوں یا میں نے یہ کہا ہے کہ ہم کورٹ میرج کر لیں گے؟"

"میں نے ایسا کب کہا ہے؟"

"میں تمہارے لیے اتنا آگے آگئی ہوں کہ اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتی تم مجھے صاف صاف بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔"

راحیل نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد آہستگی سے بولا۔

"میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے میں غریب شخص کی اولاد ہوں اور تم دولت مند باپ کی بیٹی۔ مجھے اپنا کیریر بنانے کے لیے تمہارے برابری کے لیے وقت چاہیے۔ کیا تم تب تک میرا انتظار کر لو گی؟"

دلنشیں اس کی طرف دیکھ کر لاپروائی سے ہنس پڑی۔

"بس اتنی معمولی سی بات تھی جسے تم نے اپنے دل کا بوجھ بنا رکھا تھا۔"

"یہ بات معمولی نہیں ہے دلشی! ایسی باتیں تب تک معمولی لگتی ہیں، جب تک انسان پریکٹیکل زندگی میں قدم نہیں رکھ لیتا۔ پریکٹیکل لائف میں یہی بنیادی چیزیں کامیابی اور ناکامی کا سبب بنتی ہیں۔"

دل نشیں اس کی دلیل پہ چڑ سی گئی۔

"یہ باتیں اب کیوں کہہ رہے ہو۔ جب تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تب نہیں سوچا تھا کہ یہ دوستی دلوں کی زنجیر بھی بن سکتی ہے۔"

راحیل تڑپ کر بولا۔

"اچھا مجھے تھوڑا سا وقت تو دو۔ میں کوئی راستہ نکالتا ہوں۔" اس کا لہجہ بہت کمزور سا تھا۔

"تم تھوڑا سا وقت مانگ رہے ہو جبکہ میں تمہیں اس موضوع پہ سوچنے کے لیے ساری عمر بھی دے دوں تم تب بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

تنفر سے کہتے ہوئے دلنشیں اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اب وہ تنہا لائبریری میں بیٹھی تھی۔ اتنا گر کر اور جھک کر اس نے راحیل سے زندگی بھر کا ساتھ مانگا تھا۔ پھر بھی اس نے پذیرائی نہیں کی۔ اگر وہ اتنا ہی کہہ دیتا دل نشیں تم صرف میری ہو اور وقت آنے پہ اس چیز کا فیصلہ ہو گا کہ تمہیں کون اپنائے گا۔

"آہ!" دلنشیں اپنی خوش فہمیوں پہ خود ہی ہنس پڑی۔

"وہ تو اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہا تھا۔ مجھ سے یقین دہانی چاہ رہا تھا کیا میں اس کا انتظار کر سکوں گی کیا مجھے نہیں پتا کہ اس کی مجبوریاں کیا ہیں۔ وہ سات بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ سب کی امیدوں کا مرکز۔ میں شاید اس کی ترجیحات میں آخری نمبر پر ہوں۔ وہ یہ کہنا تو شاید بھول ہی گیا۔" پھر دلنشیں اپنی بے وقوفی پہ خود ہی ہنس پڑی۔

"کیا مجھے راحیل سے بہتر اور اچھا نہیں مل سکتا۔ صرف اس کے حسن پہ مرمٹی ہوں میں۔ یا اس کی اس ذہانت پہ جس کی بنیاد پہ وہ ساری یونیورسٹی میں شہرت رکھتا ہے۔ ان دو چیزوں کے سوا تو اس میں کچھ بھی خاص نہیں ہے۔ لیکن یہی تو سب کچھ ہے جو اور لڑکیاں بھی اس پہ مٹتی ہیں۔ مگر وہ کسی کو بھی لفٹ نہیں کراتا۔ اس کی دوستی ہے تو صرف دل نشیں ابراہیم سے ہے اسی وجہ سے ثوبیہ اور سارہ بھی مجھ سے جلن اور حسد کا شکار رہتی ہیں۔

میری منگنی کی خبر یونیورسٹی میں پہنچ گئی تو سب سے زیادہ ثوبیہ کو تکلیف ہو گی جو مجھے ہر وقت نیچا دکھانے کے لیے اپنے باپ کی دولت کی نمائش کرتی رہتی ہے۔

میرا باپ بھی مجھ پہ جان چھڑکتا ہے۔ لیکن اتنی آزادی نہیں دے سکتا۔ جتنی آزادی ان لوگوں کو حاصل ہے۔ پھر ان لوگوں کا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے۔ لیٹ نائٹ ایک دوسرے کے ساتھ گھومنا پھرنا اور ہوٹلنگ کرنا۔ اب مجھے بھی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے مگر یہ زنجیر عباد کے نام کی ہی کیوں؟ عباد جیسے انسان کے ساتھ میں اچھی اور بھرپور زندگی نہیں گزار سکتی۔ مولانا نائپ حلیہ اور لیا دیا انداز گفتگو میں راحیل جیسے انسان کے ساتھ بھی اچھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ بے چارہ تو مجھے بنیادی ضرورتیں بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا محبت اہم نہیں ہوتی؟" وہ الجھ رہی تھی۔

"ہیلو کہاں گم ہو؟" اس کے سامنے کرسی پہ کوئی آ کر بیٹھا تھا اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں اس کے سامنے ہاتھ نچایا تھا۔ وہ یک دم چونک گئی۔

"مجھے شکیل باجوہ کہتے ہیں۔"

وہ اس کے نام ہی سے نہیں اس کے کردار سے بھی بخوبی واقف تھی۔ ناگواری کی لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ میز پہ سے فائل اٹھا کر وہ کھڑی ہو گئی تو وہ سامنے آ گیا۔

"مجھے تمہاری یہ ادا بہت اچھی لگتی ہے۔ مگر آج کچھ اچھی نہیں لگی۔ دل نشیں۔" اس نے بڑا چبا چبا کر اس کا نام ادا کیا تھا۔ دل نشیں کے تو آگ لگ گئی۔

"اس سے پہلے بھی تم میرا راستہ روک چکے ہو۔

میں خاموش رہی مگر اب میں پرنسپل کو تمہاری شکایت کروں گی۔"

"کیوں؟ میں نے تمہیں ایسا کیا کہا۔ جو تم میری شکایت پرنسپل صاحب سے کرو گی؟"

دلنشیں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور ایک طرف سے ہو کر چپ چاپ نکلنے لگی۔ شکیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دلنشیں نے دوسرے ہی پل زوردار تھپڑ شکیل کے چہرے پہ جڑ کر دیا ارد گرد اسٹوڈنٹ اکٹھے ہو گئے۔

شکیل یقیناً کوئی پیش رفت کرنا چاہتا تھا۔ مگر یک دم ہجوم کو اٹھا کر گڑبڑا گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

"کیا ہوا دلنشیں! خیریت تو ہے؟ سنا ہے شکیل باجوہ سے تمہاری لڑائی ہو گئی ہے۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں، تم اس کے منہ کیوں لگیں؟"

"شٹ اپ!" مختلف سوالات پہ دلنشیں زچ ہو گئی۔ اسماء اور اقصیٰ خاموش ہو گئیں۔

"میں بھلا کیوں منہ لگوں گی ایسے لوگوں کے میں ابھی پرنسپل کے آفس میں جاؤں گی اور اس کی کمپلین کروں گی۔"

"میرا خیال ہے تم فی الحال گھر چلو۔ اس کے بعد سوچنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" راحیل نے اسے ہجوم سے نکالا تھا۔

وہ چپ چاپ راحیل کے ساتھ ہجوم سے نکل آئی۔

اب وہ راحیل کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ سخت الجھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا جبکہ دل نشیں ابھی تک غم و غصے کا شکار تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا اس پہ ہاتھ اٹھا کر؟" راحیل سے بالآخر ضبط نہ ہو سکا تو کہہ بیٹھا۔

"واٹ ڈو یو مین؟" دلنشیں نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تمہاری غیرت گوارا کر سکتی ہے اس تمہاری منگیتر یا بہن کا کوئی ہاتھ پکڑے؟"

"وہ بات اور ہے۔ لیکن دلنشیں! ایک یونیورسٹی میں وقت گزارتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بارہا ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ کبھی اس طرح کا تھپڑ تم نے مجھے تو نہیں مارا۔"

"راحیل....." دلنشیں کا غم و غصے سے برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ اس کا سر پھاڑ ڈالے۔

"اول تو شکیل باجوہ میرا دوست نہیں ہے اور وہ کس کیٹگری کا لڑکا ہے یہ سب جانتے ہیں بہرحال یہ میرا معاملہ ہے۔ میں خود اس سے نمٹ لوں گی۔"

"یہ صرف تمہارا ہی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ میری قسمت بھی داؤ پہ لگ چکی ہے۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔ سنا تم نے اور یہی تھی میری لاتعلقی اور خاموشی کی وجہ، لیکن تم جیسی ہٹ دھرم لڑکیاں صرف اپنا بھلا دیکھتی ہیں۔ تمہارا کیا ہے۔ تم ایک لینڈ لارڈ باپ کی بیٹی ہو۔ تم تعلیم ادھوری چھوڑ بھی دو گی تو تمہاری زندگی پہ کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن میرا..... میرا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا ناں۔"

دلنشیں نے حیرت سے راحیل کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ بری طرح الجھ چکی تھی۔

راحیل کچھ نہیں بولا چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں..... تمہیں شکیل باجوہ سے معافی مانگنا پڑے گی۔"

"واٹ!" دلنشیں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ نفرت اور دکھ اس کے چہرے کے ہر نقش سے نمایاں تھا۔

"میں اور اس سے معافی مانگوں گی؟"

راحیل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہاں تمہیں اس سے معافی مانگنا پڑے گی یہی تمہارے اور میرے حق میں بہتر ہے۔"

"تم شکیل باجوہ کو سجدے کرو مجھے پروا نہیں لیکن آج کے بعد جان لینا۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ میں ساری زندگی شرمندہ رہوں گی کہ تمہارے ساتھ وقت گزارا۔ شکیل باجوہ کو میں نے تھپڑ مارا ہے اور وہ مجھ سے معافی مانگے گا یہ میں تمہیں دکھاؤں گی۔"

www.pkdigest.com

دل نشیں نے حقارت سے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی وہاں سے چل پڑی۔

راحیل نے بے چارگی سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر غصے سے زمین کو ٹھوکر مار کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سو کر اٹھی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل نے اسے متوجہ کر لیا۔ پھر اسے یہی خیال آیا۔ ہو سکتا ہے ماما کی کولیگز چائے پہ انوائٹڈ ہوں۔

ابھی وہ کسلمندی سے بستر میں پڑی سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا دلشاد کے ہمراہ دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کی گود میں بچہ تھا اور ایک کنواری معلوم ہوتی تھی۔ دلنشیں انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ ان دونوں نے سلام کیا پھر باری باری بیٹھتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں بولیں۔

"خالہ! دل نشیں تو بالکل آپ پہ گئی ہے۔ ہم نے تو اتنا عرصہ کے بعد دیکھا ہے۔ ننھیال میں کہیں بھی تو نظر نہیں آتیں آپ کی بیٹیاں۔"

"پھر بھی دل آویز کو تو سبھی جانتے ہیں۔ دلنشیں کو تو ہم پہلی بار ہی دیکھ رہے ہیں۔"

ان کی گفتگو پہ دلشاد ہنس پڑیں۔ "ننھیال میں یہ نہیں جاتیں تو تم لوگ کون سا آتے جاتے ہو۔"

"چلیے یہ شکایت اب دور ہو جائے گی آپ کی۔" وہ دونوں یکے بعد دیگرے کھلکھلائیں۔

"دلشی بیٹا! یہ تمہاری خالہ کی بیٹیاں ہیں یہ بڑی رابعہ ہے اس کے تین بچے ہیں اور یہ ماریہ ہے؟ ایف اے کر کے گھر میں فارغ ہے۔"

"سنا ہے آپ یونیورسٹی جاتی ہیں؟" ماریہ نے چہکتے ہوئے دلنشیں کی طرف دیکھا۔

دل نشیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل شاد فوراً بول پڑیں۔ "ہاں دلنشیں کا یونیورسٹی میں پہلا سال ہے۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے ہم نے بھی اسے روکا نہیں۔ ویسے تو دل آویز نے بھی ایف اے کیا ہوا ہے بس آنا" فانا" بچی کی شادی کر دی۔ آہ' ہا کیا معلوم تھا کم عمری میں ہی بچی کو روگ لگا رہے ہیں۔ تین سال جس کھینچا تانی میں گزرے۔ ہمارے دل کو ہی پتا ہے۔"

دل آویز کا دکھ سن کر رابعہ اور ماریہ بھی دلگرفتہ ہو گئیں۔

"اسی لیے تو کہتے ہیں غیروں کی دولت سے اپنوں کی جھونپڑی بہتر ہے۔"

"بس ایک غلطی ہو گئی۔ اب تو دلنشیں کو اپنوں میں ہی دیں گے۔" دلشاد کی بات پہ رابعہ اور ماریہ کھل اٹھیں۔

"ہمارے تو گھر کے نصیب جاگ جائیں گے خالہ! ہمارے گھر میں دلنشیں جیسی بھابھی آ گئی تو۔ امی کے سارے بچوں میں عباد سب سے سعادت مند اولاد ہے ہم تو یہی کہیں گے عباد کی نیکی کا انعام ہے دل نشیں۔"

"اچھا تم لوگ آپس میں باتیں کرو' میں باجی کے پاس جا رہی ہوں۔" یہ کہہ کر دلشاد کمرے سے نکل گئیں وہ عباد کا تذکرہ اس کے سامنے کر رہی تھیں۔ مگر حیرت کی بات تھی اسے بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔ کہاں تو وہ اس ذکر پر ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی اور کہاں اب اس کے وجود میں خوشی کے سوتے پھوٹنے لگے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک اپنی ذات کا تجزیہ کرتی رہی۔ اس کے من میں کہیں بھی راحیل کا نام و نشان نہ تھا۔ عباد کے نام سے اپنی ذات کتنی مکمل مکمل سی لگ رہی تھی۔ عباد پڑھا لکھا تھا' خوب صورت تھا۔ اپنا ذاتی بزنس تھا۔ اس میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں کیا وہ ان خوبیوں پر مرمٹی تھی؟

"نہیں!" اس کے اندر گہری تنہائی نے ہچکی لی تھی۔ باوجود سب کچھ ہونے کے وہ بھی دل آویز کی طرح احساس کمتری کا شکار تھی۔ اپنے لیے کسی کا نام کسی کا ساتھ کتنا معتبر سا کر دیتا ہے دنیا اس رنگا رنگی بھیڑ میں۔ وہ بھی کسی کے لیے اہم ہو گئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک قدر دان لوگ ہیں۔ اس کی معمولی خوبیوں کو بھی بڑھ چڑھ کر سراہیں گے۔

اس کی ذات میں فخر نشہ سا بن کر اتر گیا۔

وہ اس نشے سے لبریز ہو کر اور بھی آزادی اور تفاخر سے زندگی گزار سکتی تھی۔ زندگی کو انجوائے کر سکتی تھی۔ ماں باپ کی ایک بات مان کر دس باتیں منوا سکتی تھی۔

وہ یونیورسٹی نہیں چھوڑے گی۔ اب وہ کھل کر جیے گی۔ وہ سب کچھ کرے گی جو اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ دوستیاں نبھاتے ہوئے زندگی کے مزے لوٹتے ہوئے اب وہ ان لڑکیوں کے سامنے خود کو کمتر نہیں سمجھے گی جو بروقت اس سے مقابلے پہ اتری رہتی تھیں۔ اور جن کو جیلس کرنے کے لیے اس نے راحیل کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

کیا اسے راحیل سے ذرا بھی لگاوٹ نہیں تھی.....

"نہیں" اس کے اندر سے پرزور تردید آئی۔

اور نہ ہی راحیل کو اس سے محبت تھی۔

"اگر اسے مجھ سے ذرا بھی محبت ہوتی تو وہ آج ایسی باتیں نہ کرتا" راحیل کے رویے پہ وہ پھر سے الجھنے لگی تھی۔

یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے اس کی طبیعت تکدر کا شکار ضرور ہوئی تھی۔ لیکن اب..... وہ خود میں بہت خوشگوار سی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔

وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ لاؤنج میں دلشاد اکیلی بیٹھی تھیں۔ شاید کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔

"باجی کل دوبارہ آئیں گی۔ میں سوچ رہی ہوں۔ وہ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو چھوٹی سی تقریب کر دیتے ہیں۔ جس میں وہ دل نشیں کو انگوٹھی پہنا لیں گے۔ اس طرح منگنی کی رسم بھی ادا ہو جائے گی اور وہ لوگ بھی اپنے مہمانوں کو یہاں لا کر ہمارا تعارف کرا دیں گے۔"

دل نشیں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

اس مسکراہٹ کو صرف دل آویز نے دیکھا تھا اور عجیب سی چبھن رگ رگ میں اتر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دلنشیں! آج تم یونیورسٹی نہیں گئیں؟"

"نہیں ماما! دل نہیں کر رہا تھا۔" وہ جواب دیتے ہوئے اپنے لیے پراٹھے کا پیڑا بنانے لگی۔

"ابھی تم نے ناشتہ نہیں کیا؟" دل شاد فریج سے پانی نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"ابھی تو سو کر اٹھی ہوں۔ آپ کہیں تو آپ کے لیے چائے بنا دوں؟" دل شاد وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں بنا دو..... تمہارے بابا بھی پتا نہیں ناشتا کر کے گئے ہیں یا نہیں۔" وہ سستی سے بولیں۔ "حور العین ہی انہیں ناشتہ دیتی تھی ناں وہ باپ کے پاس جا کر کیوں بیٹھ گئی؟"

"کیوں آپ کو اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے؟" دل نشیں کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

دل شاد سنبھل گئیں "کم از کم کام سنبھال لیتی تھی اور تو کچھ نہیں۔"

"ہمارے یہاں ملازموں کی کمی تو نہیں۔ خوامخواہ کچن میں ڈیرے ڈالے رکھتی تھی۔" دل نشیں بیلن سے پراٹھا گول کر رہی تھی۔ دل شاد نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش ہو گئیں۔

دل نشیں پھر کہنے لگی۔

"مجھے حور العین سے اس وقت نفرت نہیں تھی۔ جس وقت آپ اسے اپنانا نہیں چاہتی تھیں۔ مجھے اس سے اب شدید نفرت ہے' جبکہ مجھے لگتا ہے آپ اسے اپنا چکی ہیں۔"

دل شاد پسپائی سے مسکرائی تھیں۔

"میرے بس میں ہو تو اسے اب بھی گھر سے باہر نکال پھینکوں۔ جس جگہ کا تصور میں نے اپنی بھتیجی کے لیے کیا تھا۔ وہاں اس کو دیکھنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اس بات کا پرچار بار بار کر کے ذلیل نہیں ہونا چاہتی۔ میری خاموشی کو رضامندی نہیں وقتی مفاہمت سمجھو۔"

اتنے میں دل نشیں پراٹھا توے پہ ڈالنے لگی تو دلشاد چونک گئیں اور یک دم کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو دلشی؟" وہ حیرانی سے اس کے

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

قریب آگئی تھیں۔

"برا اٹھا بنا رہی ہوں ماما!" دل نشیں استہزائیہ بولی۔

"بائیں ہاتھ سے۔۔۔" دلشاد کو گہرا شاک لگا تھا۔

"ہاں آں!" دلنشیں کھلکھلائی تھی۔

"مگر کیوں؟" دل شاد جیسے چلا اٹھیں۔

"ماما! آپ بھی تو بائیں ہاتھ سے سارے کام کرتی ہیں۔"

دل نشیں کو ماں کی حیرت عجیب لگ رہی تھی۔

دل شاد کے لب سل گئے۔

دل نشیں اپنے کام میں پھر سے مگن ہو گئی۔

"پتا ہے کیا ماما! آپ کو بائیں ہاتھ سے کام کرتا دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگتا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ کب میں یہ عادت اپناتی چلی گئی۔ مجھے لفٹ ہینڈڈ لوگ بہت اپیل کرتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے بہت جینئس لوگ کہلاتے ہیں یہ غیر معمولی خوبیوں کے مالک۔ میرے اساتذہ شروع شروع میں مجھے کہا کرتے تھے۔ لیفٹ ہینڈڈ ہونے کے باوجود میری لکھائی بہت عمدہ ہے۔

اور آپ کو بتاؤں۔ میری فرینڈز بھی میری اس خوبی پہ مرتی ہیں۔ ویسے ماما! کتنا اچھا لگتا ہے۔ جب ہم لوگوں سے ذرا مختلف اور منفرد نظر آتے ہیں۔

اور ایک بات اور بتاؤں آپ کو ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی چیز میں شہرت ضرور ملتی ہے۔ اب آپ کو ہی دیکھ لیں۔ بظاہر آپ سادہ سی خاتون ہیں۔ نہ ہی آپ کے پاس ایجوکیشن ہے اس کے باوجود جس این جی او میں آپ ورکنگ لیڈی ہیں وہاں نہ صرف آپ کو نمایاں اہمیت حاصل ہے بلکہ دوسری این جی اوز میں بھی آپ ٹھیک ٹھاک شہرت رکھتی ہیں۔"

وہ بڑے تفاخر سے ماں کی خوبیوں پہ روشنی ڈال رہی تھی۔

مگر دل شاد کو یہ خوبیاں ان خامیوں کو چھپانے کے لیے اپنانا پڑی تھیں، جن کی بدولت وہ بیماری اور تنہائی کا شکار ہو رہی تھیں اور اس میں سب سے زیادہ معاون ابراہیم کی دولت آئی تھی۔

دل شاد کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا۔ مگر اپنی تعریف کسے بری لگتی ہے۔ دل شاد نے منافقت سے اس سچائی کا گلا اندر ہی اندر گھونٹ دیا اور زبردستی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"تمہاری باتیں ٹھیک ہیں دلشی! لیکن مجھے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ شادی کے بعد مجھے۔۔۔ اسی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" دل شاد ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ گویا وہ اب ماضی پہ بات تو کرنا درکنار سوچنا بھی نہ چاہتی ہوں۔

"میں جانتی ہوں ماما! آپ نے سسرال میں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں ہماری دادو! نہایت خبطی اور کنزرویٹو عورت تھیں۔ جنہوں نے آپ کی شخصیت کو بالکل ہی مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔" دل نشیں ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"اوروں کو ہو سکتا ہے دادو سے محبت ہو مگر مجھے تو بالکل بھی نہیں ہے۔ اور یہ نمونہ جو آپ اٹھا کر لائی ہیں یہ بھی دادو کی تصویر کا ایک رخ ہے۔ نجانے آپ کو اپنے ماضی سے کیسی محبت تھی کہ اسے حال میں پھر پیوست کر لیا۔"

"تمام حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم۔۔۔ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی ہو؟" انہوں نے بیٹی سے شکوہ کیا تھا۔

دل نشیں بھڑک گئی۔ "تو پھر کیوں ہے وہ یہاں۔ کیوں دفع نہیں کر دیتیں اسے؟"

"میرے اختیار میں ہوتا تو اسے گھر میں گھسنے ہی نہ دیتی۔۔۔ اور اب اسے نکالوں گی تو پورا بندوبست کر کے۔"

دل شاد نے دل ہی دل میں اپنے ارادے کو دہرایا تھا۔

"وہ تمہارے لیے بالکل بھی اہم نہیں ہونی چاہیے تمہیں یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہاں ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ وہ ہم سب کے لیے بالکل غیر اہم ہے۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے گال کو تھپتھپایا تھا۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں لیکن وہ اپنا راستہ بنا رہی ہے

اسے راستے بنانے دو۔۔۔ وہ کتنی ہی ہوشیار بننے کی کوشش کرے۔ مگر رہے گی تو پست گھرانے کی چھوٹی سوچ کی مالک۔ تم دیکھنا وہ ہمیں فتح کرنے کے لیے۔ اس باورچی خانے تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی۔"

یہ کہہ کر دل شاد مکاری سے ہنسی تھیں۔ اور اس بار ان کی ہنسی میں اب دل نشیں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سچائی کتنی بھی تلخ ہو لیکن انسان اس سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ مجھے دل نشین ابراہیم کو استعمال کرنا ہے اور اسی میں میرا مفاد پنہاں ہے۔ میں چاہوں بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ میری نجات اسی میں ہے۔"

راحیل نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔ "مگر دلنشیں یونیورسٹی نہیں آ رہی۔ اگر اس نے مستقل نہ آنے کا فیصلہ کر لیا تو" وہ یکدم بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا۔

سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہو چکا تھا۔ لیکن اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی کہ شکیل باجوہ سے کیسے جان چھڑائے۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔ رات کے اس پہر کون ہو سکتا ہے۔ وہ حیران ہوا دروازہ پھر بجنے لگا۔ سناٹا اتنا برا تھا کہ ساعت پہ گراں گزر رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی شکیل اور اس کے ساتھی کھڑے تھے۔

راحیل چونکا نہیں۔ چپ چاپ سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ لوگ اندر آ گئے۔

"لگتا ہے، تمہیں بھی نیند نہیں آ رہی۔" شکیل نے بے تکلفی سے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر جوتوں سمیت اس کے بستر پہ تھیم دراز ہو گیا۔

راحیل نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ پہلے ہی بہت الجھا ہوا تھا۔

"میں تم سے کہتا تھا کہ اسے میری طرف مائل کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے کبھی بھی دھیان نہیں دیا۔" پھر شکیل خود ہی قہقہہ مارتے ہوئے بولا۔

"تمہیں بھی تو اپنے حلقۂ احباب پہ رعب بنانا تھا۔ جب ہی تو اس سونے کی چڑیا کو ساتھ دبائے پھرتے تھے۔"

"اگر وہ میری طرف مائل تھی تو اس میں میرا قصور کیا تھا۔" راحیل کی آواز گھٹ رہی تھی۔

"اسے اپنا لیتے تو سالوں میں نہیں دنوں میں ترقی کرتے۔" شکیل نے گویا اس کا مذاق اڑایا تھا۔

اس نے دزدیدہ نگاہوں سے شکیل کی طرف دیکھا۔

"یہاں بے شمار لڑکوں کی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں۔ کیا سب یہی سوچ رکھتے ہیں؟"

شکیل اس کی طرف دیکھ کر ہنسا اور طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔ "تو کیا تم نے اسے اپنی بہن بنا رکھا تھا؟"

راحیل کو ضبط کرنا پڑا۔

"اگر ایسا ہی ارادہ تھا تو تم نے میری پیش کش کو نظر انداز کیوں کیا؟"

راحیل کی برداشت جواب دے گئی۔ "وہ میری پراپرٹی نہیں تھی۔ جسے میں جب چاہے کسی کے حوالے کر دیتا۔ وہ بہت ہوشیار اور سمجھ دار لڑکی ہے۔"

اس نے گویا قصہ ہی تمام کر دیا تھا۔

"لڑکیاں کتنی بھی ہوشیار ہوں جسے دل دے بیٹھتی ہیں۔ اسے اپنی عقل بھی سونپ دیتی ہیں۔"

"میں نے کہا ناں اس کا اور میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔" راحیل زچ ہو چکا تھا۔ شکیل ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے پھر یہ سال تمہارا ضائع ہی سمجھو۔" اس نے جیب میں سے چند کاغذ نکالے اور ان کے سامنے لائٹر جلایا۔ راحیل تڑپ کر اس کی طرف بڑھا۔

"خدا کے واسطے شکیل! ایسا نہ کرو۔ یہ میری عمر بھر کی محنت کا سوال ہے۔" شکیل نے لائٹر آف کر دیا۔

"خدا کے واسطے میرے کسی ڈاکومنٹس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ میں اس سال اگر امتحان نہ دے سکا تو کبھی بھی کسی امتحان میں کامیاب نہ ہو پاؤں گا۔" وہ رو دیا تھا۔

شکیل اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ راحیل زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ شکیل کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا رو رہا

تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ میں یہاں صرف اعلا تعلیم حاصل کرنے آیا تھا۔ وہ میرے خود بخود قریب آئی تھی۔"

"میں یہ رام کہانی سننے نہیں آیا۔" شکیل بھڑک گیا پھر اپنے گال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس تھپڑ کا ازالہ چاہیے۔" شکیل کی آنکھوں میں وحشت تھی۔

"مگر وہ معافی نہیں مانگے گی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ پرنسپل کے پاس نہیں جائے گی۔"

"کیوں نہیں جائے گی وہ پرنسپل کے پاس؟"

شکیل بھڑک کر سیدھا ہو گیا۔ "اسے پرنسپل کے پاس ضرور جانا چاہیے۔" شکیل کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ راحیل کا رنگ اڑ گیا۔

"دیکھو شکیل! تم میرے محسن ہو۔ مگر اس احسان کو اتارنے کے لیے مجھے کسی غلط کام پہ نہ اکساؤ۔"

ابھی راحیل بات ہی کر رہا تھا کہ شکیل نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔ یہ وہی موبائل فون تھا جو چند دن قبل راحیل کے پاس ہوا کرتا تھا اور یہ اسے باجوہ ہی نے دیا تھا۔ یہ اسے باجوہ نے کیوں دیا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی تھی۔

فی الحال شکیل اسے فون میں ریکارڈ دلنشیں اور راحیل کی گفتگو سنا رہا تھا۔

"یہ براؤن کلر تم پہ بہت جچتا ہے۔ لیکن تم اکثر وہائٹ یا آسمانی شرٹس ہی پہنتے ہو۔" یہ دل نشیں کی آواز تھی۔ راحیل کھلکھلا کر ہنسا۔

"تمہیں براؤن کلر اچھا لگتا ہے۔ میں اب ہر شرٹ اسی کلر کی لے لیا کروں گا۔"

"میں نے اب ایسا بھی نہیں کہا۔ مجھے تو رنگ سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"لیکن براؤن کلر میرا تو پسندیدہ ہے۔" راحیل کی آواز میں شوخی تھی۔

"آں، ہاں کیا کر رہے ہو۔ میری چوڑی ٹوٹ گئی۔" دل نشیں کی ہنسی میں اعتراض کے ساتھ محبت کی آمیزش تھی۔

"تمہیں پتا ہے دلشی تمہاری آنکھوں کا رنگ بھی براؤن ہے اور یہ تمہارے چہرے پہ بہت جچتا ہے۔" راحیل کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

"آج کا فنکشن بہت زبردست تھا۔" دل نشیں کہہ رہی تھی۔

"میں فنکشن کی نہیں تمہاری تعریف کر رہا ہوں۔"

شکیل نے اسپیکر آف کر دیا۔ راحیل کو اچھی طرح یاد آ گیا کہ یہ کس دن کا واقعہ تھا۔ راحیل دل ہی دل میں تلملا رہا تھا اسے اپنی بے بسی اور مجبوریوں پہ رونا آ رہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے جب ہم آڈیٹوریم سے نکلے تھے تو میں نے تمہیں یہ موبائل فون دیا تھا، تم اسے لیتے ہوئے ہچکچائے تھے۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے اور تب تم نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا یہ میں تمہیں اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم سے رابطے میں رہ سکوں۔" اس کی سنجیدگی پہ شکیل ہنس پڑا۔

"اور تم اس روز اتنے خوش اور مگن تھے۔ تمہیں پتا ہی نہیں تھا کہ اس کا ریکارڈنگ اسپیکر آن ہے۔"

شکیل نے یہ کہہ کر موبائل کو چوما اور اسے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ جب وہ پرنسپل کے پاس میری شکایت لے کر جائے گی، تب میں انہیں یہ ڈائیلاگز سنواؤں گا۔"

"کتنی پرانی دشمنی ہے تمہاری؟"

"دشمنی اس نے بنائی ہے ہم تو دوستی کرنا چاہتے تھے مگر اس نے ہمیں یعنی شکیل باجوہ کو نظر انداز کر کے تمہارے جیسے پھٹیچر سے راہ و رسم بڑھائی۔ یہ شکیل باجوہ کی کھلم کھلا انسلٹ تھی۔ وہ اگر امیر زادی ہے تو شکیل باجوہ بھی کسی سے کم نہیں۔ بس اسی وجہ سے تمہارے قریب آنا پڑا۔" راحیل اس کی سفاکی پہ حیران تھا۔

"تم نے تو شاید یہ سوچا بھی نہ ہو کہ سب کچھ ہوتے

www.pkdigest.com

ہوئے شکیل باجوہ نے جب تمہیں تمہاری ماں کے لیے رقم دی تو تمہارے ڈاکومنٹس بطور گارنٹی اپنے پاس کیوں رکھے اور اب وہ وقت آگیا ہے اس قرض کو میں سود سمیت واپس لینا چاہتا ہوں۔" راحیل کے چہرے کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں، تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے زیادہ ہی فائدہ ہو جائے۔" یہ کہہ کر شکیل اور اس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے۔ جبکہ راحیل اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے شکیل سے مدد مانگی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کو وہ لوگ دیر تک جاگتے رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ اتنے دن بعد تو اپنے بہن بھائیوں سے ملی تھی۔ وہ یہاں آئی تھی ان سب کے لیے یہ خوشی بھی بہت بڑی تھی۔ رات کے پچھلے پہر ان سب کی آنکھ لگی تھی وہ صبح بہت دیر تک سونا چاہتی تھی۔ بے فکری اور چین کی نیند کتنے دن کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن صبح ہی صبح اس کا موبائل بجنے لگا۔ پہلا خیال یہی آیا شاید طارق کا فون ہو۔ الٰہی خیر کرے۔

"بھابھی! میں ولید بول رہا ہوں۔ بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔"

"ہاں مگر خیریت تو ہے؟" اس کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی۔ دھیان طارق کی طرف ہی گیا۔

"ہاں بس خیریت ہی سمجھیں۔ میں آپ کو لینے آ رہا ہوں۔ بس پانچ منٹ میں آپ تیار رہیے گا۔" ولید نے اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔ حور کی نیند تو گیا حواس بھی گم ہو گئے۔

وہ تیزی سے بستر سے نکلی اور واش روم میں چلی گئی۔

"نجانے کیا بات ہے جو ولید یوں اچانک صبح صبح لینے آ رہا ہے۔"

ماموں، ممانی، دل آویز، دلنشیں، طارق، کہیں طارق کو تو کچھ نہیں ہو گیا۔" منہ دھوتے ہوئے اس کے آنسو پانی میں مل رہے تھے۔ طارق کا خیال آتے ہی جان پتے کی طرح کانپنے لگی۔ عجیب عجیب واہمے اور وسوسے آ رہے تھے۔ کم از کم ولید بتا تو دیتا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے خود پر جھنجلاہٹ اور ولید پہ غصہ آ رہا تھا۔

جلدی جلدی بال برش کیے۔ اتنے میں اس کا فون پھر بجنے لگا۔

فون کی آواز سن کر اسماء اس کے کمرے سے نکل آئیں۔

"بس میں آ رہی ہوں۔" وہ چپل پہن کر چادر اوڑھنے لگی تھی۔ فون آف کر کے پرس میں ڈالا۔

اسماء اس کا اترا ہوا چہرہ اور بھیگی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کیا بات ہے حور! اتنی صبح صبح کہاں جا رہی ہو؟"

وہ انہیں کیا بتاتی۔ اسے تو خود نہیں پتا تھا۔

"پتا نہیں گھر سے فون آیا تھا۔ ولید لینے آ رہا ہے۔" وہ جلدی میں تھی آگے بڑھ گئی۔

"حور رکو..... یونہی چلی جاؤ گی۔" اسماء تیزی سے کچن میں گئیں اور ایک گلاس دودھ لے آئیں۔

"یہ پی لو۔" حور حیرانی سے اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگی

"کوئی زیادہ پریشانی کی بات ہے تو تمہارے ابو کو اٹھاؤں؟"

"نہیں، نہیں۔ ابو کو مت جگائیے گا۔ پہلے ہی ان کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا میرا بالکل دل نہیں کر رہا۔"

اس نے دودھ کے گلاس کو بڑی کوفت سے دیکھا پھر معذرت خواہانہ انداز میں سوتیلی ماں کی طرف دیکھا۔ جس نے بالکل برا نہیں مانا تھا۔ تب ہی ڈور بیل بجنے لگی۔ اسماء اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک آئیں۔

"حور! جاتے ہی فون کرنا۔" انہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر کہا تو حور کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر اسماء کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے اور آنکھوں میں حور کے لیے تفکر تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سگی نہ سہی سوتیلی ماں تو تھی اور ماں کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اس کے دل

کے وسوسے کم ہونے لگے۔

"خیریت تو ہے ولید! کچھ بتاؤ گے بھی۔ گھر میں سب ٹھیک تو ہے ناں؟" اس کی بے چینی فطری تھی۔

"بالکل شانت ہو جائیں، سب خیریت ہے۔" اس نے ولید کی طرف دیکھا۔ ملگجا سراپا، اور اس کے وجود سے اٹھتی اسپرٹ کی سی بدبو..... وہ بالکل مطمئن انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

"کیا مطلب.....؟" وہ مزید الجھ گئی۔

"میں نے کہا ناں۔ فکر نہ کریں گھر میں گھر والے سب خیریت سے ہیں۔ کوئی خاص پریشانی نہیں۔ بس ایک معمولی سا مسئلہ ہے۔"

ولید نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا سیل گانا سنانے لگا۔

ولید نے فون کان سے لگا لیا۔

"اچھا۔ اچھا۔ پھر..... چلو کوئی مسئلہ نہیں۔ اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ ہاں۔ تم پریشان مت ہو۔ یہ میرا دردِ سر ہے۔ اوکے بائے۔" فون بند ہو گیا۔

"بات یہ ہے۔" ولید نے تیزی سے گاڑی موڑی۔ حور نے حیرانی سے دیکھا وہ راستہ گھر کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ اتنے میں ولید کا سیل پھر بجنے لگا۔

"او یار! تم سے کہا تو ہے۔ یہ میرا دردِ سر ہے۔"

"او..... السلام علیکم آنٹی۔ ہاں..... ہاں..... نبیل ہمارے ساتھ ہی تھا..... بس معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ بس نبیل کو زیادہ خراشیں آئیں ورنہ ہم سب تو بچ گئے۔"

یہ کہہ کر وہ ہلکا پھلکا سا مسکرا دیا تھا۔ پھر آنٹی کی مزاج پرسی کرنے لگا۔

حور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پوچھتی تو تب ناں جب اسے فون سے فرصت ہوتی۔ ایک کال بند ہوتی دوسرا نمبر بجنے لگتا۔ بالآخر وہ اپنی منزل پہ پہنچ گئے۔

"یہ ہم کہاں آ گئے ہیں.....؟" حور نے گاڑی سے اتر کر اس گھر کو دیکھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔

"اس گھر کو نہیں پہچانتیں آپ؟" یہ کہہ کر ولید آگے بڑھ گیا۔

"پہچانتی ہوں مگر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" حور

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں اِنشاء جی کی

ابنِ انشاء

قیمت: -/250 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

نے بے زاری سے پوچھا۔

"اطمینان سے اندر آجائیں پھر بتادیتا ہوں۔"

وہ مین گیٹ کھول کر اندر بڑھتا چلا گیا۔ ظاہر ہے اسے بھی پیروی کرنا پڑی۔

"رانی او رانی...!" ولید نے آوازیں لگائیں۔ ملازمہ دوڑ کر آگئی۔

"شیر خان کہاں ہے؟"

"صاحب وہ باہر گیا ہے۔"

"اچھا تم ایسا کرو جلدی سے کمرے کا حلیہ درست کرو اور سب سے پہلے یہ گلاس وغیرہ یہاں سے دفعان کرو اور جگ میں صاف ستھرا پانی اور دو گلاس لے آؤ۔"

حور ڈرائنگ روم کے وسط میں شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔ ملازمہ جا چکی تھی۔

"آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔" یہ کہہ کر وہ فون ملانے لگا۔

لگتا تھا کانٹیکٹ نہیں ہو رہا تب ہی وہ جھنجلا گیا۔

"نجانے لوگ فون رکھتے ہی کیوں ہیں؟"

"میں پوچھ سکتی ہوں تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" حور کو غصہ آگیا۔

کمرے کا حلیہ بتا رہا تھا کہ یہاں رات بھر رت جگا رہا ہے۔ ٹی وی ڈیک سے لے کر کارپٹ اور اس پہ ٹرے جا بجا گلاس اور بجھے ہوئے سگریٹ اور کھانے کے خالی برتن کشن و تکیے۔ ٹھیک ٹھاک لوگوں کی گیدرنگ کا پتا دے رہے تھے۔

اتنے میں رانی پانی لے آئی اور کمرے کو سمیٹنے لگی۔

جہاں تک اسے یاد تھا۔ نانو کے بعد یہ گھر ماموں نے لے لیا تھا اور اسے کرائے پر دے دیا تھا۔ تاحال یہ کس کی دسترس میں تھا۔ رہائش نہ ہونے کے باوجود ملازمین یہاں کیا کر رہے تھے۔ حور کو کئی سوالات نے یکدم پریشان کر دیا تھا۔

"ہم لوگ۔ یعنی یار دوست وغیرہ یہاں مل بیٹھتے ہیں۔ بس ہلا گلا موج مستی سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ رات کچھ زیادہ کا موڈ ہو گیا تو گڑبڑ ہو گئی۔"

وہ شرمندہ تو ہرگز نہیں تھا۔

"ویسے تو پہلے بھی ایسے پروگرامز ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن آس پڑوس کے لوگوں کو بھنک نہیں پڑتی۔ نجانے رات کیسے نیبرز کو پتا چل گیا یہاں پر قریب ہی صدیقی صاحب ہیں بابا کے بہت قریبی دوست' وہ سارے محلے کو اکٹھا کر کے دروازے پر آگئے۔ اگر بابا کے جاننے والے نہ ہوتے ناں تو ایسا سبق سکھاتا کہ عقل ٹھکانے آجاتی۔ لڑکی کو تو پچھلے دروازے سے نکال دیا۔ مگر سارا محلہ ایک ہی بات کہہ رہا ہے کہ یہاں غیر اخلاقی دھندا ہو رہا ہے اور لڑکی ابھی بھی موجود ہے۔

شیر خان نے بتایا کہ وہ لوگ پولیس کو بلانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں لیکن میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ پولیس کو بلائیں گے۔ البتہ ماما بابا سے شکایت ضرور کر دیں گے۔ ماما' بابا نے زیادہ سے زیادہ برا بھلا کہنا تھا اور بس... لیکن ان ہمسایوں کی تسلی کے لیے فوری طور پر میرا دھیان یہی آیا کہ آپ اپنے پیرنٹس کے یہاں ہیں آپ کو اور طارق کو بلا لیتے ہیں۔ اول تو یہاں کوئی آئے گا نہیں اور آبھی گیا تو معقول جواز ہو گا آپ اور طارق اپنے پرانے آبائی گھر میں دو چار روز گزارنے کے لیے آئے تھے۔ اور ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔ مگر اس طارق پہ مجھے سخت غصہ آرہا ہے۔ پچھلے دو گھنٹے سے فون ملا رہا ہوں اور فون آف ہے۔ نجانے بھنگ پی کر سو رہا ہے۔"

ولید کی خود غرضی' بے وقوفی اور جلد بازی پر حور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تمہیں پتا ہے ولید... طارق دو روز سے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" حور کی آواز خوف سے پھٹ رہی تھی۔ حور کا اتنا کہنا تھا کہ ولید کا رنگ اڑ گیا۔

"کیا...؟ مگر مجھے تو نہیں پتا تھا۔"

"کم از کم تم مجھے اپنے پلان سے تو آگاہ کر سکتے تھے۔"

حور نے ناگواری سے کہا اور جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس کا یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری بھابھی۔ مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ طارق شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"تمہیں کسی کے بارے میں پتا رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ میرے بارے میں کیسے علم ہو گیا تھا تمہیں کہ میں اپنے میکے میں ہوں۔" حور کا لہجہ ناگوار ہی نہیں نفرت آمیز بھی تھا۔

"شاید میں نے برسوں رات دل نشیں وغیرہ سے سنا تھا کہ آپ اپنے گھر گئی ہوئی ہیں... چلیے میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس احسان کی۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ غصے میں آگے بڑھی۔

اسی وقت شیر خان کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب... وہ بڑے صاحب اور بڑی بیگم صاحبہ آئے ہیں۔"

"کیا...؟" ولید کو یقین ہی نہ آیا... پھر وہ یکدم جیسے ہوش میں آگیا۔

"مائی گاڈ... ماما نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو قیامت ہی آجائے گی۔"

"آپ ایسا کریں۔ یہاں پچھلے دروازے سے باہر چلی جائیں۔ وہ لوگ اندر آجائیں گے تو شیر خان آپ کو..."

ولید کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے دل شاد بیگم دروازے میں لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پہ حقارت' غصہ' نفرت کیا کچھ نہیں تھا۔

حور کو ولید کی اس حرکت پہ سخت غصہ آیا تھا۔ وہ صاف صاف بتا دینا چاہتی تھی کہ معاملہ کیا تھا لیکن اس کے سر پر تو گویا آسمان آگرا۔ جب دل شاد بیگم تنتناتی ہوئی آگے بڑھیں اور پے در پے ولید کا چہرہ' طمانچوں سے لال کر دیا۔

"ساری رات گزارنے کے بعد اب اسے پچھلے دروازے سے بھگا رہے ہو۔"

حور شرم کے مارے گویا زمین میں گڑ گئی۔

"فار گاڈ سیک ماما! کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" وہ غصے میں جھنجلایا تھا۔

"تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ گے... اب بھی... اتنی بڑی حقیقت کو کیسے جھٹلاؤ گے۔ رات کو سارے محلے نے اسے تمہارے ساتھ آتے دیکھا اور اب تم اسے پچھلے دروازے سے نکال رہے تھے۔ اس بے غیرت کو۔" دلشاد بیگم کا اشتعال آسمان کو چھو رہا تھا۔

"آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" غم و غصے سے حور کی آواز پھٹ رہی تھی۔ وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"آواز کو نیچے ہی رکھو تو بہتر ہو گا۔ اپنے باپ کے ہاں گئی تھیں تم یا یہاں راتیں گزارنے کے لیے آئی تھیں۔"

"میں کہتی ہوں ایک لفظ بھی آگے بولا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

غم و اشتعال سے اس کا چہرہ اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ حور پوری قوت سے چلائی تھی۔

"ہاں۔ بے شرمی کا واحد حل بھی یہی ہے کہ تم کہیں ڈوب مرو۔"

اس الزام پہ حور کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لے رہے تھے اور ساری جان پتے کی طرح علیحدہ کانپ رہی تھی۔

"تمہارا باپ ساتھ آیا ہے میرے... مارے شرم کے وہ میرے ساتھ یہاں تک نہیں آئے۔ مگر اب... جب انہیں علم ہو گا کہ یہاں کوئی غیر بازاری عورت نہیں۔ ان کی سگی بھانجی موجود ہے تو تب وہ یہاں ضرور آئیں گے اور انہیں یہ حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھنی بھی ضرور چاہیے۔" دل شاد بیگم نے چبھتی نگاہوں سے حور کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ ابراہیم صاحب کو آوازیں دے رہی تھیں۔

حور کے سر پر تو گویا قیامت ٹوٹی تھی۔ وہ اپنی صفائی دینے کو لرزتی کانپتی ٹانگوں کے ہمراہ باہر نکلی تھی لیکن سامنے سے آتے ابراہیم کو دیکھ کر اس کا سارا خون نچڑ کر چہرے پہ آگیا۔ ابراہیم صاحب کے چہرے پہ رنج و ملال اور آنکھوں میں اس کے لیے تحقیر تھی۔

حور کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اپنی صفائی میں اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ ابراہیم صاحب چپ چاپ بنا کچھ کہے سنے واپس پلٹ گئے۔

(باقی آئندہ)

www.pkdigest.com

انیسہ سلیم

دو دلی

ایک ہزار سال قبل مسیح

"واگا... ری واگا...!" دادی نے صدر دروازے ہی سے پوتی کو آوازیں دیں۔

"کیا ہے ڈووا؟" واگا کسی کام سے اٹھ کر آئی تھی جب ہی اس کے لہجے میں بے زاری تھی مگر دادی کے ہاتھ میں ہرن کی سری دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھی۔

"آہا... ڈووا... آپ کتنی اچھی ہو!"

واگا تو خوشی کے مارے دادی سے لپٹ گئی تھی۔

"اچھا' اچھا۔ زیادہ خوشامدی مت بن۔ اب ان دانتوں کا ہار بنا کر گل پہنا' سردار کے ہاں دعوت ہے نا' اور بالوں میں انگور کے پتے ٹانک لینا اور..."

"کانوں میں تلسی کے پھول ہے نا' ڈووا۔" واگا تو بس ہرن کا منہ کھول کھول کر دانت گن رہی تھی۔

"کڑیل ہرن تھا... تیری ڈووا نے شکار کیا ہے تیرے لیے۔"

"بہت بہت شکریہ' ڈووا..."

"پہلے کی عورتیں کہاں یہ ہار سنگھار کی سمجھ بوجھ رکھتی تھیں... پتھر کے بھدے زیور اور مچھلی کی کھال کے گلوبند پہنتی تھیں۔"

"بس کرو ڈووا! بس کرو... ہم مہذب لوگ ہیں۔"

واگا نے دادی کو ٹوک دیا۔

☼ ☼ ☼

پانچ سو سال قبل مسیح

"غوبا! آپ صحیح سے بیٹھیں' اس پتھر سے ٹیک لگا لیں۔"

ماہر حسن نے غوبا کا شانہ تھپتھپایا' اور دائیں بائیں کھڑی دو لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں غوبا کے بازو تھام کر کھڑی ہو گئیں۔ ماہر حسن نے پاس رکھا پتھر کا آلہ اٹھایا۔

"درد تو نہیں ہو گا...؟" غوبا کی جان جا رہی تھی۔

"تھوڑا تو ہو گا... تم ہمت کرو..." پاس سہیلی موجود تھی۔

"منہ کھولو... شاباش..."

غوبا نے منہ کھولا تو ماہر حسن نے مہارت اور پھرتی سے ایک پتھر منہ کے اندر رکھ دیا۔ غوبا کا منہ پتھر کی موجودگی میں بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ دائیں بائیں کھڑی معاون لڑکیوں نے غوبا کا سر اور بازو مضبوطی سے جکڑ رکھے تھے۔ ماہر حسن نے اب ایک اور خاص نوکیلا پتھر اٹھایا اور اسے بڑی ہنرمندی سے غوبا کے آگے کے دو دانتوں پر دے مارا۔

"غاں... غ... غ... غاں..." غوبا تکلیف کی شدت سے چیخی تھی مگر اس کی آواز اس کے حلق ہی میں گھٹ گئی تھی۔ بے بسی اس کی آنکھوں سے پانی بن کر بہہ پڑی تھی۔

ماہر حسن نے لمحوں میں منہ سے پتھر نکالا اور فوراً ہی کوئی عنابی سیال اس کے متاثرہ حصے پر الٹ دیا۔

"آخ تھو..." غوبا نے منہ میں بھر جانے والا خون

اور سیال ایک ساتھ تھوکا۔

ماہر حسن خون کی روانی سے بے نیاز اپنے کام میں مشغول تھی۔ اب اس نے اذخر گھاس سے غوبا کا منہ بھر دیا۔

پندرہ منٹ بعد جب تکلیف بھی کم ہو گئی اور خون بھی رک گیا' تب پانی بھرے کوزے میں غوبا کو اس کا چہرہ دکھایا گیا۔

"ہائے... کتنی حسین لگ رہی ہو... غوبا...!" سہیلی اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ "بے چاری پہلے کی عورتیں' انہیں تمیز ہی نہیں تھی کہ حسین کیسے نظر آیا جاتا ہے۔ اب غوبا کے چہرے پر جس کی بھی نظر پڑے گی۔ ہٹنے کا نام نہیں لے گی۔"

معاون لڑکیوں میں سے دائیں ہاتھ والی غوبا کے ٹوٹے ہوئے دانت کو ہتھیلی پہ رکھے رکھے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

سن 0001 عیسوی

"عینا! تم دانت نہیں گھسواتیں اسی لیے بد صورت لگ رہی ہو۔"

"آجل' سچ بتانا..."

"ہاں عینا! انہیں نوکیلا بناؤ جب ہی تم خوب صورت نظر آؤ گی اور تم نے نتھنے میں اب تک چھید بھی نہیں کروایا بالے کب پہنو گی...؟"

"ہائے آجل...! بالے سے تو میری جان جاتی ہے۔ کھانا کیسے کھاؤں گی میں بالے ناک میں ڈال کر۔"

"اب تم آسانی دیکھو یا فیشن۔ ایک ذرا سی تکلیف تمہیں کھل رہی ہے۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں کہ پہلے کی عورتیں بے چاریاں آگے کے دو دانت نکلوا لیتی تھیں' ہائے کیسا تھا وہ بھی' دندان شکن فیشن۔"

"ہائے آجل! پہلے کی بے وقوف عورتیں!" عینا نے آجل کو آنکھ ماری۔

☼ ☼ ☼

سن پانچ سو عیسوی

"یہ زیادہ اچھا لگ رہا ہے یا یہ؟" زیواخ نے ناریل خالی خول میں گھلے رنگوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ والا..." پاس بیٹھی عورت نے جواب دیا۔

"اچھا... مجھے بھی یہ والا اچھا لگ رہا تھا۔ یہ فالسئی رنگ میرے چہرے پہ اٹھتا بھی بہت ہے۔" زیواخ فخر سے بولی۔

"تمہارا رنگ اتنا پکا ہے کہ اس پر ہر رنگ اچھا لگتا ہے' زیواخ۔" عورت نے متانت سے جواب دیا۔

"اچھا... دیکھو اسے ایسے لگاؤ نا..." زیواخ نے انگلی رنگ میں ڈبوئی اور آنکھ کے کنارے سے کنپٹی کی سمت لکیر کھینچنے لگی۔

"احتیاط سے پہلے بالکل نا... پھر ماتھے پر بھی تین کھڑی لکیریں بناؤ۔"

زیواخ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" زیواخ کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

"بہت حسین' ماورائی حسن والی۔"

ساتھی عورت کے لہجے میں رشک ہی رشک تھا۔

"پہلے کی عورتیں..." زیواخ تاسف سے بولی۔

"انہیں نہ فیشن کا پتا تھا نہ جدت کا۔ بے رنگ پھیکے چہرے لیے گھومتی تھیں۔"

☼ ☼ ☼

سن ایک ہزار عیسوی

"ہائے... اماں... نہیں... دوسرا کان نہیں..." وینی روتی جاتی اور پورے صحن میں دوڑے جاتی۔

"چپ کر وینی...! شرافت سے آجا... دیکھ اچھا نہیں ہو گا۔"

"نہیں اماں...! درد ہوتا ہے بہت..." وینی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"درد ہو تو ہو... تیری عمر کی ساری لڑکیوں کے کان چھد چکے ہیں۔ تو ایسے ہی گھوم رہی ہے ابھی تک۔ کل شاما کی ماں بھی پوچھ رہی تھی کہ وینی کے کان کب چھیدو گی؟" اماں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"نہیں' نہیں اماں!" وہ اب سر ہلا رہی تھی۔

"اری جاہل... کیا ایک کن کی بن کے پھرے گی۔ پہلے کی عورتیں تو تین تین اطراف سے ناک چھدواتی تھیں' تجھے تو صرف کان چھدوانے پڑ رہے ہیں۔" اماں نے ذرا سی قابو میں آئی وینی کے کان کی لو میں سوئی چبھو دی۔

"آ... آں... ہاں..." وینی کی چیخ بلند ہو کر ختم بھی ہو گئی تھی۔

"دیکھ' آرام سے چھد گیا دوسرا کان بھی اور دیکھ تھوڑی ہوئی چڑھا بدن پہ... بوڑھی عورتوں کی طرح دبلی ہوئے چلی جا رہی ہے۔" اماں اب اس کے کان کی لو پر مرہم لگا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

سن پندرہ سو عیسوی

"یہ تل کے تیل میں چنبیلی کے پھول ڈال کر سائے میں رکھ دو اور یہ مہندی گھول کر گھڑونچی کے نیچے رکھ دو۔"

بڑی بیگم نے نوکرانی کو کام بتایا' پھر بڑی بہو کو آواز دینے لگیں۔

"سلطانہ... او سلطانہ...!"

دو آوازوں پر ہی بہو بیگم چلمن اٹھا کر نمودار ہو گئیں۔

"جی بیگماں!"

"تم نے ابھی تک گلوریاں بنا کر نہیں رکھیں۔ سنو قوامی بیڑے بالکل الگ سینی میں سجانا۔" انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے بہو کو گھورا۔

"اور شام ہو رہی ہے' سر میں چنبیلی کا تیل ڈال کر خوشبو کسو' صندل کے ابٹن سے منہ دھو سمجھیں! کچھ لوگ کہیں گے انوری بیگم' بہو کو دبا کر رکھتی ہیں جو وہ ہار سنگھار نہیں کرتی اور یہ لو موگرے کا عطر واپس کر دینا... شکر کرو کسی مہذب گھر کی بہو ہو۔ پہلے کی عورتیں عجیب و غریب قسم کے سنگھار کرتی تھیں۔ پودے بالوں میں ٹھونسنا' رنگ چہرے پر ملنا' نہ مہندی' نہ مسی نہ تیل نہ چونی... نجانے زندہ کیسے رہتی تھیں۔"

انوری بیگم نے پاس رکھے پاندان سے سروتہ نکالا اور چھالیہ کترنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

سن دو ہزار آٹھ

بیوٹیشن مہارت سے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں دھاگا پھنسائے کسی صاحبہ کے ابرو پیس بنانے میں مشغول تھیں اور فائزہ اپنی باری کی منتظر تھی۔

"آ... او..." وہ صاحبہ آوازیں نکال رہی تھیں۔

وہ صاحبہ فارغ ہو گئیں تو بیوٹیشن نے فائزہ کو بلایا۔

"آیئے...!" بلیچ' فیشل اور ماسک سے جگمگاتے چہرے پر بیوٹیشن اب بیس بنانے میں مشغول تھی۔ پاؤڈر کی خاصی تہہ ماتھے' رخساروں اور تھوڑی پر جما کر پف سے برابر کرتے ہوئے اس نے فائزہ سے پوچھا۔

"فائزہ! آپ کس کمپنی کی کاسمیٹک استعمال کرتی ہیں؟"

"یازمی کی۔" فائزہ نے بتایا۔

"جب ہی آپ کی اسکن میک اپ کے سائیڈ ایفکٹس سے محفوظ ہے۔ ورنہ میں نے اکثر خواتین کے ہونٹ بلیک دیکھے ہیں۔"

بیوٹیشن اب فائزہ کی آنکھوں پر آئی شیڈ لگا رہی تھی۔ پھر اس نے آئی لائنر اور مسکارا کے بعد بلش آن لگا کر لپ اسٹک اٹھائی۔

"ڈارک نہیں ہے یہ کلر؟" فائزہ نے پوچھا۔

"ہے تو مگر آپ کی میچنگ ہے۔" بیوٹیشن نے گہری سرخ لپ اسٹک اس کے ہونٹوں پر لگائی۔

"واقعی خوب صورت لگ رہی ہو' فائزہ!" بیوٹیشن نے مسکرا کر کہا۔

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

صبح شام جن کا کام میک اپ کرنا ہو ان سے داد پا کر فائزہ کھل اٹھی تھی۔

"یہ پہلے کی خواتین کیسے خوب صورت نظر آتی ہوں گی۔ انہیں نہ اچھی کمپنی کی کاسمیٹک میسر تھیں نہ اچھی بیوٹیشن۔" فائزہ نے بھی جوابی تعریف کی۔

"کافی سلم ہو گئی ہو اسی وجہ سے اپنی ایج سے کم کی نظر آتی ہو فائزہ!" بیوٹیشن نے چلتے چلتے فائزہ کو مزید ریمارکس دیے۔

☼ ☼ ☼

سن دو ہزار تین سو عیسوی۔

پیفوزی نے ایک چوکور ڈبے پر چمکتی اسکرین پر ایک خاص پین سے کچھ لکھا۔ تین منٹ اور اٹھارہ سیکنڈ کے بعد ڈبے پر سرخ بٹن جل اٹھا تھا۔ اس نے ڈھکنا اٹھایا اور اس میں سے ایک شیشی نکالی۔ شیشی کے اندر زردی مائل سرخ محلول تھا۔ پیفوزی محلول کی شیشی تھامے ایک کونے میں خاص دائرے میں کھڑی ہو گئی۔ "ٹک ٹی ٹین۔۔۔ ٹا۔" چند بٹن دباتے ہی دائرہ بند شیشے کے جار میں تبدیل ہو گیا اور چند ہی لمحوں میں بہت دور کسی دوسرے دائرے میں پہنچ گیا۔

یہ میک اپ روم تھا۔

"خوش آمدید پیفوزی۔۔۔!" میک اپ روم میں موجود ریبورٹ نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔

پیفوزی نے جواب دیے بغیر محلول کی شیشی اسے تھمائی اور کچھ کہے بغیر خاص کرسی پر بیٹھ گئی۔

ریبورٹ نے شیشی کا محلول مشین میں منتقل کیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

خاص کرسی کے اوپر ڈھکن آ گیا تھا اور اندر دھواں بھرنے لگا تھا۔ پیفوزی دھویں کے حصار میں قید تھی۔ پندرہ منٹ بعد۔۔۔ ریبورٹ نے مشین آف کر دی، دھواں آہستہ آہستہ تحلیل ہونے لگا۔

"ٹھک۔۔۔" کرسی کا ڈھکن اٹھا۔۔۔

"آف۔۔۔ کتنی دل فریب اور مختلف نظر آ رہی ہو تم۔"

ریبورٹ نے ایک بٹن دبایا۔۔۔ چاروں سمت آئینے نمودار ہو گئے تھے۔

"کام اچھے طریقے سے مکمل ہوا ہے جناب! آپ حسین ترین لگ رہی ہیں۔" ریبورٹ نے تبصرہ کیا۔

"واقعی۔۔۔!" وہ آئینے میں زاویے بنا بنا کر اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے پورے جسم اور چہرے پر حتیٰ کہ بالوں تک میں چمکتے جیسی دھاریاں پیدا ہو گئی تھیں۔

"اچھی لگ رہی ہوں نا؟" پیفوزی نے پوچھا۔

"بالکل یہ اسٹائل آج کل فیشن میں بھی ہے۔" ریبورٹ نے دائیں بائیں سر ہلایا تھا۔

"ہائے۔۔۔ پہلے کی عورتیں۔۔۔ پلکوں پر رنگ تھوپ تھوپ کے اور ہونٹوں پر چپکلے پیسٹ چپکا کر کیسی واہیات لگتی ہوں گی۔۔۔ توبہ۔۔۔"

پیفوزی واپسی کے لیے مخصوص دائرے میں کھڑی ہوئی۔

سن دو ہزار چھ سو عیسوی۔

"رائیم اچھی طرح دھو۔" نافیلہ اسے ہدایات دے رہی تھی۔

"دیکھو۔۔۔ اب دیکھو۔۔۔"

"نہیں، تمہارا کیا جا رہا ہے۔ کیوں کنجوسی کر رہی ہو تین چار بار اور دھو۔"

"نافیلہ! اس جھرنے کا پانی بہت ٹھنڈا ہے۔" رائیم کا چہرہ دھل دھل کر نکھر گیا تھا۔

"اب دیکھو۔۔۔؟" رائیم نے پوچھا۔

"بہت حسین لگ رہی ہو، صبح کی پہلی کرن کی طرح اجلی اور پاک سی۔" نافیلہ مسکرائی۔

"اف۔۔۔! بے چاری پہلے کی عورتیں۔۔۔! نجانے کیا کیا جتن کرتی تھیں۔ کچھ نہ بھی کرتیں صرف چار بار سہ! اچھی طرح دھو لیتیں تو حسین لگتیں۔ ہماری طرح۔" دونوں ہنسنے لگی تھیں۔

☼

رفعتوں پر گزر نہیں رکھتیں
اب دُعائیں اثر نہیں رکھتیں

خوش گمانوں کو کون سمجھائے
ساری راتیں سحر نہیں رکھتیں

خشک پتوں کو بھی ترستی ہیں
جو زمینیں شجر نہیں رکھتیں

شان و شوکت مثال ہو تب بھی
سب عمارات گھر نہیں رکھتیں

مجھ کو اپنی خبر نہیں رہتی
تم جو میری خبر نہیں رکھتیں

میں بچھڑ جاتا تم جو اپنا ہاتھ
گر مرے ہاتھ پر نہیں رکھتیں

سلمان صدیقی

مسافرت میں بھی تصویر گھر کی دیکھتے ہیں
کوئی بھی خواب ہو تعبیر گھر کی دیکھتے ہیں

وطن سے دُور بھی آزادیاں نصیب کسے
قدم کہیں بھی ہوں زنجیر گھر کی دیکھتے ہیں

اگرچہ جسم کی دیوار گرنے والی ہے
یہ سادہ لوح کہ تعمیر گھر کی دیکھتے ہیں

کوئی تو زخم اسے بھولنے نہیں دیتا
کوئی تو یاد عناں گیر، گھر کی دیکھتے ہیں

ہم ایسے خانہ بر انداز، کُنجِ غربت میں
جو گھر نہیں تو تصاویر گھر کی دیکھتے ہیں

بنائے دل ہے کسی خواب گاہِ زلزلہ پر
سو اپنی آنکھوں سے تقدیر گھر کی دیکھتے ہیں

فراز جب کوئی نامہ وطن سے آتا ہے
تو حرف حرف میں تصویر گھر کی دیکھتے ہیں

احمد فراز

اعتراف

مجھ کو بھی ترکیب سکھا کوئی یار جُلاہے!
اکثر تجھ کو دیکھا ہے کہ تانا بُنتے
جب کوئی تاگا ٹوٹ گیا یا ختم ہوا
پھر سے باندھ کے
اور سرا کوئی جوڑ کے اس میں
آگے بُننے لگتے ہو
تیرے اس تانے میں لیکن
اک بھی گانٹھ گرہ بُنتر کی
دیکھ نہیں سکتا ہے کوئی
میں نے تو اک بار بُنا تھا ایک ہی رشتہ
لیکن اس کی ساری گرہیں
صاف نظر آتی ہیں میرے یار جُلاہے!

گلزار

دل ٹھہرنے دے تو آنکھیں بھی چھلکتے جاویں
ہم کہ تصویر بنے بس تجھے تکتے جاویں

چوبِ نم خوردہ کی مانند سُلگتے رہے ہم
نہ تو بجھ پائیں نہ بھڑکیں نہ دہکتے جاویں

تیری بستی میں ترا نام پتہ کیا پوچھا
لوگ حیران و پریشاں ہمیں تکتے جاویں

کیا کرے چارہ کوئی جب ترے اندوہ نصیب
مُنہ سے کچھ بھی نہ کہیں اور سسکتے جاویں

کوئی نشے سے کوئی تشنہ لبی سے ساقی
تری محفل میں سبھی لوگ بہکتے جاویں

کبھی اس یارِ سمن بر کے سخن بھی سُنیو
ایسا لگتا ہے کہ غنچے سے چٹکتے جاویں

ہم نوا سنجِ محبت ہیں ہر اک رُت میں فراز
وہ قفس ہو کہ گلستاں ہو، چہکتے جاویں

احمد فراز

www.pkdigest.com

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ پھول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے۔"

ہم نے کہا کہ کس کی خیر خواہی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی اور سب مسلمانوں کی۔ (یعنی ہر مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے حاکم کی فرماں برداری کرے اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے حقوق ادا کرے)

(مسلم)

بڑے لوگوں کی سنہری باتیں،

- اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ (حضرت ابراہیمؑ)
- خوبصورتی کپڑوں سے نہیں علم و ادب سے ہوتی ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- کسی کے منہ پر تعریف کرنا اسے قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا خود ایک جرم ہے۔ (حضرت امام حسینؓ)
- کسی نیکی کو معمولی خیال نہ کرو، وہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو سکتی ہے۔ (امام جعفر صادقؒ)
- بچوں کی اصلاح مکتب میں ہے اور عورت کی گھر میں۔ (امام غزالیؒ)
- دنیا کی سب سے بڑی غریبی بے عقلی ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- برے آدمی سے نیکی کرنا ایسا ہے جیسے نیک آدمی سے برائی کر دی جائے۔ (حضرت سعدیؒ)
- اپنا ہر کام اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو کیونکہ تقدیر بنانے والی اور اس تقدیر کو بدلنے والی صرف وہی ذات ہے۔ ہم انسان کچھ نہیں کر سکتے سوائے دعاؤں کے۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

نکتہ دانش،

- ضمیر ہمارے اندر کی آواز ہے جو ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ (میکلن)
- عظیم شخص کبھی یہ نہیں کہتا کہ میں عظیم ہوں۔ ہیرا کب منہ سے کہتا ہے کہ میں ہیرا ہوں۔ (شیلے)
- دوست کو اپنے معاملات سے اتنا ہی آگاہ کرو کہ اگر دشمن ہو جائے تو تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ (ہربرٹ اسپنسر)
- زوال کو بھی کمال کا زینہ بنایا جا سکتا ہے۔ (ہٹلر)

گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

پہلی بار،

دیہاتی پہلی بار کراچی آیا اور اسٹیشن سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا۔ ٹیکسی خوف ناک۔ گڑگڑاہٹ کے ساتھ اسٹارٹ ہوئی۔ زوردار جھٹکے سے آگے بڑھی اور لہراتی ہوئی نہایت تیز رفتاری سے کئی سڑکوں سے گزری۔ کئی آدمی اس کے نیچے آتے آتے بچے۔ کئی گاڑیوں سے اس کی ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی۔ یہ سب دیکھ کر دیہاتی کی تو گھگھی بندھ گئی۔ اس نے ڈرائیور کا کندھا ہلایا اور عاجزانہ لہجے میں بولا۔

"بھائی صاحب! ذرا آہستہ چلائیں۔ میں پہلی بار کراچی آیا ہوں۔ اور پہلی بار ٹیکسی میں بیٹھا ہوں!"

اس پر ڈرائیور نے گونج دار قہقہہ لگایا اور بولا۔

"خوچہ فکر مت کرو۔ اگر تم ٹیکسی میں پہلی بار بیٹھا ہے تو ام بھی ٹیکسی پہلی بار چلا رہی ہے۔ حساب برابر!"

مریم یوسف۔ کراچی

تیز پات،

- جرائم کا سدباب جیل بھیجنے سے نہیں جرم کی وجوہات کو ختم کرنے سے ہو سکتا ہے۔
- ہمسفر اور بیوی کے رویے پر کبھی اعتماد مت کرو یہ کسی بھی وقت بدل سکتے ہیں۔
- وہ عورت خود کو خوش قسمت کیسے سمجھ سکتی ہے جسے ایک بار پہنا ہوا کپڑا دوبارہ پہننا پڑے۔
- بیوی کو نصیحت تنہائی میں اور مدحت سب کے سامنے کرو۔
- شادی میں سب تمہارے ساتھ ہنسیں گے مگر تمہیں رونا اکیلے پڑے گا۔
- عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے لیے تین چیزیں درکار ہیں۔ عمر نوح، گنج قارون، صبر ایوبؑ۔
- رتی رتی جمع کرنا اور منٹوں کے حساب سے لٹانا عورتوں ہی کا کام ہے۔
- جو آدمی کا خون کرتا ہے اسے پھانسی دی جاتی ہے اور جو دل کا خون کرے اسے شاباش۔
- درخت لگانے سے پھل ملتا ہے دل لگانے سے پھل کے ساتھ گلے بھی۔

مہوش ملک۔ گنگا پور

سوال،

گاڑی چلاتے ہوئے ایک خاتون کو ٹریفک سارجنٹ نے اشارے سے روکا اور قریب آ کر پوچھا۔

"محترمہ! آپ کا کب تک گھر سے باہر رہنے کا ارادہ ہے؟"

"کیا مطلب...؟ تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟" خاتون نے برہم ہو کر پوچھا۔

"خاتون! میں تو صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب آپ گھر چلی جائیں گی تو کم از کم چھ ہزار دوسری گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ اس سڑک کو استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔" ٹریفک سارجنٹ نے شائستگی سے جواب دیا۔

نمرہ، اقرا۔ کراچی

ترمیم،

ریسٹورنٹ میں بیٹھے ایک صاحب کو بہت دیر ہو گئی۔ ان کی کئی مرتبہ کی کوششوں کے بعد بہت تاخیر سے ویٹر ان کے پاس پہنچا اور بولا۔

"جی سر! آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟"

گاہک تحمل سے بولا۔ "میں آیا تو ناشتا کرنے کے ارادے سے تھا۔ لیکن اب تم رات کا کھانا ہی لے آؤ۔"

صائمہ جبی۔ کراچی

گوہر نما،

- زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہوتا ہے۔ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
- اگر دولت مند بننا چاہتے ہو تو وقت ضائع نہ کرو۔ (لقراط)
- حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہے جس میں خدم و حشم کی ضرورت نہیں۔ (بوعلی سینا)
- جو عقل مند سے لڑے، وہ عزت کی توقع نہ رکھے۔ (شیخ سعدیؒ)
- جس کی بیوی عقل رکھتی ہو، اس سے زیادہ کوئی مرد خوش نصیب نہیں۔ (ٹیمنی سن)
- دنیا میں اس سے کوئی چیز سخت نہیں کہ تمہاری کسی سے دشمنی ہو۔ (ابوالحسن جرجانی)
- کتنی زیادہ ہیں وہ عورتیں جو مرد کا دل لبھا سکتی ہیں کتنی کم ہیں وہ عورتیں جو اس کی عظمت کی حفاظت کر سکتی ہیں۔ (خلیل جبران)
- پہلے قہقہے سے آخری مسکراہٹ بہتر ہے۔ (برطانوی کہاوت)

www.pkdigest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

صندل، گلاب اور
100% خالص عرقیات سے بنا
آپ کے ڈرنک میں کیا ہے؟

• کسی کے غصے میں کہے کلام کو کبھی مت بھولو۔
(بیکن)

• خوشامد کرنے والا اور اس کو سن کر خوش ہونے والا دونوں غیر مہذب ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔
(شیکسپیر)

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

کسوٹی،

عقلمند انسان کبھی بیٹھ کر اپنی تکلیف کا رونا نہیں روتا بلکہ اپنی تکلیف کے تدارک میں بخوشی مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ مشکلات کو دور کرنے کی خواہشات — اور تکالیف برداشت کرنے سے انسان کا کردار اعلا، مضبوط اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔
(شیکسپیر)

خوش قسمت،

جرمنی کا مشہور شاعر کارل ولیم اپنی بیوی کے لیے بلا ناغہ سو مصرعوں کی ایک نظم پورے چوالیس برس تک لکھتا رہا۔ ان کی ازدواجی زندگی اڑتیس سال رہی وہ بیوی کے مرنے کے بعد چھ برس زندہ رہا۔ ان چھ سالوں میں بھی وہ ہر روز بیوی کی قبر پر جا کر اس کی شان میں سو مصرعوں کی نظم لکھتا رہا۔

انوکھی ہڑتال،

ہڑتالیں تو آپ نے بہت سی دیکھی ہوں گی لیکن دنیا میں جو سب سے پہلی ہڑتال ہوئی۔ وہ فرعون کے مزدوروں نے کی تھی۔ ان کا مطالبہ غذا میں پیاز شامل کرنے کا تھا۔ یہ ہڑتال سب سے انوکھی رہی۔

امبر گل۔ جھڈو (سندھ)

بچے ہمارے عہد کے،

• اپنا ہوم ورک اسکول میں ہی ختم کر لیتے ہیں تاکہ گھر میں آرام سے کیبل پر پروگرام دیکھ سکیں۔
• کرکٹ کھیلتے وقت صرف اپنے گھر کے شیشے نہیں توڑتے۔
• اسکول جاتے وقت کسی چیز کی ضد نہیں کرتے، سوائے اسکول سے چھٹی کرنے کے۔
• ان کو کلاس ٹیچر اس وقت اچھی لگتی ہے، جب وہ کلاس روم سے باہر ہوتی ہے۔
• وہ امتحان صرف اگلی جماعت میں جانے کے لیے دیتے ہیں نہ کہ پاس ہونے کے لیے۔
• وہ پودے جڑ سے اکھاڑ لیتے ہیں لیکن کسی پھول کو نہیں توڑتے۔
• وہ ماں اور دادی کی لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال بڑی تفصیل سے والد کو بتا کر انعام حاصل کر لیتے ہیں۔

اطلاع،

کراچی کی ایک سڑک پر مسافر بس شام سے لے کر صبح تک ٹریفک جام میں پھنسی رہی۔ سورج نکلا تو ایک صاحب بس سے اترے اور تھکے تھکے انداز میں قریبی پبلک فون تک پہنچے۔ ایک نمبر ملا کر وہ فون پر بولے:
"کون ہے؟ جوکیلا ہے؟ ہاں ہے میں اختر بول رہا ہوں۔ صاحب آئیں تو انہیں بتا دینا کہ میں آج دفتر نہیں پہنچ سکوں گا کیونکہ کل شام میں گھر ہی نہیں پہنچ سکا۔"

بہ وجوہ،

ایک استانی نے ملازمت سے مستعفی ہونے کے لیے وجہ بیان کی۔
"آج کے استاد حضرات ہیڈ ماسٹر سے ڈرتے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر انسپکٹر حضرات سے ڈرتے ہیں۔ انسپکٹر محکمہ تعلیم والوں سے ڈرتے ہیں۔ محکمہ تعلیم والے بچوں کے والدین سے ڈرتے ہیں۔ والدین بچوں سے ڈرتے ہیں اور بچے کسی سے نہیں ڈرتے لہٰذا مجھے نوکری سے فارغ کیا جائے۔"

ارم احمد۔ لاہور

pKDigest

کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

حلقۂ احباب،

انساں کی آنکھ خشک تھی انساں کے ظلم پر
اب جو پہاڑ روئے تو سیلاب آگیا
پھر آج دشمنوں کی تمنا ہوئی عدیم
پھر سے خیال حلقۂ احباب آگیا

احتیاط،

صاحب بضد تھے کہ گاڑی وہ خود چلائیں گے۔ ڈرائیور کو انہوں نے پاس بٹھالیا۔ راستے میں کئی بار صاحب اونگھ گئے۔ ایک بار تو انہوں نے ڈرائیونگ کے دوران اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل پر تقریباً ٹکا ہی دیا۔
ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے ان کا کندھا ہلایا اور بولا۔
"سر آپ بے شک بہت اچھی ڈرائیونگ کر رہے ہیں لیکن وہ بدتمیز درخت بہت تیزی سے ہماری طرف چلا آرہا ہے۔"

خوبصورت،

محبت اس سے نہیں کی جاتی جو خوبصورت ہو۔ خوبصورت وہ ہے جس سے محبت ہو۔
سحر رانا۔ رتوڈیرو

محبت،

جہاں یقین ہوگا وہاں محبت ہوگی۔ جہاں محبت ہو گی وہاں امن ہوگا۔ جہاں امن ہوگا وہاں خدا ہوگا اور جہاں خدا ہو وہاں کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔
ندا یوسف۔ کراچی

یہی سچ ہے،

- کسی آدمی کو اپنی بساط سے زیادہ مل جائے تو پھر لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔
- کوئی شخص تمہاری پیٹھ پر سواری نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ جھکی ہوئی نہ ہو۔
- ہر جملہ خوبصورت ہے۔ اگر وہ ہماری امیدوں کے مطابق ہو۔
- بعض لوگ جہاں جاتے ہیں اپنے ساتھ خوشیاں لے جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے چلے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔
نورین ظفر خان۔ لودھراں

ہری مرچیں،

★ بعض لوگ ــ سڑک پر اس طرح چلتے ہیں جیسے ان کے باپ کی ہے اور بعض لوگ ــ سڑک پر گاڑی اس طرح چلاتے ہیں جیسے گاڑی ان کے باپ کی ہے۔
★ وہ اتنا کاہل ہے کہ اپنی سگریٹ کی راکھ جھاڑنے کے لیے گاڑی کی رفتار کم کیے بغیر اسے اسپیڈ بریکر سے گزارتا ہے۔
★ رشید صاحب کی بیگم کو ڈرائیونگ نہیں آتی لیکن رشید صاحب گاڑی بیگم کی ہدایات کے مطابق چلاتے ہیں۔
★ اس کی کار کا ماڈل نہ پوچھیں کیونکہ وہ ماڈل نہیں بلکہ ایک بھیانک مثال ہے۔
تحریم۔ کراچی

حجامتیں کیسی؟

"منیر صاحب کا انتقال کیسے ہوا؟"
"وہ ایک ماڈرن قسم کے باربر شاپ میں سیو کرانے گئے تھے۔ جہاں لڑکیاں گاہکوں کا شیو بناتی تھیں۔ ایک لڑکی ان کا شیو بنا رہی تھی کہ اچانک ایک چوہا لڑکی کے پاؤں پر سے گزر گیا۔"

عادتاً،

جج نے ملزم سے پوچھا: "لیڈی ڈاکٹر کہہ رہی تھی تم نے اس سے کچھ غلط قسم کی گفتگو کی ہے؟"
"ہرگز نہیں جج صاحب!" ملزم نے جواب دیا۔
"دراصل وہ مجھے اس طرح ہدایت دے رہی تھی جیسے میری بیوی دیتی ہے تو حسب عادت بے خیالی میں میرے منہ سے نکل گیا۔ ٹھیک ہے میری جان!"
مزمل رفیق۔ راؤ خانوالہ

خالدہ جیلانی

میرے عیض سے

نغانہ بٹ ـــــــــ لاہور

جو چراغ آرزو تھا وہ تو بجھ چکا کبھی کا
کسے ڈھونڈتی ہیں اب تک یہ ہوائیں کیا بتائیں
کبھی دور کے نگر سے کبھی پاس کی گلی سے
ہمیں کون دے رہا ہے یہ صدائیں کیا بتائیں

عمرہ طاہر بٹ ـــــــــ لاہور

درد جب حد سے بڑھا ضبط کے آنسو کھلے
ہم نے سیکھا ہی نہیں آنکھ سے رونا سائیں
کوئی کھیلے، کوئی توڑے، کوئی چاہے تو رکھے
مرد کے ہاتھ میں عورت ہے کھلونا سائیں

سعدیہ سلیم ـــــــــ کراچی

اُس کے باوصف کہ ہر سمت اندھیرا ہے محیط
ہم ہیں وہ لوگ جو امید سحر رکھتے ہیں
ہم خطاوار زمانہ ہیں فرشتہ تو نہیں
ہیں زیاں کار کہ اوصاف بشر رکھتے ہیں

فوزیہ ثمر بٹ ـــــــــ گجرات

چپ چاپ گم صم رہنے والے
اپنے آپ سے جنگ کرتے ہیں
سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا
پچھتاوے پھر تنگ کرتے ہیں

فرزانہ سہیل ـــــــــ میاں چنوں

جو ہو سکے تو کوئی انقلاب لا، ورنہ
ہر اک اصول، ہر اک فلسفے سے نفرت کر
جہان بھر میں محتاط رہ ذرا صابر
ہر آدمی کو پرکھ، اور پھر محبت کر

ارم احمد ـــــــــ لاڈھ

قرض نگاہ یار ادا کر چکے ہیں ہم
سب کچھ نثار راہ وفا کر چکے ہیں ہم
دیکھیں اسے کون کون ضرورت نہیں رہی
کوئے ستم میں سب کو خفا کر چکے ہیں ہم

امبر گل ـــــــــ ٹھٹھہ (سندھ)

کیا کہیں کیسے تھے موسم بھی وہ تنہائی کے
تم سے جھیلے نہ گئے، ہم سے گزارے نہ گئے
ایک اچٹتی سی نظر چاند پہ ڈالی تھی مگر
آج تک آنکھ کی دہلیز سے تارے نہ گئے

شمائلہ عنایت چغتائی ـــــــــ بلڈ ٹاؤن

کئی رُتوں سے بند ہمارے گھر کا ہر دروازہ ہے
اس کے نام کا پھول ابھی تک پہلے جیسا تازہ ہے
خود سے بھی جو بات چھپائی شہر میں کیسے پھیل گئی
یا دیواریں بول پڑیں یا لوگوں کا اندازہ ہے

نادیہ امان ـــــــــ ڈیرہ اسماعیل خان

ادب کی بات ہے ورنہ نہیں سوچو تو
جو شخص سنتا ہے، وہ بول بھی تو سکتا ہے

ایس زیڈ شیخ ـــــــــ ملتان

کہاں ہے قافلہ بادِ صبا کا
دلوں کے پھول مرجھانے لگے ہیں
کھلے جو ہم نشینوں کے گریباں
خود اپنے زخم افسانے لگے ہیں

صائمہ جیمی ـــــــــ کراچی

جلاؤ گھر میں دیا تو رہے خیال قتیل
اُجالا پائیں گلی سے گزرنے والے بھی

رابعہ رشید ـــــــــ حویلی بہادر شاہ

شہر جب خوف سے چپ ہو تو سخن
ایک دل ہے کہ بہت بولتا ہے

نمرہ اقرا ـــــــــ کراچی

یہ سوکھی جھیل کا بے عکس پانی
کبھی مہتاب اس میں تیرتا تھا
جدائی کے دنوں میں سوچتے ہیں
کوئی ہم میں یقیناً بے وفا تھا

نورین ظفر خان ـــــــــ لودھراں

اُس نے کمال کیا اور میں نے حد کر دی
کہ خود بدل گیا اُس کی نظر بدلنے تک

عائشہ درانی ـــــــــ علی پور

کہنے والے سمجھ نہیں سکتے
سننے والوں پہ جو گزرتی ہے
میں نے دیکھے ہوئے ہیں وہ لمحے
خامشی جب کلام کرتی ہے

انیس فاطمہ ـــــــــ پسرور

جس جگہ بولنا ضروری تھا
ہم وہاں ہونٹ بھی ہلا نہ سکے
لاکھ کوشش کے باوجود سنو
ان کی تحریر کو جلا نہ سکے

مصباح گل ـــــــــ سرگودھا

تو اپنی شیشہ گری کا نہ کر ہنر ضائع
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

سیدہ نسبت زہرا ـــــــــ کبر وڑ پکا

مجھے غم وہ دے رہا ہے اس پہ وہ چاہتا ہے
میں حساب رکھ نہ پاؤں وہ حساب بھول جائے

سحر رانا ـــــــــ لاڑکانہ

وقت رخصت آ گیا، دل پھر بھی گھبرایا نہیں
اس کو ہم کیا کہیں جس کو کبھی پایا نہیں
زندگی جتنی بھی ہے اب مستقل صحرا میں ہے
اور اس صحرا میں دور تک کوئی سایا نہیں

اُم عمیرہ ـــــــــ کراچی

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اُداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی اس طرح تو گزرتی نہیں

فوزیہ مشتاق ـــــــــ گھوٹکی

نزدیکیوں میں دور کا منظر تلاش کر
جو ہاتھ میں نہیں ہے وہ پتھر تلاش کر
کوشش بھی کر، امید بھی رکھ، راستہ بھی چن
پھر اس کے بعد تھوڑا مقدر تلاش کر

سارہ امین ـــــــــ کراچی

کبھی کبھی کا یہ مل بیٹھنا غنیمت ہے
نئی لغت کے مطابق یہی محبت ہے

ماریہ سید واجد علی ـــــــــ کراچی

برسوں بعد آنکھوں میں عکس کوئی لہرایا ہے
برسوں بعد آج ہمیں پھر یاد کوئی آیا ہے
شام ہی سے جل اُٹھے چراغ اس کی یادوں کے
رات بھر آنکھوں نے ہماری رت جگا منایا ہے

صبا رانا ـــــــــ ٹنڈو جان محمد

بارش کی طلب مکانوں میں لگتی ہے اچھی
ان سے پوچھ جن کے گھونسلے بکھرتے ہیں
وہ کیوں مانگے سورج کے ڈھلنے کی دُعا
جن لوگوں کے خواب راتوں میں ٹوٹتے ہیں

تنویر فاطمہ ـــــــــ وزیر آباد

اُداسی جس کے دل میں ہوا سی کی نیند اُڑتی ہے
کسی کو اپنی آنکھوں سے کوئی سپنا نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ٹوٹا بدن فخری
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کاندھا نہیں دیتا

مونا رئیس ـــــــــ احمد پور شرقیہ

یقین چاند پہ سورج پہ اعتبار بھی رکھ
مگر نگاہ میں تھوڑا سا انتظار بھی رکھ
خدا کے ہاتھ میں مت سونپ سارے کاموں کو
بدلتے وقت پہ کچھ اپنا اختیار بھی رکھ

سحر خان ـــــــــ کوئٹہ

خود اس کے مراسم تو زمانے سے ہیں لیکن
ہم کو وہ کسی اور کا ہونے نہیں دیتا

شگفتہ علی عمران ـــــــــ سکندر پور

منزل مجھے نصیب سفر در سفر نہیں
کتنے مکاں ہیں میرے لیے ایک گھر نہیں
بدلا ہے کتنی بار میرے دل نے فیصلہ
روکوں اُسے پکاروں، کہوں کچھ مگر نہیں

عفت مسعود ـــــــــ جوہر آباد

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

www.pkdigest.com

pKDigest

کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

خواتین اور باورچی خانہ کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ باورچی خانے میں رونق ہو تو گھر کے افراد خوش نظر آتے ہیں۔ ایک صاف ستھرا کچن' خاتون خانہ کی خوش سلیقگی کا مظہر ہے۔

کھانا پکانا بھی ایک آرٹ ہے۔ ذائقہ' زیادہ گھی یا چٹپٹے مسالوں پر منحصر نہیں ہے' بلکہ ذائقہ صحیح تناسب سے پیدا ہوتا ہے۔ کھانا پیش کرنے کا انداز بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سادہ سے دال چاول بھی اچار' چٹنی' سلاد پاپڑ کے ساتھ سلیقے سے پیش کیے جائیں تو سب خوش ہو کر کھاتے ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ میں قارئین کی شرکت کے لیے ہم اس ماہ سے کچن کے حوالے سے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ سوالات یہ ہیں۔

1 کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پسند ناپسند' غذائیت' گھر والوں کی صحت۔
2 گھر میں اچانک مہمان آگئے ہیں' کھانے کا وقت ہے۔ کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری تیار کر کے تواضع کر سکیں۔
3 کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے' آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟
4 صبح کا ناشتہ ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟ ایسی خصوصی چیز کی ترکیب جو آپ اچھی بناتی ہوں۔
5 گھر سے باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے' آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟ (۱) جب کوئی لے جائے (۲) کسی سالگرہ پر (۳) یا کسی خوشی کے موقع پر۔
6 کھانا پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟
7 اچھا پکانے کے لیے کتنی محنت کی قائل ہیں؟
8 کچن کی کوئی ٹپ' جو دینا چاہیں؟

ان سوالات کے جوابات بھیجوا کر آپ بھی اس سلسلہ میں شرکت کر سکتی ہیں۔ ساتھ ایک عدد تصویر بھی بھجوائیں۔ (تصویر ضروری نہیں ہے)

igest.com

آپ کا باورچی خانہ

مسرت حسن

میں پچھلے پندرہ سال سے سعودی عرب کے شہر ریاض میں مقیم ہوں جب سے خواتین ڈائجسٹ میرا ساتھ دے رہا ہے۔ یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کیا ہے' بہترین ہے اس میں کافی چیزیں ایک ساتھ مل جاتی ہیں۔ یہاں کی جو روٹین لائف ہے اسی کے حساب سے میں جوابات لکھ رہی ہوں۔

1۔ کھانا پکاتے ہوئے گھر والوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے' ورنہ تو پورا کھانا یونہی پڑا رہ جائے۔ جب بچے چھوٹے تھے تو ہم نے جو پکایا سب نے کھالیا۔ جب سے بچے بڑے ہوئے تو پریشان کن سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی اپنی پسند کا کھانا مانگنے لگا" "آج یہ پکانا ہے؟ ہم کو نہیں کھانا۔" چاول ہیں تو سالن چاہیے' دال ہے تو سبزی چاہیے۔ میں اچھی خاصی سمجھ دار خاتون (اہم بقول لوگوں کے) ہوتے ہوئے بھی بوکھلا کر رہ گئی کہ اب کیا کیا جائے۔ خیر ایک دن سب بچوں کو لے کر بیٹھی اور ایک چارٹ بنایا کہ ایک ہفتہ پورا بچوں کی پسند کا کھانا بنے گا باری باری سب اپنی پسند بتائیں گے۔ ایک ہفتہ ان کے پاپا کی پسند کا کھانا بنے گا ایک دن میں اپنی پسند کا کھانا پکاؤں گی

pKDigest

FREE کو رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں

اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں

Thanks for your Support
Team pkDigest

Advertise Here
info@pkdigest.com

1528-08

اور چوتھا ہفتہ ملا جلا ہوگا۔ مگر شرائط کڑی رکھیں کہ کوئی بھی کسی کے پسند کے کھانے میں بحث نہیں کرے گا۔ خاموشی سے وہی کھانا کھایا جائے گا۔ سب راضی ہوگئے۔ بچوں کی باری ہوتی تو ان کی پسند کا کھانا پورے ہفتہ بنتا۔ البتہ بچوں کے بابا صرف دو دن بتا کر پیچھے ہٹ جاتے' جب زیادہ پوچھتی تو جواب آتا کہ "ہم تو مسکین بندے ہیں جو بھی پکے گا کھالیں گے" لو جی کرلو گل۔ ایک تو اتنی اہمیت دی جارہی ہے' اس پر یہ جواب۔ بہرحال خود بھی سوچ کر بنالیتی۔ آخر ایک سال تک یہی سلسلہ چلتا رہا پھر سب اس روٹین کے عادی ہوگئے۔ اب راوی چین ہی چین لکھتا ہے' جو بھی پکاؤ خاموشی سے سب کھالیتے ہیں۔ اب تو بتاتے بھی نہیں۔ خود مغزماری کرنا پڑتی ہے مگر ایک بات تھی کہ بچوں کے ہفتہ میں دال سبزی نہیں بنتی تھی اور ہمارے ہفتے میں دال سبزی ہی بنا کرتی تھی۔ غذائیت کا خیال بہرحال رکھا جاتا ہے میں نے گھی کا استعمال بالکل ختم کردیا ہے کورن آئل میں ہی سب پکتا ہے۔ ہمارے بچے بھی اسی کے عادی ہوگئے ہیں سالن میں بہت کم آئل اور مرچیں ہوتی ہیں۔

اگر آئل زیادہ ہو تو بڑی مشکل سے ان کے حلق سے اترتا ہے' میرے بچوں کو آئل میں تر بتر کھانے بالکل پسند نہیں گھر والوں کی صحت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے' بھئی! جان ہے تو جہان ہے۔ جب صحت اچھی ہوگی تو انسان اگلے وقت کا کھانا کھائے گا۔ مرغن غذائیں کھانے سے ہمارے جسم میں مختلف بیماریاں پلتی رہتی ہیں' جس کا ہم کو پتا نہیں چلتا مگر اچانک ہی حملہ آور ہوتی ہیں۔

2۔ سعودیہ میں سسٹم بالکل مختلف ہے یہاں دن میں عورتیں کم ہی نکلتی ہیں۔ نوے فیصد عورتیں شام میں رات میں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ نکلتی ہیں۔ سب فون کرکے آتے ہیں بغیر اطلاع کے کوئی نہیں آتا پھر بھی کبھی ایمرجنسی ہوجاتی ہے کوئی فیملی ایک گھنٹے کے شارٹ نوٹس پر آرہی ہوتی ہے تو اس کے لیے میں کباب' سموسے' اسپرنگ رول' دہی بڑے بنا کر فریز کردیتی ہوں۔ ویسے تو کھانا تیار کرلیتی ہوں اگر کوئی کھانا نہ کھائے تو کباب' سموسے' اسپرنگ رول نکال کر مائیکروویو اوون میں گرم کرتی ہوں فوراً" فرائی ہوجاتے ہیں۔ ساتھ پانی ابال کرکے دہی بڑے اس میں ڈال دیتی ہوں' دہی میں چاٹ مسالا اور ثابت مرچ زیرہ کوٹ کر بھون کر دہی میں ڈال دیتی ہوں' پھر دہی بڑے نکال کر اس کا پانی نکال کر دہی میں ڈال دیتی ہوں اوپر سے کیچپ سے دہی بڑوں پر ڈیزائن بنادیتی ہوں اور فائف ٹیبل سجادیتی ہوں۔ اتنے میں چائے ریڈی ہوجاتی ہے۔ پھر اکثر لوگ تعریف کرتے ہیں کہ اتنی جلدی یہ سب کیسے کرلیا۔ کیا ضرورت تھی۔ بھئی کہنے سے کیا ہوتا ہے ہمارا دل چاہتا ہے کہ مہمان کی اچھی طرح تواضع کروں۔ البتہ ایک ڈش ہے جو خاص طور پر بہت جلدی بھی بن جاتی ہے اور سب کو پسند بھی بہت ہے۔ آپ آزمائیے۔

جھٹ پٹ چکن

پہلے آدھا کلو چکن گرم آئل میں ڈالیں ذرا سا بھون کر ادرک لہسن ڈال کر بھونیں پھر دہی نمک مرچ ڈال کر بھونیں اس کے بعد موٹے موٹے ٹماٹر ڈال کر ڈھکنا بند کردیں پندرہ منٹ کے بعد اس میں سفید زیرہ' ثابت دھنیا' کالی مرچ موٹی موٹی پیس کر ڈال دیں۔ آخر میں ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں ڈش میں نکالتے ہوئے ہرا دھنیا باریک ادرک ڈال کر سرو کریں سب آپ کی پھرتی کی داد دیں گے۔

3۔ کچن کی صفائی کا تو ہمیں کریز ہے' آتے جاتے کچن کیبنٹ پر ہاتھ چلتا رہتا ہے' اگر برتن نظر آئے تو فوراً" دھو لیتی ہوں' سنک میں کبھی برتن نظر نہیں آتے' ہر ویک اینڈ پر الماری کی بوتل ڈبے وغیرہ صاف ہوتے ہیں۔ فریج کی تفصیلی صفائی ہوتی ہے۔ اوون پر المونیم فوائل بچھائی ہوں تو وہ چینج ہوجاتا ہے۔ روزانہ کھانے کے بعد کچن صاف کرکے دھو کر ہی نکلتی ہوں۔ کچن ذرا بھی گندہ ہو تو ناقابل برداشت ہے۔ بچے ذرا بھی پھیلا کر آتے ہیں تو میں فوراً" سمیٹتی ہوں اسی وجہ سے دن کا زیادہ تر ٹائم کچن میں گزرتا ہے اور یہ سب ہماری امی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جب چھوٹے تھے تو امی کو اسی طرح کرتے دیکھا جب ہم نے امی کا کچن سنبھالا تو امی کی بہت ڈانٹ پڑتی تھی۔ امی کچن میں آئیں اور تقریر شروع اور ہم کانپ رہے ہوتے تھے' خیر! آہستہ آہستہ ہم بھی امی کی طرح کرنے لگے۔ جب کالج لائف شروع ہوئی تو ہم کو ڈانٹ پڑنی ختم ہوئی ہے۔ کیونکہ پھر ہم امی کی طرح صفائی پسند ہوگئے تھے اور اب تک وہی حال ہے کہ کچن کی گندگی ناقابل برداشت ہے۔ میں اس کا کریڈٹ امی کو دیتی ہوں۔

4۔ کہتے ہیں کہ ناشتہ ضرور کرنا چاہیے اس سے

بندے کی صحت ٹھیک رہتی ہے' یہ بات میں بالکل ٹھیک سمجھتی ہوں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتی صرف چائے پیتی ہوں۔ کبھی کبھی ساتھ کیک رس لے لیتی ہوں۔ حالانکہ یہ غلط طریقہ ہے۔ مگر چھ بجے صبح اسکول جاتے ہیں تو الگ الگ ناشتہ بنانا پڑتا ہے۔ ایک بچہ ایک گلاس دودھ پیتا ہے ایک بوائل ایگ' ایک کے لیے آملیٹ بنانا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی سب کے لیے پراٹھا ہو جاتا ہے۔ جو سب کھا لیتے ہیں آٹھ بجے میرے شوہر جاتے ہیں تو ان کے لیے سلائس آملیٹ اور چائے کا ناشتہ بناتی ہوں پھر سو جاتی ہوں گیارہ بجے اٹھ کر اپنے لیے چائے بناتی ہوں اور وہ پی کر کام شروع ہو جاتا ہے۔ دو بجے تک کام ختم ہو جاتا ہے پھر بچے بھی آجاتے ہیں' سب مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ناشتے کے لیے کوئی ایسی خاص چیز نہیں کھائی جاتی جو میں اسپیشل بناؤں ناشتہ ہمارے یہاں اسی طرح نارمل ہوتا ہے مگر چھٹی کے دن جمعہ کو بھرپور ناشتہ ہوتا ہے کیونکہ دیر سے اٹھتے ہیں۔ میں پراٹھے بناتی ہوں آملیٹ بنتا ہے کبھی پوریاں بھی بن جاتی ہیں۔ ہاں بچوں کی فرمائش پر آملیٹ بھرا پراٹھا اکثر بنا لیتی ہوں۔ اس کی ترکیب بہت آسان ہے۔ انڈے کا آملیٹ بنایا اس میں ہرا دھنیا' ہری پیاز تھوڑی زیادہ ہوتی ہے دو مکس کر کے آملیٹ بنا کر رکھ لیا پھر روٹی کا ایک پیڑا لے کر اس کو تھوڑا بڑا کیا وہ آملیٹ اس پر رکھ کر دوسرا پیڑا اس پر رکھ کر بیل لیا پھر پراٹھے کی طرح پکا لیا۔ یا پھر یہاں ایک مزیدار ڈش ملتی ہے جس کو فول کہتے ہیں۔ روغنی روٹی کے ساتھ وہ منگوا لیتے ہیں جو کہ مزیدار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ جمعہ کے دن ہم بھرپور غذائیت کا ناشتا کرتے ہیں اس دن ہم سب کا کولسٹرول بڑھ جاتا ہوگا۔

5۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے یہاں ہم لوگ کم جاتے ہیں جب کوئی انوائٹ کرتا ہے تو ضرور جاتے ہیں یا گھر میں کسی کی سالگرہ ہو تو ہم لوگ باہر کھانا کھاتے ہیں یا پھر باہر سے ہی کھانا لے کر کسی پارک میں جا کر کھا لیتے ہیں' وہاں بچے انجوائے بھی کر لیتے ہیں۔ بچے کسی ریسٹورنٹ کے بجائے پارک میں بیٹھ کر کھانا زیادہ پسند کرتے ہیں اسی وجہ سے ریسٹورنٹ کم ہی جاتے ہیں۔

6۔ کھانے کا مزہ تو موسم پر ہوا کرتا ہے جیسا موسم ہو ویسا کھانا پکاتے ہیں اگر بارش ہو جائے (جو سعودیہ میں کم ہوتی ہے) تو ہم پکوڑے ضرور بناتے ہیں۔ سردیوں میں اکثر پائے بنائے جاتے ہیں۔ سوپ بنانے کا حال تو نہ پوچھیں کیونکہ یہاں ہر چیز بہت آسانی سے سستی مل جاتی ہے تو ہر دوسرے دن گھر والوں کی فرمائش پر چکن کارن سوپ بنتا ہے' جس کے گھر جاؤ تو وہاں بھی سوپ ملتا ہے کوئی ہمارے یہاں آئے تو بھی ہم سوپ تیار کر لیتے ہیں۔ یہاں سردی اتنی شدت کی ہوتی ہے کہ سوپ بہت مزہ دیتا ہے جو لوگ پاکستان میں سوپ نہیں پیتے وہ یہاں آکر پینے لگ جاتے ہیں۔ میری بھابی پاکستان میں پائے اور سوپ نہیں چکھتی تھیں' یہاں آکر وہ بھی کھانے لگیں۔ کیونکہ سردیوں میں ہر جگہ یہی ہوتا ہے اور گاجر کا حلوہ ہوتا ہے اور تہوار کے لحاظ سے بھی ہم اچھا خاصا اہتمام کرتے ہیں۔ عید پر سوئیاں بے تحاشا پکائی جاتی ہیں شب برات پر حلوے بھی بنتے ہیں اور بقر عید پر گوشت کی نئی نئی تراکیب آزماتے ہیں۔

7۔ بغیر محنت کے کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا اور کسی کو پسند نہیں آتا' اسی طرح کھانے پکانے میں بھی ہے اگر۔۔۔ سالن کو پوری محنت سے بھون کر پکائیں تو وہ اور بھی لذت دے گا۔ ہم بچپن میں اپنی امی کو دیکھا کرتے تھے کہ سل پر قیمہ پیسا جا رہا ہے تو کوفتے اور کباب بنا کرتے تھے۔ دال سل پر پیس کر اس کے پکوڑے بنائے جاتے تھے اور کیا لذت ہوا کرتی تھی۔ اب تو خیر ہم اتنی محنت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اب تو ہر چیز مشین میں تیار ہو جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی محنت ضروری ہے۔ ہم نے پیس تو لیا مگر پکانے کے لیے محنت کریں گے تو اچھا پکے گا نا۔ سو ہم محنت کرتے ہیں اور گھر میں چھوٹے بڑے سے داد وصول کرتے ہیں۔

8۔ کچن کے لیے ٹپ تو اب تک اس سلسلے میں اتنے دیے جا چکے ہیں اس میں سے کئی تو ہم آزماتے رہے ہیں۔ ہم بھی ایک ٹپ رہتے ہیں اس کو آزمائیں اور ہم کو دعائیں دیں۔

1۔ کوئی چیز کاٹتے ہوئے اگر چھری سے ہاتھ کٹ جائے تو شہد کو ململ کے کپڑے پر لگا کر اپنی انگلی پر لپیٹ لینے سے زخم جلدی بھر جاتا ہے۔

2۔ مائیکرو ویو اوون میں سے اگر ناگواری بو آنے لگے تو ایک پیالی پانی میں تھوڑا سا لیموں نچوڑ کر اوون میں رکھ کر پانی ابالیں بو ختم ہو جائے گی۔

3۔ بند گوبھی ابالتے وقت اس میں سرکہ ڈال دیا جائے تو بند گوبھی کی بو دور ہو جاتی ہے۔

☆

رمضان کے پکوان

خالدہ جیلانی

بعض چیزیں مختلف تاریخوں اور مہینوں سے مشروط سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے لان کے کپڑے' فالسہ اور آم کی آمد سے گرمیاں' مالٹے گرم و اونی کپڑوں سے موسم سرما۔ پھولوں کے کھلنے سے موسم بہار اور انواع و اقسام کی چٹ پٹی اور قوت بخش غذاؤں سے ماہ رمضان۔ اس ماہ کو برکتوں کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ عبادات کے ساتھ ساتھ سحر و افطار کی تیاریاں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو ہر چھوٹے بڑے کو اپنی جگہ مصروف رکھتی ہیں۔ ہر عمر کے افراد بڑھ چڑھ کر اس اہتمام میں حصہ لیتے ہیں۔ خصوصاً" افطار میں دستر خوان کی زینت دیدنی ہوتی ہے۔ اس ماہ ہمارے افطار کے ذائقوں کو آزمایئے۔ آپ کے خوان کی زینت بھی بڑھ جائے گی۔

نوڈلز پکوڑے

ضروری اجزاء :

نوڈلز	دو پیکٹ
بیسن	100 گرام
پنیر	200 گرام
سبز مرچ	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)
بند گوبھی	ایک تہائی پیالی (باریک کٹی ہوئی)
شملہ مرچ	ایک تہائی پیالی (باریک کٹی ہوئی)
پیاز	ایک تہائی پیالی (باریک کٹی ہوئی)
سرخ مرچ	حسب ضرورت
سرکہ	چائے کا ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	چائے کا ایک چمچہ
سویا سوس	کھانے کا دو چمچہ
پانی	بیسن گھولنے کے لیے

(چھوٹے ٹکڑوں میں کٹا ہوا)

نوڈلز کو دو منٹ تک ابلتے پانی میں ابالیں اور الگ رکھ لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر پیاز' سبز مرچ' گوبھی' شملہ مرچ اور دیگر اجزاء نوڈلز میں شامل کر لیں۔ نمک ڈال کر بیسن گھول لیں۔ اب نوڈلز اور دیگر اجزاء کا آمیزہ اس میں ڈال دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور پکوڑے حسب منشاء سائز کے تل لیں اور سنہرے مائل ہونے پر نکال لیں۔ مزیدار نوڈلز پکوڑے تیار ہیں۔ املی کی چٹنی یا ٹماٹو کیچپ کے

www.pkdigest.com

ساتھ پیش کریں۔ (بہ شکریہ 'زاہدہ سحرش')

چکن سموسہ

ضروری اجزاء :

چکن کا قیمہ	آدھا کلو
لال مرچ پاؤڈر	چائے کا آدھا چمچہ
ہرا مسالا	کھانے کے دو چمچے
(ادرک، لہسن، ہری مرچ کا پیسٹ)	
گرم مسالا پاؤڈر	چائے کا آدھا چمچہ
تیل	دو پیالی
لیموں کا رس	چائے کا ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا، پودینہ، ہری پیاز	کھانے کے دو چمچے (کٹی ہوئی)
برائے آٹا	
آٹا	دو پیالی
کوکنگ آئل	کھانے کے چار چمچے
گرم پانی	ایک چوتھائی پیالی
نمک	چائے کا آدھا چمچہ

ترکیب :

آٹے میں تیل نمک اور پانی ملا کر نرم سا آٹا گوندھ لیں۔ قیمہ میں ہرے مسالے کا پیسٹ لال مرچ، گرم مسالا، نمک ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس میں کٹا ہوا پودینہ، دھنیا، ہری پیاز، لیموں کا رس اچھی طرح مکس کرلیں آٹے کے پیڑے بنالیں۔ ہر پیڑے کو اپنی ہتھیلی میں دائرے کی شکل میں گھماتے ہوئے آخر میں دبا کر چپٹا کرلیں۔ اس پیڑے کو بیلن سے رول کر کے چار انچ کی گول روٹی سی بنالیں اور پھر اسے درمیان سے دو ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ ہر ایک نیم دائرہ روٹی کو سموسے کے لفافے کے طور پر استعمال کریں۔ سیدھے کنارے کو قدرے گرم پانی سے گیلا کرلیں۔ نیم دائرہ جسے کو اس طرح موڑیں کہ ایک تکونی بن جائے۔ سیدھے کناروں کو دبا کر ایک دوسروں میں پیوست کریں اس طرح کہ درمیان میں خلا نہ رہے اس کون میں چکن کا آمیزہ بھردیں۔ کون کے اوپری حصہ میں تھوڑی خالی جگہ چھوڑ دیں۔ اب اوپری کناروں کو گیلا کر کے سختی سے ملادیں تاکہ سموسے کی شکل اختیار کرلے۔ درمیانی آنچ پر ان سموسوں کو سنہری مائل ہونے تک فرائی کرلیں۔ افطاری کا لطف مزیدار سموسوں سے دوبالا ہو جائے گا۔

ذائقے دار دہی بڑے

ضروری اجزاء :

دال مونگ	ڈیڑھ پیالی (پیس لیں)
میٹھا سوڈا	چائے کا ایک چمچہ
دہی	ایک کلو
چینی	ایک پیالی (پسی ہوئی)
ثابت لال مرچ	250 گرام
سفید زیرہ	150 گرام
نوشادر	20 گرام
کلانمک	20 گرام
سرسوں کا تیل	کھانے کے دو چمچے
ٹاٹری	چائے کا آدھا چمچہ
جائفل جاوتری	ایک چٹکی

ترکیب :

سرسوں کا تیل گرم کر کے اس میں ثابت لال مرچ، سفید زیرہ، نوشادر، کلانمک، ٹاٹری، جائفل جاوتری ڈال کر فرائی کرلیں اور پیس لیں مزیدار چاٹ مسالا تیار ہے۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں دال کا آمیزہ ڈال کر گول گول بڑے فرائی کر کے نکال لیں۔ سب فرائی ہو جائیں تو نمک ملے ٹھنڈے پانی میں دس منٹ کے لیے بھگودیں۔ دہی کو ململ کے کپڑے میں ڈال کر تھوڑی دیر لٹکا دیں کہ پانی نکل جائے۔ اس کے بعد دہی پھینٹ کر اس میں پسی ہوئی چینی مکس کر کے بڑے پر ڈالیں۔ اوپر سے چاٹ مسالا چھڑک دیں۔ ذائقے دار دہی بڑے تیار ہیں۔ افطار میں پاپڑی کے ساتھ سرو کریں۔

چائنیز رول

ضروری اجزاء :

مرغی	ایک پیالی
(ابال کر ریشے کرلیں)	
بند گوبھی	ایک پیالی (باریک کٹی ہوئی)
گاجر	ایک پیالی (باریک کٹی ہوئی)
ہری پیاز	ایک پیالی (باریک کٹی ہوئی)
نمک اور کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
سویا سوس	کھانے کے دو چمچے
لیموں کا رس	کھانے کا ایک چمچہ

چائنیز نمک	چائے کا آدھا چمچہ
تیل	کھانے کے چار چمچے
لہسن (باریک کٹا ہوا)	چائے کا ایک چوتھائی چمچہ
کارن فلور	چائے کا آدھا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب :

فرائی پین میں تیل گرم کر کے لہسن ڈال دیں۔ لہسن سنہری مائل ہو جائے تو مرغی شامل کردیں۔ ساتھ ہی تمام سبزیاں ڈال کر پکائیں۔ سبزیاں قدرے نرم ہو جائیں تو کارن فلور اور باقی اجزا ملائیں تیار ہو جائے تو چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اس آمیزے کو رول کی پٹیوں میں رکھ کر رول کرلیں۔ تیل گرم کریں اور انہیں ڈیپ فرائی کرتے جائیں۔ سنہری مائل ہونے پر نکال کر ٹماٹو کیچپ یا چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

آلو کی چاٹ

ضروری اجزاء :

آلو	ایک کلو
دہی	ڈیڑھ پاؤ
رائی	چائے کا ایک چمچہ
میتھی دانہ	چائے کا آدھا چمچہ
سفید زیرہ	چائے کا ایک چمچہ
لونگ اور بڑی الائچی	چائے کا ایک چمچہ
ثابت سرخ مرچ	10 عدد
نمک	حسب ذائقہ
املی کا رس	کھانے کا ایک چمچہ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
پودینہ کے پتے	10 عدد

ترکیب :

آلوؤں کو ابال کر تلے کرلیں۔ توے پر بغیر گھی کے سرخ مرچ، بڑی الائچی، لونگ، رائی اور میتھی بھون کر باریک پیس لیں۔ اس مسالے میں نمک بھی شامل کردیں اور آدھا مسالا آلوؤں پر چھڑک دیں۔ دہی پھینٹ کر املی کا پانی ملالیں اور بقیہ مسالہ بھی شامل کردیں اب اس میں آلو ملا کر ہری مرچ اور پودینے کے پتے کاٹ کر ملالیں۔ بے حد لذیذ آلو کی چاٹ تیار ہے، مزے سے کھائیں۔

ہری مرچ کے پکوڑے

ضروری اجزاء :

ہری مرچ (موٹی موٹی)	ایک پاؤ
بیسن	دو پیالی
زیرہ	چائے کے دو چمچے (پسے ہوئے)
کھٹائی (پسی ہوئی)	چائے کا ایک چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
پودینہ	تھوڑا سا
گھی / تیل	حسب ضرورت
میٹھا سوڈا	ایک چٹکی

ترکیب :

سب سے پہلے مرچ چھان کر کسی کھلے منہ کے پیالے میں یا ڈونگے میں ڈالیں۔ بیسن میں نمک، سرخ مرچ، میٹھا سوڈا اور پانی تھوڑا سا ڈال کر پھینٹ لیں۔ بیسن زیادہ پتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اب ہری مرچوں کو درمیان میں سے چاک کر کے بیج نکال لیں پھر ایک پیالی میں زیرہ، کھٹائی اور نمک، ہرا دھنیا، پودینہ پیس کر تھوڑے سے پانی کے ساتھ پیالی میں ڈال دیں۔ اب آمیزہ گاڑھا گاڑھا گھول لیں۔ پھر مرچوں کے درمیان آمیزہ بھردیں۔ آمیزہ بہت زیادہ نہ بھریں۔ کیونکہ بعد میں مرچوں کو بند کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ پھر کڑاہی یا فرائی پین میں گھی گرم کر کے مرچوں کو بیسن کے آمیزے میں ڈبو کر تلتی جائیں۔ جب مرچوں کے پکوڑے دونوں طرف سے ہلکے براؤن ہو جائیں تو ڈش میں نکال لیں اور ٹماٹو کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
ائیر ہوسٹس
اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

★ "یہ سوال تو آپ دوسروں سے پوچھیں وہ آپ کو ٹھیک طرح سے بتاتے کہ میں مزاج کی کیسی ہوں۔ ویسے میرا اپنا خیال ہے کہ میں غصے کی تھوڑی سی تیز ہوں اور ایسا ہونا نہیں چاہیے مگر کیا کروں کہ غصہ آ ہی جاتا ہے۔"

* "کیا رد عمل ہوتا ہے؟"

★ "چیخنے چلانے کو دل چاہتا ہے اور ایسا کرتی بھی ہوں۔ مگر میری باتوں کا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ سب چپ چاپ میرا غصہ دیکھتے رہتے ہیں پھر مجھے خود ہی خیال آتا ہے کہ میرے غصے سے کسی پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا اس لیے خاموش ہو جانا ہی بہتر ہے۔"

* "تم تو اب بہت ہی مصروف رہتی ہو۔ گھر داری کا وقت مل جاتا ہے؟"

★ "گھر داری کا وقت ملتا تو نہیں ہے لیکن نکالنا پڑتا ہے کیونکہ مجھے گھر کے کاموں سے بھی خاصا لگاؤ ہے۔ مجھے بری لگتی ہیں وہ لڑکیاں جو بڑے فخر سے کہتی ہیں کہ ہمیں گھر کے کام کرنے نہیں آتے۔ میں تو ہفتے دو ہفتے میں ایک دن کھانا بھی ضرور پکاتی ہوں اور بہت اچھا پکاتی ہوں۔ سب تعریف کرتے ہیں۔"

* "اپنے ڈرامے اکیلے بیٹھ کر دیکھتی ہو یا سب کے ساتھ؟"

★ "پہلے تو بہت اہتمام کے ساتھ اپنے ڈرامے دیکھا کرتی تھی مگر اب اتنی زیادہ مصروفیت ہو گئی ہے کہ اپنے ڈرامے دیکھنے کا بھی وقت نہیں ملتا اور اگر وقت مل جائے تو پھر چھوڑتی نہیں ہوں۔"

* "تم پروڈکشن بھی کر رہی ہو، آج کل کتنا کچھ کام کر چکی ہو؟"

★ "کچھ زیادہ کام نہیں کیا۔ ڈرامہ سیریل "چنگاری" کیا تھا اور آج کل ایک سیریل چل رہا ہے۔"

* "کیسا رہا تجربہ؟"

★ "بہت اچھا رہا اس لیے اسے جاری رکھنے کا ارادہ ہے کیونکہ میں اپنی پروڈکشن کے ساتھ نیچ رہتی ہوں، سب کام ڈائریکٹر کے سپرد نہیں کرتی۔ تمام کام صرف ڈائریکشن کے میں نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اگر ڈائریکٹر اور پروڈیوسر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ساتھ ساتھ چلیں تو دونوں کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔"

* "کاسٹ تمہاری پسند کی ہوتی ہے؟"

★ "اس میں پسند ناپسند کا کوئی تعلق نہیں ہے، کہانی کے لحاظ سے کون سا فنکار کس کردار کے لیے فٹ ہے یہ دیکھنا ہوتا ہے پھر ہی فنکاروں کی بکنگ کی جاتی ہے۔ اس میں ڈائریکٹر اور رائٹر کی رائے بھی شامل ہوتی ہے۔"

* "پروڈکشن آسان کام ہے یا مشکل؟"

★ "بظاہر تو آسان کام ہے لیکن اگر آپ اس میں انوالو ہو جائیں تو پھر مشکل کام ہے اور پروڈکشن میں آ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ٹیم ورک کیا ہوتا ہے اور کیسے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

* "ناہید! تم نے بتایا کہ تم فلموں میں کام نہیں کرو گی۔ مگر یہ بتاؤ کہ آفر ہوئی تو؟"

★ "آپ یقین کریں کہ مجھے انڈین فلموں میں کام کرنے کی آفر آ چکی ہے اور یہ آفر گلزار صاحب نے دی تھی۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں فلموں میں کام نہیں کرنا چاہتی اس لیے میں نے انہیں انکار کر دیا کیونکہ میں فلم کی ڈیمانڈ کو پورا نہیں کر سکتی۔"

* "یہ بتاؤ کہ سیاست سے لگاؤ ہے؟"

★ "سیاست سے لگاؤ ہے مگر سیاست میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

* "کس بات پر دکھی ہوتی ہو؟"

★ "جب سڑکوں پر چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھتی ہوں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے، اپنے ملک میں گندگی دیکھتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے۔ بہت ساری باتوں پر دکھی ہوتی ہوں اب کیا کیا بتاؤں۔"

* "ملک سے باہر کس بات سے متاثر ہوتی ہو؟"

★ "وہاں کی خوب صورتی، سسٹم، قوانین کی پابندی اور صفائی ستھرائی سے بہت متاثر ہوتی ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

بہنوں کا شعاع
اپنا ماہنامہ

ستمبر کے شمارے کی ایک جھلک

ستمبر کا شمارہ سالگرہ نمبر شائع ہو گیا ہے

پارس، رخسانہ نگار، عدنان کے ناول کی آخری قسط
ہائے بھی لو بازی مات نہیں، سونیہ نوید کا مکمل ناول
ہم مثل صحرا، خمرہ بخاری کا مکمل ناول
زہرہ ممتاز، فائزہ فتحی اور سعدیہ حمید چوہدری کے ناولٹ

شمیمہ عظمت علی، بشریٰ احمد اور مریم ساجد کے افسانے
راحت جبیں اور عالیہ بخاری کے ناول
معروف فنکار جمال شاہ سے ملاقات
دستک، معروف شخصیات سے گفتگو
شعاع کے ساتھ ساتھ ڈائجسٹ سے سرورق
نبی ﷺ کی باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

ستمبر کا شعاع آج ہی خرید لیں

www.pkdigest.com

نادرہ خاتون

خط بنام مدیرہ خواتین

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ۔37۔اردو بازار،کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
khawateendigest@hotmail.com

کوثر جبیں..... لاہور

نمرہ احمد کا ناول "مہرالنساء" بہت پسند آیا۔ (نمرہ جی! یہ تو بتایئے کہ اتنا اچھا لکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ایک عرصے سے کوئی اچھی سی تحریر لکھنا ہماری خواہش ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کریں اور کہاں مکمل کریں آپ کی باقی رائٹرز بھی بہت اچھی لکھاری ہیں۔ باقی تمام سلسلے بہت اچھے لگے۔ کیا تمام سلسلوں کی تحریریں الگ الگ خط میں پوسٹ کریں یا ایسے ہی اکٹھی پوسٹ کر سکتے ہیں

کوثر! خواتین ڈائجسٹ کی محفل میں خوش آمدید' آپ تمام سلسلوں کی تحریریں ایک ہی لفافے میں پوسٹ کر سکتی ہیں۔ لکھنے کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے۔ اس کے لیے کوئی فارمولا متعین نہیں کیا جا سکتا۔ جو آپ کے ذہن میں ہے اسے لکھ دیں۔ اگر گنجائش ہوئی تو ہم خود تصحیح کر کے شائع کر دیں گے۔

عینی قریشی..... نواب شاہ

ٹائٹل بس ٹھیک تھا۔ سب سے پہلے "محبت خواب سفر" پڑھنا شروع کیا اور یہ قسط بھی ہر دفعہ کی طرح زبردست رہی۔ رخسانہ نگار بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ ان کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں اور اس کے بعد نمرہ احمد کا ناول "مہرالنساء" پڑھا۔ کیا بات ہے اتنا زبردست ناول۔ اینڈ میں بہت افسوس ہوا لیکن شروع سے اینڈ تک ناول بہترین تھا۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا' ناولٹس بھی تمام بیسٹ تھے لیکن مجھے سب سے اچھا ٹوٹا ہوا تارہ لگا کیونکہ اس میں اتنی بہترین علامہ اقبالؒ کی شاعری پڑھنے کو ملی اور اسٹوری بھی بہت اچھی تھی اور افسانے بھی تمام بہترین تھے۔

انٹرویوز میں "فہیم خان" کی باتیں زیادہ اچھی لگیں "خاتون کی ڈائری" میں صائمہ عبدالحمید کا انتخاب بہت پسند آیا اور باقی تمام سلسلے بھی بہترین تھے۔ خواتین کا سب سے اہم سلسلہ "کرن کرن روشنی" ہے جو ہمیں بے حد پسند ہے اور میں نے آپ سے پوچھنا تھا کہ میرا کراچی آنا جانا لگا رہتا ہے اس لیے میں خود آپ کی کتابیں خریدنا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے کسی ایسی جگہ کا ایڈریس بتائیں جہاں آپ کے ادارے کی تمام کتابیں دستیاب ہوں۔

ج: پیاری عینی! کراچی میں اردو بازار میں مکتبہ عمران ڈائجسٹ پر آپ کو ہمارے ادارے کی شائع کردہ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابیں بھی مل سکتی ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ نمرہ احمد اور دوسری مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

عندلیب..... صادق آباد

نمرہ احمد کی پہلی تحریر بہت خوب صورت تھی' بلاشبہ وہ ایک یاد رکھا جانے والا ناول تھا ان کی کم عمری کے مقابلے میں تحریر بہت پختہ سوچ کی عکاسی کرتی تھی مگر اس بار نمرہ کی تحریر نے قدرے مایوس کیا "مہرالنساء" میں بہت ساری باتیں وضاحت طلب ہیں۔

تنزیلہ ریاض آپ کہاں غائب ہیں؟ مجھے تنزیلہ ریاض کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ پلیز تنزیلہ جی! جلدی سے اچھی سی تحریر کے ساتھ حاضر ہوں اور نمرہ احمد سے بھی یہ امید ہے کہ وہ کچھ اسپیشل لکھیں۔

شکر ہے کہ "محبت خواب سفر" کے راز اب عیاں ہوا ہی چاہتے ہیں' رخسانہ نگار عدنان کی ٹوٹا ہوا تارہ بلاشبہ ایک بہترین تحریر تھی ایک سبق آموز تحریر' اس بار انیسہ سلیم نئے رنگ میں آئیں' مگر سیانے اور سیانی کی کمی بہت محسوس ہوئی' پلیز انیسہ جی اپنے پہلے موڈ میں ہی لکھیے اچھا لگتا ہے۔

آج کل کے دور میں کچھ ایسا لکھنا جس سے کوئی بھٹکا ہوا ذہن راستے پر آجائے۔ کوئی ایسی الجھن جو آپ رائٹرز کی تحریر میں چھپے سبق سے حل ہو جائے۔ کوئی بہکا ہوا قدم مزید نہ بہکے تو آج کے اس نفسا نفسی اور فحاشی کے دور میں ایک جہاد کے برابر ہے اس آزادی' کیبل اور فحاشی کی چکا چوند سے ہم نے اپنی نسلوں کو کیسے بچانا ہے؟ ایک اچھی بیٹی کی تربیت کیسے کرنی ہے؟ اور ایک اچھی ماں کے حقوق ان سب سے ہم کافی دور ہو گئے ہیں میری یہ سوچ ہے کہ رائٹرز ان موضوعات پر لکھیں۔

خواتین کے باقی سب سلسلے بھی بہت اچھے ہیں بہت بہت خوب صورت ٹائٹل تھا' اس جس آلود موسم میں اتنا فریش چہرہ اور خوب صورت میک اپ دیکھ کر ہم بھی فریش ہو گئے۔

ج: پیاری عندلیب! آپ کا مشورہ کسی حد تک صحیح ہے۔ اگر آپ خواتین ڈائجسٹ کی تحریروں کا تجزیہ کریں تو ستر فیصد تحریروں میں کوئی نہ کوئی مقصد یا پیغام ضرور ہوتا ہے۔ خالص تفریحی تحریریں تو بہت کم ہوتی ہیں۔ اور اس دور میں زندہ رہنے کے لیے نہیں تو کوئی خوشگواری بھی ہونا چاہیے اس لیے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہر ماہ کچھ ہلکی پھلکی تحریریں بھی شامل ہوں۔

سدرہ امجد' ای میل (لاہور)

میری امی اپنے اسکول لائف سے خواتین اور شعاع پڑھتی آ رہی ہیں۔ دو سال پہلے امی کا ایک سیریس ایکسیڈنٹ ہوا اور ان کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تو پرچا پڑھنے کا سلسلہ رک گیا۔ اب میری امی' اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں اور بھی اب پھر سے پڑھنے لگی ہیں۔ میری فیورٹ رائٹرز میں عمیرہ احمد' فرحت اشتیاق' رخسانہ نگار' فائزہ افتخار' ثمرہ بخاری اور نمرہ احمد ہیں۔ امی کی موسٹ فیورٹ شازیہ چودھری ہیں (مرحومہ) ہیں۔ اس ماہ کا پرچا بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں ہی بہترین تھیں۔ رخسانہ جی نے "محبت خواب سفر" میں بہت سسپنس پھیلا رکھا ہے۔ البتہ ناول بہت زبردست جا رہا ہے۔ نمرہ کا مکمل ناول "مہرالنساء" بہت زبردست تھا۔ مجھے بہت پسند آیا۔ بہت ہی پسند تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناولٹ بھی سارے اچھے تھے۔ آپ لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں میری سوچ میں آپ کے پرچے پڑھنے کے بعد بہت سی مثبت تبدیلیاں آئی ہیں۔

ج - سدرہ! امی کی صحت یابی پر مبارک باد قبول کیجیے ہمارے پرچے پڑھنے سے آپ کی سوچ میں مثبت تبدیلیاں آئی ہیں یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی۔ حقیقی علم وہی ہے جو سچائی کے راستے پر چلنا سکھائے اور مثبت سوچ پیدا کرے۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسی تحریریں شائع کی جائیں جس سے زندگی کا شعور پیدا ہو۔

طیبہ داؤد..... کرلاں

اگست کا ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ فہیم خان سے باتیں بھی بہت اچھی لگیں اس کے بعد اپنا پسندیدہ ناولٹ "کسی راستے کی تلاش میں" پڑھا تو دل کو بہت خوشی ہوئی کہ اب طارق کا رویہ حور کے ساتھ اچھا ہے۔ نمرہ احمد جو کہ میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ ان کا مکمل ناول "مہرالنساء" بہت اچھا لگا مگر یہ بات عجیب سی لگی ایک جوان حسین لڑکی ایک عام سے بوڑھے شخص سے شادی کیسے کر سکتی ہے؟ حقیقت سے دور لگا۔ انیسہ سلیم جو کہ ایک اچھی رائٹر ہیں ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی ان کا موضوع بہت اچھا لگا۔

ج:- طیبہ! حسان بوڑھا نہیں تھا۔ مہرالنساء اور اس کی عمر میں کچھ زیادہ فرق ضرور تھا لیکن جہاں دلوں کے معاملے ہوں وہاں عمروں کے فرق تو کیا کسی بھی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مشہور انڈین اداکار دلیپ کمار اور ان کی بیوی

www.pkdigest.com

سائرہ بانو جو خود بھی اداکارہ رہی ہیں' دونوں کی عمروں میں 22 سال کا فرق تھا۔ انہوں نے بے حد کامیاب ازدواجی زندگی گزاری' باوجود اس کے کہ سائرہ بانو کے ہاں اولاد بھی نہیں ہوئی لیکن دونوں کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پھر مصنفہ نے کہانی میں کئی جگہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مہرالنساء اپنی عمر سے بہت آگے تھی۔ وہ غیر معمولی ذہانت کی مالک تھی۔

ارم احمد..... لاوہ تحصیل تلہ گنگ

رسالہ انتہائی خوب صورت انداز میں چل رہا ہے 'سب سے خوب صورت' رنگا رنگ پھول' ہیں اور اس کے بعد تمام افسانے' ناولٹ' ناول وغیرہ بھی۔ عمیرہ احمد کب میدان میں اتریں گی؟ نمرہ احمد کو اللہ اور زیادہ اچھا لکھنے کی ہمت عطا فرمائے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے باوجود ناول بہت اچھا تھا۔ فائزہ افتخار نے ناول میں۔ سے مزاح کم کر دیا ہے' کیوں بھئی؟ سدرہ عمران کب تک رسالے سے دور رہو گی؟

ج ۔ ارم! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے خط شامل نہ ہو سکے فائزہ افتخار ہماری بہت اچھی مصنفہ ہیں۔ وہ جتنا اچھا مزاح لکھتی ہیں۔ سنجیدہ موضوعات پر بھی انہیں اتنا ہی عبور حاصل ہے۔ ان کا یہ ناول سنجیدہ موضوع پر ہے' اس لیے آپ کو مزاح کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ فائزہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ ماہ ایک مزاحیہ مکمل ناول لکھیں گی۔ تھوڑا سا انتظار کر لیں۔

مشال..... (ای میل)

ماڈل بس ٹھیک تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں ایک گہری تھکن تھی جو کم از کم مجھے اچھی نہیں لگی۔ اگر یوم آزادی کے حوالے سے ٹائٹل ہوتا تو بہت اچھا لگتا۔ اس بار میمونہ خورشید پہلے نمبر پر رہیں۔ نمرہ احمد کا ناول شروع میں تو متاثر کیا۔ مگر پھر ناول میں بہت عجیب سی تھکن اتر آئی' میں سمجھتی ہوں نمرہ کو یہ ٹاپک سوٹ نہیں کیا۔ پلیز نمرہ جی! برا نہ مانیے گا۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اور میں آپ کی فین ہوں۔ سلسلے وار ناول دونوں ہی بہت اچھے ہیں۔ باقی تحریریں بھی ٹھیک ہی تھیں۔ "روشن حرف وہ سارے" میں زینب چودھری کے جوابات اچھے لگے اور باقی سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح زبردست تھے۔ آخر میں ضروری بات پلیز امتل! نمرہ احمد کا ای میل ایڈریس دوبارہ دے دیں۔

ج ۔ مشال! نمرہ کا ای میل ایڈریس دیا جا رہا ہے
nemraha ahmed 90 hotmail . com
نمرہ کے ناول میں آپ کو تھکن محسوس ہوئی اچھا ہوتا کہ آپ تھکن کی وضاحت کر دیتیں۔
ہمیں افسوس ہے کہ ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا۔ اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

نورین ظفر خان..... لودھراں

صائمہ اکرم نے تو اس مرتبہ کمال ہی کر دیا۔ صد شکر کہ وہ یونیورسٹی کالج کی نٹ کھٹ' شرارتی ہیروئینوں سے نکل کر "انا" جیسی گھریلو۔ فرمانبردار اور تابعدار ہیروئن کو دریافت کر لائیں۔ نمرہ احمد کا "مہرالنساء" ایک یادگار تحریر ہے۔ ناول پڑھنے کے دوران ہم آگے ہونے والے واقعات کے بارے میں جتنے اندازے لگاتے گئے' وہ سب ایک ایک کر کے غلط ثابت ہوتے گئے۔ لیکن آخر کار آخری پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ مہرالنساء کے افسوسناک انجام کے باوجود ہماری تمام تر ہمدردیاں مسٹر حسان کے ساتھ ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کیا یا سوچا ایک فطری عمل تھا۔ حیرت تو ہمیں مہرالنساء صاحبہ پر ہوئی جو چار سال کی عمر میں بھی حسان کی ایک مادی خواہش کو محسوس کرتے ہوئے پانی کا گلاس پیش کر دیتی ہے' وہی مہرالنساء تیس چالیس سال کی میچور عورت ہونے کے باوجود حسان کی روحانی خواہش کو محسوس نہ کر سکی۔ لیکن شاید ہو سکتا ہے وہ اس وقت خود کو صرف ایک ماں ہی محسوس کر رہی ہو اور اسے شوہر کے احساسات کا عمل ہی نہ ہو سکا۔ بہرحال نمرہ احمد نے بہت خوب لکھا۔

رخسانہ نگار کا ناولٹ "ٹوٹا ہوا تارا" خوب صورت' جذبات' احساسات اور الفاظ کا مجموعہ تھا۔ وادی اماں کی زبان سے بیان کیا گیا داستان آزادی کا چھوٹا سا پیراگراف ہماری آنکھوں میں آنسو لے آیا۔ لیکن ایک بات جس نے کہانی کے تسلسل میں رخنہ ڈالا وہ عنیزے کا "حادثہ" ہے صفحہ نمبر 202 کے مطابق یہ حادثہ تب پیش آیا جب وہ یعنی ہادی اپنے پرانے گھر میں رہائش پذیر تھے۔ جبکہ صفحہ

نمبر 219 کے مطابق یہ حادثہ ان کے نئے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد ہوا.....!

بات کرتے ہیں انیسہ سلیم کی تحریر "پل صراط" کی۔ انیسہ صاحبہ نے قلم کا حق ادا کر دیا۔

اولیاء حسن' (ای میل)

خواتین ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا سجا سنورا۔ مگر ماڈل کی ادھ کھلی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ شاید آپ نے اسے سوتے سے جگا دیا ہے۔ نعیم خان کا انٹرویو بالکل پسند نہ آیا۔ رخسانہ نگار نے "محبت خواب سفر" کو بہت ہی غیر ضروری طول دے دیا ہے۔ اب اس کا خاتمہ کریں اور میڈم یاقوت کی بھی تو کہانی بتائیں۔ اب بات کروں کی نمرہ احمد کی "مہرالنساء" اتنا اچھا اور لمبا ناول۔ یقیناً" یہ ہمارے لیے سب سے بڑا گفٹ تھا۔ مگر میں اس حوالے سے چند باتیں آپ سے کرنا چاہتی ہوں اور اس کا بالکل بھی برا نہ مانیے گا نمرہ جی! جب مہرالنساء کو پتا تھا کہ حسان اتنا شکی مزاج ہے تو اس نے اپنی شادی اور بچے کا ذکر کیوں چھپایا؟ دوسرے اس نے مزید بچوں سے پرہیز کیا اور اس کی جو وجہ صارم نے آخر میں بتائی کم از کم میں اسے نہیں مانتی۔ وہ حسان سے اتنی محبت کرتی تھی تو اسے احساس ہونا چاہیے تھا کہ اس مرد کی زندگی میں صرف ایک رشتہ تھا اس کی بیوی کا اور اسے اس کی زندگی میں مزید رشتوں کا اضافہ کرنا چاہیے تھا۔ وہ خود غرض بن کر صرف اپنے بارے میں کیوں سوچ رہی تھی۔ آخری بات کہ مہرالنساء کو اپنی غلطیاں چھپانے کی عادت تھی اور وہ کسی کو وضاحت نہیں دے پاتی تھی تو کیا ضروری ہے کہ اس کا بیٹا بھی ایسا ہوتا؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ کی ماں کو اس بے دردی سے مار رہا ہو اور بیٹا کھڑا چپ چاپ دیکھتا رہے۔ 17 سال تو ویسے بھی جوشیلی عمر ہوتی ہے۔ ان حالات میں تو سگا باپ بھی مارے تو برا لگتا ہے وہ تو سوتیلا باپ تھا۔

فائزہ افتخار بھی اچھی آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں اور یہ وصی اتنا بے وقوف کیوں ہے؟ میمونہ خورشید کا ناولٹ بھی اچھا ہے کیپ اٹ اپ۔

ج ۔ اولیاء! ہمیں افسوس ہے ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا۔ مہرالنساء کوئی آئیڈیل ہیروئین نہیں تھی۔ بچپن میں ماں سے محرومی کی وجہ اس کی شخصیت میں بھی کئی کمزوریاں رہ گئی تھیں۔ وہ کسی کے سامنے اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتی تھی۔ حسان کو اس نے بہت مشکل سے پایا تھا اور وہ اسے کسی قیمت پر بھی کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے حسان کو اپنی شادی اور بچے کا بتا دیا تو وہ اپنی شکی فطرت کی بنا پر اس حقیقت کو قبول نہیں کر پائے گا۔ اسی لیے اس نے یہ بات حسان سے چھپائی۔
اس کے بیٹے نے حسان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن خود مہرالنساء نے چیخ کر اسے منع کر دیا تھا۔
دیگر مصنفین تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ج ۔ پیاری نورین! آپ کا پورا خط شائع نہیں کر سکتے لیکن بہت اچھا خط لکھا ہے آپ نے۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ ہماری قارئین بالغ نظر رکھتی ہیں اور باشعور مثبت سوچ کی مالک ہیں۔
نمرہ احمد کی کہانی میں آپ نے صحیح تجزیہ کیا ہے' ممتا کا جذبہ سب سے طاقت ور جذبہ ہے اور یہ کسی بھی عورت کے سارے جذبوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ مہرالنساء بھی اپنی ممتا سے ہار گئی تھی اور اپنے نوعمر بیٹے کو سامنے پا کر ہر بات بھول گئی تھی۔

کرن اعجاز..... ساہیوال

نمرہ احمد کا ناول "مہرالنساء" بہت زیادہ اچھا تھا باقی تمام پوائنٹس کلیئر تھے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ مہرالنساء دوبارہ ماں کیوں نہیں بننا چاہتی تھی بہت زیادہ کنفیوژن ہے پلیز بتائیے گا ضرور۔ صائمہ اکرم چوہدری نے بھی اچھا لکھا۔ انیسہ سلیم کے افسانے کا موضوع بہت اچھا تھا۔ "محبت خواب سفر" رخسانہ نگار! آپ کی تعریف کے لیے تو لفظ ہی نہیں ہیں۔

قارئین پر واضح کر دیں کہ مشہور رائٹر سعدیہ عزیز آفریدی کا نام استعمال کیا جا رہا ہے' ان کے نام سے مختلف پرچوں میں افسانے شائع ہو رہے ہیں' سعدیہ عزیز آفریدی صرف ہمارے ادارے کے پرچوں' خواتین ڈائجسٹ' ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں ہی لکھتی ہیں۔

www.pdfbooksfree.pk

ج :۔ کرن! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ نمرہ کے ناول میں مہرالنساء ماں نہیں بننا چاہتی تھی' اس کی بنیادی وجہ اس کی ذہنی کیفیت تھی۔ اپنے بیٹے کو جس طرح اس نے چھوڑا تھا۔ اس بناء پر وہ احساس جرم کا شکار تھی' خود کو سزا دینا چاہتی تھی۔ دیگر مصنفین تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

ڈاکٹر شبینہ مشتاق ..... رحیم یار خان

مجھے خط لکھنے سے پہلے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ پہلے میں مہرالنساء کی تعریف کروں یا اس بات کا تذکرہ کروں کہ میں کتنی پرانی قاری ہوں۔

خط لکھنے کی وجہ "مہرالنساء" ہے۔ جو مجھے میری بہت بہت پرانی دوست "مہر" کے پاس لے گئی جو مجھے خواتین شعاع تک لائی تھی۔

لکھنے والوں کی قلم کی طاقت پہ ہمیشہ رشک آتا ہے کہ کیسے اتنی روانی سے لکھ جاتے ہیں۔ جیسے مہرالنساء کا روھم اور بہاؤ۔ رب سے دعا ہے کہ نمرہ احمد بہت بہت لکھتی رہیں۔ (آمین)

ڈاکٹر ہونے کے ناتے میں نے اپنا فرض سمجھا قارئین کو ایک بات کے بارے میں آگاہ کیا جائے یہ ہی میرے پروفیشن (ڈاکٹری) کا تقاضا ہے کہ پڑھنے والوں کو تھالی رائڈ کے آپریشن کے بارے میں کچھ بتا دوں۔ وہ یہ کہ جس بیماری کی پیچیدگی کا تذکرہ اس ناول میں کیا گیا ہے اور آپریشن میں مرنے کا بتایا گیا ہے۔ تھالی رائڈ کے آپریشن میں اموات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور اس آپریشن میں مرنے کا تناسب بہت کم ہے۔ میں جن علاقوں میں کام کرتی ہوں وہاں تھالی رائڈ سے متعلقہ بیماریوں کی وجہ سے روز کئی مریض آتے ہیں۔ جن کو سرجری کا مشورہ بھی دیا جاتا ہے۔ گلے کے آپریشن کا سن کر ہی مریض آدھا مرجاتا ہے۔

اس ناول میں ایک کردار کے سامنے دو اموات کا پڑھ کر کئی لوگوں کا خوف کئی گنا ہو گیا ہو گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس بات کی وضاحت کردی جائے۔ یہ آپریشن بالکل بھی خطرناک نہیں ہے۔ اور اس میں زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

نادیہ امان ..... ڈیرہ اسماعیل خان

ٹائٹل پر براجمان ماڈل نے شاید زبردستی تصویر کھنچوائی تھی۔ کرن کرن روشنی ہر سو کرنیں پھیلا رہا ہے۔ بہت پیارا سلسلہ ہے۔ مکمل ناول میں نمرہ احمد کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "مہرالنساء" واہ نمرہ جی کیا خوب لکھا۔ سپر بہت بہت پسند آیا۔ باقی ناولٹس اور افسانے اپنی جگہ ٹھیک رہے۔ مستقل سلسلے سب ہی لاجواب ہیں۔ انٹرویوز مجھے بالکل اچھے نہیں لگے۔ اور کلیاں اور شگوفے کی کیا ہی بات ہے۔ اور پکوان اس دفعہ مزے کے تو تھے۔ لیکن مہنگے بھی تو تھے۔ نفسیاتی الجھنوں میں عدنان بھائی بہت ثواب کما رہے ہیں۔

ج :۔ پیاری نادیہ! آپ نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی آپ کا اور آپ کے شہر کا نام آپ کے انتخاب پر شائع نہ ہو سکا۔ اس کے لیے معذرت۔

سیدہ فائزہ شاہ ..... بھلوال

اپنے ہی ضلع کی سیدہ آل زہرا زیدی کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا اور یہ سچ ہے جہاں سے اناج حاصل کرنا ہوتا ہے وہاں لوگ گاڑیاں پارک کرنے لگے ہیں جہاں میں نے اپنی شعور کی آنکھ کھولی' وہاں بھی ہرے کھیت تھے۔ ڈیرہ ہوا کرتا تھا مگر آج وہاں ان گنت کوٹھیاں تعمیر ہو چکی ہیں۔ میرے ابو جی بتاتے ہیں کہ اس ڈیرے کے مالک سے لوگ پوچھتے تھے کہ چوہدری صاحب! اس بار کیا فصل بو رہے ہیں تو کہتا تھا "جناب گاڑیاں بو رہے ہیں" کتنا سچ کہتا تھا وہ چوہدری۔

4 مین شو کے کامیڈین کا انٹرویو پڑھا۔ ہر تیسرے سوال کا جواب بہت عجیب لگا۔ چلیں چھوڑیں' اب تو آدھے سے زیادہ قوم اتنی ہی نان سیریس ہو چکی ہے۔

اب بات ہو جائے نمرہ احمد کے قلم سے لکھی گئی تحریر "مہرالنساء" کی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ نمرہ احمد ٹین ایجر ہیں مگر اندر تحریر بہت منجھا ہوا ہے شاباش نمرہ!

ج :۔ فائزہ! جس مسئلہ پر آپ نے توجہ دلائی ہے۔ کھیتی باڑی کے لیے مختص زمینیں جس طرح رہائشی بنا دی گئی ہیں بلاشبہ یہ بہت اہم مسئلہ ہے اور ہماری حکومت کو سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ ورنہ ہم اناج کے ایک ایک دانے کو ترسیں گے۔

نمرہ احمد کے بارے میں آپ کا اندازہ صحیح ہے۔ وہ اسے لیول کر رہی ہیں۔ فہیم خان کے بارے میں آپ کو یاد دلا دیں کہ وہ کامیڈین ہیں۔

افشاں شمع حاجی جعفر ..... کراچی

افسانوں میں سب اچھے تھے۔ ناولٹ میں "راستے کی تلاش میں" سب سے اچھا تھا۔ فنٹاسٹک ویسے رخسانہ نگار کا ناولٹ بھی زبردست تھا۔ اس کے بعد مکمل ناول میں کیا کہوں' الفاظ نہیں ہیں ہماری نمرہ احمد کے ہاتھ میں جادو ہے یا قلم میں جادو جو بھی ہے۔ آپ نے بہت زبردست لکھا انٹرویو میں فہیم خان کا انٹرویو پسند آیا باقی سب اچھا تھا میری بہن (افشاں) کی ایک فرمائش ہے کہ فرحت اشتیاق سے کوئی کہانی لکھوائیں۔

ج :۔ افشاں شمع! آپ کی فرمائش پر فرحت اشتیاق کا ناول شائع کیا جا رہا ہے۔ رخسانہ نگار اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچائی جا رہی ہے۔

یاسمین کنول ..... پسرور

سرورق کی حسینہ ہلکے ہلکے میک اپ میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ فہیم خان سے باتیں اچھی لگیں "محبت خواب سفر" اچھا جا رہا ہے۔ اگست کے شمارے کی بہترین تحریریں "ٹوٹا ہوا تارا" اور "اپنے حق میں" رہیں۔ مستقل سلسلے تو ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔

ج :۔ یاسمین! بہت شکریہ۔ آپ نے خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھتی رہیں گی۔

فرخندہ انجم ..... لاہور

خواتین کا اور ہمارا برسوں پرانا ساتھ ہے اور خط بھی برسوں کے بعد لکھ رہی ہوں۔ پرانے لکھنے والے کمال تھے تو نئے لکھنے والوں نے بھی ثابت کر دیا ہے۔ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔

تمام سلسلے اچھے جا رہے ہیں۔ نمرہ احمد کو میری بہت دعائیں۔ اسی طرح لکھتی رہو۔ رخسانہ نگار عدنان' فائزہ افتخار اور انیسہ سلیم بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔

ج :۔ فرخندہ! ایک مدت بعد یاد کیا بہت شکریہ۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں ہمیشہ بہترین لکھنے والوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔

نمرہ احمد اور انیسہ سلیم نئے لکھنے والوں میں بہت اچھا اضافہ ہیں۔ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ایس مامن ..... ملکوال

اتنے عرصے بعد جس نے مجھے دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ میمونہ خورشید علی کا ناولٹ ہے۔ سب پر چھا گئی ہیں۔ "تیری گلیاں" فائزہ جی شروع میں سمجھ میں ہی کچھ نہیں آتا تھا۔ مگر اب کافی حد تک دلچسپ ہو گیا ہے اور اب پلیز اس کی اسپیڈ بڑھایے۔ رخسانہ نگار آپی آپ کی تو کیا ہی بات ہے۔ سچ بتاؤں' آپ نے ایک دفعہ بھی بور ہونے کا موقع نہیں دیا۔ باقی ناولٹ افسانے سب اچھے تھے۔ انیسہ سلیم جی سیانی' سیانے کے لیے اتنا انتظار کیوں کرواتی ہیں اور صائمہ اکرم آپی سب سے پہلے آپ کو پڑھتی ہوں۔ مکمل ناول "مہرالنساء" بہت زبردست تھا۔ بہت رونا آیا۔ آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔ وہ یہ کہ یہ جو رائٹر نمرہ احمد ہیں۔ یہ جو اکثر لکھتی ہیں نمرہ اقراء یہ ان میں سے کوئی ہیں یا کوئی اور ہیں۔ پلیز خبریں دیریں کو ختم کر کے کوئی اور اچھا سا سلسلہ شروع کریں۔ 4 مین شو کے کامیڈین فہیم خان کا انٹرویو پڑھ کر بہت مزا آیا۔ آخر میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی کہ آپ لوگوں نے خواتین میں تین ایسے سلسلے شروع کر رکھے ہیں کہ جس میں خواتین جوابات لکھ کر بھیجتی ہیں۔ تو کیا میں بھی ان میں شامل ہو سکتی ہوں؟

ج: ایس مامن! خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ میمونہ خورشید علی اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔ آپ خواتین کے تمام سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں۔ نمرہ احمد مقبول مصنفہ ہیں۔ ان کی کئی تحریریں شائع ہو چکی ہیں جبکہ نمرہ اقراء ہماری قاری ہیں۔ جو پرچے کے مختلف سلسلوں میں شرکت کرتی ہیں۔

کنزیٰ اعوان ..... جوہر آباد

خط لکھنے کی وجہ انیسہ سلیم ہیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں انہیں خراج تحسین پیش کروں۔ میں اتنے عرصے سے ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں' مجھے انیسہ جیسی ایک بھی رائٹر نظر نہیں آئی۔

ایک اپنا پن' ایک خلوص ہوتا ہے ان کی تحریروں میں۔ خاص طور پہ ان کی تحریر "صراط" اس کے علاوہ رخسانہ نگار

www.pkdigest.com

میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ فرحت اشتیاق، نمرہ احمد اور عمیرہ احمد بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ میمونہ خورشید علی کی "کسی راستے کی تلاش میں" دل آویز کا کردار کا جو مسئلہ ہے اس مسئلے کا حل ضرور بتانا ہے کیا نفسیاتی علاج یا کسی اور طریقے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟

ج: کنزیٰ! دل آویز کا مسئلہ خالص نفسیاتی ہے اور اچھے ڈاکٹر سے علاج کرایا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ انیسہ سلیم اور دوسری مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

عفت سعود..... جوہر آباد، ضلع خوشاب

اگست کے خواتین کا سرورق بہت اچھا لگا خواتین کب پڑھنا شروع کیا اس کا اندازہ نہیں جس کہانی نے ہمیں خط لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے نمرہ احمد کا مکمل ناول "مہر النساء" بہت ہی زبردست ناول تھا لیکن یہ بات عجیب لگی کہ اتنی سی عمر میں چھوٹی بچی کی باتیں بالکل بڑوں سی لگیں۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے میمونہ خورشید علی کی کہانی "کسی راستے کی تلاش میں" بھی بہت زبردست جا رہی ہے آخری قسط کا انتظار ہے۔ نوشین شاہ فہیم خان اور عرفان کھوسٹ کی باتیں پسند آئیں۔ رخسانہ نگار، سمائرہ اکرم اور ثروت نذیر کے ناولٹ بھی اچھے لگے۔ افسانے بھی بہت پسند آئے آپ سے فرمائش ہے کہ اداکار اسد ملک اور عدنان صدیقی کا انٹرویو شامل کریں۔

ج: پیاری عفت! خوش آمدید آپ نے جس طرح خط لکھا ہے اسی طرح ناول افسانہ لکھیں۔ آپ کا لکھنے کا طریقہ صحیح ہے۔ خواتین ڈائجسٹ شعاع اور کرن کا ایڈریس ایک ہی ہے۔ جس ایڈریس پر خط بھجوایا ہے اسی پر اپنی دیگر تحریریں بھجوائیں۔

آپ کو مہر النساء کی باتیں بڑوں جیسی لگیں۔ شاید آپ نے غور سے نہیں پڑھا مہر النساء اپنی عمر سے زیادہ ذہین تھی اور اس کا اظہار بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ مصنفہ نے اس کی کئی جگہ وضاحت کی ہے وہ بہت بچپن میں ہی اپنے والد کا خیال رکھنے لگی تھی۔ اسکول میں داخل کراتے ہوئے اس کی دادی نے کہا تھا "میری مومو کا ذہن اس کی عمر سے آگے ہے۔" حسان سے دوستی ہونے کے بعد وہ اسی کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔ اس لیے وہ بڑوں جیسی باتیں کرتی تھی۔

انٹرویو کی فرمائش نوٹ کر لی ہے۔ پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

تسلیم، حنا، تحسین..... سرکلاں چکوال

آج جس کہانی نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ ہے "کسی راستے کی تلاش میں" اس میں حور کا جو کردار ہے وہ خوب صورت ہے۔ درِ ثمن کہاں گم ہیں پلیز انہیں واپس بلوائیں۔

"ٹوٹا ہوا تارہ" رخسانہ نگار کا بہت اچھا ناولٹ تھا اور صائمہ اکرم کا "آنکھوں کے پار چاند" نمبر ون رہا باقی سارے ناولٹ اور افسانے اچھے تھے کرن کرن روشنی بہت اچھا جا رہا ہے اس سے ہمیں بہت اچھی معلومات مل رہی ہیں۔

ج: تسلیم، حنا اور تحسین! یاد آوری کا شکریہ۔ درِ ثمن جہاں بھی ہیں۔ آپ کی آواز ان تک ضرور پہنچے گی اور وہ آپ کے لیے لکھیں گی فی الحال شاید مصروفیات مہلت نہیں دے رہی ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

میری خامشی کو بیاں ملے

ادارہ

عائشہ رابی گلاڑکانہ

جب شب کی تیرگی میں زمانہ ہو محو خواب
دل کے حرم میں تجھ کو پکارا کریں گے ہم

1۔ نام تو میرا عائشہ ہے لیکن سب دوستیں کزنز وغیرہ پیار سے مجھے رابی کہتی ہیں۔ میں اپنی کزنز اور فرینڈز کی بہت پیاری بقول ان کے تجربات میں "سینئر" فرینڈ ہوں ان کی۔ سندھ کہ شہر لاڑکانہ سے میرا تعلق ہے۔ تعلیم میں میٹرک تک ہی حاصل کر پائی اس کے آگے گھر والوں کی طرف اجازت ہی نہیں ملی۔ کچھ ہم بھی بچے سے تھے اور خواتین ڈائجسٹ سے آشنائی بھی کچھ ان ہی دنوں میں ہوئی تھی تو ہم نے بھی کچھ پڑھائی کے لیے زیادہ اصرار نہیں کیا بلکہ ہنسی خوشی تعلیم کو خیر آباد کہہ کر گھر بیٹھ گئے۔

مشاغل۔ میرے کچھ خاص نہیں بس مطالعہ پھر اس میں بہت سی کتابیں آجاتی ہیں بھی اسلامی، کبھی شاعری کی تو کبھی ناولز اور خواتین ڈائجسٹ شعاع تو زیر مطالعہ ہوتی ہی ہیں۔ گھر کے کام، فرینڈز کہ ساتھ فون پر گپیں لڑانا۔ میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ ہے کیونکہ مجھے اپنی دوستیں بہت عزیز ہیں۔ اور ایف ایم 101 لاڑکانہ سننے کا بھی بہت شوق ہے۔

2۔ ہر انسان میں اگر خوبیاں ہوتیں ہیں تو خامیاں بھی ضرور ہوتی ہیں اور میں بھی ایک نارمل انسان ہی ہوں۔ میں اپنی دوستوں سے اپنے لیے یہ جملہ اکثر سنتی ہوں کہ "تم بہت اچھی ہو یار! بہت خیال کرنے والی" بہت سے لوگوں کو یہ بھی غلط فہمی ہے کہ میں معصوم سی ہوں۔ اب کوئی صبا (میری دوست) سے پوچھ لے کہ میں کتنی معصوم ہوں۔

جہاں تک خامیوں کی بات ہے تو وہ تو بہت ساری ہوں گی پر کبھی کسی نے بہت احساس نہیں دلایا۔ میری امی مجھے لاپروا کہتی ہیں اور میری دوستیں کہتی ہیں کہ مجھے غصہ بہت کم آتا ہے پر آتا ہے تو بہت خطرناک قسم کا آتا ہے۔ اور مجھے خود میں یہ خامی سی لگتی ہے کہ میں ہر کسی پر بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ لگتا ہے یہ اجتماعی مسئلہ بن چکا ہے لڑکیوں کا۔ پسندیدہ عادات میں ایف ایم سننا، کتابیں پڑھنے کا جنون ہے ناولز وغیرہ شاعری اور مجھے اپنی یہ عادت بہت پسند ہے کہ میں سب کا بہت احساس کرتی ہوں ہر بات میں اور میں خود بھی بہت حساس ہوں۔

3۔ خواتین ڈائجسٹ سے تعلق بہت پرانا ہے۔ جب میں نے آٹھویں کا امتحان دیا تھا تو امی کے پرانے ٹرنک سے بے شمار کتابیں نکلیں جن میں خواتین ڈائجسٹ کافی تعداد میں تھے۔ بس تب سے پڑھنا شروع کیا اور اپنے ہاکر کو بھی کہہ دیا کہ ہر مہینے دے کر جائے دسمبر 1998ء کا میں نے پہلا ڈائجسٹ اپنا ذاتی طور پر لیا پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا اور اب 2008ء تک جاری ہے۔ اتنے عرصے تک میں نے بے شمار کہانیاں پڑھیں۔ لیکن جو مجھ سے بھلائے نہیں بھولتیں وہ ہیں عمیرہ احمد کا "وہ جو اک صبح کا تارہ تھا" راحت جبیں کی "خوشبو جیسی ساعتیں" ماہا ملک کی "میرے خواب ریزہ ریزہ" راحت جبیں کی "کونپلوں کے پھول بننے تک" اور سعدیہ چوہدری کی "میری آنکھ میں یہ جو رات ہے" مجھے بہت بہت پسند آئی تھیں۔

4۔ سالگرہ پہلے مناتی تھی اب نہیں، ہاں رات کے بارہ بجتے ہی سب دوستیں وش ضرور کرتی ہیں۔ موبائل پر میسجز اور کالز بہت خوش کر دیتی ہیں۔

گفٹ تو بہت سے ملتے ہیں مگر پچھلے سال شازی کا گفٹ

www.pkdigest.com

مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے سرپرائز دیا تھا۔ وش تو اس نے کر دیا تھا پر گفٹ نہیں بھیجا تھا عام طور پر وہ اگلے دن ہی گفٹ بھیجتی تھی پر اب کی بار اس نے دو ہفتوں بعد گفٹ بھیجا تو میں حیران ہو گئی اور بہت خوش بھی۔

5 ۔ شاعری تو بہت پسند ہے۔ امجد اسلام امجد سے بھی بہت انسپائر ہوں۔ ان کی آزاد نظم "فریب تماشا" کی دو لائنیں مجھے بہت پسند ہیں کہ۔

کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے۔
یہ جو ہمارے ہاتھ ہیں ان کو ہم
بس مل سکتے ہیں
لاحاصل کا غم ہی ان کی دولت ہے

اور یہ شعر مجھے بہت پسند ہے۔

کیسی محبت کیسی چاہت ' ہم پر سب کچھ روشن ہے
یونہی ذرا سا شوق ہوا تھا آؤ دل برباد کریں

اس سال کتاب پڑھی تھی نسیم سحر قریشی کا مکمل ناول "میرے دل میرے مسافر" بہت اچھی لگی اور "قصص الانبیاء" بھی یہ کتاب پڑھ کر ایمان روشن ہو گیا جیسے۔

ڈاکٹر عنبرین صبوحی ۔۔۔ رحیم یار خان

1 ۔ میرا نام عنبرین ہے' رحیم یار خان میں رہتی ہوں ڈاکٹر ہوں۔ ذہنی اور شعوری لحاظ سے تو تعلیم تمام عمر جاری رہتی ہے۔ اصل علم انسان' حالات مشاہدے اور تجربے سے سیکھتا ہے۔ کوکنگ کرنا' گھر کے سب کام' سب کے لیے شاپنگ بھی خود کرتی ہوں۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے جو کچھ ہاتھ لگ جائے پڑھ لیتی ہوں نہ صرف پڑھنے سے دلچسپی ہے بلکہ مختلف ڈائجسٹ میں میرے افسانے و تبصرے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے پسند بھی کیے جاتے ہیں۔

2 ۔ سوچنا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھنٹوں سوچنا' کڑھنا اور پھر پریشان رہنا۔ میری خامی تھی لیکن اب میں نے اس خامی پر قابو پا لیا ہے کیونکہ Tension لینے کا نہیں آج کے دور میں Tension دینے کا نام ہے۔ حد سے زیادہ رحم دل ہوں اس لیے ہمیشہ نقصان اٹھاتی ہوں۔ قوت برداشت بہت ہے' صابر ہوں ہر طرح کے حالات میں کمپرومائز کر لیتی ہوں۔ اللہ سے ہر پل دعا ہے جو میرے بارے میں اچھا سوچے اللہ تو ان کے ساتھ اچھا معاملہ کر اور جو میرے لیے برا سوچے اے اللہ تو بھی تو ہی اسے سنبھال! خاموش ماحول اچھا لگتا ہے۔ بولتی زیادہ نہیں مگر تخلیقی شعور کی وجہ سے سوچتی زیادہ ہوں۔ حساسیت اور رویوں کے ہاتھوں سرد مزاج ہو گئی ہوں مختصراً "عرض ہے کہ

اچھی ہوں یا بری اپنے لیے ہوں
میں خود کو دیکھتی نہیں اوروں کی نظر سے

3 ۔ بھئی جس ماہ جو اچھا لکھے میں تو اسی کی فین ہو جاتی ہوں میری بے ترتیب زندگی کو سمیٹنے میں اگر کسی چیز کا عمل دخل ہے تو وہ ہے مطالعہ۔ میں جب بھی اقوال زریں یا کوئی اچھی کتاب پڑھتی ہوں تو پڑھنے سے پہلے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیتی ہوں کہ آج ان میں سے کوئی ایک بات مجھے اپنانی ہے اور اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں نے میری بہت سی شخصی کمزوریاں دور کرنے میں میری مدد کی ہے کیونکہ کوئی اچھی نصیحت کرنے والے کی وہ اس کی زندگی کا نچوڑ ہوتے ہیں اور اس کا ایک قطرہ بھی ہماری زندگی میں شامل ہو جائے تو مٹھاس بھر دیتا ہے اور اس مٹھاس کے لیے خواتین ڈائجسٹ ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ میرا اور خواتین کا ساتھ خاصا پرانا ہے۔

میری ایک خالہ ہیں شریں خالہ' جو چیچہ وطنی میں رہتی ہیں چھٹیوں میں جب وہ صادق آباد آتی تھیں تو سارے سال کے رسالے اکٹھے کر کے ہمارے لیے لاتی تھیں (کیونکہ امی نے کبھی رسالے پڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی خریدنا تو دور کی بات ہے) اسی طرح پڑھتے پڑھتے ایک دن رائٹر بھی بن جائیں گے کبھی سوچا نہ تھا۔

4۔ میں اپنے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ اپنی ہر خوشی شیئر کرتی ہوں اپنے سے منسلک ہر فرد کے ساتھ مل کر کامیابیاں خوشیاں سیلیبریٹ کرتی ہوں۔ اپنے بہن بھائیوں کی ہر خوشی پر میں انہیں وش کرنا نہیں بھولتی۔ 27 اپریل 2007ء کو صبح ہی سے میں سب بہنوں بھائیوں کی فون کال کے انتظار میں تھی کہ سب سے پہلے کون مجھے وش کرے گا کہ موبائل کی SMS ٹون ہوئی جب دیکھا تو ملتان سے میری دوست کا برتھ ڈے SMS تھا۔ کئی دنوں کی ناراضی تھی اس سے جو اس کے SMS ملتے ہی' انا ایک طرف بس جھٹ سے کال بیک کی اور ناراضی ختم!

اسی شام میری چھوٹی چھوٹی بھانجیاں ربیعہ اور لائبہ میرے لیے گفٹ لائیں' میں نے ہمیشہ بچوں کو گفٹ دیا

تھا۔ پہلی دفعہ بچوں سے گفٹ لے لیا اس معصوم سے جملے کے ساتھ کہ "خالہ! یہ آپ کی برتھ ڈے گفٹ ہم نے اپنے پیسوں سے لیا ہے۔ صرف آپ کے لیے" اور اس وقت سب بچوں کی آنکھوں میں اپنے لیے ڈھیر سارا پیار دیکھ کر ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوئی۔

5۔ فیورٹ اشعار کی فہرست تو بہت طویل ہے مگر "ایک" نے مشکل میں ڈال دیا۔ مگر ایک شعر نہیں نظم حاضر ہے۔ شاعر نامعلوم۔

وقت رخصتی دل کا
عجب عالم تھا مت پوچھو!
بہت سے خوف تھے دل میں
قدم مشکل سے اٹھتے تھے
نہ آنسو میرے رکتے تھے
تڑپ کر میں یہ کہتی تھی
یہ ہیں اجنبی انجان
نہیں جانا' مجھے روکو
میرے بھائی! میرے ابو!
خدا کے واسطے روکو
زمانہ یوں بھی بدلا ہے
یہ میرا دل ہی پگلا ہے
جواب ہر دم یہ کہتا ہے
میرے بچے' میرا ساجن
ان پر وار دوں میں تن من
یہ کہنا ہے اس دل کا
میری جنت میرا گھر ہے

ثمرین ثناء غازی ۔۔۔ شورکوٹ کینٹ

1 ۔ میرا نام ثمرین ثناء ہے مگر سب ثناء ہی پکارتے ہیں۔ ضلع جھنگ کے ایک ترقی پذیر علاقے شورکوٹ کینٹ سے تعلق رکھتی ہوں جو کہ ایک پرسکون علاقہ ہے۔ جہاں نہ ٹریفک کا شور ہے اور نہ ہی ہر پل زندگی ختم ہونے کا خوف جو کہ آج کل بم دھماکوں سے بڑھتا جا رہا ہے۔ حال ہی میں بی اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ میرا مشغلہ ناول' ڈائجسٹ اور مختلف کتابیں پڑھنا ہے اور کوکنگ بہت اچھی کر لیتی ہوں اور بہت زیادہ شوق بھی ہے مختلف ڈشز بنانے کا۔

2 ۔ خوبیاں' خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں مگر ان کا درست اندازہ تو جاننے والے ہی لگا سکتے ہیں میری خوبی یہ ہے کہ میں کسی کے لیے بھی دل میں کینہ اور بغض نہیں رکھتی۔ صاف گو اور صاف دل ہوں۔ خامی یہ ہے کہ اعتبار بہت جلد کر لیتی ہوں ہر ایک پر۔ پسندیدہ عادت یہ ہے کہ میں بہت جلد معاف کر دیتی ہوں چاہے کوئی میری کردار کشی تک بھی کرے۔ دل صاف کر لیتی ہوں اور بہت زیادہ خیال رکھنے والی ہوں۔

3 ۔ خواتین ڈائجسٹ کو مکمل طور پر تو میں نے میٹرک کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا۔ مگر اب تک تمام رسائل پڑھ چکی ہوں۔ پہلے پہل تو میں ڈائجسٹ چھپ کے پڑھتی تھی کیونکہ پرمیشن نہیں تھی۔ مگر اب میں باقاعدہ تینوں ڈائجسٹ کا مطالعہ شوق سے کرتی ہوں۔ بلکہ میرے دل کے لیے یہ ایک علمی سرمایہ ہے جو کہ میرے علم کو زنگ لگنے سے بچا رہا ہے۔

اب تک کی تحریر میں مجھے عمیرہ احمد کے تمام ناولز جو کہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی نے متاثر کیا ہے۔ ان کا ناول "پیر کامل" انتہائی زبردست ہے۔

4 ۔ میں چونکہ سات بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن ہوں اس لیے بچپن میں سالگرہ لازماً "مناتی تھی۔ اب مجھے میری فرینڈز وش ضرور کرتی ہیں اور دعائیں دیتی ہیں۔

5 ۔ میرا پسندیدہ شعر ہے۔

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ
چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ

عمیرہ احمد میری پسندیدہ رائٹر ہیں ان کا نعم البدل کوئی نہیں ہو سکتا۔

روح کی گہرائیوں کو چھو لیتی ہے ان کی تحریر بہت باذوق اور محترم خاتون ہیں اس سال میں نے "تھوڑا سا آسمان" پڑھی ہے کیونکہ قسط وار پڑھ نہ سکی تھی۔ بہت زبردست ناول ہے۔

www.pkdigest.com

کلیاں اور شگوفے

فاطمہ ثانی

سفر شمال کے

ان کی کوئی آواز نہ تھی۔ وہ صرف ذرا سا ہنسی تھیں۔ بولتی نہ تھیں۔ شاید اگونگی ابابیلیں تھیں اور شاید اس لیے نہ بولتی تھیں کہ ان کی چونچوں میں کنکر تھے۔ لیکن کس کے لیے؟ ہاں اگر ان لاکھوں ابابیلوں کی چونچوں میں ایک ایک پتھر بھی ہو تو وہ پوری تہذیب کی تباہی کے لیے کافی تھا۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہم اوپر نہیں دیکھتے ہم اپنے آپ میں مگن ہوتے ہیں۔ اپنے تکبر میں اتنے ڈوبے ہوتے ہیں ہم موت کو یاد نہیں رکھتے اور کبھی اوپر نہیں دیکھتے۔

ہم انصاف اور سچ کے کھیت برباد کرتے چلے جاتے ہیں انسانوں کو دکھ دیتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور کبھی اوپر نہیں دیکھتے۔

کیونکہ اگر ہم اوپر دیکھ لیں تو وہاں لاکھوں ابابیلیں منتظر ہیں وہ بولتی نہیں کیونکہ ان کی چونچوں میں کنکر ہیں۔ شاید قدرت بھی ہم سے تنگ آچکی ہے اور پھر ایک بڑی تبدیلی چاہتی ہے جس پر ہمارا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

اور ہم اوپر نہیں دیکھتے جہاں لاکھوں ابابیلیں پہلو بدل رہی ہیں۔

(مستنصر حسین تارڑ۔۔۔"سفر شمال کے") صبا خان فرام ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہم لڑکیاں

ہم کیا جانیں ہم کون ہیں؟ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ ہماری گردنوں میں تو نظر نہ آنے والے دھاگے بندھے ہوئے ہیں اور پردے کے پیچھے چھپے ہوئے ہاتھ کبھی ان دھاگوں کو اوپر کھینچتے ہیں اور کبھی گرا دیتے ہیں۔

ہم تو آٹے کے چراغ ہیں جن کو کسی نہ کسی کی خوراک بننا ہے۔

(قراۃ العین حیدر)

نیک بخت سراجی ڈیرہ اسماعیل خان

قاتل سپاہی

دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے ہیں 'جون کا مہینہ ہے' سمن آباد کی گلیوں میں ایک ڈاکیہ پسینے میں شرابور بوکھلایا بوکھلایا سا پھر رہا ہے محلے کے لوگ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں' اصل میں آج اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن ہے۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر ایک پرچون والے کی دکان کے پاس سائیکل کھڑی کر کے دکان دار کی طرف بڑھتا ہے۔

"قاتل سپاہی کا گھر کون سا ہے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

دکان دار کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے ابل پڑیں۔

"قتی..... قاتل سپاہی..... ! مم مجھے کیا پتا؟" اس نے جلدی سے دکان کا شٹر گرا دیا۔

ڈاکیہ پھر پریشان ہو گیا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ کسی طریقے سے قاتل سپاہی کا پتا چل جائے لیکن جو کوئی بھی اس کی بات سنتا' چپکے سے کھسک جاتا۔ ڈاکیہ نیا تھا۔ جان نہ پہچان اور اوپر سے قاتل سپاہی کے نام کی رجسٹری آخر وہ کرے تو کیا کرے کہاں سے ڈھونڈے قاتل سپاہی کو؟

اس نے پھر سے نام پڑھا نام اگرچہ انگلش میں تھا لیکن آخر وہ بھی مڈل پاس تھا' تھوڑی بہت انگلش سمجھ سکتا تھا بڑے واضح الفاظ میں۔

"قاتل سپاہی' غالب اسٹریٹ' سمن آباد" لکھا ہوا تھا۔

دو گھنٹے تک گلیوں کی خاک چھاننے کے بعد وہ ہانپنے لگا' پہلے روز ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب وہ اپنے پوسٹ ماسٹر کو کیا منہ دکھائے گا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا اور پانی کی طلب محسوس ہوئی وہ بے اختیار اٹھا اور گھر کے دروازے پر لگی بیل پر انگلی رکھ دی۔ اچانک اسے زوردار جھٹکا لگا۔ جھٹکے کی اصل وجہ یہ نہیں تھی کہ بیل میں کرنٹ تھا بلکہ بیل کے نیچے لگی ہوئی نیم پلیٹ پر انگلش میں "قاتل سپاہی" لکھا ہوا تھا۔

خوشی کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ اتنی دیر میں دروازہ کھلا اور ایک نوجوان باہر نکلا۔ ڈاکیے نے جلدی سے رجسٹری اس کے سامنے کر دی۔

"کیا آپ ہی کا یہ نام ہے؟"

نوجوان نے نام پڑھا اور کہا "نہیں..... ! یہ میرے دادا ہیں۔"

ڈاکیے نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا نام ہے ان کا؟"

نوجوان نے بڑے اطمینان سے کہا "قتیل شفائی"

QATIL SHIPHAI

(گل نوخیز اختر کی "NO خیزیاں" سے اقتباس)

شبانہ ستار' شخوابین

مصلحت

میں نے عرض کیا "سر! شاید آپ کو معلوم نہیں دنیا کے تمام طاقتور' صاحب اقتدار' صنعت کار کے اہل خانہ کسی نئی' حیران کن اور شدید بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔

جو میڈیکل سائنس کے لیے نیا ہوتا ہے' آپ چونکہ پاکستان کے امراء میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا آپ کی بیگم صاحبہ بھی قدرت کے اس قانون کا شکار ہو گئیں۔"

انہوں نے پہلو بدلا اور ٹھنڈے لہجے میں بولے "لیکن کیوں؟ میں مصلحت جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر عرض کیا "سر! اس میں قدرت کی تین مصلحتیں ہوتی ہیں اول بڑے لوگوں کی تکلیف بنیادی طور پر صدقہ جاریہ ہوتا ہے' امیر لوگ جب کسی حیران کن بیماری کا شکار ہوتے ہیں تو دنیا بھر کے سائنس دان' ڈاکٹر اس بیماری پر ریسرچ شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ دنیا کے دوسرے بڑے لوگوں کو دیکھیے۔

انیسل کمپنی کا مالک اینڈریو گرو' پرسٹریٹ کینسر کا مریض ہے اس نے اس مرض کے علاج کے لیے اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ وقف کر رکھا ہے' اس وقت دنیا کی گیارہ بڑی پارٹیاں اینڈریو گرو کے لیے علاج دریافت کر رہی ہیں ذرا سوچیے جب یہ علاج دریافت ہو گا تو کتنے عام لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

اسی طرح دنیا کا امیر ترین شخص بل گیٹس بھی ایک عجیب مرض کا شکار ہے وہ دودھ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ بل گیٹس ہر وقت دودھ پیتا رہتا ہے۔ سائنس دان اس عجیب و غریب بیماری کے بارے میں تحقیق کر رہے ہیں اس تحقیق کے تمام تر اخراجات بل گیٹس برداشت کر رہا ہے۔

دنیا کا پانچواں امیر ترین شخص شہزادہ ولید بن طلال ٹکٹکی کے مرض کا شکار ہے اس کی آنکھوں کی پتلیاں حرکت نہیں کرتیں اس وقت اس مرض پر تحقیق ہو رہی ہے اور اس تحقیق کے اخراجات بھی شہزادہ طلال برداشت کر رہا ہے آپ ذرا سوچیے جب اس مرض کا علاج دریافت ہو گا تو اس سے کتنے لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

وہ خاموشی سے میری بات سنتے رہے میں نے عرض کیا۔ "سر! بیگم صاحبہ کی اس بیماری میں اللہ کی تیسری مصلحت بھی پوشیدہ تھی آپ ذرا یاد کریں جب آپ ہسپتال جاتے ہوں گے تو وہاں کتنے ناداروں کو بیگم صاحبہ کا صدقہ اور خیرات کرتے ہوں گے' یوں وہ بھی دوائی لے لیتے ہوں گے' آپ لوگوں کو یاد کیجیے۔" میں خاموش ہو گیا۔

انہوں نے سر اٹھایا اور مسکرا کر بولے "واقعی میں نے ان پہلوؤں پر کبھی غور نہیں کیا تھا' جب آپ گفتگو کر رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ مجھے اپنی بیگم کے نام سے کینسر کا ایک ہسپتال بناؤں' جس میں غریبوں کا مفت علاج ہو اور مجھے ایک ایسا میڈیکل کالج بھی بنانا چاہیے' جس میں ڈاکٹروں کو کینسر کی اسپیشلائزیشن کرائی جائے۔ بس ڈاکٹروں سے یہ وعدہ لیا جائے وہ زندگی بھر غریبوں کا مفت علاج کریں گے۔" ان کے الفاظ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے عرض کیا۔

"سر! یہ تھی اللہ کی وہ مصلحت جس تک لے جانے کے لیے آپ کو آپ کو چار سال تکلیف اٹھانا پڑی۔"

(کتاب "زیرو پوائنٹ" سے' مصنف جاوید چوہدری انتخاب)

(سیدہ فائزہ شاہ)

www.pkdigest.com

خاتون کی ڈائری

فرزانہ ناز قریشی کی ڈائری سے

احمد فراز کی لطافت، سرمستی اور سوز و ساز میں ڈوبی ہوئی غزلیں ایک ایسی رومانوی فضا تخلیق کرتی ہیں جہاں غمِ دوراں کا گزر نہیں ہوتا۔ لیکن فراز صرف رومانوی شاعر نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں ایک سچا دل رکھنے والے انسان کے احساسات کو زبان دی ہے۔ فراز نے اس غزل میں وطن سے دور جلا وطن لوگوں کے دکھ کو زبان دی ہے۔ اس دکھ کو وہی محسوس کر سکتے ہیں جو وطن سے دور ہیں۔ فراز ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی شاعری ہمیشہ زندہ رہے گی۔

وہ شہر جو ہم سے چھوٹا ہے وہ شہر ہمارا کیسا ہے
سب دوست ہمیں پیارے ہیں مگر وہ جان سے پیارا کیسا ہے

شب بزمِ حریفاں سجتی ہے یا شام ڈھلے سو جاتے ہیں
یاروں کی بسر اوقات ہے کیا ہر انجمن آرا کیسا ہے

وہ پاس نہیں احساس تو ہے اک یاد تو ہے اک آس تو ہے
دریائے جدائی میں دیکھو تنکے کا سہارا کیسا ہے

ملکوں ملکوں گھومے ہیں بہت جلگے ہیں بہت روئے ہیں بہت
اب تم کو بتائیں کیا یارو دنیا کا نظارا کیسا ہے

یہ شامِ ستم کٹتی ہی نہیں یہ ظلمتِ شب گھٹتی ہی نہیں
میرے بدقسمت لوگوں کی قسمت کا ستارہ کیسا ہے

کیا اب بھی ہمارے گاؤں میں گھنگھرو ہیں ہوا کے پاؤں میں
یا آگ لگی ہے چھاؤں میں اب وقت کا دھارا کیسا ہے

کہتے ہیں کہ گھر اب زنداں ہیں سنتے ہیں کہ زنداں مقتل ہیں
یہ جبر خدا کے نام پہ ہے یہ ظلم خدا را کیسا ہے

پندارِ سلامت ہے کہ نہیں بس یہ دیکھو یہ مت دیکھو
جاں کتنی ریزہ ریزہ ہے دل پارا پارا کیسا ہے

اے دیس سے آنے والے مگر تم نے تو نہ اتنا بھی پوچھا
وہ کوئی جسے بن باس ملا وہ درد کا مارا کیسا ہے

دردہ منیر بٹ کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی آزاد نظم جو ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔ اس درد کو محسوس کیجیے کہ آج ہمارا ملک کس راہ پر گامزن ہے۔ بلندی کی طرف یا پستی کی طرف، فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

کتنے سکھ ہیں اس دنیا میں اور دکھی کتنے
کتنے خالی ہاتھ ہیں دیکھو اور سخی کتنے
روزِ ازل سے اس لمحے تک
خالی ہاتھوں اور بھرے شکموں کے مالک
ایک ہی نیل گگن کے نیچے
ایک ایسے دریا کی صورت رواں دواں ہیں
جس کا کوئی انت نہیں
اور جس کا ایک کنارہ اپنے دوسرے ساتھی سے اوجھل ہے
ان دونوں کے ملن کی خاطر آئے بنی کتنے
اس چتا میں راکھ ہوئے ہیں لوگ گنی کتنے
لیکن پھر بھی دل کہتا ہے
آخری شعلہ بن جانے تک آگ سے لڑتے جائیں
جب تک رستہ رک نہیں جاتا آگے بڑھتے جائیں

نغمانہ بٹ کی ڈائری سے

"بہت نزدیک آتے جا رہے ہو" عدیم ہاشمی کی خوبصورت کتاب میرے ہاتھ میں ہے اور جو غزل میرا انتخاب ہے بہت سے لوگ اسے اپنے ہی دل کے جذبات، اپنے ہی دل کا بیان سمجھیں گے اور اچھی شاعری کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ شاعر کے دل سے نکلی ہوئی بات سب کو اپنے دل کی بات محسوس ہو۔

زندگی پاؤں نہ دھر جانبِ انجام ابھی
میرے ذمے ہیں ادھورے سے کئی کام ابھی

ابھی تازہ ہے بہت گھاؤ بچھڑ جانے کا
گھیر لیتی ہے تیری یاد سرِ شام ابھی

جاں دینے میں کروں دیر یہ ممکن ہے کہاں
مجھ تک آیا ہے میری جاں تیرا پیغام ابھی

توڑ سکتا ہے میرا دل یہ زمانہ کیسے
میرے سینے میں دھڑکتا ہے تیرا نام ابھی

میرے ہاتھوں میں ہے موجود تیرے ہاتھ کا لمس
دل میں برپا ہے اسی شام کا کہرام ابھی

میری نظریں کریں کیسے تیرے چہرے کا طواف
میری آنکھوں نے تو باندھے نہیں احرام ابھی

یاد کے ابر سے آنکھیں میری بھیگی ہیں عدیم
اک دھندلکا سا ہے بھیگی تو نہیں شام ابھی

ایس مامن کی ڈائری سے

ہم اپنی قیمتی متاع حاصل کر لینے کے بعد ایک طرف رکھ کر بھول کیوں جاتے ہیں۔ انوار مصطفےٰ کی اس غزل میں بھی ایسی ہی خوشبوؤں کا ماجرا رقم ہے جو اپنے شانوں پر مسافتوں کی تھکن اوڑھے ارمانوں کی بانجھ ہواؤں کے دوش پر سوار زندگی کے آب و گیاہ صحراؤں میں بھٹک رہی ہے۔ یہ اس نڈھال چمن کی داستان ہے جو حدتوں کے جھرمٹ اور آس کے بے ثمر موسموں میں بادِ نو کی دلنواز نمی کا راستہ تک رہا ہے۔

دن کو سورج تو دیے جلتے ہیں شب بھر کے لیے
پھر بھی اندھیارے ہیں انسان کے اندر کتنے

کتنا احساس ہے اس جسم کی آرائش کا
روح کے ساتھ مگر دل بھی ہیں بنجر کتنے

تشنگی میری زمیں کی نہیں بجھنے پائی
یوں تو بادل نے نچوڑے ہیں سمندر کتنے

منزلیں چیخ کر خود اپنا پتہ دیتی ہیں
اور محروم سماعت رہے رہبر کے لیے

یہ تو غیرت کا تقاضا ہے نہ اُمڈیں ورنہ
اپنی آنکھوں میں چھپے رہتے ہیں ساگر کتنے

ذہن جلتا ہے تو سوچیں بھی جل اُٹھتی ہیں
اور احساس میں گڑ جاتے ہیں خنجر کتنے

لوگ ہنس ہنس کر دلاتے ہیں وفاؤں کا یقین
اور ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں پتھر کتنے

جس سے انسان کی انوار ہوئی تھی تخلیق
روند ڈالے ہیں اسی خاک نے گوہر کتنے

www.pkdigest.com

روشن حرف وہ سارے

زینت چوہدری

چکوال سے انیقہ انا اس بار ہمارے بزم کی مہمان قرار پائی ہیں آیئے ان کے جوابات سے محظوظ ہوں۔

جانے کب سے ہماری خواہش تھی کہ "خواتین ڈائجسٹ" میں کوئی نیا سلسلہ شروع ہو اور ہمیں بھی اپنے شاعرانہ جوہر دکھلانے کا موقع مل جائے اور دلی مراد بر آ ہی گئی۔

1 ۔ ذرا سوچنے دیں کہ وہ کون سا شعر ہے جو نوک زبان پر مچلتا رہتا ہے۔ اور مگر بھلا ہو آپ کا' ہر بار ایک شعر کی پابندی عاید کر دی جاتی ہے..... پردہ کیا ہے نا کہ جس طرح ایک مصروف شاہراہ پر شاندار سی گاڑی میں بیٹھے کسی سر پھرے منچلے نوجوان کو ٹریفک سگنل توڑنے میں مزہ آتا ہے اسی طرح انیقہ کو یہ ایک شعر والی حد توڑنے میں لطف آتا ہے۔ تو اب میں اس روایت کو توڑتے ہوئے دو شعر سناؤں گی بس!

کبھی بیٹھے بٹھائے' چلتے پھرتے اکثر میرے پیارے پیارے لبوں پر انشاء جی کا یہ شعر مچل اٹھتا ہے۔

ع انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو' اس شہر میں جی کو لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب' جوگی کا نگر میں ٹھکانا کیا

اور دوسرا شعر جب کوئی مجھ سے کسی بات کی تفصیل مانگے تو میں بے ساختہ کہہ اٹھتی ہوں۔

ع بڑی مختصر سی داستاں ہے یہ
کہاں تک سنو گے' کہاں تک سناؤں

2 ۔ پسندیدہ شاعر۔ لیں کوئی ایک تھوڑی نا ہیں۔ ابن انشاء جن کی شاعری میں جوگ بجوگ کا قصہ اور ان کا تخلص مجھے بے حد اٹریکٹ کرتا ہے۔ احمد فراز جن کے کلام میں عجب درد و سوز مجھے متاثر کرتا ہے تو فرحت عباس شاہ اور امجد اسلام امجد کی نظمیں کس کس کا ذکر کروں؟ البتہ جب میٹرک میں آئی تو فرحت شاہ اور احمد فراز سے تعارف بڑی بہنوں (باجی شازیہ اور سعدیہ) کی بدولت ہوا کیونکہ انہیں ان دونوں کی شاعری بہت پسند تھی۔ پھر وہ تو پیا دیس سدھاریں اور اپنا شوق مجھ میں منتقل کر گئیں اور ان سے تعارف پسندیدگی میں بدلا۔ پر ابن انشاء وہ شاعر ہیں جن سے میں خود متعارف ہوئی۔

ان سے اصل تعارف کی بنیاد جو نظم بنی اس کے چند اشعار درج ہیں (چند اس لیے کہ نظم خاصی طویل ہے۔)

اس بستی کے اک کوچے میں' اک انشاء نام کا دیوانہ
اک نار پہ جان کو ہار گیا' مشہور ہے اس کا افسانہ
ہر بات کی کھوج تو ٹھیک نہیں' تم ہم کو کہانی کہنے دو
اس نار کا مقام ہے کیا' اس بات پہ پردہ رہنے دو
ہم سے بھی تو سودا ممکن ہے' تم سے بھی جفا ہو سکتی ہے
یہ اپنا بیاں ہو سکتا ہے' یہ اپنی کتھا ہو سکتی ہے
وہ نار بھی آخر پچھتائی' کس کام کا ایسا پچھتانا
اس بستی کے اک کوچے میں' اک انشاء نام کا دیوانہ

3 ۔ آہ.....!! آپ کے اس مختصر سے سوال سے میرے دل کے تار جھنجھنا اٹھے ہیں۔ ناتو میں کہیں کی حور شمائل' نہ میں کہیں کی پرنسس نہ تو میں..... بس رہنے دیں اب کسی نے مجھ پر کیا شعر کہنے ہیں یہ میں ہی تھی جو سعدیہ کو اس کی شادی سے پہلے کرن' شعاع یا خواتین میں سے چن چن کر شعر سناتی اور کہتی "سعدیہ! یہ تم پر فٹ بیٹھتا ہے" اور وہ چڑتی۔

"تم مجھ پر ہی کیوں شعر فٹ کرتی ہو۔" اور میں اکثر خود کو کہتی ہوں "انیقہ! یہ قطعہ تمہارے حسب حال ہے۔

کبھی لوگ تو کبھی بھی اچھے نہیں رہتے
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے
کیوں ایسا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیز پر
جو بہت ہوں اپنے' اپنے نہیں رہتے

لیکن پچھلے سے پچھلے برس نائلہ صدف نے مجھے ایک مجموعۂ کلام گفٹ کیا اس میں اس نے دو اشعار کو ہائی لائٹ کر کے بریکٹ میں لکھا Its for you وہ دو اشعار یہ تھے۔

ع گاؤں میں پہچان ہے اب تو گوری کی
کالا جوڑا بجتی پائل' سرخ گلاب

اور دوسرا۔

ع اے پریشان ننھی سی تتلی
گل کی چاہت کو پا لیا ہوتا

اب اس نے یہ دو اشعار مجھے کیوں dedicate کیے میں نہیں جانتی نہ میں نے پوچھا۔

4 ۔ میوزک میں مجھے ہمیشہ کچھ مدھم کچھ فاسٹ (ملا جلا) پسند ہے پر غزل..... نو وے۔

میری فرینڈ صدف جگجیت کو بہت پسند کرتی تھی۔ آئی مین اس کی گائی غزلیں اور میں اتنا ہی اس کا مذاق اڑاتی کہ "صدف! تم بوڑھی روح ہو جو جگجیت کو سنتی ہو۔" ایک دن ترنگ میں آ کر ایک سی ڈی سننے کے لیے لے تو آئی پر بنا سنے واپس کر دی۔ بور ہونے کا ٹائم نہیں تھا' لیکن ایک فلم "راز" میں ونی (میری اصطلاح ولن کی مونث) نے ہیرو کو قتل شفائی کی غزل سنائی۔ تو مجھے تو خوب صورت لب و لہجہ ہمیشہ اٹریکٹ کرتا ہے تو بس اس کے لب و لہجے کی بدولت غزل بھی یاد رہ گئی۔ آپ بھی پڑھ لیں!

کرتی حسرت ناکام سے جل جاتے ہیں
ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں

شمع جس آگ میں جلتی ہے نمائش کے لیے
ہم اسی آگ میں گمنام سے جل جاتے ہیں

بچ نکلتے ہیں اگر آتش سیال سے ہم
شعلۂ عارض گلفام سے جل جاتے ہیں

خود نمائی تو نہیں شیوۂ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں

ربط باہم پہ ہمیں کیا نہ کہیں گے دشمن
آشنا جب تیرے پیغام سے جل جاتے ہیں

جب بھی آتا ہے مرا نام تیرے نام کے ساتھ
جانے کیوں لوگ میرے نام سے جل جاتے ہیں

5 ۔ کلاسیکل شاعری کے حوالے سے ہم ذرا ہٹ کر کچھ خاص کیوں نہ لکھیں تو پڑھیے میری ڈائری میں تحریر۔

خمار بارہ بنکوی کی یہ خوب صورت سی غزل!

اک پل میں اک صدی کا مزہ ہم سے پوچھیے
دو دن کی زندگی کا مزہ ہم سے پوچھیے

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں ہم
قسطوں میں خود کشی کا مزہ ہم سے پوچھیے

آغاز عاشقی کا مزہ آپ جانیے
انجام عاشقی کا مزہ ہم سے پوچھیے

جلتے دیوں میں جلتے گھروں جیسی ضو کہاں
سرکار روشنی کا مزہ ہم سے پوچھیے

وہ جان ہی گئے کہ ہمیں ان سے پیار ہے
آنکھوں کی مخبری کا مزہ ہم سے پوچھیے

ہنسنے کا شوق ہم کو بھی تھا آپ کی طرح
ہنسیے مگر ہنسی کا مزہ ہم سے پوچھیے

ہم توبہ کر کے مر گئے قبل اجل خمار
توہین مے کشی کا مزہ ہم سے پوچھیے

☼ ☼

www.pkdigest.com

باتیں کتابوں کی

سائرہ غلام نبی

مون سونی ہواؤں میں بھیگتی رات کے اداس لمحوں میں مجھے کچھ سال پہلے کی ایک رات یاد آ رہی ہے۔ روشنیاں، رعنائیاں، رونقیں بے طرح بکھری ہوئی تھیں کہ چاند اوپر آسمان پر اداس اور تنہا لگ رہا تھا اور ستارے گھبرا کر کبھی بادلوں میں منہ چھپا رہے تھے تو کبھی اوٹ سے جھانک رہے تھے۔

جیسے جیسے رات کا فسوں بڑھتا جا رہا تھا۔ شبنمی فضا شعروں سے مہک رہی تھی۔ اچھے اشعار، اچھے شعرا، اچھے سامعین کے اجتماع نے ماحول کو بہت دلفریب بنا رکھا تھا کہ ایسے میں مجھے احمد فراز نظر آئے، لوگوں کے ہجوم میں ان کی خوش قامتی انہیں نمایاں کر رہی تھی۔ چہرے پر تازگی کی بہار لیے، دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں سجے سجائے، ہجوم نے مجھے جانے کیسے ان تک رستہ دے دیا اور میں ان کے روبرو کھڑی تھی۔ کچھ گفتگو، کچھ باتیں، کچھ فرمائشیں، کچھ گزارشات، وہ توجہ سے سنتے رہے۔ پھر ایک اور ہجوم تھا۔ جس نے اب کے مجھے دھکیل دیا اور میری جگہ دوسرے لوگ کھڑے تھے۔ وہی گفتگو وہی باتیں پھر شروع ہو چکی تھیں۔

اسی طرح ایک اور ملاقات مجھے اور یاد آ رہی ہے۔ کراچی کلب کے خوب صورت سبزہ زار پر ٹھنڈک بچھی ہوئی تھی۔ نم نم، سیلی ہوا مہکتی، اٹھلاتی پھر رہی تھی۔ اس وقت وہاں کیفی اعظمی بھی تھے۔ فراز بھی تھے، اور نجانے کون کون، ان دونوں کے ہوتے آنکھ کہیں ٹھہری نہیں رہی تھی۔ ان ہی میں ہماری ٹولی شوخی، شرارتوں سمیت موجود تھی۔ تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔ فوٹو گرافر صاحب ہمارے جان پہچان کے تھے۔ بطور فرمائش ہم تصویریں کھنچوانے کھڑے ہو گئے۔ آگے کی صف میں شعراء حضرات براجمان تھے۔ پیچھے ہم لڑکیاں..... اور لڑکیوں کی صف میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اور اس کونے سے آواز آئی کہ "بھائی اس تصویر کی کاپی ہمیں ضرور دیجیے گا دوسرے کونے سے کوئی چلاتی "پلیز اس کی کاپی ہمیں ضرور ملنی چاہیے۔"

فوٹو گرافر نے بمشکل سب کو تسلی دے کر خاموش کرایا اور ریڈی کہنے ہی والا تھا کہ میں نے فوٹو گرافر کو مخاطب کر کے کہا۔

"اس تصویر کی ایک کاپی کسی کو دیں یا نہ دیں، فراز صاحب کو ضرور دے دیجیے گا۔"

ایک دفعہ پھر کھل کھل شروع ہو گئی۔ فراز نے بے ساختہ مڑ کر اپنی خوب صورت مسکراہٹ سمیت شرارتاً مجھ سے کہا۔

"ضرور، ضرور۔"

وہ تصویر مجھے تو نہ ملی، ہو سکتا ہے فراز کو مل گئی ہو — فراز کسی کو یاد رکھیں یہ بالکل ضروری نہیں، لیکن فراز ایک مجھے ہی کیا میری نسل اور مجھ سے پہلے والی نسل کے بھی ایک ایک فرد کے ذہن میں اپنے اشعار کے حوالے سے موجود ہیں۔

ان کی شخصیت طلسماتی تھی، یا ان کے اشعار فسوں طرازی کی فضا تراشتے تھے؟ میرا خیال ہے کہ ان کے اشعار نے ان کی شخصیت کو طلسماتی کشش بخشی تھی اور ان کی وجاہت نے ایک نسل کو ان کی شاعری کا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

مجھے یاد ہے جب شعر و ادب کا شعور میرے اندر جاگا تو میرے ہاتھ میں "درد آشوب" تھی۔ شام کی چائے کے ساتھ "درد آشوب" میں نے سالوں پڑھی اور میں اس مجموعے کی حافظ بن گئی۔ آج بھی جبکہ اعلا ادب — مطالعہ میں رہتا ہے فرصتوں کی وہ شامیں یاد آتی ہیں تو فراز کے وہ سارے اشعار اپنی تمام تر کیفیتوں کے ساتھ یاد آنے لگتے ہیں اور سرشاری کی لہر دوبرھا جاتی ہے، غزل کا حزن تغزل کا حسن، رومان کی پراسراریت، دار کے قصے، روزن زندان میں سرکنانے کی باتیں، عدو کی عداوتیں، یاد

یار کا دامن اور ہلکی ہلکی کسک.....

رو پڑا ہوں تو کوئی بات ہی ایسی ہو گی
میں کہ واقف تھا ترے ہجر کے آداب سے بھی
کچھ تو اس آنکھ کا شیوہ تھا خفا ہو جانا
اور کچھ بھول ہوئی دل بے تاب سے بھی
اور پھر۔
فراز ظلم ہے اتنی خود اعتمادی بھی
کہ رات بھی تھی اندھیری، چراغ بھی نہ لیا

ایسے نجانے کتنے اشعار، وقت کی دھول میں گرد آلود نہیں ہوئے۔ وقت آگے گزرا، اس دوران سینکڑوں شعراء کو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ہزاروں اشعار جن میں معرفت کی بلندیاں تھیں تو زمین کی حدوں سے نکل کر آسمان کی بیکرانیوں میں گم ہوتے تھے۔ فراز کہیں گم ہوتے چلے گئے۔ شعور و ادراک کی، حیرتوں میں گم آفاقیت لیے غزل تو تھی، لیکن حسن تغزل سے محروم۔

آج فراز کو یاد کرنے بیٹھی ہوں تو وہ اشعار جنہیں "ٹین ایجر" کی شاعری کہہ کر خود کو انٹلکچوئل کہلوانے کے شوق میں، نظر انداز کر دینے کے باوجود، دل میں رہے تھے۔ بری طرح یاد آ رہے ہیں اور اس شاعر کی خوب صورت مسکراہٹ اور اس کی طمانیت بھی کہ — رومان فطری زندگی کا مکمل حصہ ہے اور اس کو نظر انداز کرنا فطرت کو مسترد کرنا ہے اور یہ عمر کے کسی بھی حصے میں آپ کو زندگی کے رنگوں میں لپیٹ کر رکھتا ہے۔ وگرنہ..... اس اداس، روکھی پھیکی زندگی میں دکھ ہی دکھ ہیں اور بہت ہیں۔

بدنام ہی ہوئے ہیں ورنہ
ہر کوئی اسے سراہتا ہے
اب یاد نہ آ کہ کچھ دنوں سے
دل اور کسی کو چاہتا ہے

یہ شعر دیکھیے۔

جانے ہجر کی رات کہ وصل کی رات گزار کے آئے ہو
آنکھیں نیندوں نیند بھری ہیں، جسم ہے خوابوں خواب بھرا

برسوں گزرے ہم نے فراز کو تنہا تنہا دیکھا تھا اب بھی وہی تنہائی ہے گو شہر تو ہے احباب بھرا

رومان کی انتہائی کیفیات، حساس دل شاعر کو بہت تنہا، بہت اداس اور بہت اکیلا کر دیتی ہیں۔ فراز نے اس اکیلے پن کی اداسی کو بارہا اپنے اشعار میں ڈھالا ہے۔

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بدحواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور بتاشے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

یوں بھی ہوا ہے دل کے مقابل دنیا تھی
پھر بھی نہ ہارا پھر بھی نہ ہارا ایک خیال
ایک مسافت ' ایک اداسی ایک فراز
ایک تمنا ' ایک شرارا ' ایک خیال

تھکا کیا ہے مسلسل سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پہ سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

فراز کی شاعری میں نازک خیالی 'کلاسیکی رچاؤ لیے ہو۔ ہوتی ہے۔ جب بھی یہ غزل مسلسل پڑھتی ہوں یا سنی ہوں تو 'باوجود اس کے قصیدہ گوئی کا انداز ملتا ہے۔ مگر دل کو ایک حسن آفرینی سے ہم کنار کرتی ہے۔ کچھ اشعار اس غزل کے۔

سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے آئنہ تمثال ہے جبیں اس کی
جو سادہ دل ہیں اسے بن سنور کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
کہانیاں ہی سہی ' سب مبالغے ہی سہی
اگر وہ خواب ہے ' تعبیر کر کے دیکھتے ہیں

فراز کی رومان پسندی کا جواز اس شعر میں دیکھیے۔

فراق و وصل کیا ہیں عاشقی کے تجربے ہیں
مگر اس سے زیادہ زندگی کے تجربے ہیں
وہی ہیں شعر جاناں جو تیری چاہت میں لکھے
کہ باقی جو بھی ہیں سب شاعری کے تجربے ہیں

اور فراز کے محبتوں کے تجربے 'کتنے سچے اور زمین ہیں کہ وہ محبتوں کے تسلسل کے قائل ہیں 'وہ کہتے ہیں۔

تجھ سے مل کر تو یہ لگتا ہے کہ اے اجنبی دوست
تو مری پہلی محبت تھی مری آخری دوست
اس سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
کیوں نہ اے دوست ! ہم جدا ہو جائیں
ہم بھی مجبوریوں کا عذر کریں !
پھر کہیں اور مبتلا ہو جائیں

فراز کی محبتوں کے بہت چرچے رہے۔ خوب صورت چہرے ان پر مرمٹتے رہے اور وہ ... ان کے اشعار میں ان چہروں کی تلاش میں نکلی تو مجھے احساس ہوا ہے کہ وہ جن جن چہروں پر از خود مٹے ہوں گے تو وہ بہت سادہ اور عام سا ہی کوئی چہرہ ہو گا 'یہ تو ان کی حسن بین آنکھ تھی جو 'عمومی سے چہرے میں حسن بھر دیتی تھی۔

کیسے نامانوس لفظوں کی کہانی تھا وہ شخص
اس کو کتنی مشکلوں سے ترجمہ میں نے کیا
فراز ترے جنوں کا خیال ہے ورنہ
یہ کیا ضرور وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

جتنی بے مہر ' مہرباں اتنی
جتنی دشوار ' اتنی سادہ تھی
اک زمانہ جسے کہے قاتل
میرے شانے پہ سر نہادہ تھی

فراز زندگی کے ہر ہر لمحے سے لطف کشید کرنے کا حوصلہ رکھتے نظر آتے ہیں۔ وہ ظلم و جور ہو کہ زندانی جبر 'قہر حالات ہو یا ناپسندیدہ فضا 'وہ اپنا احتجاج ہر صورت ریکارڈ کرواتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہونے والے ظلم پر ان کی آنکھ بھیگ بھیگ جاتی ہیں۔ مگر تلخ نوائی ان کا لہجہ کبھی نہیں بنتا۔ جھنجلاہٹ ان کی آواز کو کرخت نہیں کرتی۔ وہ اداس ہو کر ہمیں ملول نہیں کرتے۔ کچھ اس طور کے اشعار دیکھیے۔

اس قدر دنیا کے دکھ اے خوب صورت زندگی
جس طرح تتلی کوئی مکڑی کے جالوں میں رہے

یہ جو سرگشتہ سے پھرتے ہیں کتابوں والے
ان سے مت مل کہ 'انہیں روگ ہیں خوابوں والے

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

میں نے اس مختصر سے مضمون میں 'فراز کے رومانی پہلوؤں پہ زیادہ ارتکاز کیا ہے یہ مضبوط حوالہ تھا۔ گرچہ فراز کو رومان تک محدود کر دینا زیادتی ہے۔ مگر پھر بھی سہی

۔

میری طرز نغمہ سرائی سے کوئی باغباں بھی تو خوش نہ تھا
یہ مرا مزاج ہے کیا کروں کہ میں ہوں بہار کے شہر کا
کسی اور دیس کی اور کو سنا ہے فراز چلا گیا
سبھی دکھ سمیٹ کے شہر کے ' سبھی قرض اتار کے شہر کا

خبریں وبریں

غزل قمر

منت ہے۔ ورنہ پاکستان میں اسے پوچھتا کون تھا؟ (بھٹ صاحب بھول گئے نصرت فتح علی خان اور ابرار الحق کو کس نے شناخت دی ہے۔) ہم دیگر پاکستانی گلوکاروں کو بھی اپنی فلموں سے پروموٹ کر رہے ہیں کیونکہ ہم پاکستانی ٹیلنٹ کی قدر کرتے ہیں۔" (بھٹ صاحب! آپ ہمارے ٹیلنٹ کی قدر کرنے کے بجائے اپنے ٹیلنٹ پر توجہ دیں۔)

چھلانگ

مونالیزا کو پرستاروں کو ہی نہیں ہیروئنوں کو بھی حیرت زدہ کرنے کا ہنر آتا ہے۔ کبھی وہ اچانک ٹی وی سے بڑی اسکرین پر نمودار ہو جاتی ہیں تو کبھی ریمپ پر ماڈلنگ کرتی نظر آتی ہیں۔ اس مرتبہ ان کی چھلانگ کچھ لمبی ہے۔ جو وہ

کم ظرفی

بھارت سے جب بھی کوئی سی کلاس "شوخا" یہاں تشریف لاتا ہے۔ اپنی بڑائیاں از خود بیان کرنے سے ذرا نہیں شرماتا پر کیا کیا جائے کہ ہمارے اپنے فنکار بھی ان کے حوصلے بڑھانے میں کچھ کم نہیں۔ اب مشہور ہدایت کار مہیش بھٹ کو ہی لیں 'جو اپنے ملک میں تو کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکے لیکن یہاں کے فنکاروں کو بالی وڈ میں متعارف کروانے کا احسان کر چکے ہیں اور اسے جتانا وہ کبھی بھولتے بھی نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں وہ کہتے نظر آئے۔

"پاکستان فلم انڈسٹری بالکل تباہ ہو چکی ہے۔ اس لیے یہاں بھارتی فلمیں پسند کی جاتی ہیں اب یہی دیکھیں کہ بھارت میں ہم نے عاطف اسلم کو متعارف کروایا۔ آج اسے جو شناخت اور پذیرائی حاصل ہے 'وہ ہماری مرہون

www.pkdigest.com

پوجا بھٹ کی فلم "کجرارے" میں بطور ہیروئن کام کر رہی ہیں۔ اس حوالے سے وہ کہتی ہیں۔

"میرے انتخاب کا سارا کریڈٹ جاوید شیخ کو جاتا ہے۔ انہوں نے ہی میرا تعارف پوجا بھٹ سے کروایا۔ (اس معاملے میں وہ خاصے تیز ہیں) پوجا بھٹ کو اپنی فلم کے لیے پاکستانی چہرے کی تلاش تھی۔ اور چونکہ جاوید شیخ ان سے رابطے میں تھے۔ اس لیے ان کی مشکل جاوید صاحب نے حل کر دی۔ اس کے لیے میں جاوید شیخ کی شکر گزار ہوں (ظاہر ہے ان کی اگلی فلم میں ہیروئن بھی تو آنا ہے) فلم میں میرا کردار پاکستانی لڑکی نرگس کا ہے۔ فلم کا موضوع محبت کا لازوال جذبہ ہے۔ جس میں مذہب اور سرحدوں کی کوئی قید نہیں ہے (آپ تو کسی بھی حد کی قائل نہیں لگتیں) ویسے بھی بھارت کے معاشرے میں ہندو مسلم میرج عام ہے۔ میرا نہیں خیال کہ پاکستان میں بھی اسے متنازعہ قرار دیا جائے گا۔ آخر نورے نے بھی ایک ہندو لڑکے وکرم سے شادی کی ہے اور سونیا جہاں ایک ہندو بزنس مین سے شادی کر کے خوش ہیں۔ ویسے بھی فلم کا موضوع مذہب نہیں محبت ہے۔" (بی بی! یہ کیوں نہیں کہتیں کہ پیسہ بڑی چیز ہے محبت وحبت کا راگ تو بس آپ بلاوجہ ہی الاپ رہی ہیں۔)

باصلاحیت

ذہانت اور صلاحیتیں مشکل حالات میں بھی اپنا آپ

منوا لیتی ہیں۔ ایسے میں وسائل کی کمی بھی منزل کے درمیان رکاوٹ نہیں بنتی۔ ہدایت کار منظر معین میں اپنا آپ منوانے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ وہ زندگی کو اس رخ سے پیش کرتے ہیں جس میں زندگی کے تلخ و شیریں حقائق اپنی تمام تر سچائی سمیت ناظرین کے اندر اتر جاتے ہیں۔ "ایک اور سیتا" امتل کی گلی" کھر چن" برنس روڈ کی نیلو فر اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ اس بارے میں وہ کہتے ہیں کہ "ہر تخلیق کار کی طرح میں کام اپنی تسکین کے لیے کرتا ہوں۔ میرے خیال میں سوچ آپ کے کام کی شناخت کا ذریعہ بنتی ہے۔ میں اسکرپٹ کو اپنے اندر محسوس کرتا ہوں تب ہی کرداروں کو ڈرامے کے قالب میں ڈھالنے کے قابل بناتا ہوں۔ جب اسکرپٹ پوری طرح مجھ پر طاری ہو جائے تو میں پورے ماحول کو اس کے مطابق ترتیب دیتا ہوں۔ مجھے وہ کردار اور مناظر قابل توجہ لگتے ہیں جو دوسروں کو معمولی اور غیر ضروری لگیں اور چونکہ اس سلسلے میں میری اور فصیح باری خان کی کیمسٹری خاصی حد تک ملتی ہے۔ اس لیے میرا بیشتر کام انہی کے ساتھ ہے۔ میری ڈرامائی اور شعوری تربیت میں فصیح باری اور اقبال انصاری کا بنیادی کردار ہے۔ (بہترین صلاحیتوں کے ملاپ سے ہی شاہکار تخلیق پاتے ہیں)

سادگی

اردو ہماری مادری زبان ہے۔ لیکن بیشتر پاکستانی چینلز کے مارننگ شوز اور پروگرام دیکھ کر ایسا محسوس نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ تو انفرادیت کے چکر میں عجیب و غریب حرکات سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ اب معروف اداکارہ نادیہ خان کو ہی لیجیے جو مارننگ شو کی میزبان کیا بن گئیں اپنی زبان ہی بھول بیٹھیں۔ کبھی وہ انگریزی کا بے محابا استعمال کرتی ہیں تو کبھی مہمان کو برتھ ڈے وش کے نام پر نچوا دیتی ہیں (پرانی عادتیں گئی نہیں) یہ ان کا آئی کیو لیول ہے یا کیا کہ انہیں آسانی سے اردو کے جملے بھی سمجھ نہیں آتے۔ اسی لیے نندیتا داس کے اردو کے خوب صورت لب و لہجے نے ناظرین کو ہی نہیں خود نادیہ خان کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔ ظاہر ہے جب ساری توجہ اٹھلانے اور ادائیں دکھانے میں صرف ہوگی تو اخلاقیات و زبان پر خاک توجہ ہوگی۔ ممکن ہے کسی دن وہ اردو کو جاننے سے بھی انکار کر دیں۔ آخر غلطیاں "سادگی" میں تو ہوتی ہیں۔

تعلق

اداکار وشاہ کی منگنی کی خبر جس تیزی سے منظر عام پر آئی۔ اسی انداز میں قصہ پارینہ بن گئی۔ جس پر کوئی حیران ہے یا نہیں خود فخر امام خاصے پریشان ہیں اور سب کو صفائی دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

"میری تو اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ آخر شاہ کی ناراضی اور منگنی ختم ہونے کی کیا وجوہات ہیں۔ (ظاہر ہے سونے کی مرغی جو ہاتھ سے نکل گئی) منگنی سے قبل میرے تمام معاملات اور افیئرز کا شاہ کو علم تھا۔ میرا تعلق جس خاندان سے ہے اس میں تعلق توڑنے کا رواج نہیں۔ اس لیے میں اپنی منگ کو کسی صورت چھوڑ نہیں سکتا۔ اس نے ذرا سی بات پر روٹھ کر نا صرف منگنی توڑ دی بلکہ ہر قسم کا تعلق بھی توڑ ڈالا۔ میں اور میری فیملی اس صورت حال سے بہت پریشان ہے۔" (فخر امام صاحب! شوبز میں تعلق قائم ہوتے اور ٹوٹتے دیر کتنی لگتی ہے ممکن ہے آپ کی مسلسل ناکامیوں پر ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔)

تعلقات

گلوکارہ عینی کو کچھ آئے یا نہیں تعلقات استعمال کرنا خوب آتے ہیں۔ اسی لیے اب تک گلوکاری (کیا واقعی؟) کر رہی ہیں۔ حالانکہ موسیقی کی ابجد سے بھی وہ واقف نہیں۔ جس پر اکثر انہیں خفت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ بھارتی فلم "آوارہ پن" میں ان کا گانا "ماہیا" ان کی اپنی آواز کے بجائے سوزین کی آواز میں شامل کیا گیا تو وہ کتنی نظر آئیں کہ ان سے بغیر پوچھے بھارتی ڈائریکٹر نے یہ حرکت کی حالانکہ موسیقی سے لاعلمی اور انگریزی لب و لہجہ بنیادی وجہ تھی۔ حال ہی میں مشہور مشروب کے اشتہار میں وہ موسیقار کم گلوکار عدنان سمیع خان کے ساتھ گانا گانے میں ناکام رہیں۔ اس پر ان کا مؤقف ہے کہ "عدنان سمیع خان کی طرح میں بھی مذکورہ مشروب کمپنی کے ایک سال تک برانڈ ایمبیسڈر ہیں۔ اگلے اشتہار میں میں گاؤں گی اور عدنان ماڈلنگ کریں گے۔" (آخر کب تک صفائیاں دو گی) ممکن ہے عینی مستقبل میں بھی دعوے ہی کرتی نظر آئیں۔ جب کوئی صلاحیت نہ ہو تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوتا ہے۔

www.pkdigest.com

عدنان

نفسیاتی آپریشن

ایک بہن کا خط ملا ہے' وہ ایک لڑکے کو چاہتی ہیں۔ وہ انہیں اپنی محبت کا یقین تو دلاتا ہے لیکن اپنے گھر والوں کو رشتہ کے لیے نہیں بھیجتا۔ یہ وہی پرانا مرد کا قصہ ہے جو کسی لڑکی کو شادی کے سہانے سپنے دکھا کر جال میں پھنساتا ہے اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ لڑکی پھنس چکی ہے۔ تو پھر شادی سے بچنے کے لیے وہی تمام مجبوریاں

-

خاندان سے باہر شادی نہیں ہو سکتی۔
دراصل میرے والدین نہیں مانیں گے۔
ابھی تو چھوٹی بہنوں کی شادیاں کرنی ہیں۔
ابھی تو مجھے اور پڑھنا ہے۔
دراصل کچھ ایسی مجبوریاں ہیں۔۔۔
دراصل کچھ ویسی مجبوریاں ہیں۔۔۔

ہماری یہ بہن پھر ایک طرح مرد کے فریب میں آگئیں' لکھتی ہیں۔

سب بہنیں کہتی ہیں کہ میں اس سے بات صاف کرلوں مگر میں ڈرتی ہوں کہ پتا نہیں کیا جواب ہو گا۔ میں خود بھی اس کو بے حساب چاہنے لگی ہوں۔ ایک دن میں نے ہمت کر کے اسے فون کیا اور کہا کہ مجھے اپنا فیصلہ سنائے۔ پہلے تو وہ ٹال مٹول کرتا رہا پھر کہنے لگا کہ میں وہی کروں گا جو میرے والدین چاہیں گے۔ (پہلے وہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان کے لیے نفرت کا اظہار کرتا تھا۔)

لیجیے اب قصہ ہی ختم۔ لیکن اب ہماری یہ بہن کسی ایسے شخص سے شادی کا سوچ رہی ہیں' جو رتبے میں' دولت میں ایسا ہو کہ وہ صاحب انہیں دیکھ کر جلیں۔

میری تمام ہمدردیاں اس بہن کے ساتھ ہیں۔ لیکن میرے بار بار لکھنے کے باوجود اور میری تحریریں پڑھنے کے باوجود آپ نے ایسا کیا۔ وہ تو آپ خدا کا شکر ادا کریں کہ معاملہ صرف ٹیلی فون اور دوری کا تھا۔ ورنہ نتائج اور بھی خراب نکل سکتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے بچالیا۔ یہی بہت ہے' لیکن اب یہ سوچنا کہ شادی ہو تو بڑے رتبے اور دولت مند سے ہو تو میں یہ بتادوں کہ ان دونوں سے بڑی ایک چیز ہے۔ وہ ہے شرافت' نیکی اور نبھاؤ۔

یہ رتبے اور دولت آنی جانی چیزیں ہیں۔ بڑے بڑوں کا حشر ہمارے سامنے ہے اور دولت کی فراوانی بھی' بعض اوقات برائیوں اور خرابیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

آپ شادی کے لیے شریف' نیک اور نبھاؤ کرنے والے ساتھی کا انتخاب کریں اور یہ کام والدہ صاحبہ اور ہمشیرگان پر چھوڑ دیں۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ میں بھی دعا کروں گا۔ آپ بھی کریں۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

ش۔ش۔ ضلع میانوالی

اچھی بہن! آپ نے اس شخص کے کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود شادی کے بعد ہر طرح کمپرومائز کیا' اس کی خدمت' عزت میں کسی طرح کمی نہ آنے دی۔ اس کے تمام حقوق پورے کیے۔ وہ آپ کو جاب کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے باوجود آپ سے پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ خود کوئی کام نہیں کرتا پھر دوسری لڑکیوں سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ جس لڑکی کے گھر وہ آپ کو لے کر گیا۔ کیا وہ گھر میں تنہا رہتی ہے؟ اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اس لڑکی کے گھر والوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟

آپ سے بہت ساری باتیں چھپائی جارہی ہیں اور اس سلسلے میں اس کے گھر والے بھی شریک ہیں۔ دس ماہ آپ کو اپنے گھر آئے ہوئے ہو گئے ہیں لیکن اس نے یا اس کے گھر والوں نے آپ کو واپس بلانے کی کوشش نہیں کی۔ الٹا آپ فون کرتی ہیں تو وہ بند کر دیتا ہے یا کہتا ہے کہ بات نہیں کرنا چاہتا۔ ان ساری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اور اس کے گھر والوں کو اس رشتہ کو قائم رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے آپ اپنے والدین اور گھر والوں سے مشورہ کریں۔ چونکہ وہ آپ کا کزن ہے اس لیے خاندان کا کوئی بزرگ ہو تو اسے بھی بلائیں اور کوئی فیصلہ کرلیں۔ ابھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ کہیں اور بھی شادی ہو سکتی ہے اور آپ کہیں جاب بھی کر سکتی ہیں۔ وقت نکل گیا تو ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا۔

غ۔ز۔ جہلم

اچھی بہن! بچپن میں جو ایک واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ آپ کی پوری شخصیت پر اثر انداز ہوا ہے۔ اس واقعہ کی وجہ سے آپ ڈر اور خوف کا شکار ہو گئیں۔ آپ اپنے والد سے بہت زیادہ اٹیچ تھیں ان کی وفات نے بھی آپ کے ذہن پر اثر ڈالا اور آپ عدم تحفظ کا شکار ہو گئیں۔ آپ کو اپنی ماں کی محبت میں کمی محسوس ہونے لگی۔ آپ کی سوچ منفی ہو گئی صرف اس وجہ سے کہ آپ کی بہن کسی لڑکے سے متاثر ہے آپ نے بہن سے بھی نفرت کرنا شروع کر دی۔

یہ مشورہ تو نہیں دیا جاسکتا کہ آپ ذہنی تناؤ کا شکار رہیں یا ڈپریشن محسوس نہ کریں۔ کیونکہ کوئی بھی شخص ذہنی تناؤ یا دباؤ کے تحت زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتا تاہم آپ کو اس خوف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنا ہے۔ اگر ایک شخص خراب ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے مرد ہی خراب ہوتے ہیں۔ مشہور محاورہ ہے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ دنیا میں برے لوگوں کے ساتھ ساتھ اچھے لوگ بھی ہیں۔

اس خوف سے چھٹکارا حاصل کرنا آپ کی ذہنی صحت اور اس وقت جو آپ نفسیاتی کیفیت ہے اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ کچھ باتوں کو اپنا معمول بنالیں۔ یقیناً بہتری محسوس کریں گی۔

روزانہ باقاعدگی سے تیز چہل قدمی ضرور کریں۔ کسی مشغلہ کو ضرور اپنائیں' کوئی کھیل' یا کوئی کمپیوٹر کورسز وغیرہ۔ ہو سکے تو جسمانی ورزش ضرور کریں۔ یہ آپ کے ذہن' جسم اور روح کی صحت مندی کے لیے بہت مفید ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ آپ کو اپنی خامیوں کا احساس ہے آپ جانتی ہیں کہ آپ کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آتا ہے' آپ کو لگتا ہے کہ ساری دنیا آپ کی دشمن ہے۔ گھر میں بھائی آپ سے محبت نہیں کرتا۔ جب ان خامیوں کا احساس ہے تو پھر ان کو دور کرنے کی کوشش بھی کریں۔ آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مضبوط ذہن کی مالک ہیں۔ کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہوں گی (ان شاء اللہ)

بہنوں کی شادیوں کے لیے پریشان نہ ہوں' ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ وقت آنے پر ان کی شادیاں ہو جائیں گی۔

موت کی دعا مانگنا بہت سخت گناہ ہے۔ بدترین حالات میں بھی اس دعا سے منع کیا گیا ہے جبکہ آپ چوبیس گھنٹوں میں بائیس گھنٹے یہ دعا مانگتی ہیں۔ اس وقت میں اگر اللہ سے اس کی رحمت کی دعا مانگیں تو کتنی اچھی بات ہے۔

دنیا میں کوئی بھی چیز فضول نہیں پیدا کی گئی۔ جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی مصلحت خوب جانتا ہے۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ آپ کو فضول پیدا کیا گیا ہے۔

*

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

امت الصبور

بیوٹی بکس

نون..... کورنگی کراچی

س: میری عمر 21 سال ہے۔ پہلا مسئلہ بالوں کا ہے۔ میرے بال شروع ہی سے روکھے اور بے رونق ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بال خوب لمبے، گھنے سیاہ اور چمکدار ہوں کیونکہ میرے بال بلیک نہیں ہیں میں بایو آملہ شیمپو استعمال کرتی ہوں۔ پلیز بالوں کے لیے کوئی 2'3 ٹوٹکے بتا دیں جس سے میرے بالوں میں یہ چاروں خصوصیات پیدا ہو جائیں۔ 2'3 اس لیے کہا ہے کہ جو اجزاء ہمیں آسانی سے مل سکیں ہم وہ کریں۔ آملہ، ریٹھا، سکاکائی کا کہا جاتا ہے کہ یہ بیسٹ ہیں بالوں کے لیے چلیں ہم مارکیٹ سے لے بھی آئیں مگر ہمیں پتہ بھی تو ہو کہ یہ ہوتی کیسی ہیں ہم نے کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔

ہم نے کئی جگہ پڑھا ہے کہ شیل نہانے سے پندرہ منٹ پہلے لگائیں، کہیں بیس منٹ پہلے اور کہیں سونے سے پہلے لگانے کے متعلق پڑھا ہے تو پلیز یہ بتا دیں کہ صحیح وقت کیا ہے ویسے تو ہمارے ہاں سرسوں کا تیل استعمال کیا جاتا ہے لیکن میں زیتون کا تیل لائی ہوں تو پلیز یہ بتا دیں کہ کون سا تیل بہتر ہو گا؟

میں ویسے تو خاص موٹی نہیں ہوں مگر جلدی موٹی ہو جاتی ہوں اور مجھے مٹاپے سے چڑ ہے۔ خاص طور پر پچھلا حصہ اور پیٹ بھی بڑھا ہوا ہے۔ میں قہوہ پیتی ہوں لیکن اس سے چہرہ تو کمزور ہو جاتا ہے لیکن جو میں چاہتی ہوں وہ کم نہیں ہوتے۔ ہم کہیں پارک میں بھی نہیں جاتے گھر کا ماحول ایسا نہیں ہے کہ کھلی جگہ جا کر واک کریں اور گھر میں اتنی خاص جگہ نہیں ہے۔ اس لیے پلیز ان کے لیے کچھ خاص طریقہ بتائیے گا؟

چہرے کو کیلوں اور داغ سے صاف کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ میں لیموں کا چھلکا چہرے پر لگاتی ہوں کیا یہ ٹھیک ہے؟ کیا 21 سال کی عمر میں میرا قد بڑھ سکتا ہے کیونکہ میرا قد بہت چھوٹا ہے اور فلاں لین کس کپڑے کو کہتے ہیں؟

ج: آپ کے تمام سوالوں کے جوابات حاضر ہیں۔

بالوں میں تیل لگانے کا کوئی وقت معین نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ رات سونے سے پہلے لگایا جائے۔ رات بھر میں تیل اچھی طرح جڑوں تک پہنچ جائے گا۔ سرسوں، زیتون یا ناریل کوئی بھی تیل لگا سکتی ہیں۔

بال سیاہ کرنے کے لیے آملہ بہترین چیز ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں۔ کسی بھی بڑی پنساری کی دکان میں آپ کو آملہ مل سکتا ہے۔ مٹھی بھر آملہ پانی میں بھگو کر اسے ایک جوش دے لیں۔ گٹھلیاں نکال دیں اور چھلکے پیس کر اس پیسٹ کو بالوں میں لگائیں۔ آدھے گھنٹے بعد شیمپو کر لیں آہستہ آہستہ بال سیاہ ہو جائیں گے اور ان میں چمک بھی آجائے گی۔

igest.com

pKDigest
کو FREE رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں
اشتہارات پر زیادہ سے زیادہ کلک کریں
Thanks for your Support
Team pkDigest
Advertise Here
info@pkdigest.com

کو پورا کر رہے ہیں؟
60% پاکستانی ماؤں
کی غلط فہمی ہے کہ بچوں کی تربیت میں
کھیل کود کی کوئی اہمیت نہیں ہے
ہر بچے کو حق ہے

بالوں کی چمک کے لیے درج ذیل نسخہ استعمال کریں۔

چائے کی پتی	پانچ گرام
پانی	250 گرام
لیموں	ایک عدد

پہلے چائے کی پتی کو پانی میں ڈال کر اچھی طرح ابالیں اب اس کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ بالکل ٹھنڈا ہونے کے بعد اس میں لیموں کا رس نچوڑ دیں۔ اپنے بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد اچھی طرح دھوئیں۔ آخر میں ایک ڈونگے میں یہ محلول لے کر ایک بار دوبارہ دھولیں اس سے بالوں میں ایک خاص چمک پیدا ہوگی۔

بالوں میں باقاعدگی سے برش کریں۔ خصوصاً" رات سونے سے پہلے سو بار برش کریں مٹاپا روکنے کے لیے بہترین اصول یہ ہے کہ فاسٹ فوڈ برگر' سموسے' مٹھائیوں وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔ کبھی کبھار کھانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے معمول نہ بنائیں۔

کھانا کھاتے ہوئے ایک اصول مدنظر رکھیں کہ پیٹ کا ایک حصہ کھانے کے لیے ایک حصہ خالی اور ایک حصہ پانی کے لیے ہونا چاہیے۔

کھانے کے اوقات مقرر کریں۔ فاقہ کبھی نہ کریں اس لیے کہ اگر آپ ایک وقت فاقہ کریں گی تو دوسرے وقت شدید بھوک محسوس ہوگی اور آپ زیادہ کھالیں گی۔ اس لیے مقررہ اوقات میں تھوڑا سا سہی مگر ضرور کھائیں۔ سبزیاں' پھل زیادہ کھائیں۔

چہرے کو داغ' دھبے' کیلوں اور مہاسوں سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کا ہاضمے کا نظام درست ہو' بہت ساری خرابیاں قبض کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں جوہر ہاضم کا استعمال مفید ثابت ہوا ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ آپ اپنے چہرے کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ میڈیکیٹڈ صابن استعمال کریں۔

کیل کو کبھی خود انگلیوں سے دبا کر یا کھرونچ کر نہیں نکالنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے مستقل طور پر دھبے اور گڑھے پڑنے کا امکان رہتا ہے۔ کیل نکالنے کے لیے پہلے بھاپ لیں۔ کیل نرم پڑ جائیں گے۔ اب آہستہ سے دبا کر نکال دیں اور چہرے پر برف سے مکور کریں۔

ذہن کو پرسکون رکھیں کیونکہ جذباتی دباؤ کیل مہاسوں کو زیادہ ابھارتا ہے۔ صبح نہار منہ ایک گلاس پانی میں ایک لیموں کا رس اور ایک چمچہ شہد ملا کر پئیں۔

نازیہ اسلم ..... چکوال

س - میرا وزن 84 KG ہے اور قد 5 فٹ 6 انچ ہے اس حساب سے بتائیے میرا کتنا وزن ہو اور میں کس طرح اپنا وزن جلد از جلد کم کر سکتی ہوں؟ میری عمر 23 سال ہے - میرا دوسرا مسئلہ میرے بال بہت کمزور اور پتلے ہیں اور چھوٹے بھی ہیں اس کے بارے میں بھی کوئی آسان سا نسخہ بتائیے؟

ج - نازیہ! آپ کا وزن عمر اور قد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ آپ کا وزن 65 کلو سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے اس کے لیے آپ کو ڈائٹنگ اور ورزش دونوں ہی کرنا ہوں گی۔

ایک بہت آسان اور پُر اثر ڈائٹنگ لکھ رہی ہوں۔ پہلے ہفتہ میں صرف دال' موسمی پھل اور سبزیاں کھائیں۔ سبزیوں کو ہو سکے تو صرف ابال کر ہی کھائیں۔ سلاد کی صورت میں گاجر' مولی' پالک' ککڑی' بند گوبھی اور ٹماٹر وغیرہ کا دل بھر کر استعمال کریں۔ اس کے ساتھ صبح شام ایک گلاس چھاچھ کا لیں۔

دوسرے ہفتہ میں مندرجہ بالا چیزوں کے ساتھ چنے اور جو کے آٹے کی ایک روٹی صبح و شام کھائیں۔ یہ آٹا تیار کرنے کے لیے پانچ کلو گرام ثابت چنے اور ایک کلو گرام جو کو ملا کر پسوالیں۔ ایک ماہ بعد گیہوں کے آٹے کی روٹی شروع کریں - ہفتہ میں دو دن چنے اور جو کے آٹے کی روٹی کا استعمال باقاعدہ کرتے ہیں۔

روزانہ ایک گھنٹہ چلا ضرور کریں۔ یہ بہترین ورزش ہے۔ دودھ' بالائی اتار کر استعمال کریں۔ گھی' تیل سے بنی چیزیں۔ گڑ' شکر' مٹھائیاں' کیلا' انگور' آلو' اروی' چقندر وغیرہ نہ کھائیں۔

ٹماٹر' کھیرا' مولی' پالک' گھیا' بینگن' ٹنڈے' شملہ مرچ' گوبھی' بند گوبھی' گاجر' ککڑی' میتھی' کدو' سرسوں کا ساگ' شلجم وغیرہ کھائیں۔